روزانہ درس قرآن پاک

تفسیر

سورۃ آل عمران (مکمل)

جلد: ۴

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ

خطیب جامع مسجد نور، گوجرانوالہ

تیرھواں ایڈیشن

نام کتاب ...... معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ آل عمران مکمل) جلد۴

افادات ...... حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

مرتب ...... الحاج لعل دین۔ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور

تعداد طباعت ...... پانچ سو (۵۰۰)

سرورق ...... سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسینی مدظلہ

کتابت ...... محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ

ناشر ...... مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت ...... ۱۹۵/- ایک سو پچانوے روپے

تاریخ تیرھواں ایڈیشن ...... ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ بمطابق جنوری ۲۰۰۸ء

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ

(۲) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور

(۳) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور

(۴) مکتبہ سید احمد شہیدؒ، اردو بازار، لاہور

(۵) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

(۶) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

(۷) مکتبہ حنفیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی

(۸) اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ آباد

(۹) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ

(۱۰) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

معالم العرفان فی دروس القرآن، سورۃ آل عمران مکمل جلد ۴

پیش لفظ

انشاء: الحاج لعل دین — ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار، لاہور

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ہ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اما بعد

تاریخ عالم گواہ ہے۔ کہ دنیا میں آج اگر کوئی آسمانی کتاب اپنی اصلی حالت میں موجود ہے، تو وہ صرف اور صرف قرآن حکیم ہے۔ سابقہ کتب تورات، انجیل، زبور اور دیگر صحائف کے متعلق خود ان کے پیروکار بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ کتب بعینہ اسی حالت میں موجود ہیں جس حالت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں نازل فرمایا۔ سابقہ امم اپنی اپنی کتابوں سے روگردانی اور ان میں تحریف کرنے کی بنا پر ہی کلام الٰہی کے اعزاز سے محروم ہو گئیں، افسوس کا مقام ہے کہ قیامت تک کیلئے محفوظ خدا کی آخری کتاب قرآن پاک کی حامل امت محمدیہ اس اعتقاد کے باوجود کہ یہ کتاب واجب الاطاعت اور دنیوی فلاح و کامرانی کی ضامن ہے، اس کی تعلیم سے مسلسل اعراض برت رہی ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ پوری امت مسلمہ آج قعر مذلت کا شکار ہے۔

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی

قرآن کریم نے اپنے آپ کو ایک عالمگیر کتاب کی حیثیت سے پیش کیا ہے چنانچہ سورۂ یوسف اور سورۃ ص میں یہ دعویٰ موجود ہے اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ یعنی یہ دنیا بھر کے لیے نصیحت ہے۔ سورۃ فرقان میں ارشاد ہوتا ہے، پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر یہ مقدس کتاب نازل فرمائی لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا تاکہ یہ کتاب تمام جہان والوں کے لیے وہ راہنمائی مہیا کر دے جس سے وہ اپنے انجام سے خبردار ہو جائیں۔ سورۃ اعراف میں حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب ہے

قُلْ يَآيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا آپ فرما دیجئے اے لوگو میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری بعثت کا مقصد یہ ہے وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ کہ اس کے ذریعے میں تمہیں بھی خبردار کر دوں اور ہر اس شخص کو متنبہ کر دوں جس تک اس کلام الٰہی کا پیغام پہنچے غرضیکہ قرآن پاک نے اپنے عالمگیر ہونے کا بار بار دعویٰ کیا ہے۔ اور حضور نبی کریمؐ نے اس کی صداقت کی تشریح فرما دی۔

قرآن پاک کی عالمگیریت کا معنیٰ یہ ہے۔ کہ یہ پوری نوع انسانی کے لیے منبع رشد و ہدایت ہے۔ اس کا پیغام اس دنیا میں بسنے والے ہر انسان کے لیے ہے خواہ وہ دنیا کے کسی خطے میں رہتا ہو کسی رنگ اور نسل سے تعلق رکھتا ہو اور کسی زمانے میں پیدا ہوا ہو۔ ذرا غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام میں انسان کو کس طرح خطاب کیا ہے سورۃ الانفطار میں آتا ہے۔ يَآيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ اے انسان! رب کریم کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ سورۃ الدھر میں انسان کی توجہ اس کی اصلیت کی طرف دلاتے ہوئے فرمایا هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا کیا انسان پہ ایک ایسا وقت نہیں گزرا، جب کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ سورۃ العصر میں انسان ہی کو موضوع سخن بنایا گیا وَالْعَصْرِ ٥ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ٥ بیشک انسان خسارے میں ہے جب تک وہ مطلوبہ معیار پہ پورا نہ اترے۔

مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک کی تمام تعلیمات انسان ہی کی ہدایت اور فلاح کے لیے ہیں۔ اسی کے فرمودات پہ عمل کر کے انسان دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ اللہ تعالیٰ اس کتاب (پر عمل) کے ذریعہ ہی سے لوگوں کو بام عروج تک پہنچاتا ہے اور اسی کتاب کی خلاف ورزی کے مرتکبین کو ذلیل و رسوا کرتا ہے امام مالکؒ کا قول ہے لا يصلح اٰخر هذه الامة الّا ما صلح به الاول اس امت

کے آخری لوگوں کی اصلاح بھی اسی چیز سے ممکن ہے جس چیز سے امت کے طبقۂ اول کی اصلاح ہوئی۔ مطلب یہ کہ جس طرح قرآن حکیم اپنے اولین مخاطبین کے لیے فلاحِ دارین کا سبب بنا، اسی طرح وہ آج بھی اپنے ماننے والوں کے لیے مژدہ جانفزا بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اسے مضبوطی سے تھام لیں۔

قرآن پاک کی تعلیمات کو عام کرنے اور اس کا پیغام گھر گھر پہنچانے کا کام اہل حق ہر زمان اور ہر مقام پہ انجام دیتے آئے ہیں اور ان شاء اللہ تا قیامِ قیامت دین کی یہ خدمت جاری رہے گی۔ سلسلہ دروس القرآن بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور حتی المقدور یہ کام انجام دیا جا رہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ادارہ کو توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے اور ایک ایک جلد کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قارئین کو اس سلسلہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے اور کارکنان کے لیے اسے ذخیرہ آخرت بنائے۔

یہ جلد اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں پوری سورۃ آل عمران آ گئی ہے۔ پروگرام کے مطابق ان شاء اللہ آئندہ ہر جلد ایک یا ایک سے زیادہ مکمل سورتوں پر مشتمل ہوگی۔ اگلی سورۃ نساء کے لیے ایک مکمل جلد ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ کام کی رفتار اب بہت تیز ہو جائے گی اور قارئین کو اگلی جلد کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ

احقر العباد

لعل دین شالامار ٹاؤن لاہور

۱؎ یہ تفسیر مکمل بیس ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے (فیاض)

باسمہ سبحانہٗ وتعالیٰ

سنہری گفتگو

از : محمد اشرف ، فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ و وفاق المدارس العربیہ پاکستان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ خَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

نماز فجر کے فوراً بعد اگر آپ ، جامع مسجد نور ، مدرسہ نصرۃ العلوم میں داخل ہوں تو مسجد میں ایک روشن چہرہ ، اور اس پر گذرے ہوئے ماہ و سال کے نقوش ، سر پر سادہ کپڑے کی سفید ٹوپی ، آنکھوں میں تدبر کی گہرائیاں ، سفید قدرے گھنی سنّت کے مطابق ڈاڑھی آواز میں سنجیدگی اور متانت ، صحیح اور مستحکم نظریات و افکار لئے ہوئے ، حاضرین کے مجمع میں قرآن حکیم کھولے ، سادہ اور عام فہم زبان میں قرآنی اسرار و رموز ، تفسیری نکات ، فقہی مسائل اسلامی عقائد اور نظامہائے اسلام کی توضیح ، غیر اسلامی نظاموں ، غلط افکار ، مسلمانوں کی موجودہ پستی ، زبوں حالی اور تنزل کے اصل اسباب و محرکات کی واضح نشاندھی اور باطل نظامہائے حکومت کی تہدید ، معاشی ، اقتصادی ، تعلیمی اور اخلاقی خامیوں پر بے لاگ تبصرہ کرتے ہوئے ، باوقار شخصیت نظر آئیگی ، جو کہ حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ کے نام سے موصوف ہے جنہوں نے تصوف ، علم و حکمت اور سیاست کے اکابر و اساطین سے تلمذ کیا ، اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے تلمذ کے علاوہ بیعت و نسبت حاصل کر کے باطنی علوم میں بھی خاصی مناسبت حاصل کی ۔

عرصہ دراز سے جامع مسجد نور میں قرآن پاک اور حدیث خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دے رہے ہیں اور متعدد بار اوّل سے آخر تک قرآن حکیم کا درس دے چکے ہیں ، قرآن پاک کا

یہی درس حضرت کی زبان سے کیسٹ اور کیسٹ سے صفحہ قرطاس پر منتقل ہو کر معالم العرفان فی دروس القرآن کے نام سے معروف ہے۔

زیر نظر کتاب انہی دروس کا حصہ اور مکمل سورۃ آل عمران پر مشتمل ہے، اس جلد میں توحید و رسالت، ایمانیات، حقانیت اسلام، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی اصول حرمت سود یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی، غیر اسلامی ممالک سے تعلقات کے اصول اور ان سے مسلمانوں کی خارجہ پالیسی کا اچھے انداز میں ذکر موجود ہے، مسیح علیہ السلام، اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے اہم واقعات، یہودیوں اور عیسائیوں کے باطل عقائد مشرکی اور رد اور شرک و بدعت کا رد اچھے طریقہ سے کر دیا گیا ہے، ملت ابراہیمی کے اصول، مدارج ایمان کے ذکر کے علاوہ بعض معروف اسلامی شخصیات کی مختصر سوانح کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ واقعات و قصص کا سلسلہ انتہائی مربوط ہے، علاوہ ازیں چھوٹے چھوٹے سینکڑوں مفید مسائل کا بھی ضمنی طور پر بیان موجود ہے۔

اس جلد میں بعض دروس انتہائی اہم ہیں، جو مسلمانوں کے لیے بہت مفید ہیں، جو انہیں ضلالت و گمراہی سے نکال کر عزت کے اعلیٰ مقام پر پہنچانے کا کام دیں گے انشاء اللہ العزیز۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود ہوتی ہے بندۂ مؤمن کی اذاں سے پیدا

آخر میں دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دروس کو صاحب درس حضرت صوفی صاحب مدظلہ، انجمن محبان اشاعت قرآن کے جملہ اراکین، فاضل مرتب اور اشاعت میں حصہ لینے والے سرگرم ارکان نوجوان بلال احمد تانگی، الحاج بابو غلام حیدر، مستری منیر احمد، الشیخ محمد یعقوب، منشی مشتاق احمد، الحاج منیر احمد نارو اور اسکی اشاعت میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی فوز و فلاح اور بخشش کا ذریعہ بنائے اور انکی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور قیامت تک زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

فقط محمد اشرف (فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم و وفاق المدارس العربیہ)

سورۂ آلِ عمران

(مکمل)

درس اوّل — آیت ۱ تا ۶

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَّفِيْهَا عِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ آلِ عمران مدنی ہے اور یہ دو سو ۲۰۰ آیات اور اسمیں بیس ۲۰ رکوع ہیں،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

الٓمّٓ ۝۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۵ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶

ترجمہ: الٓمّٓ ۝۱ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں (کوئی عبادت کے لائق نہیں) وہی ہے زندہ تھامنے والا ۝۲ اُس نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری ہے، تصدیق کرنیوالی ہے اُنکی جو اس سے پہلے ہیں۔ اور اُس نے اتاری ہے تورات اور انجیل ۝۳ اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے، اور نازل کیا اُس نے فرقان (فیصلہ کرنے والی بات) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اللہ کی آیتوں کے ساتھ، اُن کے لیے سخت عذاب ہے

اور اللہ تعالیٰ غلبے والا — انتقام لینے والا ہے (۴) بیشک اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں، زمین میں اور نہ آسمان میں (۵) وہ وہی ہے جو تمہاری تصویر بناتا ہے (نقشہ بناتا ہے) رحموں کے اندر جس طرح چاہے۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کے سوا۔ وہی ہے کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا (۶)

نام اور کوائف

سورۃ کا نام آلِ عمران ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں عمران کی اولاد کا ذکر ہے اس لیے اس کا نام آلِ عمران ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پہلی سورۃ میں بقرہ یعنی گائے کا ذکر ہے، تو اس کا نام سورۃ بقرہ ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ عمران دو ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد اور دوسرے حضرت مریم رض کے والد۔ چونکہ اس سورۃ میں زیادہ تر حضرت مریم رض اور اُن کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس لیے یہاں پہ عمران سے مراد حضرت مریم رض کے والد ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد بھی پیغمبر نہیں تھے۔ اور حضرت مریم رض کے والد بھی پیغمبر نہیں، البتہ یہ دونوں حضرات نیک، صالح اور ایماندار تھے تاہم حضرت مریم کے والد عمران بیت المقدس کے امام تھے۔ ہاں! حضرت مریم کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام اللہ کے نبی تھے۔

سورۃ بقرہ کی طرح سورۃ آلِ عمران بھی لمبی سورتوں میں شامل ہے۔ اس کی دو سو آیات اور بیس رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۳۵۴۲ کلمات اور ۱۵۲۳۶ حروف پر مشتمل ہے۔

زمانہ نزول

یہ سورۃ مدنی ہے کیونکہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی سورتیں مکی کہلاتی ہیں۔ اس سورۃ میں نجران کے اُس عیسائی وفد کا ذکر ہے۔ جو حضور علیہ السلام سے بحث مباحثہ کے لیے فتح مکہ سے اگلے سال یعنی ۹ھ میں مدینے آیا تھا۔ لہٰذا اس کا زمانہ نزول ۹ھ ہے۔ البتہ اس سورۃ میں جنگ بدر اور جنگ احد کا ذکر بھی ہے۔ اس لیے بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس کا زمانہ نزول ۴ھ تا ۹ھ ہے۔ بعض آیات ۹ھ

سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور بعض اس سال میں تاہم اس سورۃ کا زیادہ تر حصہ ۹ھ میں نازل ہوا۔ تفسیر تنویر جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب ہے اور جسے امام فیروز آبادی نے مرتب کیا ہے۔ اس کے مطابق سورۃ آل عمران کا نزول سورۃ انفال کے بعد ہوا ہے۔

مرکزی مضمون

سورۃ انفال میں بدر وغیرہ کے واقعات مذکور ہیں اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا کہ سورۃ بقرہ کا خاص مضمون یہود کی اصلاح اور اس کے ساتھ اہل ایمان کے لیے ضروری احکام ہیں جن کے ذریعہ حصول تقویٰ کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ نظام خلافت کبریٰ کا مفصل بیان ہے۔ اس سورۃ میں روئے سخن زیادہ تر نصاریٰ کی طرف ہے اور اہل ایمان کے لیے ضروری احکام بھی ہیں۔ چنانچہ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اس سورۃ کی ابتدائی ۸۲ آیتوں میں عیسائیوں کے باطل عقیدہ کا ردّ ہے۔ اور ضمناً بہت سی دوسری باتیں بھی بیان ہوئی ہیں۔ توحید کا مسئلہ اور اس کے عقلی و نقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں اس کے علاوہ قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا تذکرہ ہے۔ پہلی سورۃ میں جو بعض باتیں اجمالاً ذکر کی گئی تھیں۔ اُن کا تفصیلی ذکر ہے۔ جیسے وہاں پر شہدار کا ذکر اجمالی تھا، یہاں تفصیل کے ساتھ ہوگا۔ وہاں پر رسولوں کا ذکر اجمالی تھا، اب تفصیل کے ساتھ آئیگا حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کے تذکرے سورہ بقرہ میں اجمالی تھے، اب ان کا مفصل تذکرہ آئے گا۔ سورہ بقرہ کے آخر میں ایمانیات کا تذکرہ تھا۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف " اس سورۃ مبارکہ میں ابتدا ہی سے توحید کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔

نجران کا وفد

یمن[1] کے نجران کا عیسائی وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ جن میں چودہ سرکردہ آدمی اور تین سردار تھے۔ ان میں عبدالمسیح عاقب امارت اور سیادت کے لحاظ سے اعلیٰ حیثیت کا مالک تھا۔ ایہم السید عقلمندی اور تدبیر میں کامل تصور کیا جاتا تھا

[1] حاشیہ شیخ الہند صـ ۶۳ و قرطبی صـ ۴ ج ۴ (فیاض)

اور تیسر اشخص ابوحارثہ ابن علقمہ مذہبی اعتبار سے ایک جید عالم، پادری، رفیع اور معزز شخص تھا۔ یہ آدمی دراصل عربوں کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا۔ اس قبیلہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ روم کے عیسائی بادشاہ نے انہیں جاگیر بخش رکھی تھی۔ اُن کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ انہیں ایک بہت بڑا گرجا بنا کر دیا تھا۔

مؤرخین کے اقوال، سیرت کی کتابوں اور ذخیرہ احادیث سے وفدِ نجران کی آمد کے دو مقاصد سمجھ میں آتے ہیں۔ پہلا مقصد تو سیاسی تھا یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ فتح ہو کر عرب کی پوری سرزمین اور یمن کے کچھ علاقے بھی مسلمانوں کے تسلط میں آچکے تھے۔ اور نجران کے یہ عیسائی بھی مسلمانوں سے خائف تھے۔ اُدھر مدینہ طیبہ کے گرد یہودیوں کی اکثریت تھی۔ جن میں تین خاندان بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔ یہ بڑے متعصب یہودی تھے۔ سود خور اور سازشی ذہن کے حامل تھے۔ اِن کی اسی خباثت کی وجہ سے ان میں سے دو قبیلوں یعنی بنو نضیر اور بنو قینقاع کو جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ تیسرے قبیلہ بنو قریظہ کا فیصلہ جنگ خندق کے بعد کیا گیا تھا۔ اِن لوگوں نے اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ غداری کی تھی۔ چنانچہ جنگ کے بعد ان کا مسئلہ پیش ہوا کہ وہ اپنی سزا خود ہی تجویز کریں۔ انہوں نے حضرت سعد بن معاذؓ کو اس سلسلے میں حکم تسلیم کیا۔ جنہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ اِن کے تمام مردوں کو جن کی تعداد چار سو یا چھ سو تھی قتل کر دیا جائے، اِن کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔ اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔ چنانچہ اس فیصلے پہ عمل کر کے ان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ سعدؓ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہے۔

اِن تاریخی واقعات سے نجران کے عیسائی سخت خائف تھے۔ کہ کہیں مسلمان ان کے ساتھ بھی یہودیوں جیسا سلوک نہ کریں۔ لہٰذا انہوں نے اس وفد کے ذریعے مسلمانوں سے صلح کرنے اور ان سے امان حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور

جزیہ ادا کر کے مسلمانوں کے زیر تسلط اپنے ہی علاقے میں آباد رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

وفد نجران کی آمد کا دوسرا مقصد عیسائیت کی تبلیغ تھا۔ مسیح علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں یا تین خداؤں میں سے تیسرے ہیں یا وہ خود خدا ہیں۔ اس عقیدے پر وہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث مباحثہ کرنا چاہتے تھے۔ اس کا ذکر آگے سورۃ میں صریح الفاظ میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ فَاِنْ حَآجُّوْكَ اگر یہ آپ سے جھگڑا کریں۔ تو پہلے نرم طریقے سے ان کو سمجھانے کی کوشش کریں۔ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ یعنی میں اور میرے پیروکاروں نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے سونپ دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں۔ اور آپ سے مسلسل جھگڑا کریں۔ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِیْنَ تو پھر ان کو دعوت مباہلہ دے دیں۔ اور اعلان کر دیں کہ آؤ تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں کے ساتھ میدان میں نکل آؤ اور اگر پھر بھی اسی طریقے سے آتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ دعا کریں۔ اور جھوٹے پر خدا کی لعنت کریں۔ مگر آپ کے اس چیلنج کو عیسائیوں نے قبول نہ کیا۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ بہر حال عیسائیوں کا دوسرا مقصد حضور علیہ السلام سے بحث و مباحثہ کرنا تھا۔

موضوع بحث

چونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مانتے تھے۔ لہذا اس بحث مباحثے کا موضوع بھی مسئلہ الوہیت قرار پایا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے ان کے سامنے الوہیت کی چار صفات بیان کر کے دریافت کیا کہ کیا یہ صفات عیسیٰ علیہ السلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ فرمایا کیا عیسیٰ علیہ السلام ازلی اور ابدی ہیں جن کو کبھی فنا نہیں۔ تو عیسائیوں نے اقرار کیا۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو حیات سرمدی حاصل

نہیں۔ حضور علیہ السلام نے دریافت کیا۔ کیا عیسیٰ علیہ السلام کا علم ہر چیز پر محیط ہے اور کیا ان سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ عیسائیوں نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔ آپ نے تیسرا سوال کیا۔ کہ کیا عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوئے انہوں نے کہا کہ بیشک آپ حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے، پھر آپ نے سوال کیا۔ کیا عیسیٰ علیہ السلام قادر مطلق ہیں۔ انہیں ہر چیز پر تصرف حاصل ہے عیسائی ذرا یہ بھی ثابت نہ کر سکا بلکہ اس کا انکار کیا۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ یہ چاروں صفات الوہیت کی صفات ہیں۔ اگر بقول تمہارے ان میں سے ایک بھی حضرت مسیح علیہ السلام میں نہیں پائی جاتی تو پھر تم انہیں الٰہ کیسے تسلیم کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا، تمہیں شرم آنی چاہیئے اور اس باطل عقیدہ سے توبہ کرنی چاہیئے۔ عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ کھانا کھاتے رہے، پانی پیتے رہے، بول وبراز کی ضرورت رہی۔ تو ایسی شخصیت الٰہ کیونکر ہو سکتی ہے۔ الٰہ تو وہ ذات پاک ہے۔ جو ازلی اور ابدی ہے جس کو فنا نہیں جس کا علم ہر چیز پر محیط ہے اور کوئی چیز مخفی نہیں۔ جو قادر مطلق ہے۔ اور نہ کسی کا بیٹا ہے نہ کسی کا باپ ہے مسیح علیہ السلام ان میں سے کسی بھی صفت سے متصف نہیں لہٰذا ان کو الٰہ تسلیم کرنا کس قدر جہالت کی بات ہے۔ بہر حال عیسائی بحث مباحثہ کرتے رہے اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت مباہلہ دی مگر عیسائی اس سے بھی بھاگ گئے۔

ایمانیات کا بیان

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ سورۃ بقرہ کے آخر میں ایمانیات کا ذکر تھا اور اس سورۃ کی ابتدا اسی مضمون سے ہو رہی ہے۔ الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ الٓمّٓ حروف مقطعات میں سے ہے۔ اور اس کا ذکر سورۃ بقرہ کی ابتدا میں ہو گیا تھا۔ اب ارشاد ہوتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یعنی وہی الٰہ ہے کیونکہ وہ حی اور قیوم ہے۔ اسکی حیات ازلی اور ابدی ہے وہ حی ہے۔

حیات دینے والا ہے۔ وہ قیوم ہے۔ یعنی خود قائم ہے، ہمیشہ قائم رہیگا۔ اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ وہی سب کو تھامنے والا ہے۔ خدا کے سوا نہ کوئی حی ہے اور نہ قیوم ہے۔ لہذا معبود برحق وہی ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ عبادت کے لائق کوئی نہیں ہوسکتا۔

یہ تو عقلی دلیل ہے۔ کہ معبود خلائق صرف وہی ذات ہے۔ اب نقلی دلیل ہے۔ کہ مسئلہ توحید سمجھانے کے لیے، لوگوں کو ایمان کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے اور شرک وکفر کی بیخ کنی کے لیے اُس مالک الملک نے کتابیں نازل فرمائیں۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ اُس اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب یعنی قرآن پاک حق کے ساتھ نازل فرمایا۔ اور اس کی خوبی یہ ہے کہ یہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ جس طرح ہر آنیوالا نبی پچھلے نبی کی تصدیق کرتا ہے۔ اسی طرح ہر آسمانی کتاب سابقہ کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اس میں شامل شدہ خرابیوں کی نشاندہی کرتی ہے یہ چیز قرآن پاک نے بتائی کہ تورات سچی کتاب ہے۔ جو اللہ نے نازل فرمائی۔ مگر یہودیوں نے اس میں خرابیاں پیدا کیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر فرمایا وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کو نازل فرمایا۔ تورات کا معنیٰ ہی قانون (LAW) ہے۔ جب فرعون غرق ہوگیا اور بنی اسرائیل اس کے عذاب سے بچ گئے۔ تو انہوں نے خود موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا۔ کہ مصر میں قیام کے دوران میں تو ہم مجبوراً فرعون کے قانون کے تحت زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ اب ہم آزاد ہیں اس لیے ہمارے لیے کوئی اپنی شریعت یعنی قانون ہونا چاہیئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس قانون کے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی۔ تو اللہ رب العزت نے فرمایا۔ کوہ طور پر آکر اعتکاف کرو، چالیس روزے رکھو تو آپ کو کتاب دی جائے گی۔ یہ سارا واقعہ سورۃ اعراف میں موجود ہے۔ چنانچہ یہودیوں کی اپنی خواہش کے جواب میں ان کو تورات عطا کی گئی۔ یہ

ایک عظیم کتاب تھی مگر یہودیوں، اور عیسائیوں اور ان کے پیروکاروں نے اس میں تحریف کر کے اس کو بگاڑ دیا۔ تاہم اس کا کافی حصہ اب بھی اپنی اصل صورت میں موجود ہے۔

فرمایا وَالْاِنْجِیْلَ یعنی تورات کے بعد ہم نے انجیل بھی اتاری۔ یہ کتاب بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی مگر افسوس کہ اس کا مصدقہ نسخہ آج دنیا سے مفقود ہے۔ اصل انجیل وہ فرامین اور خطبات ہیں۔ جو مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری تین برسوں میں ارشاد فرمائے۔ آپ کی زندگی میں یہ فرامین تحریری صورت میں موجود نہ تھے۔ بلکہ آپ کے شاگرد ان کی زبانی تبلیغ کرتے تھے۔ ایک مدت کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معتقدین کو یہودیوں سے الگ امت قرار دیا گیا۔ اور انہیں عیسائی کہا جانے لگا۔ تو انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی اور ان کے فرمودات پر کتابیں تصنیف کیں۔ ہر فرقہ نے اپنی اپنی علیحدہ کتاب تصنیف کی جن کی تعداد ۳۴ تک پہنچتی ہے۔ موجودہ اناجیل اربعہ کی بنیاد یہی کتابیں ہیں۔ یہ چاروں انجیلیں یونانی زبان بولنے والے عیسائیوں کی ترتیب دی ہوئی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اس مذہب میں داخل ہوئے۔ ان اناجیل کا ایک بھی نسخہ اصل یونانی زبان میں موجود نہیں۔ عیسائی ان میں تغیر و تبدل کرتے رہے۔ لہٰذا آج انجیل کے وہی احکامات قابل اعتماد سمجھے جاسکتے ہیں جن کی تصدیق قرآن پاک نے کی ہے باقی سب غیر معتبر اقوال ہیں۔

فرمایا مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ یہ تورات و انجیل پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں۔ انبیائے بنی اسرائیل انہیں کتابوں کے احکامات کی تجدید کے لیے آتے رہے۔ تا آنکہ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا۔ اس مقدس اور آخری کتاب کے ذریعے سابقہ تمام احکام منسوخ ہو گئے۔ اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے بھی

احکام قرآن منبع رشد وہدایت ٹھہرے۔ اس کے ساتھ ہی نبوت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا گیا۔ اور تبلیغ دین کا کام علمائے امت کے سپرد ہوا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْل (اور العلماء ورثة الانبیاء) یعنی میری امت کے علمائے حق بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں۔ جو کام بنی اسرائیل کے نبی انجام دیتے تھے، وہی کام میری امت کے علماء انجام دیتے رہیں گے۔

فرقان کا معنی حق و باطل میں فرق کرنے والا یا متنازعہ امور میں آخری فیصلہ کرنے والا ہے۔ قرآن پاک کو فرقان اس لیے کہا گیا ہے۔ کہ جب بھی اللہ کے دین کو کسی نے بگاڑنے کی کوشش کی، قرآن پاک نے حق کی نشاندہی کر دی۔ تورات و انجیل کے تحریف شدہ نسخوں میں آج بھی قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے اصل احکام کو واضح کرکے اپنے فرقان ہونے کا ثبوت مہیا کر رہا ہے۔

منکرین کا انجام

فرمایا ان واضح احکامات آجانے کے بعد اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا۔ انکار لفظی بھی ہو سکتا ہے اور معنوی بھی لفظی انکار تو یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کے الفاظ کو ہی بدل دیا جائے جیسا کہ یہودیوں نے تورات کے ساتھ کیا۔ اور معنوی انکار یہ ہے۔ کہ واضح حکم کی غلط تاویل کر کے اسے اپنی مرضی کے مطابق غلط معنی پہنا دیے جائیں۔ اس کی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ کس طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے اللہ کے احکام کو اپنی من مرضی کے معنی پہنائے اپنے گردوپیش میں نظر دوڑائیں ایسے منکرین آیات کی آج بھی کمی نہیں، جو اللہ کی آیتوں کے معنی اپنی خواہش کے مطابق کر کے مخلوقِ خدا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اگرچہ آج اللہ کے اس آخری کلام کی تحریف لفظی تو ممکن نہیں مگر کتنے ہی پیٹ کے بچاری معنوی تحریفات کر کے اللہ کے غضب کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ایسے ہی منکرین کے متعلق فرمایا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ جب اللہ کی پکڑ آئے گی تو پھر اس سے بچ نہیں سکیں گے کیونکہ

وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ اللہ تعالیٰ غلبے والا ہے۔ اُسے ہر چیز پر غلبہ حاصل ہے۔ اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اس کے سامنے کوئی چالاکی اور حیلہ سازی کام نہیں آئیگی۔ اور وہ ذُوانْتِقَامٍ یعنی بدلہ لینے والا ہے وہ ظلم و زیادتی کی رسی کو دراز ضرور کرتا ہے۔ مگر جب اپنے باغی سے انتقام لینے پہ آتا ہے۔ تو اس کے راستے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں اس کا علم ہر چیز پہ محیط ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اہل کتاب خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں سے بے خبر نہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ کر یہ لوگ جس طرح اسکی توحید میں خلل اندازی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام سازشوں سے واقف ہے۔ اور یہ تمام باتیں ان کے اعمال ناموں میں لکھی جا رہی ہیں۔ وقت آنے پر اس کا بدلہ چکا دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ

فرمایا هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ وہی ذات پاک ہے۔ جو ماؤں کے رحموں میں تمہاری تصویریں بناتا ہے جس طرح چاہے بچے کی ظاہری شکل و صورت یعنی گورا، کالا، گندمی، سرخ وغیرہ ہونا بھی اسی کی قدرت تامہ کا شاہکار ہے۔ اور اس کا نیک و بد، عقل مند اور بے عقل سعید اور شقی ہونا سب اس کے علم اور قدرت میں ہے۔ یہاں پہ بنی اسرائیل یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ سمجھانا بھی مقصود ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام دیگر مخلوق کی طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ اور ابتدائی حالت سے لے کر پیدائش تک ان پہ جو تغیرات گزرے وہ سب ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کس مشابہت کی بناء پہ کہتے ہیں یہ تو بڑی زیادتی کی بات ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ تو اس مالک الملک کے لیے یہ کونسی ایسی بڑی بات ہے۔ اس نے تو حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا

فرمایا تھا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ معبودِ حقیقی وہی ہے اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ کیونکہ عبادت کے لائق وہی ہو سکتا ہے جو قدرتِ کاملہ کا مالک ہو اور جس کا علم ہر چیز پہ محیط ہو۔ یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا الٰہ بھی صرف وہی ہے مسیح علیہ السلام الٰہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ تو مخلوق ہیں اور نہ وہ قدرتِ کاملہ کے مالک ہیں اور نہ ان کا علم ہر چیز پہ محیط ہے۔ اور نہ وہ ازلی و ابدی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ عزیز یعنی ہر چیز پہ غالب ہے اور حکیم ہے۔ کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ کائنات کا تمام نظام اس کے مقررہ اصولوں اور حکمت کے مطابق انجام پا رہا ہے۔

فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۗ وَمَا يَعْلَمُ
تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۘ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ
آمَنَّا بِهِ ۙ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ
إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٧﴾ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ
إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۚ
إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٨﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ
لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿٩﴾ ع ۹/۹

وقف لازم وقفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم — وقف منزل

ترجمہ: وہی ہے جس نے تجھ پہ کتاب اتاری۔ اس میں بعض آئتیں محکم ہیں وہ
کتاب کی اصل ہیں۔ اور دوسری متشابہ ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھاپن ہے
پس وہ پیچھے لگتے ہیں متشابہات کے اور اس میں تلاش کرتے ہیں گمراہی اور تلاش
کرتے ہیں انکی تاویلیں۔ حالانکہ نہیں جانتا ان کی تاویل مگر اللہ۔ اور جو پختہ ہیں علم میں وہ
کہتے ہیں۔ ہم ایمان لاتے ہیں ان سب پہ۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں
اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر عقلمند لوگ ﴿۷﴾ اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں
کو ٹیڑھا نہ کر جب کہ تو نے ہدایت بخشی ہے اور بخش ہمارے لیے اپنی طرف
سے مہربانی۔ بیشک تو ہی بخشش کرنے والا ہے ﴿۸﴾ اے ہمارے رب تو جمع کرنے

والا ہے لوگوں کو اس دن میں جس میں کوئی شک نہیں ۔ بیشک اللہ جو وعدہ کرتا ہے۔
اسکی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتا ⑨

ربط آیات

گذشتہ درس میں بیان کیا جا چکا ہے ۔ کہ سورۃ آل عمران کے اہم مضامین میں سے مسئلہ توحید اور اس کے عقلی و نقلی دلائل ہیں ۔ پھر قرآن پاک کی صداقت و حقانیت کا تذکرہ ہے ۔ اور بعض دوسرے مضامین بھی بیان ہوئے ۔ سابقہ آیات میں مسئلہ توحید کو اجاگر کیا گیا تھا ۔ اور سابقہ کتب کا تذکرہ تھا ۔ جن کے ذریعے اللہ تعالےٰ اپنے بندوں تک ہدایت کا سامان بہم پہنچاتا رہا ۔ ان ہدایات کا انکار کرنے والوں کے لیے سخت سزا کی وعید تھی ۔ اور لوگوں کو یاد دلایا گیا تھا ۔ کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ۔ وہ ہر انسان کی ہر حرکت سے واقف ہے ۔ بلکہ ماں کے رحم میں انسان کی شکل وصورت بنانے والی بھی وہی ذات ہے ۔ پھر اس سے انسان کی کونسی حرکت پوشیدہ ہو سکتی ہے ۔ ضمناً نصاریٰ کو یہ بھی باور کرانا مقصود تھا ۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام قدرتی طریقہ کے مطابق ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ۔ تو پھر خدا کے بیٹے یا خود الٰہ کیسے ہو سکتے ہیں ۔

آج کے درس میں قرآن پاک کی حقانیت کا تذ[illegible] ہے ۔ اور اس کے احکام سے مستفید ہونے کے اصول بیان کیے گئے ہیں ۔ ا[illegible]ضمن میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے ۔ جن کے دلوں میں کجی پائی جاتی ہے ۔ اور وہ قرآن پاک کی متشابہ آیات کی غلط تاویل کر کے فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں ۔ نیز ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو علم میں پختہ ہیں ۔ اور ان کا ایمان تمام آیات پر یکساں ہے ۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی گئی ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرے نیز قیامت کے دن دوبارہ جی اٹھنے اور حساب کتاب ہونے پر یقین کا اظہار کیا گیا ہے ۔

نزول کتاب

ارشاد ربانی ہے ۔ هُوَ الَّذِىٓ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اللہ تعالیٰ کی وہی ذات ہے ۔ جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے کتاب سے مراد

قرآن پاک ہے۔ جو حضور علیہ السلام کی ذات اقدس پر آخری کتاب کے طور پر نازل ہوا جس طرح نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔ اسی طرح اب کوئی آسمانی کتاب بھی نازل نہیں ہوگی۔ قرآن پاک کے احکامات قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لیے یکساں طور پر مفید ہیں۔

محکم اور متشابہ

قرآن پاک کے احکام و فرامین کے متعلق فرمایا مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ اس میں بعض آیات محکم ہیں۔ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ یہی آیتیں کتاب کی جڑ بنیاد ہیں امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں فالمحکم لا یعرض فیہ شبھۃ من حیث اللفظ ولا من حیث المعنی یعنی محکم سے مراد وہ آیات ہیں جن کا مفہوم واضح ہو۔ اور اس پر لفظی یا معنوی اعتبار سے کسی قسم کا شبہ وارد نہ ہوتا ہو۔ گویا ایسی آیتیں جن کی زبان آسان ہے۔ اور جن کے معانی متعین کرنے میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ایسی آیات میں تاویلات کرنے کا موقع مشکل ہی سے ملتا ہے۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت منقول ہے۔ کہ قرآن پاک میں جو آیتیں عمل کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ وہ محکم ہیں۔ اور جن سے عمل متعلق نہیں، محض ان پر ایمان لانا مقصود ہے جیسے حروف مقطعات، قیامت یا دجال وغیرہ سے متعلق آیات، تو ایسی آیتیں متشابہ ہیں۔ فرمایا وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ اور بعض آیتیں متشابہ ہیں۔ مفردات امام راغب اصفہانیؒ میں متشابہ کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ المتشابہ ما اشکل تفسیرہ اما من حیث اللفظ والمعنی یعنی ایسی آیت جس کا معنی اور تفسیر کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے مشکل ہو۔ اور اس میں تاویل کی گنجائش رہتی ہو۔ ظاہر ہے۔ کہ قرآن پاک نے آئندہ زمانے کے لیے بعض ایسی پیشن گوئیاں کی ہیں۔ اور برزخ، قیامت، جنت، دوزخ، فرشتے، جنات وغیرہ کے متعلق ایسی تفصیلات بیان فرمائی ہیں جنہیں اس وقت انسان نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ محسوس کر سکتا ہے۔ ایسی چیزوں کی ٹھیک ٹھیک کیفیت معلوم کرنے کے

بلیے انسان لاکھ کوشش کرے مگر اس کی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ ایسے امور میں انسان جتنی زیادہ کوشش کرے گا۔ وہ حقیقت سے قریب تر ہونے کی بجائے دور بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس قسم کی باتوں سے متعلقہ آیات متشابہات میں داخل ہیں۔ اور انسان کے لیے اتنا ہی کام ہے۔ وہ ان پر ایمان لے آئے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ پس جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ وہ متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں۔ چونکہ ان کے دلوں میں حسد، بغض، عناد اور بے ایمانی رچی بسی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ محکم یعنی واضح آیات کو چھوڑ کر متشابہ آیتوں کی تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے ایسے معانی بیان کرتے ہیں جو محکم آیات کے مفہوم کے منافی ہوتے ہیں، حالانکہ چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ متشابہات کی تاویل کرتے وقت محکم آیات کی پیروی کی جاتی مگر ایسے لوگ الٹا چلنا چاہتے ہیں۔ اور لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس سے ان کا مقصد یہ ہے مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ اس سے فتنہ یعنی گمراہی تلاش کرتے ہیں وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ اور متشابہات کے ذریعے ایسی الٹی سیدھی تاویلیں تلاش کرتے ہیں۔ جن کے ذریعے مخلوقِ خدا کو گمراہ کر سکیں۔

غلط تاویلیں

ان آیات کے سیاق و سباق کے مطابق ان کا ہدف یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی متشابہ آیات کی غلط تاویل کر کے لوگوں کو اصل دین سے دور کر دیا۔ حتیٰ کہ محکم آیات کو بھی متشابہات کے تابع کر کے دین کا حلیہ بگاڑ دیا۔ آج کے دور میں جب ہم اپنے گرد و پیش دیکھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر خود مسلمانوں کے دور میں ایسے بہت سے فرقے اور لوگ موجود ہیں جنہوں نے پہلے متشابہات کی غلط تاویلیں کیں۔ اور پھر محکم آیات کو توڑ موڑ کر متشابہات کے معانی پہنائے اور اس طرح وہ یہود و نصاریٰ

سے بھی بازی لے گئے، قادیانی، پرویزی اور سرسیّد جیسے کتنے لوگ ہیں۔ جنہوں نے دوزخ، جنت، برزخ، حساب کتاب حتیٰ کہ حضور کی زندگی کے سب سے بڑے معجزے معراج تک کو غلط معنیٰ پہنا کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہا۔ ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کا بالکل انکار کر دیا۔ اور اسی قرآن پاک کی آیات کی ایسی ایسی تاویلیں کیں کہ العیاذ باللہ۔

اب ذرا اور قریب آکر دیکھئے۔ کہ قرآن پاک نے مسئلہ توحید کو کس وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ قرآن کریم کا کوئی صفحہ، اس کا کوئی رکوع ایسا نہیں جس میں توحید کو کسی نہ کسی رنگ میں پیش نہ کیا گیا ہو۔ مگر آج یہی مسئلہ ہمارے ہاں متنازعہ بن چکا ہے۔ قرآن پاک صاف کہتا ہے "قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ" زمین و آسمان میں غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں مگر آج ثابت کیا جا رہا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب تھا۔ بلکہ اس باطل عقیدہ پر ایمان نہ لانے والوں کو موردِ الزام ٹھہرایا جا رہا ہے۔ قرآن پاک کہتا ہے "وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ" اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کسی تکلیف میں مبتلا کر دے تو اس کے سوا اُسے کوئی دُور نہیں کر سکتا۔ مگر آج مسلمانوں میں ایسے بھی ہیں کہ فلاں بزرگ بھی بگڑی بنا سکتا ہے۔ فلاں بھی مشکلات کو حل کر سکتا مشکل کشا کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔

قرآن پاک خود حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلاتا ہے۔ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" یعنی میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ بلکہ آپ سے پہلے جتنے بھی رسُول آئے سب انسانوں میں سے ہی آئے۔ "وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ" یعنی اے نبی اکرم ہم نے آپ سے پہلے انسانوں کو ہی رسُول بنا کر بھیجا۔ مگر آج کے دور میں انبیاء کرام اور خصوصاً حضور خاتم المرسلین کو نسل انسانی سے ہی خارج کیا جا رہا ہے۔ یہ محکم آیات کی واضح غلط تاویلیں نہیں تو اور کیا ہے۔ پھر یہیں پہ بس نہیں کیا۔ ان ظالم قادیانیوں نے حضور علیہ السلام

کی ختم نبوت تک کو معاف نہیں کیا۔ اور خاتم النبیین کے معنی کچھ سے کچھ کر دیئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ اٹھائے جانے کا انکار کر دیا۔ آخر یہ سب کچھ کہاں سے ہو رہا ہے۔ قرآن پاک کی آیات کا سہارا ہی لیا جا رہا ہے۔ اور ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس آیت میں ہو رہا ہے۔ کہ جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں اس سے گمراہی پھیلاتے ہیں۔ اور غلط تاویلیں تلاش کرتے ہیں۔

صحیح تاویل

فرمایا وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ متشابہ آیات کی حقیقت صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ جو لوگ متشابہ آیتوں کی تاویل کے درپے ہوں۔ ان کو اللہ کا خوف دلاؤ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مرفوع حدیث تفسیر ابن جریرؒ میں منقول ہے کہ متشابہ آیتوں کا مطلب اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ جو کوئی دعویٰ کرے کہ اس کو متشابہ آیت کا مطلب یا تاویل معلوم ہے۔ وہ جھوٹا ہے۔ مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محکم آیتوں پر عمل کرو اور متشابہ پر فقط ایمان لاؤ۔ مطلب یہ کہ مفہوم سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو اللہ کی طرف سونپ دو۔ جھگڑا مت کرو۔ غلط معنی مت بیان کرو۔ اسی لیے مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں۔ غلط تفسیروں کی وجہ سے دنیا میں بڑی تباہی آتی ہے گمراہی پھیلتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قرآن پاک کی محکم آیتیں ہر سلیم الفطرت آدمی آسانی سے سمجھ سکتا ہے مگر بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جو استاذ کے بغیر سمجھ میں نہیں آتیں۔ لہٰذا ایسی باتیں استاذ سے سیکھنی چاہئیں۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ کسی نہ کسی گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مولانا سندھیؒ خود اپنی مثال بیان کرتے ہیں۔ کہ مجھے راسخین فی العلم سے واسطہ پڑا۔ میرے استاذوں نے میری راہنمائی فرمائی اور اللہ نے مجھے قرآن میں کمال تجربے کا ملکہ عطا فرمایا ہے میں اپنی مشکلات استاذوں

کے سامنے پیش کرتا تھا وہ مجھے مشورہ دیتے تھے اور میرے اشکال کو حل کرتے تھے۔ اس لیے مجھے کسی قسم کی پریشانی لاحق نہیں ہوئی فرماتے ہیں میری طرح اور بھی کئی لوگ اسلام میں داخل ہوئے مگر انہیں اچھے استاذ نہ مل سکے۔ اس لیے وہ مشکلات میں پھنسے رہے۔ آپ کے استادوں میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے راسخ فی العلم لوگ تھے۔ مولانا شیخ الہندؒ جن کا یہ ترجمہ اور دو سورتوں کی مختصر تفسیر بھی ہے بہت بڑے راسخ العلم انسان تھے۔ خاموشی سے تعلیم دیتے تھے۔ ان کے شاگردوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کتنا کمال عطا کیا تھا ان کے شاگردوں میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی مولانا عبید اللہ سندھیؒ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور آپ کے شہر کے مولانا عبدالعزیز محدثؒ، حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ سندھ کے مولانا محمد صادقؒ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ شامل ہیں۔ ان لوگوں نے دنیا میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔

مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اٹھارہ سال تک اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں رہ کر دین بھی سیکھا ہے اور سیاست بھی سیکھی ہے۔ آپ سیاست کے بھی امام تھے۔ آخر زمانہ میں جب ہندوستان آئے تو کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا، میں نے انگریز کے قدم اکھاڑ دیے ہیں اگر اب انگریز ہندوستان میں رہ گیا تو میری قبر پر تھوک دینا۔ آپ بارہ سال تک مکہ معظمہ میں رہے۔ تعلیم دیتے تھے۔ اور انگریز کی تباہی کا سامان بھی کرتے تھے فرماتے تھے۔ انگریز قوم نے دنیا بھر میں مسلمانوں کو تباہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ ان کو بھی تباہ کرے گا۔ گذشتہ دو سو سال میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان انگریز نے پہنچایا ہے۔ اس نے مسلمانوں کی سلطنتیں تباہ کر دیں مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی۔ قرآن پاک کے خلاف بڑی سازشیں کیں۔ مولانا شیخ الہندؒ کو انگریزوں سے اس قدر نفرت تھی۔ کہ اگر کوئی اُن کے بارے میں مسئلہ دریافت

کرتا، تو فرماتے کسی اور عالم سے پوچھ، مجھے ان سے سخت نفرت ہے، شاید میں غلطی نہ کر جاؤں۔ مگر آج لوگ انگریز کی تہذیب کو فخر سے اپناتے ہیں۔ حالانکہ وہ مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے۔

علامہ اقبال بھی انگریزوں کو خوب سمجھتا تھا۔ انھوں نے اپنی شاعری کا ایک معتدبہ حصہ انگریزوں کے خلاف لکھا ہے۔ بے عمل ہونا الگ بات ہے مگر اقبال قومی آدمی تھا۔ اس نے انگریزوں کی خوب خبر لی ہے۔

علم سیکھنے سے آتا ہے

امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں لکھا ہے۔ العلم بالتعلم یعنی علم سیکھنے سے آتا ہے۔ خود بخود نہیں آجاتا۔ اس کے لیے بہرحال اساتذ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ استاذ کے بغیر خود بخود عالم بن بیٹھتے ہیں وہ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مرزا قادیانی اور پرویز جیسے لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ اسلام کو کفر اور کفر کو اسلام بنا دیتے ہیں۔ جب کہ انسان کسی راسخ فی العلم کے پاس نہ بیٹھے اس کے اشکال دور نہیں ہوتے۔

راسخ فی العلم

فرمایا وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ اور جو علم میں پختہ ہیں یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پہ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ یعنی جن باتوں کی تاویل صرف اللہ کے علم میں ہے۔ ان میں محض اپنی عقل کے گھوڑے نہیں دوڑاتے۔ بلکہ ان کا ایمان یہ ہوتا ہے۔ کہ سب کچھ ان کے اللہ کی طرف سے برحق ہے۔ فرمایا اس سیدھی سادھی بات کو بھی عام لوگ نہیں سمجھتے۔ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر عقلمند لوگ، کم علم اور بے عقل لوگ ایسی باتوں کو نہیں سمجھنے اور خواہ مخواہ گمراہی کے گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔ طبرانی میں ابی مالک اشعریؓ سے روایت ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت سے یہ خوف ہے۔ کہ وہ متشابہ آیتوں کی تاویل کے درپے ہوں گے۔ حالانکہ انکی تاویل سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔

دعائیہ کلمات

فرمایا راسخون فی العلم یہ بھی کہتے ہیں رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت سے نوازا ہے۔ ہمیں اسی راہ ہدایت پہ قائم رکھ۔ اسی لیے حضور علیہ السلام دعا کیا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے، ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پہ قائم رکھ وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اور اپنی طرف سے ہمیں رحمت بخش کیونکہ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ تو ہی سب کچھ دینے والا ہے۔ ساری کی ساری مخلوق تیری ہی محتاج ہے۔ تیرے بغیر کوئی کسی کی حاجت روائی نہیں کر سکتا۔ اس لیے اپنی رحمت سے تو ہی ہماری حاجات پوری فرما۔

فرمایا پختہ علم والے یہ بھی دعا کرتے ہیں۔ رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اے ہمارے پروردگار! تو ہی لوگوں کو اس دن میں جمع کرنے والا ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔ وہ دن یقیناً آنے والا ہے جس دن تمام مخلوق اپنے رب کے ہاں پیش ہو گی۔ جس طرح انسان کو اپنے وجود پہ شک نہیں۔ اسی طرح قیامت کے برپا ہونے اور پھر محاسبے کا عمل واقع ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ "وَعْدًا عَلَيْنَا" اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ کہ ہم انسانوں کو دوبارہ اٹھائیں گے اور ان کا حساب لیں گے اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ" ہم ضرور ایسا کرنے والے ہیں۔ لہذا اس میں شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ اللہ تعالیٰ جو وعدہ کرتا ہے اس کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ وہ اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔ اسی لیے اس کے بندے اسکے آگے دعا کرتے ہیں۔ کہ مالک الملک اس دن ہمیں رسوائی حاصل نہ ہو۔ ہم ذلیل و خوار نہ ہوں بلکہ ہمیں صراط مستقیم پہ چلنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں خصوصی رحمت اور مہربانی عطا فرما۔

درس سوم ۳ | آیت ۱۰ تا ۱۳

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿١٠﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١١﴾ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٢﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٣﴾

ترجمہ: بیشک وہ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا، ہرگز کام نہ آئیں گے اُن کے لیے اُن کے مال اور نہ ان کی اولادیں اللہ کے سامنے، اور یہی لوگ ہیں دوزخ کے ایندھن ﴿۱۰﴾ (ان کا حال ایسا ہی ہے) مثل عادت آل فرعون کے اور ان لوگوں کے جو اُن سے پہلے گزرے ہیں۔ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ پس پکڑا اللہ تعالیٰ نے اُن کو ان کے گناہوں کے بدلے، اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ﴿۱۱﴾ آپ کہہ دیجئے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا، کہ تم مغلوب ہو گے اور اکٹھے کئے جاؤ گے جہنم کی طرف اور بہت بُرا ٹھکانا ہے ﴿۱۲﴾ تحقیق تمہارے

لیے نشانی ہے اُن دو گروہوں میں جو آپس میں ٹکرائے، ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑتا ہے اور دوسرا کفر کرنے والا ہے، دیکھتے ہیں اُن کو اپنے سے دُگنا آنکھ کے ساتھ دیکھنا، اور اللہ تعالیٰ تائید کرتا ہے اپنی مدد سے جس کو چاہے بیشک اس میں عبرت ہے آنکھیں رکھنے والوں کے لیے (۱۳)

رابطہ آیات

پہلی آیت میں قیامت کا ذکر تھا۔ اس سے پہلے اللہ نے نصاریٰ کی تردید فرمائی اور ان کے باطل عقیدے کا رد فرمایا۔ توحید کا مسئلہ بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات الوہیت کا ذکر کیا اور جن متشابہ لفظوں سے یہود و نصاریٰ استدلال کرتے تھے، اس کا جواب دیا۔ اب اس آیت میں کفار کے متعلق فرمایا کہ کوئی چیز انہیں خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکتی، حتیٰ کہ ان کے مال و اولاد بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد جنگ بدر سے متعلق یہود مدینہ کی زبان درازی کا ذکر ہے۔ کہتے تھے۔ کہ اہل مکہ ناتجربہ کار تھے۔ جو مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے، وگرنہ ہم جیسے آزمودہ کار لوگوں سے واسطہ پڑتا۔ تو مسلمانوں کو پتہ چلتا کہ کیسے غالب آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس چالاکی کا رد فرمایا۔ اس کے علاوہ نصاریٰ اور مشرکین کی بھی تردید فرمائی ہے۔

شانِ نزول

امام رازیؒ اور امام محمد بن اسحاقؒ جو کہ مفسر قرآن ہونے کے علاوہ مورخ بھی ہیں فرماتے ہیں، کہ ان آیات کا مصداق نجران کا وفد ہے۔ اس آیت میں جن کفر کرنے والوں کا ذکر ہے۔ جن کے مال و اولاد ان کے کام نہیں آئیں گے، اُن سے مراد وفد نجران میں شامل لوگ ہیں، اور ان کا اطلاق عام طور پر اُن تمام لوگوں پہ ہوتا ہے۔ جو اس قسم کا ذہن رکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ نجران کا یہ وفد جب مدینہ طیبہ کے سفر پہ روانہ ہوا۔ تو دوران سفر خچر پہ سوار ان کے لاٹ پادری اَبُو حارثہ کو ٹھوکر لگی۔ اس کا بھائی کرز بن علقمہ بھی ہمراہ تھا۔ اس کی زبان سے نکلا۔ تَعِسَ اَلْاَ بُعَدُ ہلاک ہو خیر سے دور رہنے والا۔ مراد حضور علیہ السلام کی ذات والا صفات تھی۔ عربوں کی یہ عادت تھی۔ کہ جب کسی کو کوئی تکلیف

پہنچتی، تو اپنے مخالف کو برا بھلا کہتے۔ تعس فلاں، فلاں ہلاک ہو، تباہ ہو۔ چنانچہ جب کرز نے یہ الفاظ ادا کیے۔ تو اس کے بھائی ابوحارثہ پادری نے کہا یا تعس امک تیری ماں ہلاک ہو۔ تم نبی آخر زماں کی شان میں یہ الفاظ کیوں کہتے ہو۔ وہ اللہ کے کے سچے نبی ہیں۔ ان کی نشانیاں ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ اس پر کرز کہنے لگا کہ اگر محمد واقعی اللہ کے سچے نبی ہیں۔ تو پھر تم ان سے بحث مباحثہ کرنے کی بجائے ان پر ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ ابوحارثہ نے جواب دیا۔ کہ اس کی وجہ یہ ہے۔ لِاَنَّ هٰؤُلَاءِ الملوك اعطونا اموالاً كثيرةً واكرمونا وَلَوْ اٰمَنَّا بمحمد لاخذوا مِنَّا كل هٰذه الاشياء

یعنی روم کے ان عیسائی بادشاہوں نے ہمیں مال و دولت دے رکھا ہے وہ ہمیں عزت بخشتے ہیں۔ اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لے آئیں۔ تو یہ تمام چیزیں ہم سے چھن جائیں گی۔ ہمارے تمام اعزازت ختم ہو جائینگے اور ہم مفلس اور کنگال ہو کر رہ جائیں گے۔ بہر حال کرز سمجھ گیا کہ ہمارا دین غلط ہے۔ ہم محض مال و دولت کی خاطر اللہ کے نبی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ الغرض جب یہ وفد مدینہ پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث مباحثہ ہوا۔ وفد کسی نتیجے پر پہنچے بغیر واپس آ گیا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے کرز رضؓ بن علقمہ کو ایمان کی دولت سے نوازا اور وہ صحابی رسُول بن گیا۔ تو ان آیات کے مصداق یہی لوگ ہیں جن کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ کہ ان کے مال اور اولاد ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔

ان آیات کا اشارہ مدینے کے ارد گرد بسنے والے یہودیوں کی طرف بھی ہے جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ تو یہودیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ مکے والے لڑائی سے نابلد تھے۔ اگر کہیں ہم سے پالا پڑتا تو مسلمانوں کو بتا دیتے کہ لڑائی کیسے ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں پر ان یہودیوں کا بھی رد ہے کہ یہ ان کی غلط فہمی ہے کہ وہ بڑے مالدار لوگ ہیں۔ سچے دین کے مقابلے میں ان کے مال اور اولاد ان کے لیے مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس ذہن کے

عیسائیوں اور دیگر مشرکین کو بھی تنبیہہ کی گئی ہے کہ وہ ظاہری ساز و سامان پر نہ اترائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے ماننے والوں کی مدد فرماتا ہے۔ تو مخالفین کی تمام تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں۔ اور اللہ کے دین کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

مال اور اولاد بے سود ہونگے

ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بیشک جن لوگوں نے کفر کیا۔ لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا ہرگز نہ کام نہ آئیں گے اُن کے مال اور نہ اولاد کچھ بھی۔ یعنی جب اللہ کی گرفت آئے گی تو مال و اولاد جن کی خاطر وہ ایمان سے محروم رہے، انہیں اس گرفت سے بچا نہ سکیں گے۔ دوسرے مقام پہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا میں سورۃ شعراء میں یہ بات مذکور ہے۔ "یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ" قیامت کے دن نہ کسی کو مال فائدہ دیگا اور نہ اس کے بیٹے کام آئیں گے۔ ہاں وہاں پہ کامیاب وہ ہوگا۔ جو قلب سلیم لے کر حاضر ہوگا۔ جس کے دل و دماغ میں ایمان کی شمع روشن ہوگی۔ اور جو اخلاص اور توحید پہ قائم ہوگا۔ آج کتنے لوگ ہیں۔ جو مال اور اولاد کی خاطر طرح طرح کی بدعنوانیوں میں مبتلا ہیں۔ ناانصافی۔ رشوت خوری۔ ذخیرہ اندوزی بلیک مارکیٹنگ سب کچھ مال و اولاد کی خاطر ہو رہا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن یہ لوگ تہی دست ہوں گے۔ دنیا میں کمائے ہوئے مال ان کے کچھ کام نہ آسکیں گے اور یہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائیں گے۔ سورۃ الحاقہ میں بھی آتا ہے کہ جس بدبخت کا اعمالنامہ اس کے بائیں ہاتھ میں آئیگا وہ چیخ و پکار کرے گا۔ کاش مجھے یہ اعمالنامہ ملتا ہی نہ، مجھ سے حساب کتاب نہ لیا جاتا۔ میرا کام ہی تمام کر دیا جاتا، کیونکہ "مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ" آج میرے مال نے مجھے کوئی نفع نہ پہنچایا۔

الغرض! اس مقام پہ بھی یہی فرمایا کہ کفر کرنے والوں کے مال اور ان کی

اولادیں کچھ کام نہ آئیں گے۔ وَاُولٰٓئِکَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ایسے لوگ خود دوزخ کا ایندھن ہیں۔ یہ کندہ ناتراش جہنمی ہیں۔ دوزخ کے ایندھن کے متعلق فرمایا وُقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ انسان اور پتھر دوزخ کا ایندھن ہیں۔ چنانچہ کفر کرنے والے پتھروں کے ساتھ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ کیونکہ کفر کے پروگرام کو غالب کرنے کے لیے حق کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

آل فرعون کی مثال

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو آل فرعون سے تشبیہ دی ہے کہ جیسی عادات قوم فرعون کی تھیں، ویسی ہی ان کی بھی ہیں۔ قوم فرعون کو یقین تھا کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اللہ کے برحق پیغمبر ہیں مگر وہ انہیں ماننے پر تیار نہ تھے۔ سورۃ نمل میں فرمایا۔ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا اگرچہ اُن کے دل یقین کر چکے تھے۔ کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اللہ کے سچے نبی ہیں مگر اپنے ظلم و تعدی کی بناء پر ان کا انکار کر دیا۔ یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے اُن کی اسی عادت کا ذکر فرمایا۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان کی عادت بھی آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی سی ہے۔ یعنی ان کفار کا بھی وہی شیوہ ہے۔ جو آل فرعون کا تھا۔ کہ محض دنیا کے مال و متاع کی خاطر حق کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔ یہ لوگ بھی مال اور اولاد کی خاطر دین حق سے منہ موڑ رہے ہیں

داب کے معنی عادت اور خصلت کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دو اقوام کے عادات و خصائل کا موازنہ فرمایا۔ اور آل کے لفظ سے مراد محض صلبی اولاد نہیں بلکہ اس لفظ میں تمام حواری موالی اور ہاں میں ہاں ملانے والے تمام لوگ شامل ہیں۔ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد وہ تمام پہلی قومیں ہیں۔ جنہوں نے اپنے اپنے انبیاء کا انکار کیا۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم۔ حضرت ہود اور صالح علیہما السلام کی قومیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا۔ کفار مکہ کی عادات بھی ان گذشتہ اقوام کی عادات و خصائل کے مطابق

ہیں کَذَّبُوا بِاٰیٰتِنَا انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ آیات سے مراد احکام بھی ہیں اور معجزات بھی۔ گویا اُن لوگوں نے نہ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پرواکی اور نہ ہی پیغمبر کے معجزے کو سچا جانا۔ بلکہ جب کبھی ایسی بات دیکھتے تو کہتے۔ کہ یہ تو محض جادو کا کرشمہ ہے۔ انہوں نے اپنے انبیاء کو کبھی مجنوں کہا۔ کبھی شاعر کہا اور اس طرح ہمارے انبیاء اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اللہ تعالیٰ نے ان گناہوں کی پاداش میں انہیں پکڑ لیا۔ گویا سمجھانا یہ مقصود ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس طرح اہل مکہ یا مدینہ کے یہود و نصاریٰ بھی اپنی بری حرکتوں سے باز نہ آئے تو وہ بھی ایسی ہی گرفت میں آجائیں گے۔ اور پھر ان کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ اور اللہ تعالیٰ سخت گرفت کرنے والا ہے۔ جب وہ پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔ جیسا کہ سورۃ بروج میں فرمایا اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے اس کے غضب کو دعوت نہ دینا۔ وہ حلیم بھی ہے مہلت بھی دیتا ہے مگر جب پکڑتا ہے۔ تو رہائی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

ان کفار کے متعلق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان کافروں سے کہہ دیجئے سَتُغْلَبُوْنَ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے۔ اور آج تم جن غریب، کمزور اور ناتواں مسلمانوں کو بے بس سمجھ رہے ہو، یہی تم پر غالب آئیں گے۔ تمہارا یہ حشر تو اسی دنیا میں ہو گا۔ جس میں کوئی زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اور آخرت میں وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ تمہیں جہنم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔ تم سب کو اس طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔ جو کہ وَبِئْسَ الْمِهَادُ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ یہ پیش گوئی اس وقت کی گئی جب مسلمان طرح طرح کے مظالم کے شکار تھے۔ اور وہ بظاہر نہایت ہی کمزور جماعت تھے۔ مگر جلد ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ

عطا کر دیا۔ پھر اگلی آیت میں اس بات کو ایک مثال کے ذریعے واضح کر دیا ہے۔ اور عبرت کا سامان پیدا فرمایا ہے۔

جنگ بدر کی یاد

فرمایا قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا تمہارے لیے آپس میں ٹکرانے والے دو گروہوں میں نشانی ہے۔ ان دو گروہوں سے مراد مسلمان مدینہ اور کفار مکہ ہیں۔ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ایک گروہ وہ تھا جو اللہ کی راہ میں لڑ تا تھا۔ یعنی مسلمانوں کی جماعت۔ یہ گروہ نبی آخرالزماں علیہ السلام پر ایمان لانے والا گروہ تھا جو اللہ کی توحید اور اس کی کتاب کے غلبے کے لیے جہاد کر رہا تھا۔ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ اور دوسرا گروہ کفار مکہ کا تھا جو کفر کو غالب کرنا چاہتا تھا۔ جب جنگ بدر میں مسلمان فتح و کامرانی کے ساتھ واپس لوٹے تو مدینہ کے یہودی کہتے تھے۔ کہ مسلمانوں کا واسطہ مکے کے ناتجربہ کاروں سے پڑا ہے جس کی وجہ سے کامیاب ہوئے۔ اگر ہم جیسے جنگجو اور تجربہ کار لوگوں کے ساتھ لڑائی ہوتی تو دیکھتے یہ کیسے کامیاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ ذکر کر کے یہود مدینہ کو عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔ فرمایا مسلمانوں کی فتح کی جو وجہ تم سمجھ رہے ہو۔ یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ وہ خود اپنی آنکھ سے انہیں دگنا دیکھتے ہیں۔ اس دیکھنے کا تعلق دونوں گروہوں سے ہے۔ اہل ایمان دیکھ رہے تھے۔ کہ کفار اُن سے تعداد میں دگنے ہیں۔ اور واقعتاً ایسا ہی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کفار تعداد میں دُگنے سے بھی زیادہ تھے۔ اور دوسری طرف یہ بھی معنی ہے کہ کفار مسلمانوں کو اپنے سے دُگنی تعداد میں دیکھتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتوں کو بھیج دیا تھا۔ اس کی تفصیل اور حکمت خداوند کریم نے سورۃ انفال میں بیان فرما دی ہے۔ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا بدر کے دن تم اُن کفار کو اپنے سے کم تعداد میں دیکھ رہے تھے وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ اور تمہیں اُن کی نظروں میں کم کر کے

دکھایا مقصد یہ تھا "لِیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا" کہ اللہ تعالیٰ جس کام کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ وہ مکمل ہو جائے۔ غرضیکہ میدان بدر میں اللہ نے ابتداء میں ایسی کیفیت طاری کر دی تھی۔ کہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو اپنے سے کم تر دیکھ رہے تھے۔ اہل ایمان نے کفار کو دیکھا۔ تو انہیں اپنے سے کم تعداد میں پایا۔ اور کافروں نے ایمان والوں کو دیکھا۔ تو وہ بھی تھوڑے نظر آئے اور وہ حقیقت میں بھی کم تھے مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار کی تعداد کم کر کے دکھانے کی حکمت بھی بتائی۔ کہ اے اہلِ ایمان! تمہیں کفار کی تعداد کم کر کے دکھانے میں مصلحت یہ تھی۔ کہ کہیں تمہارے دلوں میں ضعف نہ پیدا ہو جائے۔ "وَلَوْ اَرٰکَھُمْ کَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ" اگر انہیں کثیر تعداد میں دکھایا جاتا تو تم پھسل جاتے، تم پہ رعب طاری ہو جاتا اور تم جم کر نہ لڑ سکتے۔ پھر جب لڑائی شروع ہوئی۔ تو اللہ نے فرشتے میدان میں اتارے تو کفار کو مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آنے لگی۔ جس کی وجہ سے ان پہ رعب طاری ہو گیا۔ اور ان کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ اُدھر اللہ تعالیٰ کی یہ خاص مہربانی تھی۔ اور اِدھر نبی علیہ السلام کی اللہ کے حضور دُعا اور مناجات تھی۔ اور مسلمانوں کے دِلوں میں محض اللہ کی رضا اور کامل ایمان تھا۔ چنانچہ مسلمان فتحیاب ہوئے۔

تائید خداوندی

جنگ بدر میں مسلمانوں کا ظاہری حال تو یہ تھا کہ ایک ہزار مسلح افراد کے مقابلے میں صرف تین سو تیرہ یا تین سو انیس مجاہدین تھے۔ کل ستر اونٹ، دو گھوڑے چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں ان کا سامان جنگ تھا کفار کے پاس سامانِ ضرب و حرب میں ہر چیز موجود تھی۔ ہر روز اونٹ ذبح کر کے کھاتے تھے۔ شراب پیتے تھے، ہر طرح کا آرام میسر تھا۔ ناچنے گانے والی عورتیں موجود تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا اعلان یہ ہے۔ "وَاللّٰہُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ" اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی تائید سے مدد فرماتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس اس قدر کم تعداد اور قلیل سامان ہونے کے باوجود تائید ایزدی مسلمانوں کے حق میں تھی۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہو گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ

لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ایسے واقعات میں عبرت ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو صاحبِ بصیرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے طاقتور دشمن کو کیسی عبرتناک شکست دی۔ مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے۔ جن میں ایک سولہ سال کا بچہ بھی تھا۔ ان کی قبور وہیں میدان بدر میں ہیں۔ برخلاف اس کے کفار کے بڑے بڑے سرکردہ اشخاص سمیت ستر مارے گئے۔ اور اتنی ہی تعداد میں قیدی بنا لیے گئے۔ بہت سا مالِ غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ بچے کھچے کفار نہایت ذلت کے ساتھ بھاگ گئے۔ مکہ پہنچکر بڑی خفت اٹھانی پڑی۔ مکے والے فتح کی خوشخبری کے منتظر تھے مگر ان کی امیدوں پر خاک پڑ گئی۔ یہ واقعہ بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہودیوں کو عبرت دلانا ہے۔ کہ تم سامان حرب پر فخر نہ کرنا۔ ماہرین جنگ پر غرور نہ کرنا، اپنے تجربے اور جنگی چالوں پر نہ جانا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو قلیل لشکر کو کثیر پر غالب کر دیتا ہے۔

سابقہ سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بھی تبلا دیا ہے۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے۔ کہ اللہ کی تائید سے چھوٹے چھوٹے گروہ بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آئے ہیں۔ اسی طرح آج مسلمانوں کی جماعت ایک غریب اور کمزور سی جماعت نظر آتی ہے۔ مگر وقت آئیگا۔ کہ اللہ کے یہ سپاہی قیصر و کسریٰ جیسی بڑی بڑی سلطنتوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دینگے۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ ہزاروں سال پرانی سلطنتیں جن کے متمدن شہر، دفتری نظام، باقاعدہ فوجیں، تنخواہ دار ملازم، خزانے سے بھرپور مگر اللہ تعالیٰ نے بے سروسامان مگر ایمان سے لبریز مجاہدین کے ذریعے ان سلطنتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ مگر اللہ نے فرمایا ایسا ہو کر رہیگا اسی طرح مدینے کے یہودیوں کافروں کو فرمایا کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے، اور پھر قیامت کو تمہارا حشر جہنم کی طرف ہوگا۔

شرطِ غلبہ تاہم فرمایا کہ مسلمانوں کو غلبہ اسی صورت میں ہو گا کہ وہ خالص میری عبادت

کرنے والے ہوں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْئًا (سورۃ نور) جب تک مسلمان اس اصول پہ قائم رہے۔ اللہ نے غلبہ عطا کیا۔ یہود و نصاریٰ نے غیر اللہ کی عبادت شروع کر دی۔ شرک میں مبتلا ہو گئے، لہٰذا وہ مغلوب ہو گئے۔ اہلِ کتاب بھی اپنے آپ کو یسوع مسیح کا ماننے والا کہتے تھے مگر اپنا الو سیدھا کرتے تھے۔ آج مسلمانوں کی حالت بھی کم و بیش ایسی ہی ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کا نام لے کر اپنی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں ایسی حالت میں ذلت کے سوا اور کیا مقدر میں ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نفاق کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کامل الایمان لوگوں سے مدد کا وعدہ کرتا ہے۔ جو لوگ راہِ راست سے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ آنے والی قوموں کے لیے باعث عبرت بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا یہ محض قصے کہانیاں نہیں جن کو سن کر خوش ہو جاؤ بلکہ لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ان واقعات میں اہلِ بصیرت لوگوں کے لیے سامانِ عبرت ہے جو لوگ ایسے حقائق کو کھلی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔ وہ تو سورج طلوع ہونے کے بعد اس کا بھی انکار کر سکتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ ان واقعات کو عبرت کی نگاہ سے دیکھو۔ کہ وہ لوگ جن بد افعال کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے ان سے پرہیز کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو جس وجہ سے غلبہ عطا فرمایا ان کی پیروی کرو۔ تم آج بھی کامیاب ہو جاؤ گے۔

درس چہارم ۴ — آیت ۱۴ تا ۱۵

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ ﴿۱۵﴾

ترجمہ : مزین کی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوب چیزوں کی محبت عورتوں سے، اور بیٹوں سے اور سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں سے، اور عمدہ نشان لگے ہوئے گھوڑوں سے اور مویشیوں سے اور کھیتی سے۔ یہ تو دنیا کی زندگی میں فائدہ اٹھانے کا سامان ہے اور اللہ کے ہاں بہترین ٹھکانہ ہے ﴿۱۴﴾ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہ دیجیے کیا میں تمہیں ان چیزوں سے بہتر نہ بتاؤں۔ ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے رہے۔ اُن کے رب کے ہاں باغات ہیں ان کے سامنے نہریں جاری ہیں۔ یہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور بیویاں ہیں پاکیزہ۔ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی۔ اور اللہ تعالیٰ نگاہ میں رکھتا ہے بندوں کو ﴿۱۵﴾

اسبابِ ضلالت

گذشتہ آیت میں یہ وعید سنائی گئی تھی کہ جو لوگ کفر کے پروگرام کو غالب دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے مال اور اولاد ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ اور ساتھ یہ بشارت

بھی سنادی کہ ایسے لوگ بالآخر مغلوب ہوں گے، اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے گمراہی کے اسباب بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مرغوب چیزوں کی محبت کو لوگوں کے لیے مزین کر دیا گیا ہے۔ یعنی ان اشیاء کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت ڈال دی گئی ہے۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں موجود ہے "اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا" یعنی جو کچھ زمین پر موجود ہے۔ ہم نے اسے زینت بنایا ہے۔ اور زیب و زینت کے اس تمام ساز و سامان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے "لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں اچھے عمل کرنے والا کون ہے۔ اور برائی کا راستہ اختیار کرنے والا کون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو امتحان کے لیے مزین کر دیا ہے۔ قرآن کریم میں بعض مقامات پر تزئین کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔ کہ وہ کم بخت مرغوب اشیاء کو مزین کر کے دکھاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اکثر و بیشتر انسان کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں ان چیزوں کے دو پہلو ہیں۔ ایک فطری اور دوسرا غیر فطری۔ اگر ان مرغوب اشیاء کو اسی انداز پر رکھا جائے جس پر انہیں رکھنا مقصود ہے۔ یعنی ان کی رغبت میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے تو یہ فطری امر ہے۔ اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ البتہ جب ان چیزوں کی رغبت میں غلو اور زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو یہی اشیاء غیر فطری بن کر گمراہی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ انہی چیزوں کی غیر فطری محبت میں مبتلا ہو کر لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ گمراہی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ وگرنہ یہی چیزیں فطرت کے مطابق اپنی حدود کے اندر رہیں تو ان سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ان اشیاء کو شہوات یعنی خواہشات کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کا ذکر آگے آتا ہے۔

مرغوب اشیاء
۱۔ عورت

فرمایا مزین کی گئی ہے لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت مِنَ النِّسَآءِ

عورتوں سے ۔ اس فہرست میں سب سے پہلا نمبر عورت کا آیا ہے ۔ یعنی عورتوں کی محبت انسانوں کے دلوں میں مزیّن کر دی گئی ہے ۔ اور جب لوگ اس محبت میں مبتلا ہو کر غفلت کا شکار ہو جاتے اور اطاعت الہٰی کا دامن چھوڑ دیتے ہیں ۔ تو گمراہی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنی امت میں عورتوں سے بڑھ کر خطرناک فتنہ کوئی نہیں چھوڑ چلا ۔ یعنی مردوں کے حق میں مجھے سب سے زیادہ خطرہ عورتوں کی طرف سے ہے ۔ یہ بڑا خطرناک فتنہ ہے ۔ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر انسان اللہ سے غافل اور خیر سے بیگانہ ہو جاتا ہے ۔ اور محض نفسانی خواہش کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے ۔

مرد و زن کا فطری رشتہ اللہ تعالیٰ نے بڑا عجیب بنایا ہے ۔ فرمایا میں نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ۔ پھر اس کا جوڑا اسی سے پیدا کیا ۔ یعنی مرد کے مقابلہ میں دوسری صنف کو پیدا کیا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا یعنی مرد ان کے ذریعہ سکون حاصل کر سکیں ۔ غم و اندوہ اور پریشانی کی صورت میں عورت مرد کے لیے مرہم کا کام دے ، اس کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی کوشش کرے ، اسے سکون میسّر ہو گا ۔ اور نفسانی خواہش کی تکمیل کا ذریعہ بنے گی ، اسی لیے قرآن پاک میں ارشاد ہے وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اللہ تعالیٰ نے مرد و زن کے درمیان محبت اور مہربانی کے جذبے کو پیدا کیا تاکہ یہ جوڑا پیار و محبت کی بہترین زندگی گزار سکے ۔ دوسرے مقام پر فرمایا ” هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ “ عورتیں مردوں کیلئے بمنزلہ لباس کے ہیں اور مرد عورتوں کے لیے لباس ہیں دونوں ایک دوسرے کے لیے پردہ پوشی کا ذریعہ ہیں ۔ عفت اور پاکدامنی کا سبب ہیں اور یہ فطری رشتہ ہے ۔ حدیث شریف میں آتا ہے ۔ کہ عورت سے مقصود پاک دامنی اور اولاد صالحہ ہونی چاہیے ، محض شہوت رانی مطلوب نہیں ہونی چاہیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ کہ جب عورتوں کے قریب جاؤ تو وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ اس چیز کی تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے مقدر میں

کی ہے، یعنی نیک اولاد کی تمنا ہونی چاہیئے۔

الغرض! اگر عورت سے مقصود عفت، پاکدامنی اور اولاد ہو تو یہ بڑی اچھی چیز ہے، حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة۔ دنیا کی مفید اشیاء میں سے نیک عورت سب سے زیادہ فائدے والی چیز ہے۔ اگر مرد اس کی طرف نگاہ کرے تو وہ اس کو خوش کرے گی اور اگر حکم دیگا، تو بجا لائیگی۔ اگر خاوند گھر سے باہر جائیگا تو اس کے مال کی اور اپنی ناموس کی حفاظت کریگی۔

انسان کے لیے حقیقی سعادت تو یہ ہے کہ اُسے ایمان کی دولت نصیب ہو اور وہ اعمال صالحہ پہ کاربند ہو۔ دنیاوی سعادت کے متعلق مسند احمد شریف کی روایت میں آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کو دنیا میں تین چیزیں حاصل ہوگئیں وہ سعادت مند ہوگا۔ ان اشیاء میں پہلا نمبر المرأة الصالحة یعنی نیک عورت کا ہے۔ اس کے بعد رہنے کے لیے اچھا مکان اور سفر کے لیے اچھی سواری۔ یہ تین چیزیں سعادت کی نشانی ہیں۔ ان کے بغیر انسان شقی سمجھا جائیگا۔

کثرت اولاد

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے۔ عورت سے مقصود کثرت اولاد بھی ہے۔ جو کہ ملت اسلامیہ میں اضافہ کا باعث ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا انی مکاثر بکم الامم میں کثرت اولاد پہ فخر کرونگا بشرطیکہ وہ نیک ہو۔ علمائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ کثرت دو طریقے سے ہوتی ہے۔ ایک صورت تو نسل میں زیادتی ہے، جتنی زیادہ اولاد ہوگی، اتنا ہی اچھا ہے۔ امت محمدی میں اضافہ ہوگا۔ اسی لیے اسلام نے تعدد ازواج کی بھی اجازت دی ہے۔ کثرتِ امت کی دوسری صورت تبلیغ دین ہے جس قدر لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہونگے ان کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ اور یہ چیز حضور علیہ السلام کے لیے باعث فخر ہوگی۔ ایک عام مسلمان کے لیے یہی چیز باعثِ ثواب اور ذریعہ نجات ہوگی۔

شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔ کہ جو لوگ کثرتِ اولاد کے

راستے کو بند کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ منصوبہ کا مقابلہ کر کے اس کے نزدیک ملعون ٹھہریں گے۔ چنانچہ خاندانی منصوبہ بندی، برتھ کنٹرول اور عائلی قوانین۔ جیسے غیر فطری بند جہاں بھی باندھے جاتے ہیں سب ملعون ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اولاد میں کثرت چاہتا ہے۔ مگر یہ اس کی حکمت میں دخل اندازی کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ اگر کوئی بچہ کم سنی میں فوت ہو گیا، یا کچا حمل ضائع ہو گیا۔ تو یہ بچہ قیامت کے دن اپنے مومن والدین کے حق میں شفاعت کریگا۔ وہ ماں باپ کے دامن کو پکڑ لے گا، اور جہنم میں نہیں جانے دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی سفارش کرے گا۔ کہ والدین کو ساتھ لے کر جنت میں جائے گا۔ اور اگر بچہ جوان ہو گیا۔ تو والدین کے مرنے کے بعد ان کے لیے دعا کریگا، اور نیک کام کرے گا تو باعث فخر ہو گا۔ لہٰذا ہر لحاظ سے اولاد کا ہونا باعث سعادت ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ ایک عورت نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا حضور! میرے تین چھوٹے بچے فوت ہو چکے ہیں۔ میرا کوئی زندہ بچہ نہیں ہے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا لَقَد حَضرتِ بِحضارٍ شَدِیدٍ تو نے تو جہنم کے آگے بڑی شدید باڑھ لگا دی ہے۔ ان بچوں کی بدولت تو جہنم کی آگ سے بچ جائیگی۔

خرابی کی بنیاد

برخلاف اس کے اگر عورت کی محبت حد سے بڑھ جائے۔ تو پھر یہی چیز انسان کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ تاریخ میں کتنے واقعات محفوظ ہیں۔ جن کا مرکزی کردار عورت تھی۔ اسی کی وجہ سے بڑی بڑی سازشیں پیدا ہوئیں بڑی بڑی سلطنتیں تباہ ہو گئیں۔ بے حیائی کو اس قدر ترقی حاصل ہوئی۔ کہ اب یورپ والے بھی کان پکڑتے ہیں۔ آج بیشتر گمراہی اور نیکی سے دوری عورت کی وجہ سے ہے۔ اور اس کے ذمہ دار خود مرد ہیں۔ جو عورت کو ہر میدان میں گھسیٹ لائے۔ انکی رسائی تعلیمی اداروں تک تو درست تھی کہ بچیوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں اور پردے اور شرافت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں

مگر جب یہی عورتیں دکانوں کی زینت بن گئیں، دفتروں اور ہسپتالوں میں پہنچ گئیں ہوائی جہازوں میں ائر ہوسٹس بن گئیں، فوج میں بھرتی ہونے لگیں، تو گمراہی کا کا ذریعہ بن گئیں۔ یہی کچھ انگریز نے کیا تھا۔ اور اب مشرق بھی مغرب کی تقلید میں بھاگا جا رہا ہے۔ حالانکہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا فرمان ہے۔ کہ عورت کو اس مقام پہ رکھو جہاں اللہ نے اسے رکھا ہے نماز کے لیے عورت اگلی صف میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اس کا مقام پچھلی صف حتیٰ کہ بچوں سے بھی پیچھے ہے۔ عورت جس قدر عفت مآب ہو گی صاحب فضیلت اور صاحب کمال ہو گی۔ جوں جوں عریانی کے کاموں میں آگے بڑھے گی، عورت عورت نہیں رہیگی، کچھ اور چیز ہی بن جائیگی۔ کھیل کے میدان میں عورت کو فٹ بال والی بال کرکٹ، ہاکی وغیرہ کھلائی جا رہی ہے۔ مرد و زن سب دیکھ رہے ہیں۔ خرابی نہیں آئیگی تو اور کیا ہو گا۔ مردوں کے خیالات پراگندہ ہوں گے۔ اور نتیجہ ظاہر ہے اس لیے اسباب ضلالت میں عورت کو پہلے نمبر پہ رکھا گیا ہے۔

عورت کی نمائندگی

اب جمہوریت نے نیا گل کھلایا ہے۔ ہر سطح پہ عورتوں کی نمائندگی بھی ضروری ہے۔ کہتے ہیں کہ مرد۔ وزن ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ دونوں پہیوں کو برابر چلنا چاہیئے، ورنہ زندگی کی گاڑی جام ہو کر رہ جائے گی۔ لہذا مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو میونسپل کمیٹیوں کے ممبر بناؤ۔ صوبائی اور قومی اسمبلی میں نمائندگی۔ وزارت و مشاورت کے قلمدان ان کے سپرد کرو۔ ان کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ کس قدر گمراہی کی بات ہے۔ عورت سے مشورہ کرنے کی ممانعت نہیں۔ حضور علیہ السلام خود عورتوں کے مسائل میں اپنی عورتوں سے بات پوچھ لیتے تھے، حضرت عمرؓ مشورہ کر لیتے تھے، مگر گھر میں، اپنے مقام پہ۔ مشورہ کے لیے اسمبلی اور مجلس مشاورت میں کھینچ لانا کہاں سے نکال لیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا النساء حبالة الشیطٰن یعنی عورتیں شیطان کا جال ہیں۔ انہی کے ذریعے شیطان لوگوں کو پھانستا ہے۔ اور پھر بڑے بڑے

قبیح واقعات پیش آتے ہیں۔ بڑے بڑے سکینڈل بنتے ہیں۔ حتیٰ کہ تاریخ کا رُخ مڑ جاتا ہے۔

ترمذی شریف میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اِذَا کَانَ اُمَرَآءُکُمْ خِیَارُکُمْ جب تمہارے حکام پسندیدہ قسم کے لوگ ہوں۔ وَاَغْنِیَآءُکُمْ سُمَحَآءُکُمْ اور تمہارے دولت مند لوگ سخی ہوں وَاُمُوْرُکُمْ شُوْرٰی بَیْنَکُمْ اور تمہارے کام آپس میں مشورہ سے طے ہوں فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ بَطْنِهَا تو ایسی حالت میں تمہارا زمین کے اوپر رہنا زمین کے اندر چلے جانے سے بہتر ہے۔ نیز فرمایا اگر اس کا الٹ ہو جائے یعنی اِذَا کَانَ اُمَرَآءُکُمْ شِرَارُکُمْ جب تمہارے حاکم شریر قسم کے لوگ ہوں۔ واغنیاءکم بخلاءکم اور تمہارے مالدار لوگ بخیل ہو جائیں وَاُمُوْرُکُمْ اِلٰی نِسَآئِکُمْ اور تمہارے معاملات عورتوں کے ذریعہ طے پائیں۔ تو پھر سمجھ لو۔ بَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ ظَهْرِهَا تمہارے لیے زمین کے اندر چلے جانا زمین کے اُوپر رہنے سے بہتر ہے۔ یعنی تمہارا مرجانا ہی بہتر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگوں کے لیے خواہشات (مرغوب چیزوں) کی محبت کو مزین کیا گیا ہے۔ اور ان خواہشات یا مرغوب چیزوں میں اول نمبر عورت کا ہے۔

۲۔ اولاد

انسان کی مرغوبات میں سے دوسری چیز فرمایا وَالْبَنِیْنَ یعنی اولاد ہے اولاد کی محبت ایک خاص درجے تک فطری ہے۔ اور مال و اولاد کو دنیوی زندگی کے لیے زینت قرار دیا گیا ہے۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مگر اللہ جل شانہ نے یہ بھی فرمایا اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ یعنی تمہارے اموال اور اولاد میں سے تمہارے لیے فتنے کا باعث بھی ہیں۔ اولاد میں سے خصوصاً بیٹوں کے ساتھ محبت

فطری امر ہے۔ انسان سمجھتا ہے۔ کہ بیٹے کی وجہ سے اس کی نسل کا سلسلہ باقی رہے گا، نیک ہو گا، تو اس کا نام روشن ہو گا، اس کے لیے باعثِ عزت ہو گا برخلاف اس کے اگر یہی اولاد خلاف توقع بری نکلے۔ اللہ کی حدود کو توڑ دے جائز اور ناجائز کا خیال نہ کرے، فتنہ وفساد کا بازار گرم کرے، تو انسان کے لیے سخت آزمائش کا باعث ہوگی، اولاد کے ہاتھوں لوگ کس قدر تنگ آتے رہتے ہیں، ہر روز اخباروں میں خبریں چھپتی ہیں۔ کہ والدین کے لیے نہ صرف بدنامی بلکہ ہلاکت کا سبب بھی بن جاتی ہے۔ بیٹا زبردستی باپ سے جائداد کا حصہ طلب کرتا ہے۔ جان سے مار دینے کی دھمکی دیتا ہے۔ قتل واغوار کے مقدمات میں ملوث ہو کر باپ کو ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔ والدین لاکھ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح اولاد سنور جائے۔ اولاد کے لیے مال، دولت، مکان، زمین ہر چیز مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں خواہ انہیں ناجائز ذرائع ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑیں۔ مگر جب آزمائش آتی ہے تو یہی لاڈ پیار سے پالی ہوئی اولاد جان کی دشمن بن جاتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولاد بھی فتنے اور گمراہی کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

۳۔ مال و دولت

انسان کے لیے جو مرغوبات چیزیں مزین کی گئی ہیں ان میں سے تیسری چیز فرمایا وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے (ڈھیر مال) ہیں۔ یہ بھی انسان کے لیے گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔ مال کی محبت بھی کسی حد تک فطری ہے۔ سورۃ عادیات میں فرمایا وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ انسان مال کی محبت میں بڑا پکا ہے بلکہ فرمایا هَلُوعًا یعنی حریص اور بے صبرا بھی ہے۔ یہی محبت اگر حد سے تجاوز کر جائے تو گمراہی کا باعث بن کر باعثِ وبال ہوگی۔ قناطیر سے مراد بہت سارا مال ہے۔ عرب ایک لاکھ اشرفی یا درہم کو قناطیر کہتے تھے۔ مقصد یہ کہ یہ لفظ ڈھیر مال پر بولا جاتا ہے۔ اور اس کے حصول کے لیے انسان ہمیشہ سرگرداں رہتا ہے۔

اس کے ذریعہ دنیا میں بھی آسائش، عیش و آرام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور گمان یہ کرتا ہے۔ "اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ" کہ یہ مال اُسے ہمیشہ حوادثات سے محفوظ رکھے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ جب مصیبت آتی ہے۔ تو مال و دولت کسی کام نہیں آتے پہلے گزر چکا ہے۔ "لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا" ان کے مال اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گے۔ انسان مال کے حصول کے لیے کیسے کیسے ناجائز حربے اختیار کرتا ہے رشوت چوری، ڈاکہ، جوا، چور بازاری غرض کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ مگر بسا اوقات یہ مال اس دنیا میں بھی کام نہیں آتا۔ تو اللہ کے ہاں تو یہ بجائے خود وبال جان بن جائے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ گمراہی کے اسباب میں سے مال بھی ایک ہے۔

۴۔ گھوڑے اور مویشی

چوتھی چیز فرمایا وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ نشان زدہ گھوڑے یعنی خوب پالے پوسے اور طاقتور گھوڑے اور دیگر مال ڈنگر مویشی بھی اسباب ضلالت میں سے ہیں۔ یہ بھی انسان کی مرغوب اشیاء میں سے ہیں۔ انسان ان سے خوب نفع حاصل کرتا ہے۔ گائے بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ وغیرہ سے دودھ حاصل کرتا ہے۔ اور ان کا گوشت کھاتا ہے۔ ان سے سواری اور بار برداری کا کام بھی لیتا ہے۔ یہ انسان کی اچھی خاصی جائداد ہوتی ہے۔ اور ان سے محبت بھی فطری ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص ان کی محبت میں اس قدر غرق ہو جائے کہ ان کی دیکھ بھال میں نمازوں کی پرواہ نہ کرے۔ دیگر نیکی کے کاموں کیطرف توجہ ہی نہ دے سکے۔ گویا اَخَذْتُمْ بِاَذْنَابِ الْبَقَرِ گائے بیل کی دم پکڑ کر بیٹھا رہے۔ تو یہی مال انسان کے لیے گمراہی کا سبب بن جائے گا۔ لہٰذا اس سے بھی خبردار کیا گیا ہے۔

۵۔ کھیتی

فرمایا اسباب ضلالت میں سے وَالْحَرْثِ بھی ایک ہے۔ انسان کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہو کر بھی فرائض سے غافل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے یہی چیز اس کے لیے فتنہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا تھا۔

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ چیزیں تو دُنیا کی زندگی میں فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ مگر اصل مقصود تو آخرت کی زندگی ہے۔ اگر ان اشیاء کی محبت میں آخرت سے غافل ہو گیا۔ تو سخت خسارے کا سودا کیا۔ قیامت کے دن خالی ہاتھ ہو گا۔ یہ تمام لوازمات اسی مادی زندگی تک محدود ہیں۔ یہ چیزیں اس زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گی۔ اور پھر آخرت کی زندگی شروع ہو گی۔ انسان کو عبرت دلائی گئی ہے کہ اُس آئندہ زندگی کے لیے کوئی سامان پیدا کرے۔ کیونکہ اصل زندگی وہی ہے۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ اصل اور بہترین ٹھکانا تو مالک الملک کے پاس ہے۔ اور اس کے حصول کے لیے، انسان کو ایمان اور اعمال صالحہ کی فکر کرنا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرغوباتِ دنیا میں مبتلا ہو کر ایمان کی دولت سے محروم ہو جائے۔ اور پھر اس دنیا سے خالی ہاتھ جانا پڑے یہ سخت گھاٹے کا سودا ہو گا۔

متقین کے لیے انعام

جب حُبُّ الشَّهَوَاتِ والی آیت نازل ہوئی۔ تو حضرت عمر فاروقؓ نے اللہ کے حضور دُعا کی۔ کہ مولا کریم! کہ گمراہی کے ان اسباب کے پیش نظر ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام اِن کو فرما دیجئے اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ کیا میں تمہیں ان تمام مرغوبات سے بہتر چیز نہ بتاؤں۔ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ان لوگوں کے لیے جو اللہ سے ڈرتے رہے۔ اُن کی طبیعتوں میں خوف خدا قائم رہا ہے۔ اور وہ کفر، شرک، نفاق اور برائی سے بچتے رہے۔ فرمایا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ اُن کے رب کے ہاں باغات ہیں تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں، خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مومن لوگ ہمیشہ باغات میں رہیں گے۔ وہاں سے نکالے جانے کا انہیں کوئی کھٹکا نہیں ہو گا۔ یہ باغات دنیا کی اِن مرغوب اشیاء سے کہیں بہتر ہیں۔ اور پھر یہ صرف باغات ہی نہیں ہوں گے بلکہ تقویٰ اختیار کرنے والوں

کے لیے وہاں وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ پاکیزہ بیویاں ہونگی۔ جو ہر قسم کی جسمانی و روحانی غلاظت سے پاک ہوں گی۔ اس دُنیا کی بہترین عورتیں بھی ان کی طہارت کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی۔ فرمایا اس کے علاوہ جنتیوں کو وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ جو سب سے بڑی نعمت ہوگی۔ جب لوگ دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اور انہیں ہر نعمت حاصل ہو جائے گی، تو اللہ کریم ان سے فرمائیں گے، کیا میں تمہیں کچھ اور زیادہ نہ دوں۔ وہ لوگ حیران ہوں گے۔ اور کہیں گے یا الٰہی! ہم جنت میں پہنچ گئے، کامیاب ہو گئے۔ ہر طرح کی نعمتیں حاصل ہو گئیں۔ اب اور کیا ملے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ میں اپنی خوشنودی اور رضا تم کو دیتا ہوں فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا اب آج کے بعد کبھی تم سے ناراض نہیں ہونگا۔ گویا اللہ تعالیٰ جنتیوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راضی ہو جائے گا۔ یہ انسان کی ابدی فلاح ہوگی۔ فرمایا وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے حالات کو نگاہ میں رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے۔ اور کون کس بُرائی میں مبتلا ہے۔ لہٰذا اس کی گرفت سے کوئی شخص نہیں بچ سکتا۔ وہ یہ بھی جانتا ہے، کہ کون ایماندار ہے اور اعمال صالحہ کر رہا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اس کے ہاں صلے کی کمی نہیں ہے وہ انہیں آخرت میں بہترین ابدی زندگی عطا کرے گا۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾

ترجمہ :- وہ لوگ جو کہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم ایمان لائے ہیں پس بخش دے ہم کو ہمارے گناہ، اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا ﴿١٦﴾ وہ صبر کرنے والے ہیں، اور سچائی والے ہیں اور اطاعت کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور بخشش طلب کرنے والے ہیں سحریوں کے وقت ﴿١٧﴾ اللہ نے گواہی دی ہے کہ اُس کے سوا عبادت کے کوئی لائق نہیں۔ اور فرشتوں نے بھی، اور اہلِ علم نے بھی۔ وہ قائم ہے انصاف کے ساتھ۔ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے ﴿١٨﴾

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں گمراہی کے اسباب بیان ہوئے تھے۔ عام طور پر اپنی اشیاء کی محبت میں گرفتار ہو کر لوگ گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ تعالےٰ کے بھیجے ہوئے دین اور آخرت کی زندگی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتلا دیا کہ دنیا کی ان مرغوب اشیاء کے مقابلے میں اہلِ تقویٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر سامان موجود ہے۔ وہاں پر جنت ہے جس میں ہر طرح کی نعمتیں مہیا ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل ہو جائے گی۔ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہو گی۔ اور جس کو کبھی زوال نہیں آئیگا۔ اب آیات زیرِ درس میں اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ یعنی یہ وہ

لوگ ہیں۔ جنہیں جنت کی نعمتیں اور اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔

ایمان اور بخشش

فرمایا جنت کے وارث وہ لوگ ہوں گے اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا جو کہتے ہیں۔ کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں۔ وہ اس بنیادی عقیدے کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی صفات، اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں، اس کے فرشتوں اور روزِ قیامت پہ یقین رکھتے ہیں۔ اس ایمان کے اعتراف کے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا مولا کریم! تو نے ہمیں ایمان کی دولت دیکر اپنی پہچان کرائی ہے۔ ہم تیرے بندے ہیں۔ پس ہمارے گناہ معاف فرمادے ہم سے جس قدر غلطیاں، کوتاہیاں اور لغزشیں سرزد ہوچکی ہیں، ان سے درگزر فرما۔

امام رازیؒ اور دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں، بخشش کا مبنیٰ ایمان ہے۔ ایمان کے بغیر بخشش نہیں ہوگی۔ اسی لیے اٰمَنَّا کا اعتراف پہلے ہے اور فَاغْفِرْ لَنَا کی درخواست بعد میں ہے۔ جب تک ایمان مکمل نہیں ہوگا، معافی کی صورت پیدا نہیں ہوگی۔ اے مولا کریم! ہمیں معاف فرما وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے، تیری دوزخ کی سزا بڑی سخت ہے اُسے برداشت کرنے کی ہم طاقت نہیں رکھتے، اس لیے ہمیں ایمان کی بدولت اس جہنم سے بچالے۔

دوزخ کی سزا اس قدر خطرناک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بار بار اس سے بچنے کی دعا سکھائی ہے۔ فرمایا رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ دوسری جگہ فرمایا رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ ط اے پروردگار! جسے تو نے آگ میں داخل کر دیا وہ ذلیل و خوار ہوگیا۔ ہمیں اس رسوائی سے بچا۔ غرضیکہ اہل تقویٰ کی یہ صفات بیان کی گئی

ہیں۔ کہ وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے
گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں۔ اور دوزخ کے عذاب سے رہائی کے طالب
ہوتے ہیں۔

اہل تقویٰ
۱۔ صابرین

اہل تقویٰ کی فہرست میں سب سے پہلے فرمایا اَلصّٰبِرِیْنَ ان کی ایک صفت
یہ ہے۔ کہ وہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑی صفت ہے اللہ تعالیٰ
کی اطاعت کرتے وقت، نفسانی تقاضوں سے بچنے کے وقت یا کسی مصیبت
آنے پر صبر ہی کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "یٰۤاَیُّهَا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" اے اہل
ایمان! صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔ صبر کرنا اگرچہ بڑا مشکل کام ہے۔
مگر اس کا اجر بھی زیادہ ہے۔ فرمایا "یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ
حِسَابٍ" اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔
حضرت علیؓ کی روایت میں آتا ہے الصبر من الایمان بمنزلة
الراس من الجسد صبر کا تعلق انسان کے ایمان کے ساتھ ایسا ہی ہے
جیسے سر کا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ سر اُتر جائے تو دھڑ بیکار ہو جاتا ہے اسی
طرح صبر کا دامن چھوٹ جائے تو ایمان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ صبر حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور دین اسلام کے اہم اصولوں میں سے ہے۔ صبر بھی
اسی طرح اہم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید پہ ایمان، نماز اس کا ذکر تعظیم شعائر اللہ
اور اس کی نعمتوں کا شکر ضروری ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کیا میں تمہیں
درجات بلند کرنے والی چیز نہ بتلاؤں جو گناہوں کو مٹاتی ہے فرمایا وہ ہے
اتمام الوضوء عند المکریھات یعنی تکلیف کے وقت
مکمل وضو کرنا۔ گرمی سردی میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اگر سخت سردی کے
ایام میں پانی گرم کرنے کا انتظام نہ ہو، تو وضو کرتے وقت تکلیف ہوتی ہے
بعض اوقات ہاتھ پاؤں پھٹ جاتے ہیں۔ مگر ایک مومن جب یہ تکلیف برداشت

وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ بھی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اطاعت گذار مردوں اور اطاعت گذار عورتوں کے لیے قیامت کو بہت بڑے اجر کا مژدہ سنایا ہے الغرض اہل تقویٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے۔ کہ وہ اللہ کے اطاعت گذار ہوتے ہیں۔ اس کی نافرمانی نہیں کرتے

۴۔ خرچ کرنیوالے

اہل تقویٰ کا چوتھا گروہ وَالْمُنْفِقِيْنَ کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ کی راہ میں محتاجوں پر خرچ کرنے والے ہیں۔ دین اسلام میں خرچ کرنا بذاتِ خود ایک بہت بڑا اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض جمع کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ یہودیوں کی یہ صفت تھی "جَمَعَ فَاَوْعٰى" کہ وہ محض جمع کرنا جانتے تھے۔ خرچ نہیں کرتے تھے۔ مگر ایک مومن کی صفت یہ ہے۔ کہ وہ دولت کماتا ہے۔ تو اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتا ہے۔ بخل نہیں کرتا۔ وہ جانتا ہے وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ کہ ان کے مالوں میں محتاجوں اور محروموں کا حق بھی ہے اور ان کے متعلق حکم یہ ہے کہ اَعْطِ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ ہر حقدار کو اُس کا حق پہنچاؤ۔ اگر محتاج کی خبرگیری نہیں کرو گے تو لعنت برسے گی۔ مسلمانوں کا اجتماعی نظام خراب ہو جائے گا۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ مال عطا کرے۔ تو اس کے دیئے ہوئے میں سے اس کے حکم کے مطابق ضرورتمندوں کو ان کا حق ادا کرو۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ خرچ کرنے کا حکم محض انفرادی نہیں۔ بلکہ اس کا اطلاق اجتماعی حیثیت پر بھی ہوتا ہے۔ اور اس ضمن میں حکومتِ وقت پر سب سے زیادہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ جو حکومت محض جمع کرتی ہے۔ ایسی حکومت کو اسلام ختم کرنے کے لیے آیا تھا۔ اُس زمانے میں قیصر و کسریٰ کی بڑی بڑی سلطنتیں تھیں۔ لوگوں پر ناجائز ٹیکس لگا کر مال جمع کرتے تھے اور پھر اُسے حقداروں تک پہنچانے کی بجائے اپنی عیاشی پر خرچ کرتے تھے۔ ایسی حکومتوں کی بیخ کنی کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کو مبعوث فرمایا۔ اور قرآن پاک نازل فرمایا۔ چنانچہ

ساتھ ہے۔

۲۔ صادقین

اہل تقویٰ میں سے دوسرے گروہ کے متعلق فرمایا وَالصّٰدِقِیْنَ وہ لوگ ہیں جو ہر معاملہ میں سچائی اور راست بازی کو اختیار کرتے ہیں۔ اپنے قول، فعل، معاملے، اور وعدے میں سچائی کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ جیسے فرمایا لَا یَزَالُ الْمُومِنُ یَتَحَرَّی الصِّدْقَ حتی یُکْتَبَ عِنْدَاللّٰہِ صِدِّیْقاً یعنی مومن برابر سچائی کو تلاش کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسکو صدیق لکھا جاتا ہے۔ سورۃ توبہ میں فرمایا اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" اور سچے لوگوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ سورۃ مائدہ میں فرمایا "ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ" قیامت کے دن راست باز لوگوں کو ان کی سچائی نفع دیگی سورۃ احزاب میں فرمایا "لِیَسْئَلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِھِمْ" قیامت کے دن سچے لوگوں کے سچ کے متعلق پوچھا جائے گا۔ سورۃ عنکبوت کی ابتدا میں فرمایا "فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا" یعنی اللہ تعالیٰ سچوں کو جانچتا رہتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں سچائی بہت بڑا عمل ہے۔ اور اس کے ہاں اس کے واسطے بہت بڑا اجر ہے۔

۳۔ اطاعت گذار

فرمایا متقیوں میں تیسرا گروہ وَالْقٰنِتِیْنَ کا ہے۔ یہ لفظ قنوت سے مشتق ہے۔ اور اس کا معنیٰ اطاعت بجالانا ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا دامن کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑتے اُن پہ خوشحالی آئے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور آزمائش آئے تو صبر کرتے ہیں، مگر اپنے آپ سے باہر ہو کر اطاعت خداوندی سے باہر نہیں ہوتے انہیں ہر وقت یہ فکر لگی رہتی ہے۔ کہ کسی وقت اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو جائے۔ یہی لوگ قانتین ہیں۔ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے جن مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم کی بشارت سنائی ہے۔ ان میں

کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے انعامات سے نوازتا ہے۔ اُس کے لیئے بخشش کے دروازے کھول دیتا ہے۔ بعض گرم طبقات میں ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر ایسا پانی میسر نہ آنے کی صورت میں گرم پانی سے ہی وضو کرنا پڑتا ہے۔ اور ایک مومن یہ تکلیف بھی برداشت کرتا ہے۔ اور صبر کا دامن نہیں چھوڑتا۔ نماز کے لیے قیام، رکوع اور سجود پر صبر کرتا ہے۔ روزہ رکھ کر صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ حج کی تکالیف پر صبر کرتاہے اور سب سے بڑھ کر صبر جہاد کے موقع پر کرتا ہے۔ اور سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے۔ اِنَّ الْجَنَّۃَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ یعنی جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ جسے جنت کی خواہش ہے۔ وہ جہاد میں چمکتی ہوئی تلواروں اور برستے ہوئے تیروں اور نیزوں سے نہیں ڈرتا ہے۔ یہ اس کے صبر و استقامت کی انتہا ہے۔ اسی طرح اپنی عزیز متاع مال و دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی صبر پہ دلالت کرتا ہے۔ یہ سب صبر ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔

صبر کی ایک اور بڑی صورت کسی تکلیف یا صدمے کے وقت صبر کرنا ہے۔ مال و جائداد ضائع ہو جائے۔ کوئی عزیز یا بزرگ فوت ہو جائے۔ کسی چیز کا خوف مسلط ہو جائے۔ تو ایسی حالت میں صبر کا دامن تھامنا بہت بڑا اصول ہے اسی اصول کو چھوڑ کر رافضیت اور شیعیت پیدا ہوئی۔ جس اصول کو امام حسینؓ نے آخر دم تک اپنائے رکھا۔ اسی اصول کو اُس کے نام لیواؤں نے ترک کر کے بے صبری کا انتہائی مظاہرہ کیا۔ رونا پیٹنا، واویلا کرنا، منہ نوچنا۔ چھریاں مارنا، چھاتی پیٹنا کونسا اصول ہے۔ یہ تو بے اصولی کی بات ہے۔ حضرت علیؓ نے صبر کے اصول کو قائم رکھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس پر آنچ نہ آنے دی، حضرت عمرؓ نے اس کا کمال مظاہرہ کیا۔ آج ہم اس زریں اصول کو ترک کر کے کیسے فلاح پا سکتے ہیں بہرحال اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر صبر کرنے والوں کی تعریف بیان کی ہے۔ اس کا عام اعلان ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ "بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے

خلفائے راشدینؓ کے زمانے تک مسلمان اس زریں اصول پر عمل کرتے رہے مگر بعد میں مسلمانوں میں ہی قیصر و کسریٰ پیدا ہو گئے۔ اب دنیا بھر میں نظر دوڑا کر دیکھ لو۔ کون سی حکومت ہے۔ جو محتاجوں کا خیال کرتی ہے۔ ان قیصر و کسریٰ کے جانشینوں سے کوئی پوچھے کہ تم لوگ کے خون پسینے کی کمائی کو حاصل کر کے کہاں خرچ کر رہے ہو۔ سب من مانی کر رہے ہیں کوئی اکا دکا اچھا آدمی ہو گا جسے خوف خدا ہو گا۔ اور جو امانت اللہ نے اس کے سپرد کی ہے اُسے حقداروں تک پہنچاتا ہو گا ورنہ عام طور پر ہر طرف شہنشاہیت، ملوکیت اور امپریلزم نظر آتا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ جو سوسائٹی اپنے غریبوں اور محتاجوں کا خیال نہیں رکھتی وہ مٹا دینے کے قابل ہے۔ آپ نے اپنے سب سے بڑے مرید اور رشتے کے بھائی کی بیعت ان الفاظ میں لی کر نیکی قائم کرنا اور ہمیشہ غرباء اور مساکین کے مسائل کو حل کرنا۔ آپ نے بیعت میں یہ چیز داخل کر دی۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے بھی کام خراب کیا ہے یہ بھی ملوکیت سے متاثر ہو کر بگڑ گئے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو غرباء اور مساکین کا خیال کرتے ہیں۔ خود عیش و آرام کے طالب ہیں مگر اصل مشن سے دُور چلے گئے ہیں۔ غرضیکہ منفقین کا یہ لفظ بتلا رہا ہے کہ اہل ایمان دولت کو سمیٹ کر نہیں رکھتے۔ بلکہ دولت کو خرچ کرنا ان کے اوصاف میں داخل ہے۔

۵ طالبانِ بخشش

فرمایا متقین کی پانچویں شاخ ہے۔ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ وہ لوگ سحری کے وقت اُٹھ کر بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں۔ سحری کا وقت تنہائی اور سکون کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ کی رحمت کے نزول کا وقت ہوتا ہے تقربِ الٰہی کے اس وقت میں اللہ سے اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ تہائی رات باقی رہنے پر اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر اعلان فرماتا ہے۔ مَنْ يَّدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَهٗ ہے کوئی دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں۔ مَنْ يَّسْئَلُنِيْ فَاُعْطِيَهٗ

ہے کوئی سائل کہ میں اُسے عطا کر دوں۔ مَنْ یَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرَ لَہٗ ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ میں اس کو بخش دوں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق منقول ہے۔ رات کو نماز میں مشغول رہتے۔ پھر پوچھتے سحری ہو گئی ہے۔ اُس وقت توبہ استغفار میں لگ جاتے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا

توحید باری تعالیٰ

اِس سورۃ مبارکہ کی ابتدا مسئلہ توحید سے ہوئی تھی۔ الٓمّٓ ۝ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اب اِس آیت میں پھر وہی بات دہرائی جارہی ہے، جو اصلی مبنیٰ دین ہے۔ ارشاد ہوتا ہے شَھِدَ اللّٰہُ اللہ تعالیٰ نے اِس بات کی گواہی دی۔ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، کوئی عبادت کے لائق نہیں، نہ جبرائیل علیہ السلام، نہ میکائیل علیہ السلام، نہ مسیح علیہ السلام اور نہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ اِلٰہ کا معنیٰ بڑا وسیع ہے۔ الٰہ وہ ہو سکتا ہے۔ جس میں الوہیت کی صفت پائی جاتی ہو۔ جو واجب الوجود ہو، جس کا علم محیط ہو، جس کی قدرت تام ہو، جو خالق اور مدبر ہو اور جو فاطر ہو۔ جو خود مخلوق اور محتاج ہو، وہ الٰہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جو ہمہ دان نہ ہو، ہمہ بین نہ ہو اور ہمہ توان نہ ہو، وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ الٰہ وہ ہے جو جو چاہے کر گزرے، اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ لہٰذا فرمایا اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی کہ اُس کے سوا الٰہ کوئی نہیں ہے۔ یہ جملہ اس قدر اہم ہے۔ کہ اس ایک آیت میں دو دفعہ دہرایا گیا ہے۔ حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اِن الفاظ میں سکھائی گئی ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ اے مولا کریم! میں تیری تعریف کما حقہٗ نہیں کر سکتا۔ تیری تعریف وہ ہے، جو تو نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔ اسی طرح اللہ نے خود گواہی دی ہے۔ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا کوئی حاضر ناظر نہیں، کوئی مختار کل نہیں کوئی

عالم الغیب نہیں، کوئی دینے والا نہیں اور کوئی چھیننے والا نہیں۔

فرمایا وَالْمَلٰٓئِكَةُ اور فرشتوں نے بھی یہ گواہی دی ہے۔ اللہ کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں وَاُولُوا الْعِلْمِ اور اہلِ علم نے بھی یہی گواہی دی ہے۔ علم والوں میں سب سے پہلے نبی ہیں، پھر کامل الایمان لوگ پھر حکماء اور دانشور، سب نے یہی گواہی دی ہے۔ کہ اللہ جلّ شانہٗ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

آگے فرمایا قَآئِمًا بِالْقِسْطِ خدا تعالیٰ کی ذات انصاف کے ساتھ قائم ہے امام بیضاویؒ اور صاحب مدارک امام نسفیؒ اس کا ترجمہ کرتے ہیں مُقِيمًا بِالْقِسْطِ انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی بنتی ہے اور اہلِ علم کی بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام فیصلوں اور افعال میں انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اس نے ہر چیز کو انصاف کے دائرے میں رکھا ہوا ہے۔ اس کے عمل اور اسکی پسند میں ظلم بالکل نہیں ہے کسی کام میں ناانصافی نہیں ہے۔ بلکہ ہر کام میں اعتدال اور توازن ہے۔ وہ خود انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اور انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔

علمائے حق

اہلِ علم کی بھی یہی صفت ہے۔ ہر اہلِ علم مقیماً بالقسط یعنی انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔ ان کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ وہ ایسا ہی کریں۔ کیونکہ قرآن پاک میں انصاف کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جب اہلِ علم انصاف پہ قائم ہوں گے تو وہ بھی یہی گواہی دیں گے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ کلمہ تمام ادیان اور شرائع الٰہی کی بنیاد ہے۔ اللہ نے اپنی بہترین مخلوق کے متعلق فرمایا۔ کہ اس کا ہر فرد اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں۔

علمائے سوء

البتہ علما کا ایک اور گروہ بھی ہے۔ جو توحید کا درس دینے کی بجائے شرک و بدعت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ علمائے سوء ہیں۔ جہاں شرک و بدعت کی تعلیم دی

دی جا رہی ہو، سمجھ لو کہ یہ پیٹ پرور، دنیادار علماء کی آواز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰے کا فیصلہ تو یہ ہے۔ کہ اہل علم کی شہادت لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ہے۔ اگر یہ تعلیم اس کے خلاف ہے۔ عرس منانے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ قوالی ہو رہی ہے قبروں پہ سجدے ہو رہے ہیں، خواجہ فرید الدینؒ کے دروازے سے گزرنے والے کو جنت کا ٹکٹ دیا جا رہا ہے۔ تو سمجھ لو کہ علماء سوء کی مجلس برپا ہے خواجہ صاحبؒ تو ماشاء اللہ کامل الایمان بزرگ تھے۔ ان کے ہاتھ پہ پنجاب کے لاکھوں خاندانوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔ انہوں نے استعارے سے کوئی بات کی ہو گی، جو کوئی بات کی ہو گی، کہ جو کوئی نیچی کے دروازے سے گزر گیا، جنت میں جائے گا۔ مگر جاہلوں نے اُن کی قبر کے دروازے کو جنت کا دروازہ بنا لیا۔ یہ تو شرکیہ فعل ہے۔ کہیں تعزیہ نکل رہا ہے۔ اس کی تعظیم ہو رہی ہے۔ سجدہ ہو رہا ہے اس پہ چڑھاوے چڑھائے جا رہے ہیں۔ یہ صرف عوام تک محدود نہیں بلکہ حکومت کی سطح تک ایسے افعال کی سرپرستی کی جا رہی ہے۔ قبروں پہ چادریں چڑھائی جا رہی ہیں۔ مقبرے بن رہے ہیں۔ ایسے کاموں پہ بے دریغ روپیہ بہایا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ لاؤڈ سپیکر پہ علی الاعلان شرک و بدعت کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ یہ اولی العلم کا کام نہیں۔ کیونکہ ان کی شہادت تو ایک ہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فرمایا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ عزیز کا معنی ہے کمال قدرت کا مالک۔ وہ جو چاہے کرے۔ اسکی قدرت کے سامنے کسی کو بھڑنے کی مجال نہیں۔ اور حکیم کے معنی کمال حکمت کا مالک۔ ہر چیز اللہ تعالٰی کی حکمت کے مطابق ہے۔ وہ حکیم ہے۔ وہی معبود ہے۔ اس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اسکے سوا کوئی نہیں جو مخلوق کی حاجت روائی کر سکے۔ یہ تعلیم تمام انبیاء اور تمام آسمانی کتابوں کی جڑ اور بنیاد ہے تمام اصحاب علم بھی اس کی تعلیم دیں گے جو اس تعلیم کیخلاف کریگا۔ وہ علمائے سوء یا پیران نحوس میں شمار ہو گا۔ ایسا شخص اہل علم نہیں ہو گا بلکہ اہل بدعت ہو گا

درس ششم ۶ آیت ۱۹ تا ۲۰

اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ ۚ وَمَا اخۡتَلَفَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًاۢ بَيۡنَهُمۡ‌ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنۡ حَآجُّوۡكَ فَقُلۡ اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِىَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ‌ ؕ وَقُلۡ لِّلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ وَالۡاُمِّيّٖنَ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ‌ ؕ فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ اهۡتَدَوْا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ‌ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۲۰﴾

النصف

ع ۱۰

ترجمہ :- بیشک سچا اور پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی، مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آگیا، سرکشی کرتے ہوئے اپنے درمیان۔ اور جو شخص اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کریگا، بیشک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے (۱۹) پس اگر یہ آپ سے جھگڑا کریں، تو آپ کہ دیجئے، میں نے سونپ دیا ہے اپنے چہرے کو اللہ کے لیے۔ اور ان لوگوں نے بھی جنھوں نے میری پیروی کی۔ اور آپ ان لوگوں سے کہ دیجئے جن کو کتاب دی گئی اور ان پڑھوں سے، کیا تم اسلام لاتے ہو۔ پس اگر وہ اسلام لائیں، تو بیشک وہ ہدایت پا گئے۔ اور اگر منہ پھیر دیں۔ پس بیشک تیرے ذمے پہنچا دینا ہے۔ اور اللہ نگاہ میں رکھنے والا ہے بندوں کے حالات (۲۰)

ربطِ آیات

پہلی آیات میں دین کا مبنیٰ، جڑ اور بنیاد مسئلہ توحید اور اللہ کی صفات کو قرار دیا گیا تھا۔ اب اس آیت میں اللہ نے اسلام کی حقانیت بیان فرمائی ہے مشرکین عرب اور ایران کے مجوسی دعویٰ کرتے تھے۔ کہ ان کے ادیان سچے ہیں۔ اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ اس معاملے میں زیادہ ہی غلو کرتے تھے وہ اپنے علاوہ ہر دوسرے مذہب کو غلط بتاتے تھے اور نجات کو صرف اپنے ہی دین میں بند سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہود و نصاریٰ کے پاس کوئی حقیقت اُس وقت نہ تھی۔ اور نہ آج ہے۔ انہوں نے انبیاء کے اصل دین کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اور کفر و شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔

اس سے قبل گمراہی کے اسباب بھی بیان ہو چکے ہیں۔ حق و صداقت کی مخالفت کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی، کہ اُن کے مال و اولاد ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ اور وہ اس دنیا میں بھی مغلوب ہوں گے۔ اور آخرت میں جہنم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اللہ نے یاد دلایا کہ تم نے جنگِ بدر میں اللہ کی نصرت کا نمونہ دیکھ لیا ہے۔ اس سے عبرت حاصل کرو۔ دنیا میں گمراہی عام طور پر عورتوں اور بیٹوں کی محبت، سونے چاندی کے جمع کردہ مال، عمدہ، گھوڑے مویشی اور کھیتی باڑی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ان تمام چیزوں سے بہتر اللہ کی طرف سے ملنے والا وہ اجر و ثواب ہے۔ جو ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ مگر وہ متقیوں کے لیے ہے۔ ان نعمتوں میں پاکیزہ بیویاں اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ جو اہل جنت کو حاصل ہو گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی صفات بیان کیں۔ کہ وہ ایمان کا اقرار کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنی لغزشوں کی معافی مانگتے ہیں دوزخ سے پناہ چاہتے ہیں، صبر و استقلال کو اختیار کرتے ہیں اور سچائی پہ ڈٹ جاتے ہیں، ہمیشہ اطاعت کا دامن تھامے رکھتے ہیں، اپنی نیک کمائی میں سے خرچ کرتے ہیں، محتاجوں کی اعانت کرتے ہیں اور سحری کے وقت استغفار

کرتے ہیں۔ یہ تمام باتیں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے توحید کا مسئلہ بیان فرمایا کہ دین کی جڑ اور بنیاد یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام اہل علم گواہی دیتے ہیں کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ عزیز اور حکیم ہے۔

سچا دین صرف اسلام

اب اِس آیت میں دین کی صداقت کا تذکرہ ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ یعنی اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور سچا دین صرف اسلام ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام اسی دین کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں اختلاف اگر کوئی ہے تو شریعتوں میں ہے، کیونکہ اُن میں فرعی احکام ہوتے ہیں۔ جو مختلف ادوار میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا یہود و نصاریٰ، مجوس یا مشرکین کا یہ دعوے کہ اُن کا دین سچا ہے، بالکل غلط دعویٰ ہے۔ یہ تو کذب بیانی اور خلافِ واقعہ ہے۔ صداقت تو صرف دینِ اسلام میں ہے۔ اور اپنے دعویٰ میں سچا وہی ہو گا، جو دین اسلام کا پیروکار اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان لانے والا ہو گا۔

وجہ اختلاف

اہل کتاب سے دو گروہ مراد ہیں۔ اولاً یہودی جو اپنے آپ کی نسبت تورات کی طرف کرتے تھے۔ کہ اُن کے پاس اللہ کی عظیم کتاب ہے۔ اور دوسرے عیسائی جو انجیل کے حامل ہونے کے دعویدار تھے۔ چنانچہ اگلی آیت کے مصداق دونوں گروہ یعنی یہود و نصاریٰ ہیں۔ تاہم چونکہ اس سورۃ میں عموماً نصاریٰ کا ذکر ہے اس لیے وہ خاص طور پہ اس آیت کے مخاطب ہیں۔ اب اگر ان کا دین سچا ہوتا ہے۔ تو اختلاف کی کوئی وجہ نہ تھی۔ مگر انہوں نے سچے دین اسلام سے اختلاف کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کی وجہ بھی بیان فرما دی وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اور نہیں اختلاف کیا اہل کتاب نے اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ مگر بعد

اس کے کہ ان کے پاس علم آگیا۔ یعنی وہ نبی آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق تمام علم یعنی ان کی تمام نشانیاں معلوم کرنے کے بعد بھی آپ کو نبی ماننے پر تیار نہ ہوئے۔ سورۃ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ "یَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ" یہ لوگ حضور علیہ السلام کو اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ مگر پھر بھی ایمان نہیں لاتے تھے۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں نجران کے وفد کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ لوگ بھی جانتے تھے کہ نبی آخر الزماں حضور علیہ السلام ہی ہیں، جن کی پیشین گوئیاں ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر اس کے باوجود آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی بَغۡيًۢا بَيۡنَهُمۡ ط اُن کا یہ فعل آپس میں سرکشی کی وجہ سے تھا۔ یہود و نصاریٰ کو اس زمانے میں ایک قسم کا اقتدار اور تفوق حاصل تھا۔ اور نصاریٰ بر سر اقتدار بھی تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر وہ نبی آخر الزمان پر ایمان لے آئے تو پھر اُن کی تابعداری کرنی پڑے گی۔ اور اس صورت میں اُن کا اپنا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ مدینے کا رئیس المنافقین اسی حسد کی بنا پر ساری عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا رہا۔ مدینے والے اُسے اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کو تیار تھے مگر حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے اس کا سارا کھیل بگڑ گیا۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ لوگ علم حاصل ہونے کے بعد بھی مخالفت پر اڑے رہے سرکشی کرتے ہوئے محض اپنے اقتدار کے دفاع کے لیے حالانکہ اسلام کی وجہ سے انہیں جو شرف حاصل ہونے والا تھا، اُس کا وہ اندازہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ الغرض! اہل کتاب نے سرکشی اور ضد کی بنا پر اسلام قبول نہ کیا۔

اسلام کیا ہے

اسلام کا اصلی معنیٰ سونپ دینا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے اعمال و افعال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کو قبول کر لیتا ہے۔ تو گویا وہ اسلام لے آتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ جب اُن کے رب نے اُن سے کہا اَسۡلِمۡ تم اسلام لے آؤ تو عرض کیا۔ "اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ"

میں تمام جہانوں کے رب کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا ہوں۔ اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا۔ گویا تسلیم و رضا کا نام ہی اسلام ہے۔ اور تمام انبیاء کرام اسی دین کی کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی دین کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ ایسا دین ہے۔ جو کامل، اکمل اور عالمگیر ہے۔ یہ ناقابلِ تنسیخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء کی تمام شرائع منسوخ کر کے صرف نبی آخر الزمان علیہ السلام کی شریعت کو قیامت تک کے لیے قائم و دائم رکھا۔

نجران کے عیسائیوں سے آپ نے یہی فرمایا کہ تم اسلام کیوں نہیں لاتے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو پہلے ہی اسلام لائے ہوئے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تم غلط کہتے ہو، تم کہاں ایمان لائے ہو۔ محمد بن اسحاقؒ کی روایت میں حضور علیہ السلام کے الفاظ ہیں اَسْلِمُوْا تم اسلام لے آؤ۔ تو وہ کہنے لگے۔ اَسْلَمْنَا ہم تو اسلام لا چکے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کَذَبْتُمْ تم جھوٹ کہتے ہو۔ کَیْفَ یَصِحُّ اِسْلَامُکُمْ تمہارا اسلام کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جب کہ اَنْتُمْ تُثْبِتُوْنَ وَلَدًا لِلّٰہِ تم مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ثابت کرتے ہو۔ تین خداؤں میں سے ایک کہتے ہو یا بعینہٖ خدا کہتے ہو مسلمان تو وہ ہے۔ جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی توحید کا قائل ہے لہٰذا تمہارا دعویٰ اسلام بالکل غلط ہے۔

آنحضرت علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ تم کیسے مسلمان ہو۔ جب کہ تَعْبُدُوْنَ الصَّلِیْبَ تم صلیب کی عبادت کرتے ہو۔ یہ تو شرک کی نشانی ہے۔ مسند احمد ترمذی اور دیگر احادیث میں صلیب کو وثن کہا گیا ہے۔ یہ تو بت کی مانند ہے تمہارا عقیدہ یہ ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس صلیب پر لٹکائے گئے تھے۔ جو کہ سراسر غلط ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا تیسرا کام یہ ہے۔ وَتَاْکُلُوْنَ الْخِنْزِیْرَ کہ تم خنزیر کا گوشت کھاتے ہو۔ اسلام

ہیں خنزیر قطعاً حرام ہے۔ تم خنزیر کو کھانے والے مسلمان کیسے ہو سکتے ہو۔ یہ ساری تفصیل امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے، سب کے شرائع میں خنزیر حرام رہا ہے۔ لہٰذا یہ سور کا گوشت کھانے والے اور حضرت مریمؑ کی تصویروں کی پوجا کرنے والے اسلام کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ تو اللہ کی صریح آیات کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان کے متعلق حکم یہ ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا۔ تو یاد رکھو۔ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ کہ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ جب وہ مؤاخذہ کرتا ہے۔ تو پھر اس کی گرفت سے بچ کوئی نہیں سکتا۔

اطاعت خداوندی

فرمایا ان تمام حقائق کے واضح ہو جانے کے باوجود فَاِنْ حَآجُّوْكَ اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں فَقُلْ تو آپ کہہ دیں اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ میں نے اپنے چہرے کو اللہ کے تابع کر لیا ہے، وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ اور میرے پیروکاروں نے بھی۔ وجہ چہرے کو کہتے ہیں۔ اور یہ انسانی جسم کا سب سے معزز حصہ ہے۔ چہرے سے مراد ذات ہوتی ہے۔ مقصد یہ کہ میں نے ہمہ تن اور میرے پیروکاروں نے بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع بنا لیا۔ غرض! اسلام یہ ہے۔ کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر خدا کی اطاعت میں دے دیا جائے۔ گویا اسلام کے بنیادی اصول دو ہیں۔ پہلا اصول توحید کا ہے جیسا کہ گذشتہ درس میں آ چکا ہے۔ "شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" یہ توحید الٰہی کا اعلان ہے۔ اور دوسرا بنیادی اصول اسلام ہے یعنی اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں دے دینا۔ یہ دونوں اصول اہل کتاب میں مفقود تھے۔ نہ وہ توحید کو مانتے تھے۔ اور نہ اسلام لاتے تھے۔ لہٰذا ان کا زبانی دعویٰ ناقابل قبول ٹھہرا۔ وہ لوگ اپنے آپ

کو حنیف یا ابراہیمی کہتے تھے جیسا کہ عرب اپنے آپ کو اسماعیلی کہتے تھے۔ جو کہ سراسر غلط تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا دعویٰ باطل ہے۔ آگے سورۃ نساء میں ذکر آئے گا کہ اصل حنیف تو حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکار ہیں۔ یہ اہل کتاب تو اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ دوسرے مقام سورۃ یوسف میں فرمایا "عَلٰی بَصِیۡرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیۡ" میں اور میرے ماننے والے ہی صحیح بصیرت پر ہیں۔ یہ تمام انبیاء کی مشترک تعلیم ہے۔ اس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں۔ وہ ہر بات واضح طور پر بیان کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ خوب کان کھول کر سن لو "ثُمَّ لَا یَکُنۡ اَمۡرُکُمۡ عَلَیۡکُمۡ غُمَّۃً" پھر تمہارے معاملے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔ سورۃ ہود میں فرمایا "فَاسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ وَمَنۡ تَابَ مَعَکَ" آپ بھی ٹھیک ٹھاک راستے پر چلیں اور آپ کے پیروکار بھی۔ کیونکہ ہمیں اپنے مسلک، اعمال یا اخلاق میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ ہمیں دل سے یقین ہے کہ ہم ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں۔ مومن کی یہی شان ہے۔ برخلاف اس کے مشرک اور منافق اندھیرے میں ٹھوکریں کھائیگا ہمارے لیے روشنی کا مینارہ قرآن پاک ہے جو کہ "بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَھُدًی وَّرَحۡمَۃٌ" ہے۔ یہ دلوں میں بصیرت پیدا کرتا ہے۔ زندگی کے ہر موڑ پر ہدایت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ تعلق قائم کرنا ضروری ہے اس کے علاوہ راہ ہدایت کسی سے نہیں مل سکتی۔ اس کو مضبوطی سے پکڑنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔

ایمان کی دعوت

فرمایا "وَقُلۡ لِّلَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ وَالۡاُمِّیّٖنَ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ" ان اہل کتاب اور ان پڑھوں سے کہہ دیجئے۔ کیا تم اسلام لاتے ہو۔ دین توحید قبول کرتے ہو، اطاعت خداوندی اختیار کرتے ہو۔ اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ یہ پڑھے لکھے

لوگ تھے۔ متمدن تھے۔ دفتری نظام سے واقف تھے۔ حکومت کرنا جانتے تھے۔ ان کے سکول تھے۔ جن میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور ان کے پاس تورات اور انجیل بھی تھی۔ اس لیے اہل کتاب کہلاتے تھے۔ ان کے علاوہ عرب کے باقی لوگ جو عام طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے، وہ اَن پڑھ تھے تعلیم و تربیت مفقود تھی، نوشت و خواند سے بے بہرہ تھے۔ تاریخی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نزول قرآن کے زمانے میں صرف چار فیصد لوگ پڑھے لکھے تھے باقی سب اَن پڑھ تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے علاوہ ان امیوں کو بھی پیغام دیا کہ بتاؤ کیا تم اسلام لاتے ہو۔ فرمایا فَإِنْ أَسْلَمُوا اگر وہ اسلام لے آئیں فَقَدِ اهْتَدَوْا پس بیشک وہ ہدایت پا گئے۔ سورۃ بقرہ میں بھی اسی قسم کا بیان گزر چکا ہے۔ "فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا" اگر یہ بھی تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے۔ تم کو اللہ نے معیارِ حق بنا کر پیش کیا۔ غرض یہ کہ اگر اہل کتاب اور اُمّی صحابہ کرام حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابوعبیدہؓ، خالدؓ وغیرہم کی طرح اسلام لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے فَإِنْ تَوَلَّوْا اور اگر وہ روگردانی کریں۔ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ تو آپ کے ذمے پہنچا دینا ہے۔ آپ اپنی ذمہ داری پوری کر دیں۔ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ۔ باقی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات کو نگاہ میں رکھنے والا ہے وہ ان کے ایک ایک فعل سے واقف ہے کہ انہوں نے کس قسم کے گندے عقیدے بنا رکھے ہیں۔ اور کس قدر ضد، عناد اور تعصب کا شکار ہیں۔

درس ہفتم ۷ — آیت ۲۱ تا ۲۵

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ
النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ
بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾
اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى
الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى
كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَھُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ
مِّنْھُمْ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ
قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠
وَّغَرَّھُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾
فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ قف
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا
يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ :۔ بیشک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کے ساتھ، اور قتل کرتے ہیں اللہ کے نبیوں کو ناحق ۔ اور قتل کرتے ہیں اُن لوگوں کو جو حکم دیتے ہیں لوگوں کو انصاف کرنے کا لوگوں میں سے ۔ پس ایسے لوگوں کو خوشخبری سُنا دیجیے عذابِ الیم کی ﴿۲۱﴾ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور اُن کے لیے کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا ﴿۲۲﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ان

لوگوں کو جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا۔ ان لوگوں کو کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے۔ تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ پھر ان میں سے ایک گروہ منہ پھیرتا ہے۔ اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں (۲۳) یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا، ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو دوزخ کی آگ مگر چند دن گنے ہوئے۔ اور دھوکا دیا ان کو ان کے دین کے بارے میں ان باتوں نے جو وہ افترا کیا کرتے تھے (۲۴) پس کیسے ہو گا ان کا حال جب ہم ان کو اکٹھا کریں گے اُس دن میں کہ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور پورا پورا دیا جائیگا ہر ایک نفس کو جو اُس نے کمایا۔ اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا (۲۵)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی ہٹ دھرمی کا ذکر کیا تھا۔ ______ کہ اہل کتاب نے دین میں اختلاف نہیں کیا مگر علم آ جانے کے بعد محض سرکشی، حسد، عناد، اور بغض کی وجہ سے۔ انہوں نے دنیا کے جاہ و مال، ریاست اور اقتدار کی خاطر دین حق کو قبول نہ کیا نیز یہ بھی بیان ہوا۔ کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے گا، وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ اس کے بچنے کی ایک ہی صورت ہے۔ کہ وہ اللہ کے سچے دین کو مان لے، صحیح عقیدہ اختیار کر لے اور خدا تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے۔

آیات سے انکار

اِن آیات میں بھی اہل کتاب کا ہی ذکر ہے۔ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ان کو تسلیم نہیں کرتے ان کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ اب کفر کی کئی ایک قسمیں ہیں۔ کفر انکار سے بھی ہوتا ہے۔ شک اور تردد سے بھی کفر لازم آتا ہے اور ایک عملی کفر ہے اسی طرح نفاق کا کفر ہے۔ مگر سب سے بڑا کفر اللہ کی آیات اور اس کے احکام کو تسلیم نہ کرنے کا نام ہے۔ احکام الٰہی کا منکر مکمل کافر ہو جاتا ہے۔ یہ کفر والی بیماری مشرکین مکہ کے بعد اہل کتاب میں بھی سرایت کر چکی تھی۔ تو اس

آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس بیماری کا ذکر فرمایا ہے۔

قتل ناحق

اہل کتاب کی دوسری خطرناک بیماری کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وہ اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے یہود و نصاریٰ کو یہ باور کرایا جا رہا ہے۔ کہ تکفیر آیات اللہ اور قتل انبیاء کی بیماری انہیں اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں ملی ہے۔ جس طرح انہوں نے انبیاء کو ناحق قتل کیا حضور علیہ السلام کے زمانہ کے اہل کتاب بھی اُسی روش پر چل رہے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح ؓ سے روایت ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن سب سے بڑا مجرم کون ہو گا۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا سب سے بڑا مجرم وہ ہو گا مَنْ قَتَلَ نَبِيًّا جس نے اللہ کے نبی کو قتل کیا اَوْ قَتَلَهُ نَبِيٌّ یا وہ بڑا مجرم ہو گا جسے اللہ کا نبی قتل کر دے۔ نبی تو معصوم ہوتے ہیں۔ لوگوں کے خیر خواہ اور ہمدرد ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسی ہستی کو قتل کرنا بلاشبہ بہت بڑا جرم ہے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا نبی کسی کو ناحق قتل نہیں کرتا۔ اور جس کو نبی قتل کر دے وہ یقیناً بہت بڑا مجرم ہو گا۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ غرضیکہ نبی کا قاتل یا نبی کا مقتول دونوں بڑے مجرموں میں شمار ہوتے ہیں۔ قتل ناحق اس قدر بُری چیز ہے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے صرف ایک دن میں اللہ کے ۴۳ نبیوں کو قتل کیا۔ وہ لوگوں کو اچھی باتیں بتاتے تھے، بُرائی سے روکتے تھے، مگر وہ مشتعل ہو کر انبیاء کو قتل کر دیتے تھے۔ انبیاء کے قتل کے بعد کچھ نیک لوگ آگے آئے۔ انہوں نے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام شروع کیا۔ لوگوں کو طعن ملامت کی کہ تم نے اللہ کے نبیوں کو قتل کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اُن بدبختوں نے اُسی دن پچھلے پہر ایک سو بارہ

یا ایک سو ستر نیک لوگوں کو بھی قتل کر دیا۔ یہ اُن کا ایک دن کا کارنامہ تھا۔ اسی چیز کی طرف اللہ پاک نے اشارہ کیا۔ کہ جو کفر کرتے ہیں۔ اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ اور اُن لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں۔ جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتے ہیں۔

قسط کا لفظ قرآن پاک میں متعدد مقامات پہ آیا ہے۔ اور اس سے مراد عام طور پہ انصاف لیا جاتا ہے۔ قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ تو کہہ دے کہ میرے رب نے حکم کر دیا ہے انصاف کا۔ سورۃ الرحمٰن میں فرمایا وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ یعنی کسی کے تول میں خرابی نہ کرو۔ ناپ تول میں انصاف قائم کرو۔ انصاف کا قیام انسانیت کی بنیادی صفت ہے۔ پہلے آیت گذر چکی ہے قَآئِمًا بِالْقِسْطِ خدا تعالیٰ خود بھی انصاف کرتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے بخاری شریف کی روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ حَرَامًا یعنی اے بنی آدم! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے۔ اور تمہارے درمیان بھی ظلم حرام ہے۔ فَلَا تَظَالَمُوا پس ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کے اس واضح حکم کے باوجود اہل کتاب کا شیوہ یہ تھا۔ کہ وہ اللہ کے نبیوں کو بھی قتل کرتے تھے۔ اور ان لوگوں کو بھی قتل کرتے جو انصاف کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں خیبر کے یہودیوں نے آپ کے قتل کا قصد کیا۔ آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا گیا۔ مدینہ طیبہ میں بھی بنو نضیر اور بنو قینقاع کی بستی میں آپ کے خلاف سازش کی گئی کہ آپ کو دیوار کے نیچے کھڑا کر کے اوپر سے پتھر گرا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر آپ کو بذریعہ وحی دی اور آپ وہاں سے چلے گئے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل کتاب کی یہ خصلت بیان فرمائی۔ کہ وہ اللہ

کے نبیوں اور حق و انصاف کے داعیان کو قتل کرتے ہیں۔
قسط اور عدل ہم معنیٰ الفاظ ہیں، جو ظلم کے برعکس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ عدل کا حکم دیا ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ" دوسری جگہ فرمایا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ کہ عدل کرو جو کہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ عدل و قسط کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔
اس میں عقیدہ بھی داخل ہے۔ یعنی ایمان اور توحید پر قائم رہو۔ عدل کا لفظ کفر اور شرک کے اُلٹ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عقیدے کو پاک رکھو۔ آپس میں ایک دوسرے کی جان و مال عزت و آبرو کا خیال رکھو۔ یہ سب قسط میں داخل ہے۔
فرمایا انبیاء کے قاتلوں اور حق و انصاف کے دشمنوں کے متعلق حکم یہ ہے۔ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ یہاں پر خوشخبری کا لفظ تحکم کے طور پر آیا ہے مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں پر واضح کر دیجئے کہ تمہارا انجام دنیا میں بھی بُرا ہو گا۔ ایسے لوگ دنیا میں گھاس پھونس کی طرح کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ ظالم سمجھتا ہے کہ وہ نسلاً بعد نسلاً دنیا میں قائم رہے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیتا ہے یزید کا واقعہ آپ کے سامنے ہے۔ وہ خاندانِ سادات کا مکمل خاتمہ چاہتا تھا۔ صرف ایک فرد بیمار ہو جانے کی وجہ سے بچ گیا۔ ورنہ وہ بھی تلوار کی زد میں تھا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس ایک فرد سے امام حسینؓ کی نسل کو کس طرح چلایا۔ آج جگہ جگہ حسینی موجود ہیں برخلاف اس کے یزید کے پندرہ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ امام ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہا۔ آگے کوئی نسل نہ چل سکی۔
خود بائبل میں لکھا ہے۔ کہ اہل بابل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنا چاہتے

عذابِ الیم

تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! لوگ تجھے مٹانا چاہتے ہیں۔ مگر میں تیری اولاد کو ریت کے ذرات سے زیادہ پھیلاؤں گا۔ ظالم کچھ چاہتا ہے مگر اللہ کی مشیت کچھ اور ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا ظالموں کی سزا دردناک عذاب ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ان کے اعمال دنیا و آخرت ہر دو مقامات پر ضائع ہو گئے۔ دنیا میں کفر و شرک اور ظلم و عدوان کی بنا پر ان کی نیکی ضائع ہو گئی اور آخرت میں بھی کوئی ثمرہ نہیں ملے گا۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۔ ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ اللہ نے تنبیہ فرمائی کہ ایسے لوگ دنیا و آخرت میں بے یار و مددگار رہ جائیں گے

دعوت الی الکتاب

اہل کتاب کو ان کی خرابیوں کی وجہ سے تنبیہ کرنے کے بعد ان کی ایک اور بُری خصلت کا ذکر ہو رہا ہے۔ کہ جب انہیں برائیوں سے روک کر کتاب اللہ کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ تو وہ خود اپنی کتاب سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور اس کے احکام ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ کیا آپ نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا۔ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ تاکہ وہ کتاب اُن کے درمیان فیصلہ کرے، مگر وہ اس دعوت کو قبول کرنے کی بجائے ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ اُن میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے دعوت الی الکتاب کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ وہ لوگ مکمل تورات و انجیل کے حاملین ہونے کے دعویدار تھے۔ مگر یہاں پر نصیباً من الکتٰب یعنی کتاب کا کچھ حصہ فرمایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن بدبختوں کا پوری کتاب پر

ایمان ہی نہیں تھا، تورات و انجیل کا کچھ حصہ تو انہوں نے خود ہی ضائع کر دیا۔ کچھ میں تحریف کر دی تھی اور بقیہ کچھ حصہ موجود تھا اگر اس پہ بھی ایمان لے آتے تو ہدایت پا جاتے۔ تورات، انجیل میں حضور علیہ السلام کی آمد اور آپ کی بعض نشانیاں موجود تھیں۔ اگر وہ لوگ انہی پہ ایمان لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی مان لیتے تو کوئی جھگڑا باقی نہ رہتا۔ مگر وہ ضد اور عناد کی وجہ سے ایمان سے محروم رہے انجیل کے متعلق خود پادریوں نے تسلیم کیا۔ کہ اس میں تین ہزار غلطیاں ہیں۔ جو لوگوں نے شامل کر دی ہیں۔ اصل کتاب تو عبرانی یا سریانی زبان میں نازل ہوئی تھی مگر اب دنیا میں اصل نسخہ کہیں نہیں ملتا۔ اس کی بجائے اب بائیبل میں چار انجیلیں موجود ہیں۔ ہر ایک میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یوحنا کچھ کہتا ہے مرقس کا مضمون کچھ اور ہے، متی کی اپنی الگ راگنی ہے اور لوقا کچھ اور بتاتا ہے ان کے علاوہ پانچویں انجیل برنباس بھی ہے بلکہ مجموعی طور پہ تو ایک سو بیس انجیلوں کی نشاندہی ملتی ہے۔ مگر ان کا اکثر حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ کچھ تھوڑا بہت اصل حصہ موجود ہے جس کے متعلق فرمایا کہ اگر اس پہ بھی ایمان لے آتے تو راہ راست کو پا لیتے۔ کتاب اللہ سے مراد قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے۔ اگر اس آخری آسمانی کتاب کو ہی تسلیم کر لیں تو سارا مسئلہ حل ہو جائے۔ مگر یہ بدبخت لوگ کسی چیز کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔

فہم القرآن

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ کتاب کے کچھ حصے سے مراد فہم القرآن بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ معنیٰ لیا جائے تو مقصد یہ ہو گا۔ کہ وہ لوگ جنہیں کتاب اللہ کا کچھ فہم عطا کیا گیا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔ کہ کسی کو دین کی سمجھ عطا کر دے۔ یہ بھی ایک عظیم نعمت ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کے علاوہ ہمیں کوئی خاص چیز عنایت نہیں کی۔ سوائے اس کے کہ سفر پہ جاتے ہوئے چند احکام آپ نے دیے تھے۔ وہ تحریری صورت میں میری تلوار کی میان میں رکھے ہوئے ہیں

یہ چند مسائل ہیں جن میں دیت کا مسئلہ اور قیدیوں کو چھڑانے سے متعلق چند احکام ہیں۔ فرمایا البتہ ایک چیز مجھے خاص طور پہ دی گئی ہے۔ وَاُوْتِیَ فَهْمًا یعنی قرآن کی سمجھ عطا کی گئی ہے۔ جو کہ ایک نعمتِ عظمیٰ ہے، اس کے علاوہ ہمیں اور کوئی خاص چیز نہیں دی گئی۔ اس مقام پر شیعہ حضرات کے اُن عقائد کی نفی ہوتی ہے۔ کہ حضرت علیؓ کو قرآن پاک کے دس پارے علیحدہ دیے گئے۔ یا کوئی راز کی بات تبلائی گئی جو باقی مسلمانوں کو معلوم نہیں یہ سب غلط ہے۔ بہرحال حاصل کلام یہ ہے۔ کہ اس آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے جن لوگوں کو کتاب کا فہم عطا کیا ہے۔ تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں، پھر ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہی ان کے نصیب میں ہے۔

شفاعت کا غلط عقیدہ

فرمایا کتاب اللہ سے اعراض کی وجہ شفاعت سے متعلق ان کا باطل عقیدہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ انہوں نے کہا کہ ہمیں دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر چند دن کے لیے یہودیوں میں یہ باطل عقیدہ راسخ ہو چکا تھا۔ کہ وہ صرف اتنے ہی دن کے لیے دوزخ میں جائیں گے، جتنے دن اُن کے آباؤ اجداد نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ اس کے بعد ہمارے بڑے ہمیں چھڑا لائیں گے۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دوزخ کے کنارے پر کھڑے ہوں گے۔ اور جو بھی ختنے والا اسرائیلی ہوگا اُسے جہنم میں نہیں گرنے دیں گے۔ اُسے پکڑ کر جنت میں داخل کر دیں گے۔ یہ جبری شفاعت والا عقیدہ ہے۔ کہ ہمارے نبی ہمیں زبردستی خدا تعالیٰ کی گرفت سے چھڑا لیں گے۔ یہ تو یہودیوں کا عقیدہ ہے۔ اور نصاریٰ کا باطل عقیدہ یہ ہے۔ کہ ہم جو چاہے کرتے پھریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہماری طرف سے صلیب پہ

لٹک کہ کفارہ ادا کر دیا ہے۔ ہمیں اب کوئی پروا نہیں۔ یہ تو عقل کے بھی خلاف ہے۔ کہ جرم کوئی کرے اور سزا کوئی دوسرا بھگتے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں اصل بات یہ ہے۔ کہ جو کوئی کریگا، وہی بھرے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں تو یہ قطعی واضح مسئلہ ہے کہ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" کسی ایک کا بار دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ گنہگار اپنے گناہ کی سزا خود بھگتے گا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی بھی ہے۔ لا تجنی علیہ ولا یجنی علیک جس کا گناہ ہوگا اسی کی گردن پر پڑے گا۔ ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔

افتراء فی الدین

اہل کتاب کے باطل عقیدے اس بات کی غمازی کرتے ہیں۔ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ کہ ان کے افترا نے اُن کے دین میں انہیں دھوکا دیا۔ افتراء سے مراد وہ باطل عقائد ہیں۔ جو انہوں نے خود بخود گھڑ لیے تھے۔ جیسے ابنیت کا عقیدہ، شرک کا عقیدہ، جبری سفارش کا عقیدہ یا کفارے کا عقیدہ وغیرہ یہ سب افتراء میں داخل ہیں۔ اسی طرح صرف چالیس روز تک دوزخ میں رہ کر نکل آنے کا عقیدہ بھی یہودیوں کا افترا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسی افترا نے انہیں دھوکا میں رکھا اور وہ اپنی آخرت برباد کر بیٹھے۔

افتراء کی بیماری اب مسلمانوں میں بھی سرایت کر چکی ہے۔ اس زمانے میں جس قدر بدعات ہیں سب افتراء میں داخل ہیں۔ قبر پرستی، چڑھاوے چڑھانا، عرس منانا، مردے کا تیسرا، ساتواں اور چالیسواں کرنا سب دین میں گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ جن کی کوئی اصل نہیں۔ اسی طرح گیارہویں کا التزام، قوالی، خواجہ فریدالدینؒ کے دروازے سے ہر سال گزرنا کیا ہے؟ کیا اللہ اور اس کے رسول نے ایسے کاموں کا حکم دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہی تو افتراء فی الدین ہے۔ مگر آج کا مسلمان انہیں کار ثواب سمجھ کر کر رہا ہے۔ بھائی اگر قرون

کو ایصالِ ثواب مقصود ہے، تو سلف صالحین کا طریقہ اختیار کرو۔ دُعا اور استغفار کرو۔ صدقہ و خیرات کرو، نہ کہ بدعات ایجاد کرو۔

فرمایا فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ایسے لوگوں کا اُس دن کیا حال ہوگا، جب ہم انہیں قیامت کے دن اکٹھا کریں گے اور اس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ وہ ضرور آئے گا وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اُس دن ہر نفس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اُس نے کمایا۔ ہر نیکی اور ہر بُرائی اس دن سامنے آئے گی۔ دوسرے مقام پر فرمایا فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ "جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ" اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی، وہ اُسے بھی پالیگا۔ خدا کے علم میں ذرہ ذرہ محفوظ ہے۔ وہ مقرر دن پر سب کو پورا پورا بدلہ دیگا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اس روز نہ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہوگی۔ اہل کتاب کو تنبیہ کی جارہی ہے۔ کہ تمہارے باطل عقائد اور باطل اعمال کا ریکارڈ اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔

اِس کا بدلہ تمہیں بہر حال چکھنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نکلنے کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوسکیگی۔ اور یہ تمہارے اپنے اعمال کا یہی نتیجہ ہوگا تم پر ظلم نہیں ہوگا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: اے پیغمبر! (آپ اپنی دعا میں اس طرح کہیں،) اے اللہ! جو بادشاہی کا مالک ہے۔ تو جس کو چاہے ملک دیتا ہے۔ اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے۔ اور تو جس کو چاہے عزت دیتا ہے۔ اور جس کو چاہے ذلیل کرتا ہے۔ تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۲۶﴾ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے۔ اور تو روزی دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے۔ ﴿۲۷﴾

ربطِ آیات

آج کی آیات کے شانِ نزول کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیات نجران کے وفد کے باطل زعم کے جواب میں نازل ہوئیں۔ نجران کے عیسائی خوب جانتے تھے کہ آپ وہی پیغمبر آخر الزماں ہیں جن کی آمد کی پیش گوئیاں اور جن کی نشانیاں ان کی کتابوں میں موجود ہیں مگر وہ محض اس لیے آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ کہ شاہِ روم

کی طرف سے ان کے جو وظیفے مقرر تھے، وہ چھن جاتے تھے۔ مدینہ کی طرف
سفر کے دوران اُن کے لاٹ پادری ابوحارثہ بن علقمہ نے تسلیم کیا تھا۔ کہ آپ
ہی وہ نبی ہیں۔ جن کی بعثت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور پھر
اسی اقرار کی بناء پر اُس کے بھائی کرزبن علقمہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے
تو مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیات نصاریٰ کے اُس باطل زعم کا جواب ہیں
جو انہیں حکومت، جاگیر یا وظیفہ مل رہا ہے۔ وہ ضائع ہو جائیگا۔ تو اللہ تعالےٰ
نے بندے کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے کہ سلطنت، مال و دولت اور
جاہ و جلال تو آنی جانی چیز ہے۔ ہر چیز کا مالک حقیقی تو اللہ وحدہٗ لاشریک ہے
وہ جسے چاہے کسی مقام کی حکومت عارضی طور پر عطا کر دے اور جس سے
چاہے واپس لے لے، اس کے کام میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ کائنات
کے پورے نظام کو چلانے والا وہ خود ہے۔ اور ہر ذی جان کا رزق بھی
اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جسے چاہے وافر رزق عطا کر دے۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اِن دعائیہ آیات میں اسم
اعظم بھی موجود ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ نام جس کے متعلق آتا ہے اِذا دُعِیَ
بِہٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی یعنی جب اس اسم اعظم
کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے اور جب
وہ نام لے کر مالک الملک سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ پورا کرتا ہے۔
احادیث میں کئی ایک آیات کے متعلق آتا ہے۔ کہ ان میں اسم اعظم ہے
ایسا ہی سورۃ آل عمران کی پہلی آیت "الٓمّٓ ۝ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ
الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" کے متعلق بھی بیان ہو چکا ہے۔ اس لحاظ سے آج کے درس
کی دعا بھی بڑی مقبول دعا ہے۔

مالک الملک

ارشاد ہوتا ہے قُلْ آپ اس طرح دعا کریں اَللّٰھُمَّ مٰلِکَ
الْمُلْکِ اے اللہ! تو جو سلطنت کا مالک حقیقی ہے۔ کیونکہ دنیا کے

ملوک تو عارضی مالک ہیں۔ ان کی ملکیت تو چند روزہ ہے۔ اصلی اور دائمی مالک تو وہی خداوند قدوس ہے۔ تیری یہ خاص صفت ہے کہ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ تو سلطنت اور بادشاہی جس کو چاہے عطا کرتا ہے کیونکہ یہ صرف تیرے اختیار میں ہے۔ یہ بادشاہت تو اپنے خاص بندوں کے علاوہ آزمائش کے لیے بعض اوقات بڑے بڑے مجرموں اور نافرمانوں کو بھی دے دیتا ہے گذشتہ سورۃ میں نمرود کا واقعہ گذر چکا ہے۔ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جھگڑا کیا تھا۔ اُس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اللہ نے اُس کو بہت بڑی سلطنت دے رکھی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ شکر گزار بندہ بننے کی بجائے مغرور ہو گیا تھا۔ فرعون نے بھی یہی کہا تھا اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ مصر کی حکومت میری ہے۔ دیکھ لو۔ میرے حکم سے نہریں چل رہی ہیں۔ ڈیم بنے ہوئے ہیں۔ جن سے آبپاشی ہوتی ہے۔ خزانے بھرپور ہیں۔ طاقتور فوج موجود ہے۔ میرے سوا اور کون ہے۔ مقصد یہ کہ بعض اوقات اللہ اپنے نافرمانوں کو بھی حکومت کی چابیاں دے دیتا ہے اور وہ محض آزمائش ہوتی ہے۔ پھر جب اُس کا وقت پورا ہو جاتا ہے۔ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ اور تو جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے۔ کہ ایک وقت آیا جب اللہ تعالیٰ نے رومیوں اور ایرانیوں سے سلطنت چھین کر مسلمانوں کے حوالے کر دی۔ اور یہ سب کچھ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوا۔

غزوہ خندق ۵ھ میں واقع ہوا۔ کفار کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی خبر پہنچی۔ تو حضور علیہ السلام نے صحابہؓ کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا چنانچہ فیصلہ ہوا۔ کہ مدینے کے اندر رہ کر دفاع کیا جائے۔ شہر کی حفاظت کے لیے اس کے گرد خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا۔ کئی میل لمبے خندق کو آپ نے دس دس صحابہؓ کے حصہ میں چالیس چالیس گز کا ٹکڑا تقسیم کر دیا

پتھریلی زمین میں خندق کھودنا بڑے جان جوکھوں کا کام تھا۔ گرمی کے موسم میں فاقہ زدہ صحابہؓ نے یہ کٹھن کام چھ دن میں مکمل کر لیا۔ حضور علیہ السلام خود صحابہؓ کے ساتھ شریک کار رہے۔ دورانِ کھودائی ایک بڑی چٹان حائل ہوگئی جو صحابہؓ سے ٹوٹتی نہیں تھی۔ حضرت سلمانؓ کو آپ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اللہ کا نام لے کر اپنے ہاتھ سے کدال مارا۔ آگ کے شعلے نکلے اور چٹان پارہ پارہ ہوگئی۔ آپ نے فرمایا اس روشنی میں اللہ نے مجھے ایران کے محلات دکھلائے ہیں۔ آپ نے دوسری دفعہ کدال مارا۔ پھر شعلے بلند ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا، اللہ نے مجھے رومیوں کے محلات بھی دکھا دیے۔ تیسری دفعہ کدال مارا تو فرمایا، اللہ نے مجھے صنعا کے محلات دکھائے ہیں۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے آکر بشارت سنائی کہ یہ تمام مقامات بہت تھوڑے عرصے میں آپ کے زیرنگیں آجائیں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بڑے خوش ہوئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام برحق ہے۔ مگر مدینے کے منافقین نے تمسخر شروع کر دیا۔ کہنے لگے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ باہر رفع حاجت کے لیے جانے سے عاجز آچکے ہیں مگر روم و شام کے محلات کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ مگر دنیا نے دیکھا ۱۷-۱۸ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد ہی شام، ایران اور صنعا وغیرہ زیرنگین آگئے۔ مقصد یہ کہ وہ مالک الملک جس کو چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔

عرب تو سارے کا سارا حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ تاہم عرب، ترک اور افغان قومیں مجموعی طور پر اسلام میں داخل ہوئیں۔ بڑے عرصہ تک اسلام کی نعمت سے محروم رہے۔ مگر جب قریب آئے تو ایک دن میں چار لاکھ ترک مسلمان ہوگئے۔ افغان قوم حضرت عثمانؓ کے زمانے یا کچھ عرصہ بعد پوری کی پوری اسلام میں داخل ہوئی۔

حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں۔ کہ عرب تو قومی طور پر اسلام میں داخل ہو چکے تھے، اس لیے دُعا کا آغاز اس طرح ہو رہا ہے۔ کہ اے اللہ! تو جسے چاہے سلطنت عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔

غلبہ اسلام کے لیے دُعا

دُعا اس انداز میں سکھائی گئی ہے۔ کہ اے اللہ! ان ظالموں سے حکومت چھین لے جو انسانیت کے دشمن ہیں اور جو دنیا میں ناانصافی کو تھپکی دے رہے ہیں۔ مولا کریم! ہم اس وقت عدل و انصاف کے علمبردار ہیں اور اس نظام کو پوری دنیا میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ہی توحید خداوندی کے داعی ہیں۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کے پیروکار ہم ہیں اور اَسْلِمُوْا کے مصداق بھی ہم ہی ہیں۔ لہٰذا اب حکومت اور دنیا کی راہنمائی ہمارے سپرد کر دے۔ ہم قَآئِمًا بِالْقِسْطِ پر پورے اتریں گے۔ دنیا میں انصاف قائم کریں گے خود حضور علیہ السلام دشمن سے جنگ کرتے وقت یوں دعا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ مُجْرِيَ السَّحَابِ	اے اللہ! تو جو بادلوں کو چلانے والا ہے
وَمُنْزِلَ الْكِتٰبِ وَهَازِمَ	اور کتاب کو اتارنے والا ہے۔ اور جو باطل
الْاَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ	قوتوں کو شکست دینے والا ہے اب ان
وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ	کو شکست دے اور ہمیں ان پر نصرت
	عطا فرما۔

مسلمانوں نے دنیا میں عدل و انصاف قائم کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ عطا کیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر پچاس سال کے عرصہ میں آدھی دنیا پر مسلمانوں کو تسلط حاصل ہو چکا تھا۔ حالانکہ قوموں کی زندگی میں پچاس سال کے عرصہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی مسلمانوں کی یہ رواں دواں ترقی جنگ صفین پہ آکر رُک گئی جب حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا۔ اور صفین کے مقام پر آپس میں لڑائی

ہوئی۔ اسلام کی صداقت تو ہمیشہ قائم رہی۔ دین اپنے برہان اور حجت کے ساتھ تو ہمیشہ غالب رہا مگر پچاس سال کے قلیل عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے پولیٹیکل طور پر بھی دنیا کے وسیع خطے پر غلبہ عطا کیا۔

امام ابوبکر جصاص متوفی ۳۷۰ھ قرآن پاک کے عظیم مفسر ہوئے ہیں انہوں نے "احکام القرآن" کے نام سے صرف فقہی مسائل کی حد تک قرآن پاک کی تفسیر پیش کی ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ امام ابوبکر جصاصؒ کی تفسیر اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حجۃ اللہ البالغہ ایسی کتب ہیں جنکی مثال گذشتہ بارہ صدیوں میں نہیں ملتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اسلام کا فلسفہ اور نظام سمجھایا ہے۔ اور امام ابوبکرؒ نے قرآن پاک کی بہت بڑی تفسیر لکھی ہے۔ آپ مسلکاً حنفی تھے۔ آپ دو واسطوں سے امام محمدؒ کے شاگرد بنتے ہیں اور تین واسطوں سے امام ابوحنیفہؒ سے سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ امام ابوبکر جصاصؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ سلطنت عطا کرنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے انصاف قائم کرنے والوں کے ساتھ کیا ہے، کافر، مشرک، اور ظالم شخص امت کی راہنمائی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کافر اس کا اہل نہیں اور فاسق اس کا پابند نہیں۔ ایسے لوگوں سے حق و انصاف کی بجائے ملوکیت، شہنشاہیت، ڈکٹیٹرشپ اور ظلم و جور کی توقع ہی کی جاسکتی ہے۔ امت کی راہنمائی کے لیے ایماندار اور عادل لوگوں کی ضرورت ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے۔ کہ ایران کے کسریٰ وغیرہ اور ان کے حواری عام لوگوں سے بیل اور گدھے کی طرح مشقت لیتے تھے اور انہیں اپنی فلاح و بہبود یا آخرت کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہ دیتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مشیت اسی میں تھی کہ اس ظالمانہ نظام کو ختم کیا جائے اور نبی آخر الزمان کو مبعوث کیا جائے جو اسلام کا عادلانہ، توحید اور اطاعت پر مبنی نظام قائم کریں۔ چنانچہ جب تک مسلمان ان اصولوں پر قائم رہے۔ کوئی دوسری قوم ان کے مقابلے پر نہیں

آئی اور ساڑھے چھ سو سال تک مسلمان دنیا میں غالب رہے۔ پھر جب خود انہوں نے مجموعی طور پہ اس نظام سے روگردانی کر لی۔ تو انکی حالت بگڑنا شروع ہوگئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسری قومیں ان کے مقابلہ میں کھڑی ہوگئیں۔

عزت اور ذلت

اے مالک الملک! حقیقی مالک تو ہی ہے۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ تو جسے چاہے عزت دیتا ہے۔ تو نے ہی اہل اسلام کو عزت بخشی۔ ایمان کی دولت دی نیکی کا راستہ دکھایا۔ پیغمبر علیہ السلام کے اتباع کی توفیق بخشی اور پھر ظاہری اقتدار بھی عنایت کیا۔ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ تو جس کو چاہے ذلیل کر دیتا ہے۔ یہ بھی تیری ہی صفت ہے، کفر، شرک نفاق، نافرمانی، بدعت سب ذلت کی چیزیں ہیں۔ جب اللہ کی طرف سے آزمائش آتی ہے تو لوگ سیدھے راستے سے بھٹک کر ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ دعا کیا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ انْقُلْنَا مِنْ ذُلِّ الْمَعْصِیَۃِ اِلٰی عِزِّ الطاعۃ یعنی اے اللہ! ہمیں معصیت کی ذلت سے اٹھا کر اطاعت کی عزت میں پہنچا دے۔ بزرگان دین کا یہ بھی مقولہ ہے۔ مَنْ یَعْصِی اللّٰہَ فَھُوَ السفلہ یعنی کمینہ سفلہ کسی ذات یا خاندان سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر وہ شخص ذلیل ہے جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔

خیر اور شر

فرمایا بِیَدِكَ الْخَیْرُ مولا کریم! تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔ مفسرین کرام فرماتے۔ کہ جہاں خیر اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ وہاں شر بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ وہ بھی اسی کی پیدا کردہ ہے۔ مگر یہاں پہ صرف خیر کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرو، شر کا یہاں ذکر نہیں۔ یہاں پہ ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیا جائے۔ کہ جو چیز واقع میں شر نظر آتی ہے۔ وہ شر محض نہیں ہوتی ——— بلکہ شر اضافی ہوتی ہے کیونکہ شر میں کسی نہ کسی طریقے سے فائدہ بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا خالق

ہونے کے لحاظ سے دونوں چیزوں کا خالق وہی ہے۔ جیسے فرمایا جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ یعنی اندھیرا اور روشنی اس نے پیدا فرمائے۔ مجوسیوں کا یہ عقیدہ کہ خیر اور شر کا خالق علیحدہ علیحدہ ہے، سراسر باطل ہے۔ یہ تو ثنویت ہے جو سراسر شرک ہے۔ فرمایا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تو ہی ہر چیز پہ قادر ہے۔ یہ تمام تغیرات اور تمام تقلبات تیرے ہی دستِ قدرت میں ہیں۔

دن اور رات

تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ یعنی شب و روز کو چھوٹا بڑا کرتا ہے۔ کبھی رات بڑی ہوتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا ہے۔ اور کبھی دن لمبا ہوتا ہے اور رات مختصر ہوتی ہے۔ موسموں کے تغیر و تبدل میں یہ مشاہدہ میں آتا رہتا ہے یُقَلِّبُ اللّٰہُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ رات اور دن کو پلٹیاں دینا اسی ذات کا کام ہے۔ جب تک اس کو منظور ہے لیل و نہار کا یہ نظام چلتا رہے گا رات اور دن کی تشبیہ مصائب اور آسائش سے بھی ہو سکتی ہے۔ مَصَائِبُ عِنْدَ قَوْمٍ فَوَائِدُ یعنی ایک قوم کے مصائب و آلام دوسری قوم کے لیے عیش و راحت کا سامان بن جاتے ہیں۔ جیسے روم اور ایران کے کفار کی شکست مسلمانوں کے لیے خوشی کا مقام تھا۔

وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے جس طرح گٹھلی سے اتنا بڑا درخت پیدا کر دینا۔ انڈہ مردہ ہے اس سے زندہ بچہ پیدا کر دینا۔ بے جان قطرہ آب سے زندہ انسان کو پیدا کر دینا اور کافر سے مومن کی تخلیق کرنا سب کچھ تیرے ہی اختیار میں ہے۔ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ اور تو چاہے تو مردہ کو زندہ سے نکال دے۔ جیسے زندہ جانور سے مردہ انڈا پیدا ہونا نیکوکار بلکہ پیغمبر جیسی عظیم الشان ہستی سے کافر اور ناہنجار اولاد کا پیدا ہونا ظاہر ہے۔ اے اللہ! یہ تغیرات اور

تصرفات سب تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔ تو ہی ہر چیز کا مالک ہے۔

رزق ربانی

وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ تو روزی دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے۔ بعض کو آسانی کے ساتھ رزق پہنچاتا ہے۔ کہ انہیں کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑتی اور ملتی بھی اتنی زیادہ ہے جو شمار سے باہر ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا "هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ" یہ سلطنت اور ہر چیز ہماری عطا کردہ ہے جس کو چاہو دے دو اور چاہو تو روک لو۔ یہ بغیر حساب کے ہے۔ آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ ہماری بخشش ہے اور آپ کو اختیار بھی دے دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ایسی رعایت فرمائی مگر دوسری جگہ یہ بھی فرمایا "لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ" جسکی چاہے روزی تنگ کر دے۔ ساری دنیا کے ملوک چاہیں تو کسی کو ایک دانہ گندم کا نہ دے۔ اسکی مصلحت کو اُس کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ اسی لیے دُعا کے انداز میں فرمایا۔ اے مولا! تو جسے چاہے روزی عطا کرتا ہے بغیر حساب کے یعنی بے حد و بے شمار۔

آلِ عمران ۳ تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

آیت ۲۸ تا ۳۰

درس نہم ۹

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّآ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

ترجمہ:- مومن کافروں کو دوست نہ بنائیں سوائے مومنوں کے۔ اور جو شخص ایسا کرے گا۔ پس نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز میں۔ مگر یہ کہ تم ان کافروں سے بچاؤ اختیار کرو۔ اور ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ تم کو اپنے آپ سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (۲۸) اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے اگر تم چھپاؤ اس چیز کو جو تمہارے سینوں میں ہے یا اس کو ظاہر کرو (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (۲۹) جس دن حاضر پائے گا اپنے سامنے ہر ایک نفس جو کچھ اس نے عمل کیا ہے نیکی سے

اور جو اُسنے برائی کی ہے۔ اس کو بھی اپنے سامنے حاضر پائیگا۔ پسند کرے گا کاش اس کے اور بُرائی کے درمیان بہت دُور کا فاصلہ ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ تم کو ڈراتا ہے اپنے آپ سے۔ اور اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا ہے بندوں کے ساتھ (۳۰)

ربطِ آیات

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے دُعا کے رنگ میں فرمایا کہ تمام چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے۔ سلطنت کا قبضہ اور اختیار بھی اُسی کے پاس ہے۔ عزت اور ذلت اسی کے اختیار میں ہے۔ قدرتِ کاملہ کا مالک بھی وہی ہے۔ وہ جس کو چاہے دے دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ اختیارات، تصرفات اور تقلبات سب اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس جماعت کی دعوت یہ ہو، انسان کو اس کا ساتھ دینا چاہیئے۔ اور اُسی گروہ میں شامل رہنا چاہیئے۔ اور وہ گروہ ہے حضور خاتم النبیین علیہ السلام اور آپ کے ماننے والوں کا۔ یہ جماعت دینی بھی ہے اور سیاسی بھی۔ ان کا عقیدہ وہ ہے جو بیان ہو چکا۔ اب جو لوگ اس عقیدے کے خلاف کوئی دوسرا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اُن کی جماعت میں شامل ہونا کسی طرح روا نہیں۔

اب اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے خطاب فرماتے ہیں لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ج مومن لوگ مومنوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ کیونکہ کافروں کا پروگرام قرآن پاک کے خلاف ہے۔ وہ تو کفر کو غالب دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ اللہ نے ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اِن میں یہود، نصاریٰ مشرک، منافق سب شامل ہیں۔ کسی کے ساتھ دوستانہ جائز نہیں۔ اگر رفاقت ہو سکتی ہے تو صرف مسلمانوں کے ساتھ جن کا مرکزی عقیدہ اور نقطۂ نگاہ ایک ہے، پروگرام اور منزلِ مقصود ایک ہے۔ اس لیے اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ کافروں کی بجائے مومنوں سے دوستی کریں۔ فرمایا وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ

جو کافروں سے دوستی کریگا فَلَیۡسَ مِنَ اللّٰہِ فِیۡ شَیۡءٍ وہ اللہ کے سامنے کسی چیز میں نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا دین اور مذہب ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ ہاں ایک صورت میں روا ہے۔ اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً مگر تم کافروں سے بچاؤ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاؤ۔ ایسی صورت میں تم ظاہری طور پر ان سے دوستی کا اظہار کر سکتے ہو، کیونکہ اضطراری حالت میں تو مردار بھی کھایا جا سکتا ہے۔ ایسی حالت میں اجازت ہے، اضطراری حالت کا مطلب یہ ہے کہ انسان بھوک میں مبتلا ہے۔ اور کوئی حلال چیز میسر نہیں۔ تو اس وقت مردار، خنزیر کا گوشت یا شراب وغیرہ جو کچھ میسر ہو، اس قدر استعمال کر سکتا ہے۔ جس سے جان بچ جائے۔ پیٹ بھرنے یا لطف اندوز ہونے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح اگر کسی وقت کافروں کو غلبہ حاصل ہو اور ان کے شر سے بچنے کے لیے دوستی کا اظہار کر دیا جائے تو کوئی گرفت نہیں۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے، کہیں اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھنا، ورنہ پکڑے جاؤ گے۔ کیونکہ وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ ایک ایک چیز کا حساب لے گا۔

دوستی کی تین اقسام

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔ کہ دوستی کی تین اقسام ہیں۔ اوّل موالات جس میں دلی تعلق، لگاؤ اور محبت پائی جائے اور یہ اعلیٰ درجے کی دوستی ہے۔ دوسری قسم مدارات ہے۔ جس میں دلی تعلق تو نہیں ہوتا، تاہم فریقین، خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ دوستی کی تیسری قسم مواسات ہے، جس کی اساس ہمدردی اور غمخواری پر ہوتی ہے۔ ایسی دوستی کے حامل دوسرے کو نفع پہنچانا چاہتے ہیں۔ اور کسی پر احسان کرنا پسند کرتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ پہلی قسم یعنی موالات کسی بھی صورت میں کافر

سے روا نہیں۔ دلی لگاؤ اور محبت نہ یہودیوں سے ہو سکتی ہے۔ نہ نصرانیوں سے، نہ مجوسیوں سے، نہ ہنود سے اور نہ ہی مشرکین سے۔ اگر کوئی مومن اس قسم کی دوستی غیر مسلم سے کریگا، تو اپنے دین کے زوال کا باعث بنے گا حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ کہ کوئی شخص جس کسی کے ساتھ دوستی روا رکھتا ہے وہ اُسی کے دین کی طرف ڈھل جاتا ہے۔ لہذا اس ضمن میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ جہاں تک مدارات یعنی خوش اخلاقی کا تعلق ہے۔ اس کی اجازت ہے بشرطیکہ ضرر سے بچنا مقصود ہو۔ غیر مسلموں کا غلبہ ہو تو ان کی ایذا سے بچنے کے لیے ظاہری طور پر خوش اخلاقی سے پیش آ سکتے ہیں۔ اس میں خاص طور پر دیکھا جائے گا۔ کہ ناخوش اخلاقی کی وجہ سے ضرر پہنچنے کا خطرہ بدرجہ اتم موجود ہو، محض وہم کی بنا پر مدارات درست نہیں۔

یاد رہے کہ مدارات اور شیعوں کے تقیہ میں بڑا فرق ہے۔ ان کے نزدیک تسعة اعشار الدین فی التقیة یعنی نو حصے دین تقیہ میں ہے۔ اور باقی ایک حصہ ظاہر ہے۔ وہ تو ہر حالت میں تقیہ کے قائل ہیں۔ وہ دین کو دوسروں کے سامنے چھپاتے ہیں۔ جو کہ غلط عقیدہ ہے۔ اور ایک قسم کا نفاق ہے۔

مدارات کی دوسری صورت یہ ہے۔ کہ کافر کے فائدے کے پیش نظر اُس سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ مومن سمجھتا ہے۔ کہ اگر کافر کے ساتھ حُسن سلوک اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا جائے، تو ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لے آئے مدارات کی یہ صورت بھی جائز ہے۔ شاہ عبدالعزیز رح کے پاس ایک برہمن آ کر بیٹھا کرتا تھا۔ آپ طلبا کو پڑھاتے اور وہ بیٹھ کر سنتا رہتا۔ آپ اُس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے۔ جب آپ کا آخری وقت قریب آیا۔ تو شاہ اسحاق رح کو وصیت کی۔ کہ اس برہمن کا خیال رکھنا، اس کو ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا اور نہ اس کو درس سے نکالنا۔ آپ کی اس مدارات کا یہ اثر ہوا۔ کہ وہ

برہمن اپنی وفات سے تین دن قبل ایمان سے مشرف ہو گیا۔

دوستی کی تیسری قسم مواسات یعنی دوسرے کو نفع رسانی کی مثال اللہ تعالیٰ نے سورۃ ممتحنہ میں بیان فرمائی ہے۔ اُن کافروں کو نفع پہنچانا روا ہے۔ جو مسلمانوں کے تحت رہتے ہوں۔ جزیہ ادا کرتے ہوں۔ خود امن و امان کی زندگی بسر کرنا چاہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ نہ لڑائی پہ آمادہ ہوں اور نہ ان کے خلاف سازشوں میں ملوث ہوں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا، احسان کرنا اور نفع پہنچانا جائز ہے۔

کفار سے دوستی

یہ بات تو واضح ہے۔ کہ کافر کے ساتھ دلی دوستی، کسی صورت میں نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کوئی کافر کسی مسلمان کا سرپرست بھی نہیں ہو سکتا۔ امام ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص اسلام ترک کر کے کفر اختیار کر لے۔ تو اس کا بچہ اس کی سرپرستی سے خارج ہو کر مسلمان ماں کے تابع ہو جائے گا۔ اور مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ باپ کو اس بچہ پر تصرف حاصل نہیں رہے گا۔ تاہم اگر کفار نقصان پہنچانے کے درپے ہوں تو اپنے بچاؤ کی خاطر ان سے دوستی کا اظہار درست ہے بشرطیکہ دل مطمئن رہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نحل میں فرمایا کہ کافر کے ضرر سے بچنے کے لیے کلمہ کفر بھی زبان پہ لایا جا سکتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے صحابی حضرت عمارؓ نے ایسا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کوئی بات نہیں۔ دل تو ایمان سے معمور ہے۔ فرمایا اگر کفار تنگ کریں تو زبان سے ایسا کلمہ کہہ دیا کرو۔ اور اگر کوئی شخص کفر کا کلمہ زبان پہ لانے کی بجائے عزیمت اختیار کرے۔ تو اس کا مقام بڑا اونچا ہے۔ حضرت خبیبؓ سے کفار کلمہ کفر کہلانا چاہتے تھے۔ مگر انہوں نے سولی پہ لٹکنا پسند کر لیا مگر کلمہ کفر زبان پہ نہیں لائے۔ یقیناً اُن کا درجہ حضرت عمارؓ سے بڑھ کر ہے۔

امام ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں۔ کہ مسیلمہ کذاب نے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا۔ ایک سے پوچھا اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا ہاں۔ پھر اس نے کہا اَتَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ کیا تم یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں، تو اس نے کہا ہاں۔ لہٰذا مسیلمہ کذاب نے اس شخص کو چھوڑ دیا۔ پھر وہ دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہوا۔ کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ تو اس نے جواب دیا، ہاں میں گواہی دیتا ہوں۔ پھر پوچھا کیا میرے متعلق بھی ایسی ہی شہادت دیتے ہو۔ تو وہ شخص کہنے لگا میرے کان بہرے ہیں۔ میں تمہاری یہ بات نہیں سن سکتا۔ مسیلمہ نے تین چار دفعہ اپنا سوال دہرایا، مگر ہر بار ایک ہی جواب پاکر اس کو قتل کر دیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع حضور علیہ السلام کے پاس پہنچی، تو آپ نے فرمایا۔ ایک شخص نے رخصت سے کام لیا۔ اور جان بچانے کے لیے ایسا کام کیا، جس کی اس کو اجازت تھی۔ دوسرے شخص نے عزیمت سے کام لیا۔ اس کو اللہ نے بلند مقام عطا کیا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ انسان کسی وقت مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ اللہ اور اس شخص کے درمیان معاملہ ہے۔ اس میں قاضی یا مفتی کا کوئی دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اگر کوئی شخص واقعی مجبور ہو گیا ہے تو وہ معذور سمجھا جائے گا۔ اگر محض بہانہ بنا رہا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی گرفت بھی بڑی سخت ہے۔ اس لیے انسان کو ڈرایا گیا ہے۔ کہ یہاں حیلہ بہانا نہیں چلے گا۔ تمہارا فیصلہ اس دنیا تک ہی محدود نہیں بلکہ وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ اس اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔ قیامت کے دن وہاں ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو گا۔

اللہ علیم کل ہے

فرمایا قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ آپ کہ دیجئے اگر تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اَوْ تُبْدُوْهُ یا تم اس کو ظاہر کرو یَعْلَمْهُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں خواہ وہ کائنات کے کسی کونے میں موجود ہو۔ حتیٰ کہ وہ ہر شخص کے دل میں چھپی ہوئی بات سے بھی واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ منافق کون ہے جس کے دل اور زبان میں تضاد ہے۔ وہ اپنی منافقت سے دوسرے لوگوں کو تو دھوکا دے سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ تو اس کی نیت تک سے واقف ہے۔ وہ اپنی بدنیتی اور بدعملی کی سزا ضرور بھگتے گا۔

خیر و شر کا بدلہ

فرمایا يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا قیامت کا دن آنے والا ہے۔ جس روز ہر شخص دنیا میں کیے گئے ہر نیک عمل کو اپنے سامنے موجود پائے گا۔ قرآن پاک میں دوسرے مقام پر موجود ہے وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ہر اچھا اور برا عمل حاضر ہوگا۔ لوگوں کے اعمال ان کے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ اور اس طرح وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ جو کوئی برائی کا کام کیا ہوگا، وہ بھی سامنے آجائے گا۔ ہر شخص اپنے اعمال کو خود دیکھے گا۔ برے اعمال کو دیکھ کر اس کے دل میں حسرت پیدا ہوگی کہ کاش کہ اس نے یہ عمل نہ کیا ہوتا۔ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا اس دن وہ پسند کرے گا۔ کاش کہ اس کی برائی اور اس کے درمیان لمبا چوڑا فاصلہ ہوتا۔ یعنی اس کی بدعملی اس کے قریب نہ ہوتی۔ مگر اس وقت کی آرزو کوئی فائدہ نہ دیگی۔ اور اسے برائی کی سزا مل کر رہے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا۔ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ اپنے اعمال کا محاسبہ اسی دنیا میں کر لو۔ تاکہ قیامت کے دن حسرت و ناامیدی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ ہاں اللہ تعالیٰ بلا وجہ کسی

پر زیادتی بھی نہیں کرتا۔ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ وہ تو اپنے بندوں کے ساتھ شفقت رکھتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ انسان اپنے اندر ایمان کا نور پیدا کریں۔ اپنے مالک کی طرف رجوع کریں، چھوٹے موٹے گناہوں سے توبہ کریں۔ اور اپنے اندر اطاعت کا جذبہ پیدا کریں۔ ایمان اور توحید خداوندی کی تصدیق کریں۔ اللہ تعالیٰ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی قبول فرماتا ہے اور اس کا اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ بندہ خود قصور وار ہے۔ اللہ تعالیٰ تو نہایت ہی شفیق اور رحمدل ہے۔ وہ اپنے بندوں سے اچھا سلوک کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے لیے کوئی بڑی شرائط بھی پیش نہیں کرتا۔ انسان اپنی توجہ کا مرکز اللہ تعالیٰ کو بنا لے تو اس کی رحمت کے دروازے دنیا اور آخرت دونوں جگہ کھل جائیں

درس دہم ۱۰ — آیت ۳۱ تا ۳۲

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ :- اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو، تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا ہے ﴿۳۱﴾ آپ کہہ دیجئے، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اگر تم اعراض کرو گے، تو بے شک اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۳۲﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفر کا رد فرمایا اور توحید پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا قانون بتلایا۔ اب ان آیات میں ایمان بالرسالت کا تذکرہ ہے۔ جس طرح اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور اس سے انکار بمنزلہ کفر ہے۔ اسی طرح رسول کی رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ جس طرح اللہ کی اطاعت فرض ہے، اسی طرح رسول کی تابعداری بھی ضروری ہے۔

دعوئی محبت

نزولِ قرآن کے زمانے میں مشرکین عرب یہود اور نصاریٰ محبتِ الٰہی کا دعویٰ کرتے تھے۔ جب مشرکین سے کہا جاتا کہ تم شرک کیوں کرتے ہو، تو جواب دیتے مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ہم ان معبودوں کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا قرب دلا دیں گے۔ یعنی تو ل

کی پرستش تقرب الٰہی کے لیے ہے۔ اور جب یہی سوال نصاریٰ سے کیا جاتا کہ تم کیوں شرک میں مبتلا ہو۔ تو وہ بھی محبت الٰہی کا دعوےٰ کرتے اور کہتے کہ مسیح علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اور اس کی پرستش اللہ کی محبت کے لیے ہے۔ نصاریٰ حضرت مریمؑ کو مادرِ خدا، یا خود خدا تسلیم کرتے، یا تین خدا مانتے تو ان کا ادعا جیساکہ آگے آئے گا، اللہ کی محبت میں غلطاں ہونا تھا۔ یہود بھی کہتے تھے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ ہم اللہ کی اولاد ہیں کیونکہ اس کے مقرب انبیاء کی اولاد ہیں۔ گویا وہ بھی اللہ کے محبوب ہونے کے دعویدار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل دعاوی کا ردّ فرمایا ہے اور اپنی محبت کا معیار مقرر فرمایا ہے۔ جو کوئی اس معیار پہ پورا اترے گا، وہی حقیقی محبوب ہو گا، اس کے علاوہ کفر و شرک ہو گا۔ اس کے بعد اگلی آیات میں اللہ تعالےٰ نے اس کے ساتھ محبت رکھنے والے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اس ضمن میں حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت مریمؑ اور آل عمران کی مثال بیان فرمائی ہے مشرکین اور اہلِ کتاب کی تردید کی ہے۔ کیونکہ وہ معیار محبت پہ پورے نہیں اترتے

معیارِ محبت

ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ کہہ دیجئے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ اور اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو اور اس کے دعویدار ہو، تو اس کا ایک ہی معیار ہے فَاتَّبِعُوْنِيْ میرا اتباع اختیار کر لو۔ گویا پہلی بات تو رسالت کے متعلق آگئی کہ اللہ کی محبت نبی کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مرضیات اور نامرضیات نبی کی اطاعت کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں۔ لہذا رسالت پہ ایمان لانا ضروری ٹھہرا۔ اللہ تعالےٰ پہ اس لیے ایمان لانا ضروری ہے۔ کہ وہ خالق ہے۔ مالک ہے اور معبود ہے اور رسول پہ ایمان لانا اس لیے لازمی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات اس کے واسطے سے معلوم ہوتی ہیں اور یہ چیزیں انسان محض اپنی عقل سے معلوم نہیں کر سکتا۔ رسول پہ ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا۔ جب تک

اس کا اتباع نہیں ہو گا ۔ اس کے بغیر محبت کا دعویٰ باطل محض ہے۔ لہذا جو کوئی رسول کا اتباع کرے گا۔ وہ اللہ کی محبت کو پالیگا، اور اللہ کا محبوب بن جائے گا۔

حُبِّ رسُول

جیسے کہ عرض کیا ہے یہود و نصاریٰ کا دعویٰ محبت باطل تھا، وہ تو کفر و شرک کے مرتکب تھے۔ نبی علیہ السلام کا اتباع کہاں کرتے تھے۔ اسی لیے تو حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ تم میں سے کوئی کامل الایمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اس چیز کا اتباع نہ کرے جسے میں لایا ہوں ۔ نیز یہ کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی میرے ساتھ محبت تمام مخلوق سے زیادہ نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مطاع مطلق ہے اور رسول تو اللہ کی محبت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ لہذا اس کا اتباع بھی ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ محبت بھی لازمی ہے۔ کسی ذات کے ساتھ محبت اس کے جمال، کمال اور احسان کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مالکِ حقیقی اور محسنِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا کمال بھی ہے اور جمال بھی ہے۔ اور مخلوق میں سب سے زیادہ محسن اللہ کا نبی ہے آپ نے فرمایا۔ میں نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جو اللہ کی رضا کا ذریعہ اور جنت تک پہنچانے والی ہو کہ تم کو نہ بتلائی ہو۔ اور اسی طرح کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو خدا تعالیٰ کے غضب کا ذریعہ ہو، تم کو نہ بتلائی ہو۔ مقصد یہ کہ میں نے ہر اچھی اور بری چیز کی نشاندہی کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ خالق مالک اور محبوب حقیقی ہے۔ لہذا اہل ایمان کی سب سے زیادہ محبت اللہ کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ جیسا فرمایا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ اور مخلوق میں سے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ اللہ کا نبی مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ رکھتا ہے۔

یعنی مسلمانوں کا اپنا نفس ان کے لیے اتنا مفید اور خیر خواہ نہیں ہے جتنا اللہ کا رسول ہے۔ وہ ہمیشہ اہل ایمان کی بھلائی چاہتا ہے۔ لہذا اس پر ایمان لانا اور اس کا اتباع کرنا ضروری ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں امام بیہقیؒ کی روایت موجود ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے۔ کہ کچھ لوگ آپ کے ماء مستعمل کو اپنے جسموں پر مل رہے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو، تو انہوں نے جواب دیا۔ حُبًّا لِّلّٰہِ وَرَسُولِہٖ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی بنا پر ایسے کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تمہاری محبت اس وقت ثابت ہو گی، جب زبان سے سچ بولو گے، امانت میں خیانت نہیں کرو گے۔ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دینے والی کوئی بات نہیں کرو گے۔ ظاہر ہے کہ سچ بولنا بڑا مشکل کام ہے، امانت دار ہونا بھی بڑی بات ہے۔ پڑوسی کو ایذا سے محفوظ رکھنا بھی ایمان کی نشانی ہے تو جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا اتباع نہیں ہو گا محض زبانی محبت کا کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ غرضیکہ تکمیل ایمان کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اتباع رسول میں فرق نہ آنے پائے۔

اتباع رسول

بہر حال فرمایا اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ یُحْبِبْکُمُ اللہُ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور اتباع رسول کی تکمیل اس وقت ہو گی۔ جب اس کو زندگی کے ہر شعبہ میں اختیار کیا جائے گا۔ صرف نماز پڑھنے سے اتباع کا حق ادا نہیں ہو گا۔ بلکہ تجارت، معاملات، اخلاق، لین دین، عبادات، سیاسیات، جہاد، جنگ، صلح، شادی، غمی غرضیکہ معاشرہ میں پیش آنے والے ہر معاملہ میں اتباع رسول کو لازم پکڑنا ہو گا۔ اب تو وقت یہاں تک آ پہنچا ہے۔ کہ عبادات بھی اپنی خواہش کے مطابق ہونے لگی ہیں۔ رسول کے طریقے کی کوئی پروا نہیں کی جاتی، چہ جائیکہ دیگر معاملات

میں سنتِ رسول کی پیروی کی جائے۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا، حضور! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ذرا سوچ سمجھ کر بات کرو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اس شخص نے عرض کیا۔ حضور! میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں۔ کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، تو فقر کو اپنی زندگی کا جزو بنا لو، کیونکہ میرے ساتھ محبت کرنے والوں کے پاس فقر اس قدر تیزی سے آتا ہے۔ کہ سیلاب بھی اپنے منتہا کی طرف اتنی تیزی سے نہیں جاتا۔ غرضیکہ حبِ رسول کا دعویدار مال جمع نہیں کر سکتا۔ وہ ہمیشہ محتاج رہے گا۔ اگر کوئی شخص عیش و عشرت میں زندگی گذارتا ہے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔ اور پھر محبت کا دعویٰ بھی کرتا ہے، تو وہ اپنے دعوے میں سچا نہیں کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ معیارِ محبت کے خلاف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا کسی نہ کسی ابتلا میں ضرور مبتلا ہوگا۔ اسی طرح رسول کی محبت کا دعویدار فقیر ہوگا، مال و دولت اور محبتِ رسول متضاد چیزیں ہیں۔ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ لوگ نوعِ انسان کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری کریں۔ ان کی جائز حاجات کا خیال رکھیں، اگر ان چیزوں کی طرف دھیان دے گا تو اس کے پاس مال جمع نہیں ہو سکتا، لہٰذا فقیر ہوگا۔

اللہ کی محبوبیت

الغرض! فرمایا کہ اتباعِ رسول کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے اور پھر اللہ کی محبوبیت کا تقاضا یہ ہے۔ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ وہ تمہاری غلطیاں، لغزشیں اور گناہ معاف فرما دے گا۔ گناہ کی معافی کا قانون اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں بیان کر دیا ہے۔ کہ خالی گناہ تو استغفار سے ہی معاف ہو جائے گا۔ سچے دل سے توبہ کر لی تو اللہ نے معاف فرما دیا۔ اگر فرائض میں کوتاہی ہوئی ہے۔ تو پہلے ان کو ادا کرو۔ پھر اللہ سے معافی مانگو، اللہ معاف کر دے گا۔ نماز رہ گئی ہے،

روزہ قضا ہو گیا۔ پہلے انہیں ادا کر لو۔ اور اگر حقوق العباد میں کوتاہی کی ہے کسی کا حق غصب کیا ہے۔ تکلیف پہنچائی ہے تو پہلے اس کا حق ادا کرو یا اس سے معافی مانگ کر جان چھڑا لو۔ اگر اس دنیا میں حقوق العباد ادا نہیں کر سکے، تو پھر قیامت کے دن اس کے بدلے میں اپنی نیکیاں نماز، روزہ، خیرات وغیرہ حقدار کو دینا ہوں گی اور اگر نیکیاں ختم ہو گئیں، تو حقدار کے گناہ حق دہندہ کے سر پہ ڈلے جائیں گے۔ جس کا نتیجہ جہنم کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ لہٰذا حقوق العباد کا فیصلہ اسی دنیا میں کر جاؤ۔ اور اللہ سے معافی مانگ لو وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ یہ اس کی مہربانی ہے۔ کہ اپنے نبی کو بھیجا، کتاب نازل فرمائی، اور ہدایات کا سامان پیدا کیا۔ تاکہ انسان گناہ سے بچ جائیں۔ اور پھر جہنم سے بچ کر جنت میں داخل ہو جائیں۔

عصمتِ انبیاء

اس کے بعد فرمایا قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ آپ کہ دیجئے کہ اللہ کی تابعداری کرو، کیونکہ وہ خالق، مالک اور معبود برحق ہے اس کی اطاعت فرض مطلق ہے۔ اور اس کے ساتھ رسول کی تابعداری کرو۔ کہ وہ خدا کی اطاعت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ جب تک رسول کی اطاعت نہیں ہو گی۔ خدا کی اطاعت ممکن نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اسی آیت سے عصمت انبیاء کی دلیل پکڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا ہے جس سے معلوم ہوا۔ کہ رسول غلطی نہیں کرتا۔ اگر غلطی کا امکان ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ اطاعت مطلقہ کا حکم نہ دیتا۔ خود حضور علیہ السلام کا واقعہ آتا ہے۔ آپ نے کسی موقع پہ مزاح فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ آپ اللہ کے رسول ہو کر مزاح فرماتے ہیں۔ فرمایا ہاں، مگر ایسی حالت میں بھی میری زبان سے کوئی باطل بات نہیں نکلتی بلکہ لَا اَقُوْلُ اِلَّا الْحَقَّ" میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاح کے انداز میں فرمائی ہوئی ایک بات سے فقہاء نے ایک سو مسئلہ نکالا ہے

اللہ نے نبی کی زبان پر ایسا حق جاری فرمایا غرضیکہ نبی معصوم ہوتا ہے۔ یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ نبی سے اپنی حفاظت اٹھا لیتا ہے اور بعض غلطیاں بھی سرزد ہونے دیتا ہے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ آپ بھی بشر اور مخلوق ہیں، یہ عقیدہ درست نہیں ہے۔ نبی سے عصمت کی حفاظت کسی وقت نہیں اٹھائی جاتی۔ ورنہ رسول پر اعتماد ہی ختم ہو جائے گا۔ نبی کو تو گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اس کی زبان پر ہمیشہ حق ہوتا ہے۔ غلطی سرزد نہیں ہوتی بعض معمولی لغزشیں ہوتی ہیں۔ جو کہ عام لوگوں کے لیے تو وہ گناہ نہیں ہوتا مگر انبیاء کے لیے وہ بھی قابلِ مؤاخذہ ہوتی ہیں۔ تاہم وہ گناہ کی فہرست میں نہیں آتا نبی گناہ سے ہمیشہ پاک ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے ساتھ نبی کی اطاعت مطلقہ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا اگر تم روگردانی کرو گے فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ تو اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا فرض ہے اسی طرح نبی پر ایمان لانا بھی فرض ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہوگا۔ نبی پر ایمان کا ادنیٰ درجہ یہ ہے۔ کہ اس پر محض ایمان لایا جائے اور اعلیٰ درجہ ایمان کا یہ ہے۔ کہ اس کے ساتھ محبت ہو۔ اور محبت کا تقاضا ہے کہ اتباع ہو۔ اگر دعوئے محبت کے ساتھ اتباع نہیں تو دعوے جھوٹا ہے۔ یہ بھی کافرانہ بات ہے۔ جیسا کہ عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ کفران کرتی ہیں۔ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا[1] یَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ یہ خاوند کی ناشکر گذاری کرتی ہیں۔ اس کو کفر باللہ نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ کفران نعمت ہے۔ مشرکین، یہود و نصاریٰ، کا کفر تو صریح کفر ہے۔ کہ وہ حضور علیہ السلام پر ایمان ہی نہیں لائے۔ مگر جو مسلمان محبت کا دعویٰ کرنے کے باوجود اتباع نہیں کرتا، وہ کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کا دعویٰ محبت درست نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے

[1] مسلم صفحہ ۲۹ ج ۱ (فیاض)

لوگ قابلِ مؤاخذہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔
پھر اگر یہ روگردانی کریں، تو اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا
کافر خواہ کفر باللہ کرنے والا ہو یا کفرانِ نعمت کرنے والا ہو۔ محبوبِ خدا نہیں
بن سکتا۔

درسِ یازدہم ۱۱ — آیت ۳۳ تا ۳۴

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّیَّۃً ۢ بَعْضُھَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾

ترجمہ :- بیشک اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا آدم (علیہ السلام) کو، اور نوح (علیہ السلام) کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو جہان والوں پر ﴿۳۳﴾ یہ اولاد تھی بعض بعض سے اور اللہ تعالیٰ سُننے والا ـــــ اور جاننے والا ہے ﴿۳۴﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا معیار بیان فرمایا پھر حضور علیہ السلام کی محبت اور اس کے جواب میں آپکے اتباع کو معیار قرار دیا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کا اتباع اختیار کرنے کی ترغیب دلائی۔ اتباعِ رسُول ہی دین اور مذہب کا بنیادی اصول ہے۔ سورۃ بقرہ میں روئے سخن یہود کی طرف تھا، اور سورۃ آلِ عمران میں نصاریٰ کی اصلاح کا پہلو غالب ہے۔ گذشتہ سورۃ میں یہودیوں کی چالیس۴۰ خرابیوں کا تذکرہ کرکے اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ فرمائی اور انہیں اصلاح کی طرف متوجہ کیا۔ اب اس سورۃ میں نصاریٰ کی اصلاح مطلوب ہے۔ تاہم ابتدائے سورۃ میں توحید کا مسئلہ سمجھایا گیا ہے۔ بہرحال نصاریٰ کا تذکرہ دُور تک آئیگا اور اس ضمن میں بہت سی باتیں آئینگی جنمیں اہلِ ایمان کیلیے بھی بہت سی نصیحت اور عبرت کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے عظیم اصول بیان فرمائے ہیں۔ آج کا درس آئندہ آنے والے مضامین کی تمہید سمجھ لیجئے

ظلم وستم کا دَور

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سورۃ آل عمران کا مرکزی موضوع نصاریٰ کی اصلاح ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت ان میں دو قسم کی خرابیاں پائی

جاتی تھیں۔ پہلی خرابی تو اُن کے دین میں تھی۔ یعنی عقیدہ مشرکانہ تھا مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا، خود خدا یا تینوں میں سے تیسرا خدا کہتے تھے۔ اور دوسری خرابی اُن کی سیاسی نوعیت کی تھی۔ اُس زمانے میں دُنیا میں دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ ایک ایرانی سلطنت تھی، جس کے فرمانروا مجوسی تھے۔ یہ آتش پرست تھے اور ہزاروں سال سے حکمران چلے آ رہے تھے۔ ہندوستان، پاکستان، افغانستان روس، چین وغیرہ سب ایرانی سلطنت کسریٰ کے تابع اور زیر اثر تھے اور انہیں ٹیکس ادا کرتے تھے۔ دوسری بڑی طاقت روما کی تھی جو سینکڑوں سال سے وہاں پر مسلط تھی۔ باقی نصف دنیا ان کے زیر نگیں تھی تمام دنیا ان دو حکومتوں کے رحم و کرم پر تھی۔ یہ جب اور جہاں چاہتے تھے اپنی مرضی کے مطابق انقلاب برپا کر دیتے تھے۔ ہر طرف ظلم و ستم کا دَور دورہ تھا۔ کمزور ریاستوں کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ بڑی طاقتیں جو چاہتیں کر گزرتی تھیں۔ اُن کے عوام ظلم کی چکی میں پسے جا رہے تھے۔ معاشی طور پر نہایت پس ماندہ تھے ظاہر ہے۔ کہ جہاں عدل و انصاف کا فقدان ہو گا۔ وہاں ایسے حالات ہی رونما ہوں گے عوام و خواص کی حالت خراب ہو جائیگی، رشوت خوری، چور بازاری عام ہو گی۔ ہر طرف جسکی لاٹھی اُس کی بھینس والا معاملہ ہو گا۔ دنیا میں امن و امان اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جبتک عدل و انصاف کی حکمرانی نہ ہو۔ آج ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔ کہ کرہ ارض کے کسی خطے میں عدل و انصاف کا پرچم بلند نظر نہیں آتا۔ کہنے کو ہم ایٹمی دَور میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہر طرف مادی ترقی کا دور دورہ ہے مگر کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں ظلم و ستم کا بازار گرم نہ ہو۔ ایک سے ایک بڑھ کر ظالم موجود ہے۔ کمزوروں کو کچلنا طاقتوروں کا مشغلہ بن چکا ہے۔ امریکہ اور روس کی کشمکش میں ویٹ نام کے دس لاکھ آدمی ہلاک ہوئے یہ ظلم و ستم بیس سال تک جاری رہا۔ آخر وہ بھی تو انسان ہی تھے مگر انسانیت کی ٹھیکیدار یہ بڑی طاقتیں انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگتی ہیں مگر ان کے

دِل کے کسی گوشہ میں جذبہ رحم موجود نہیں۔ انہیں اپنی سیاست اور اپنی بالادستی سے غرض ہے چاہے انسان گاجر مولی کی طرح کٹتے رہیں۔ گذشتہ چھ سال سے افغانستان میں کیا ہو رہا ہے۔ روسی فوجیں مجاہدین پر کس طرح بمباری کر رہی ہیں لاکھوں افغانی موت کے گھاٹ اتار دیے جا چکے ہیں۔ تیس پینتیس لاکھ ملک بدر ہو چکے ہیں۔ جن کی غالب اکثریت پاکستان میں پناہ گزین ہے۔ باقی ایران میں ہیں۔ دُنیا کی سُپر پاور ہونے کی حیثیت سے کیا روس کا یہی فرض بنتا ہے۔ یہ سب ظلم و جور ہے جو بے گناہ لوگوں پر ڈھایا جا رہا ہے۔

اُدھر مصر اور فلسطین پر نگاہ ڈالیے۔ اسرائیل امریکہ کا پالتو درندہ ہے۔ جب چاہتا ہے فلسطینی مہاجرین پر چڑھ دوڑتا ہے۔ مسلمانوں کی ہزاروں لڑکیاں اُنکی جیل میں ہیں جن سے ظالمانہ سلوک ہو رہا ہے۔ صدر ایوب کے زمانے میں قبرصی مسلمانوں کا یہ حال ہُوا کہ یونان کے عیسائیوں نے بیس ہزار ترکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، ان کو وہاں رہنے کی اجازت نہیں دی جا رہی وہاں پر عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ جو مُسلمانوں کو کسی صورت زندہ دیکھنا نہیں چاہتے، فلپائن میں تھوڑے سے مُسلمان ہیں۔ مگر ان کا عرصہ حیات بھی تنگ کیا جا رہا ہے۔ اُن کو مورو مُسلمان یعنی ڈاکو اور قزاق کے نام سے پکارا جاتا ہے اُن کا قصور صرف یہ ہے۔ کہ وہ تعداد میں تھوڑے ہیں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دے سکتے، اُن کا کوئی جائز حق ان کو نہیں مل سکتا۔

غرض! قوموں کے بگاڑ کی یہ تمہید بیان ہو رہی ہے۔ کہ قوموں کی خرابی یا تو عقیدے میں ہوتی ہے یا سیاست میں۔ جب تک عدل و انصاف کا دور دورہ نہیں ہو گا مظلوم ظلم کی چکی میں پستے رہیں گے۔ اور جب تک عقیدہ درست نہیں ہو گا۔ لوگوں کی اصلاح ممکن نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے ابتدا کر کے حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام اور آل عمران کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر مسیح ابن مریم علیہ السلام کا ذکر ہو گا۔ اور پھر

تمام اقوام کی اصلاح کے اصول بتائے جائیں گے۔

شرف انسانی اور آدم علیہ السلام

ارشاد باری تعالیٰ ہے، اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ بیشک اللہ تعالیٰ نے پسند کیا منتخب کیا آدم علیہ السلام کو۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق تو بے شمار تھی ارض و سما، چاند، سورج، ستارے، اشجر، حجر، فرشتے، جن سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ مگر اس کے علمِ محیط، حکمتِ بالغہ اور قدرتِ تامہ کے ساتھ جو مقام حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے توسط سے نسلِ انسانی کو حاصل ہونے والا تھا، وہ کسی اور مخلوق کے حصہ میں نہ تھا۔ انسان کی برتری اور فوقیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو منتخب کیا۔ اور نظام خلافت آپ کے سپرد فرمایا۔ یہ کام ملائکہ کے سپرد بھی نہیں کیا بلکہ نظرِ انتخاب آدم علیہ السلام پر پڑی۔ اللہ نے اُن کو یہ فضیلت اور شرف عطا فرمایا۔ اور سب سے بڑی فضیلت اصطفیٰ بالنبوت ہے۔ یعنی آپ کو نبوت جیسے اعلیٰ منصب کے لیے منتخب فرمایا۔ انسانیت کے لیے سب سے بلند مقام نبوت ہی ہو سکتا ہے۔ جو کہ اللہ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو عطا فرمایا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ کہ سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام ہیں۔ اور سب سے آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں ایک روایت کے مطابق کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے تین سو پندرہ رسول ہیں۔ باقی سب نبی ہیں۔

نوح علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا آدم علیہ السلام کو وَنُوْحًا اور نوح علیہ السلام کو۔ دنیا میں سب سے پہلے صاحب شریعت رسول نوح علیہ السلام ہیں۔ اور آپ ہی کی قوم کو سب سے پہلے ہلاک کیا گیا۔ اس سے پہلے کوئی امت عذاب میں مبتلا نہیں ہوئی۔ قیامت کے دن جب لوگ آپ کے پاس سفارش کے لیے جائیں گے تو آپ کو ان الفاظ سے ساتھ پکاریں گے یَا نُوْحُ اِنَّکَ اَوَّلُ الرُّسُلِ اِلٰٓی اَھْلِ الْاَرْضِ اے نوح علیہ السلام! آپ اللہ کے پہلے رسول ہیں۔ جنہیں شریعت دے کر اہل زمین کی طرف بھیجا گیا۔ آپ ہماری سفارش کریں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہماری حالت کیا ہے اَلَا تَرٰی اِلٰی مَا نَحْنُ فِیْہِ

نوح علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ آج اللہ تعالیٰ اس قدر ناراض ہے۔ کہ اس سے پہلے کبھی ایسا ناراض نہیں ہوا۔ اور نہ آج کے بعد کبھی ہوگا۔ اس وقت قہری تجلیات اتر رہی ہونگی، کوئی شخص دم نہیں مار یگا۔ آپ کہیں گے ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ۔ غرضیکہ حضرت نوح علیہ السلام پہلے صاحب شریعت رسول ہیں۔ آپ کی امت کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا گیا۔ پھر طوفان کے بعد جو آدمی بچ گئے۔ ان کی اولاد سے آگے نسل انسانی چلی۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھی منتخب فرمایا۔

آلِ ابراہیم

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد فرمایا وَآلَ اِبْرٰهِيْمَ یعنی آلِ ابراہیم کو منتخب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آلِ ابراہیم کو اس قدر شرف بخشا ہے کہ انبیاء کی ایک جماعت ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے پیدا فرمائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بعض امور میں آزمایا اور آپ پورے اترے تو اللہ کریم نے فرمایا اے ابراہیم علیہ السلام "اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" میں تمہیں لوگوں کا امام یعنی پیشوا بنانے والا ہوں، مطلب یہ ہے کہ میں آپ کو منصب نبوت پر فائز کرنے والا ہوں کیونکہ تمام انبیاء اپنی اپنی امت کے امام ہوتے ہیں۔ مگر ابراہیم علیہ السلام تو ابوالانبیاء ہیں۔ تاہم آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ مولا کریم! جس طرح تو نے مجھے امامت سے نوازا ہے۔ اسی طرح یہ منصب میری اولاد میں بھی عطا کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا یہ وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ اللہ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں لاتعداد انبیاء مبعوث فرمائے حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل میں سے حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحیٰی، حضرت داؤد، حضرت سلیمان حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام ایسے جلیل القدر پیغمبر پیدا کیے، جن میں سے بعض

کو دنیاوی سلطنت بھی عطا کی اور وہ وقت کے حکمران بھی ہوئے۔ اور پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر سلسلہ نبوت ہمیشہ کے لیے بند کیا۔

اسی لیے یہاں پہ فرمایا کہ ہم نے آل ابراہیم علیہ السلام کو منتخب فرمایا۔

آل عمران

فرمایا وَاٰلَ عِمْرٰنَ اور اللہ تعالیٰ نے آل عمران کو منتخب فرمایا۔ مفسرین کرام فرماتے۔ کہ عمران دو ہیں۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے والد کا نام بھی عمران ابن یصھر تھا۔ یہ بھی مومن مرد تھے۔ جو فرعون کے زمانے میں ہوئے۔ تاہم یہاں پہ جس عمران کا ذکر ہے۔ وہ حضرت مریم کے والد ہیں۔ آپ بھی نیک اور صالح آدمی تھے۔ نہایت عبادت گزار اور ہیکل مقدس کے امام تھے۔ بیت المقدس میں نماز پڑھاتے تھے۔ تاہم نبی نہیں تھے قرآن پاک کے اس مقام پر چونکہ حضرت مریم اور حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس لیے آل عمران سے مراد حضرت مریم کے والد ہیں۔ ان دونوں عمرانوں کے درمیان ایک روایت کے مطابق اٹھارہ سو سال کا وقفہ ہے۔ تاہم ایک ہزار سال سے بہر حال زیادہ ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے آلِ عمران کو بھی منتخب فرمایا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ جہاں والوں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام، آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو باقی لوگوں پہ فضیلت اور برتری عطا فرمائی۔

نسلِ انسانی

اب عقیدے کی اصلاح کے لیے بات سے بات نکلے گی۔ فرمایا ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ تمام انسان ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ جیسے نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ نیز حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ، حضرت نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ اور دونوں عمران حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت مریم، عمران کی بیٹی ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام مریم کے بیٹے ہیں۔ چونکہ وہاں پہ

باپ نہیں ہے۔ لہٰذا سلسلہ نسب ماں کی طرف سے چلتا ہے۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ" کہہ کر پکارا۔ اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن بھی آپ کو اسی نام سے مخاطب کیا جائے گا جب کہ باقی مخلوق کی نسبت باپ کی طرف کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ "ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰـهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا۔ کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ معبود بنا لو؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ سن کر عیسیٰ علیہ السلام کپکپا اٹھیں گے اور اللہ جل جلالہٗ کے سامنے اپنی صفائی پیش کریں گے۔ صاحب روح المعانی اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانچ سو سال تک کپکپی کی حالت میں رہیں گے۔ اس کے بعد ان کے حواس بحال ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کریں گے "قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ"۔ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ میں وہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔ جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سب لوگ بعض اولاد ہیں بعض کی۔

بشریت انبیاء

اب یہیں سے تمام انبیاء علیہم السلام کی بشریت بھی ثابت ہوتی ہے۔ اور عیسائیت کی جڑ کٹتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے فرزند ہیں۔ اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ وہ اللہ کے بیٹے (نعوذ باللہ) کیسے ہوئے۔ سارے نبی انسان اور بشر تھے، بشر ہونا کوئی توہین کی بات نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا ہم نے بشر کو مٹی سے پیدا کیا۔ اور یہ سب ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ بشر سے مراد اللہ کی وہ مخلوق ہے جس کی کھال نظر آتی ہے۔ یہ گندمی رنگ والا انسان مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے مٹی سے انسان کو بنایا۔ یہ تو عزت کا مقام ہے۔ اہل بدعت مولویوں نے لوگوں کے ذہن خراب کر دیے ہیں

کہ نبی کو بشر تسلیم کرنے سے اُن کی نعوذ باللہ توہین ہو جاتی ہے۔ لہذا ابنیاء کو نور تسلیم کرو۔ پھر یہیں تک ختم نہیں کیا۔ بلکہ نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰہِ کا عقیدہ بنایا۔ نبی کو اللہ کا جزو بنا کر عیسائیوں کے عقیدے کی تصدیق کر دی۔ انہوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہا، انہوں نے نورٌ من نور اللہ کہہ دیا۔ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اللہ کے بندوں میں سے ہی اُس کا جزو بنا دیا کتنی لغو اور بیہودہ بات ہے۔ یہ تو معاذ اللہ اللہ کی توہین اور اس کی بغاوت ہے اور اپنی فکر کو فاسد کرنا ہے۔ خود اللہ کے نیک بندوں کی توہین ہے فرمایا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو سنتا ہے اور جانتا ہے۔

آج کے درس کی ابتدائی آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے اصطفیٰ کا ذکر فرما کر اس بات کی تمہید باندھ دی ہے۔ کہ ساری نسل انسانی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس اشرف المخلوق کو برگزیدگی عطا فرمائی ہے۔ اس کے بعد حضرت مریمؑ کی برگزیدگی کا ذکر آئیگا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے اصطفیٰ کا ذکر بھی جزوی طور پر ہو گا۔

درس دوازدہم ۱۲ آیت ۳۵ تا ۳۷

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ :- جب عمران کی بیوی نے کہا، اے پروردگار! میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے۔ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا۔ پس قبول فرما مجھ سے بیشک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۳۵﴾ اور جب اس کو جنا تو کہنے لگی اے پروردگار! میں نے جنا ہے اس کو لڑکی۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، جو کچھ اس نے جنا ہے۔ اور نہیں ہے لڑکا مثل لڑکی کے۔ اور بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ اور میں اس کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ اور اسکی

اولاد کو شیطان مردود سے ﴿۳۶﴾ پس قبول کیا اُس کو اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول کرنا۔ اور بڑھایا اُس کو اچھی طرح بڑھانا۔ اور کفیل بنایا اُس کا زکریا علیہ السلام کو۔ جب زکریا علیہ السلام اس کے پاس حجرے میں داخل ہوتے۔ تو اُس کے پاس روزی پاتے، تو انہوں نے کہا، اے مریم! یہ روزی تیرے پاس کہاں سے آئی، تو وہ کہتی، یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے ﴿۳۷﴾

زوجہ عمران کی نذر

جیسا کہ گذشتہ دروس میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے غلط عقائد کی خاص طور پر تردید فرمائی ہے۔ آج کے درس میں حضرت مریمؓ کی ولادت سے موضوع سخن کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اس واقعہ کو اپنے ذہن میں لاؤ، اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ جب عمران کی بیوی نے کہا رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا۔ اے مولا کریم! میں نے تیرے لیے یہ نذر مانی ہے۔ کہ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے، وہ میں نے محض تیری عبادت کے لیے آزاد کر دیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں مُحَرَّرًا یعنی آزاد کرنے سے مراد ہے مُخْلِصًا لِّلْعِبَادَۃِ یعنی ہونے والے بچے کو خالص اللہ کی عبادت کے لیے مختص کر دیا جائیگا۔ کسی دُنیوی کام میں نہیں لگایا جائیگا۔ بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آزاد کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ پہلا معنی تو عام فہم ہے یعنی غلامی سے آزاد کر دینا۔ اور دوسرا معنی کسی معاملہ میں کتابت یا تحریر کر لینا ہے۔ جب کوئی چیز تحریر میں آجاتی ہے۔ تو معاملہ صاف ہو کر کسی ممکنہ فساد و اضطراب سے آزادی حاصل کر لیتا ہے۔

اس بات کا تذکرہ بھی پہلے ہو چکا ہے۔ کہ تاریخ میں دو ایسے اشخاص کا تذکرہ آتا ہے۔ جن کے نام عمران ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران ہے۔ اور حضرت مریمؓ کے والد بھی عمران ہیں۔ دونوں نیک

اور صالح آدمی تھے، مگر نبی نہیں تھے۔ اس مقام پر جس عمران کا تذکرہ ہے۔ وہ مریمؑ کے والد ہیں۔ امام بیضاویؒ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اُن کی بیوی کا نام حنہؓ بنت فاقوس تھا۔ وہ بھی صالحہ خاتون تھیں۔ بعد میں اُن کے نام پر گرجے بھی بنے۔ اُس علاقے میں دیر حنہؓ وغیرہ مشہور تھے۔ اسی طرح حضرت مریمؑ کے نام پر بھی گرجے اور عبادت خانے مشہور تھے۔ حنہ زوجہ عمران عمر رسیدہ ہو گئیں مگر اولاد سے محروم تھیں۔ امام ابن کثیرؒ اور دوسرے مفسرین بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ انہوں نے چڑیا کو دیکھا۔ کہ اپنے بچے کو دانہ کھلا رہی ہے یہ دیکھ کر اُن کے دِل میں بھی اولاد کی خواہش پیدا ہوئی۔ تو اللہ تعالےٰ سے عجز و انکساری کے ساتھ دُعا کی۔ جو اللہ نے قبول فرمائی۔ جب وہ اس کبر سنی میں حاملہ ہو گئیں تو انہوں نے شکرانے کے طور پر یہ منت مانی کہ وہ پیدا ہونے والے بچے کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیں گی۔ اُنکی دِلی خواہش یہ تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا کرے، تو وہ اُسے اللہ کی راہ میں آزاد کر دیں گی۔ یہ نذر ماننے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ اے اللہ! مجھ سے یہ نذرانہ قبول کر لے۔ میں پیدا ہونے والے بیٹے کو تیری عبادت اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی۔ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بیشک تو سُننے والا ہے اور جاننے والا ہے۔ مقصد یہ تھا۔ کہ میں اس مکمل یقین کے ساتھ دعا کر رہی ہوں کہ تو میری التجا کو سن رہا ہے۔ اور میری اس نذر اور اس میں پائے جانے والے خلوص کو جانتا بھی ہے۔

جائز اور ناجائز نذر

امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ جو نذر عمران کی بیوی نے مانی تھی، ایسی نذر ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔ آج بھی کوئی شخص منت مانے کہ میں اپنے بیٹے کو دین کی خدمت کے لیے وقف کروں گا۔ وہ علم دین یعنی قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ سیکھے گا۔ اُسے کسی دنیا کے کام میں نہیں لگاؤں گا

تو ایسی نذر ماننا بالکل درست ہے۔ اور اُس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی معصیت کی نذر مانے، کسی ناجائز کام کے لیے منت مانے، تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسی نذر کو توڑ دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ نَذَرَ اَنْ یُّطِیْعَ اللّٰہَ جس شخص نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی تو اُس کو وہ نذر پوری کرنی چاہیئے۔ اور لازماً اللہ کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ برخلاف اس کے اگر کسی نے اللہ کی نافرمانی کرنے کی نذر مانی تو فرمایا فَلَا یَعْصِ اللّٰہَ۔ ایسے شخص کو نافرمانی نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ ایسی غلط نذر کو توڑ کر اُس کا کفارہ ادا کر دینا چاہیئے۔ کَفَّارَتُہٗ کَفَّارَۃُ الْیَمِیْنِ نذر توڑنے کا کفارہ قسم توڑنے کے برابر ہے۔ یعنی دس مساکین کو کھانا کھلائے یا انہیں کپڑے پہنائے یا تین دن کے متواتر روزے رکھے۔

بہر حال کسی نیک کام کے لیے نذر ماننا بمنزلہ عبادت ہے اور درست ہے۔ کسی کو دین کی خدمت یا مسجد کی خدمت کے لیے وقف کیا جاتے۔ یہ نذر صحیح ہے اور جائز ہے۔ البتہ کسی قبر کا مجاور بننے کی منت درست نہیں۔ کیونکہ اس سے شرک و بدعت کی آبیاری ہوتی ہے۔ اور یہ معصیت کی نذر تصور ہو گی۔ اسی طرح قبروں پر چڑھاوا چڑھانے اور وہاں پہ نذر و نیاز پیش کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بعض صورتوں میں یہ شرک کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اور بعض صورتوں میں بدعت ہوتی ہے۔ لہٰذا درست نہیں۔ تاہم عمران کی بیوی نے جو نذر مانی تھی، اس سے بیت المقدس کی خدمت مقصود تھی۔ اُس زمانے میں اس قسم کے کام کے لیے لڑکوں کو وقف کیا جاتا تھا۔ اس مقصد کے لیے لڑکیوں کو وقف کرنے کا رواج نہیں تھا۔ اُن کی خواہش اور دُعا تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ لڑکا عطا کرے تو وہ اسے اللہ کے گھر کی خدمت پر مامور کر دیں گی۔ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ مجہول کی نذر بھی درست ہے۔ یعنی ابھی علم ہی نہیں کہ پیدا ہونے والا لڑکا ہے یا لڑکی۔ مگر یہ نذر صحیح

ہے۔ کہ جو بھی اللہ تعالیٰ عطا کرے گا اُسے وقف کر دیا جائے گا۔

حضرت مریم کی ولادت

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا جب عمران کی بیوی نے جنا، تو وہ لڑکی تھی۔ قَالَتْ کہنے لگی، رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی اے پروردگار! میں نے تو لڑکی کو جنم دیا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ اُس نے جنا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں نے تو نذر مانی تھی کہ لڑکا ہو گا۔ تو اُسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دونگی۔ مگر لڑکی کو ایسے کام کے لیے مقرر کرنا مناسب نہیں۔ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى اور لڑکا لڑکی کی طرح تو نہیں ہے۔ لڑکی وہ مشقت کا کام نہیں کر سکتی جو لڑکا کر سکتا ہے۔ بہر حال لڑکی جننے کے بعد انہوں نے کہا۔ وَاِنِّیْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ مریم کا معنی بعض کے نزدیک عابدہ یعنی عبادت گزار ہے اور بعض کے نزدیک خادمہ ہے۔

امام ابوبکر جصاصؒ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ عمران حضرت مریم کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ اور اُن کی بیوی ہی نومولود کی کفیل اور سرپرست تھی۔ لہٰذا بچی کا نام انہوں نے خود رکھا۔ جس سے ثابت ہوا۔ کہ ماں کو بھی بچے کا نام رکھنے کی اجازت ہے خصوصاً اُس وقت جب کہ باپ موجود نہ ہو۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ کہ بہتر یہ ہے۔ کہ بچے کی پیدائش کے دن ہی اُس کا نام رکھ دیا جائے۔ تاہم ساتویں دن بال اتارنا، عقیقہ کرنا اور نام رکھنا بھی درست ہے۔ حضرت انسؓ کے بھائی کی ولادت ہوئی۔ اسی دن اُس کو اٹھا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نومولود کو گھٹی دی اور عبداللہ نام بھی رکھا، خود حضور علیہ السلام کے ہاں ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے رات کو بچہ پیدا ہوا۔ صبح آپ نے فرمایا کہ رات میرے ہاں لڑکا تولد ہوا ہے۔ اور اس کا نام میں نے اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا ہے۔ گویا بچے کا نام اس کے باپ نے رکھا مگر حضرت

مریمؓ کا نام ان کی والدہ نے رکھا کیونکہ باپ موجود نہیں تھا۔ بعض مفسرین نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ کہ باپ کی عدم موجودگی میں تو ماں سرپرست بن سکتی ہے۔ مگر اُس کی موجودگی میں نہیں بن سکتی۔

نام رکھنے کے ساتھ ہی فرمایا۔ وَاِنِّیٓ اُعِیۡذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ، اے اللہ! میں اس بچی کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ تاکہ شیطان کسی قسم کی دخل اندازی نہ کرے حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ شیطان نے ہر نومولود کو چوکا لگایا سوائے حضرت مریمؓ اور عیسٰی علیہ السلام کے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔ یہ اُنکی والدہ کی دُعا کی وجہ سے اُن کی خصوصیت تھی فَتَقَبَّلَھَا رَبُّھَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ پس قبول کیا اُس کو اُس کے رب نے اچھی طرح قبول کرنا یعنی لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی، تو اُسے ہی عبادت کے لیے قبول فرمایا وَاَنۡۢبَتَھَا نَبَاتًا حَسَنًا اور بڑھایا اس بچی کو اچھی طرح بڑھانا۔ اللہ تعالےٰ نے ایسی نشوونما فرمائی۔ کہ حضرت مریمؓ عام معمول سے بہت جلدی بڑی ہو گئی۔ اور آپ کی صحت بھی بہت اچھی تھی۔

حضرت مریم کی کفالت

وَکَفَّلَھَا زَکَرِیَّا اس کی قرأت دو طرح سے آتی ہے یعنی کَفَلَھَا اور کَفَّلَھَا۔ کَفَلَھَا کا معنیٰ ہے کفیل بن گیا یا ضامن بن گیا۔ گویا زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے کفیل بن گئے۔ اور کَفَّلَھَا کا معنیٰ ہوگا کہ اللہ نے زکریا علیہ السلام کو حضرت مریم کا کفیل بنا دیا۔ بہرحال دونوں طرح مقصد ایک ہی ہے بچی کا باپ موجود نہیں۔ ماں اس کو لے کر ہیکل مقدس میں آگئی۔ تو وہاں پر موجود ہر شخص نے خواہش ظاہر کی کہ اس بچی کو اپنی کفالت میں لے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت منظور تھی۔ آپ نیک اور صالح آدمی تھے اور بیت المقدس کے امام بھی تھے۔ اُدھر آپ حضرت مریم کے رشتہ دار بھی تھے۔ یعنی اُن کے خالو لگتے تھے۔ آپکے گھر میں حنہ کی بہن الیشاع بنت

لے طبری صفحہ ۲۴۴ ج ۳ (فیاض)

فاقہ میں تھی۔ لہذا انہیں کفالت کا زیادہ حق تھا۔ ایسا ہی واقعہ حضور علیہ السلام کے زمانۂ مبارک میں بھی پیش آیا۔ جب حضرت حمزہ کی بچی کو مدینہ لایا گیا۔ تو حضرت علی حضرت زید اور حضرت جعفر رضوان اللہ علیہم نے بچی کی پرورش کرنے کی پیش کش کی۔ حضرت جعفرؓ کے گھر میں بچی کی خالہ تھی۔ لہذا حضور علیہ السلام نے اُن کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور فرمایا الخالۃ بمنزلۃ الام یعنی خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے۔ لہذا کفالت کی وہی زیادہ حقدار ہے۔

الغرض! حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریمؑ کے کفیل مقرر ہوئے انہوں نے مریم کے لیے بیت المقدس میں الگ کمرہ بنا دیا۔ جہاں وہ دن بھر عبادت میں مصروف رہتی اور رات کو اُسے اپنے گھر لے جاتے۔ آپ کی تعلیم و تربیت بھی کرتے۔ یہ اللہ کی قدرت تھی۔ کہ حضرت مریم کے بطن سے حضرت مسیح کی ولادت مقصود تھی۔ بخاری شریف میں آتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ کیونکہ آپ تھوڑا بہت کام کرتے تھے۔ اور زیادہ وقت منصب نبوت کی ادائیگی میں صرف کرتے تھے اس لیے کبھی کھانے کو کچھ مل جاتا اور کسی دن فاقہ بھی برداشت کرنا پڑتا۔ عام طور پر انبیاء علیہم السلام کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو حضرت مریمؓ کی پرورش بھی جلد از جلد منظور تھی۔ کیونکہ آپ کے بطن سے جلیل القدر پیغمبر تولد ہونے والے تھے۔

حضرت مریم کی کرامت

اس کا انتظام اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ جب زکریا علیہ السلام حضرت مریمؑ کے کمرے میں داخل ہوئے وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا تو اُس کے پاس روزی پاتے۔ حضرت زکریا کے پاس تو اس قدر وسائل نہ تھے۔ مگر وہ دیکھتے کہ حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھل موجود ہیں۔ سردیوں کے پھل موسم گرما میں اور گرمیوں کے پھل موسم سرما میں حضرت مریم کے پاس مہیا ہوتے۔ یہ حضرت مریمؑ کی کرامت تھی۔

کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ تامہ سے انہیں روزی پہنچاتا تھا۔

جو خرقِ عادت فعل انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔ وہ معجزہ ہوتا ہے اور جو اولیاء کے ہاتھ پر ظاہر ہو، وہ کرامت ہوتی ہے۔ اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ اولیاء اللہ کی کرامت برحق ہے۔ اس سے انکار کی مجال نہیں۔ عقائد کی کتابوں میں نبی کے معجزے اور ولی کی کرامت کو عقیدے میں شامل کیا گیا ہے۔ البتہ کسی ولی اللہ کے ساتھ جھوٹ موٹ کرامت منسوب کرنا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ہاتھ پر بہت سی کرامات ظاہر فرمائیں۔ ان کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں منقول ہے۔ مگر کشتی کا بارہ سال والا قصہ جھوٹا اور من گھڑت ہے بعض دیگر بزرگانِ دین کی طرف بھی لوگوں نے بہت سی جھوٹی باتیں منسوب کر دی ہیں، جو درست نہیں۔

بہر حال جب حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کے پاس پھل دیکھے تو فرمایا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ اے مریم۔ یہ کہاں سے آگئے قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ یہ اللہ کی طرف سے آتے ہیں۔ یہ اسکی خاص عنایت تھی۔ تاکہ حضرت مریمؑ جلد از جلد سن بلوغت کو پہنچیں۔ اور آگے نبوت کا سلسلہ جاری ہو۔

مسند ابی یعلیٰ کے حوالے سے امام ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے۔ کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام کئی روز سے فاقے سے تھے۔ آپ اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے اور کھانے کے لیے طلب کیا۔ جواب ملا، اباجی! آج تو گھر میں کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ اتفاق سے تھوڑی ہی دیر بعد کسی پڑوسن نے دو چھوٹی چھوٹی روٹیاں اور گوشت کا ایک ٹکڑا حضرت فاطمہؓ کو ہدیۃً بھیجا۔ وہ کھانا آپ نے بچوں کو کھلانے کی بجائے حضور علیہ السلام کے لیے رکھ لیا اور آپ کو پیغام بھیجا۔ آپ تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؓ نے کپڑے

کے نیچے رکھا ہوا کھانا نکال کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ تھوڑی دیر پہلے تو گھر میں کوئی کھانا نہ تھا۔ اب کہاں سے آگیا۔ تو حضرت فاطمہ رضؓ نے وہی الفاظ کہے جو حضرت مریمؑ نے کہے تھے۔ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ کہ یہ اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کھانے میں اس قدر برکت ڈال دی کہ وہ مختصر سا کھانا حضور علیہ السلام نے خود تناول فرمایا۔ حضرات حسنینؓ اور حضرت علیؓ نے کھایا۔ آپ کی تمام ازواج مطہراتؓ نے کھایا۔ پھر بھی بچ گیا تو پڑوسیوں میں تقسیم کیا گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فاطمہ! انہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کا شبیہ بنایا ہے۔ انہوں نے بھی یہی کہا۔ کہ کھانا اللہ نے بھیجا ہے اور تو نے بھی یہی بات کی ہے۔ حقیقت یہ ہے ۔
اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا کرتا ہے یہ اس کی خاص مہربانی ہے ۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

ع ۱۱ / ۴ / ۱۲

ترجمہ: اس موقع پر حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے دعا کی اور عرض کیا۔ اے میرے پروردگار! بخش دے مجھ کو اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد بیشک تو دعا کا سننے والا ہے ﴿۳۸﴾ پس زکریا علیہ السلام کو فرشتوں نے آواز دی۔ جب کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے کمرے کے اندر۔ بیشک اللہ تعالیٰ تجھ کو یحییٰ بیٹے کی خوش خبری دیتا ہے۔ جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ کے کلمے کی۔ اور جو سردار ہوگا۔ اور جو خواہشات سے مکمل طور پر رکنے والا ہوگا، اور نبی ہوگا۔ نیکوں میں سے ﴿۳۹﴾ حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے پروردگار! کس طرح ہوگا میرے لیے لڑکا اور تحقیق پہنچ چکا ہے

مجھ کو بڑھاپا، اور میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ اسی طرح کرتا ہے، جو چاہے ہے (۴۰) عرض کیا، اے پروردگار! بنا دے میرے لیے نشانی، فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین دن کلام نہیں کر سکے گا۔ مگر اشارے سے۔ اور یاد کر اپنے پروردگار کو کثرت کے ساتھ۔ اور تسبیح کر پچھلے پہر اور صبح کے وقت (۴۱)

ربط آیات

عمران کی بیوی کا خیال تھا۔ کہ اس کے ہاں لڑکا ہو گا، تو وہ اسے دین اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیگی۔ اور وہ بچہ دنیا کے اشغال سے بالکل آزاد ہو گا۔ اور ہمیشہ عبادت میں مصروف رہیگا۔ مگر جب وضع حمل ہوا۔ تو لڑکی پیدا ہوئی۔ انہوں نے اس بات کا ذکر اپنے پروردگار سے کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بیٹی کو ہی قبول فرمالیا۔ اور اس کی نشوونما کے لیے بہتر سامان پیدا کر دیا۔ اس کے لیے غیر معمولی روزی کا بندوبست کیا۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام اس بچی یعنی حضرت مریمؑ کے کمرے میں داخل ہوئے۔ تو وہاں انہوں نے بے موسم کے پھل دیکھے۔ عجیب کیفیت تھی۔ انہوں نے مریمؑ سے پوچھا کہ یہ پھل کہاں سے آئے ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کی جانب سے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور حضرت مریم کی کرامت تھی۔

نیک اولاد کیلیے دعا

جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر ستر سال یا بعض روایات کے مطابق سو سال تھی۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی، بیوی بھی عمر رسیدہ اور بانجھ تھی۔ مگر حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر انہیں خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ بے موسم پھل عطا کر سکتا ہے تو موزوں عمر اور بیوی کی صلاحیت کے بغیر بھی اولاد عطا کر سکتا ہے اس کے لیے ایسا کرنا بالکل آسان ہے۔ چنانچہ یہی خیال حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنے حق میں اولاد کی دعا کرنے کا سبب بن گیا۔ اور آپ نے دعا کیلیے

ہاتھ اٹھا دیے۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ اس موقعہ پر حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً عرض کیا، اے پروردگار! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا کر۔

ان ایام میں حضرت زکریا علیہ السلام سخت پریشان تھے۔ عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ بھائی بندوں سے خطرہ تھا۔ خاندان کے لوگ نالائق تھے۔ انہیں اپنے بعد تبلیغ وہدایت کا کام جاری رکھنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ لہٰذا انہوں نے اپنے لیے نیک اولاد کی دعا کی۔ بزرگانِ دین اسی سے یہ چیز اخذ کرتے ہیں۔ کہ سلسلہ رشد وہدایت کو آگے چلانے کے لیے تمنا کرنا انبیاء علیہم السلام کا مشن ہونے کی بنا پر ان کی سنت پر عمل کرنا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا مفصل ذکر سورۃ مریم میں آتا ہے۔ "اِذْ نَادٰى رَبَّهُ نِدَآءً خَفِيًّا" جب انہوں نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا، اور عرض کیا۔ اے پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے۔ میں تجھ سے دعا کر کے کبھی نامراد نہیں رہا۔ مجھے اپنے بعد بھائی بندوں کی برائیوں کا ڈر ہے۔ اور میری بیوی بانجھ ہے۔ تو اپنے فضل سے ایک وارث عطا کر دے، جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو اور اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا۔

اس مقام پر ان کی دعا کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ اے پروردگار! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ هَبْ یا هبه سے مراد ہے۔ کسی کو کسی چیز کا بلا قیمت مالک بنا دینا۔ اس کا عام فہم معنی بخشنا یا عطا کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح عرض کیا۔ اور ساتھ یہ بھی کہا اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَآءِ بیشک تو دعا کو سننے والا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان فرمائی۔ کہ تو ہر چھوٹے بڑے کی دعا کو سنتا ہے لہٰذا میری دعا کو بھی شرف قبولیت بخش اور اولاد عطا کر۔ جو پاکیزہ ہو

جس کے اخلاق، اعمال، عادات اور خصائل پاکیزہ ہوں۔ دوسرے مقام پر فرمایا رَبِّ
هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ "یعنی نیکوں میں سے عطا فرما۔ کیونکہ رشد و ہدایت کے مشن
کو نیک اور پاکیزہ اولاد ہی آگے چلا سکتی ہے۔ بُری اولاد تو اُلٹا وبالِ جان بن جاتی ہے
اسی لیے تو شیخ سعدیؒ نے فرمایا کہ بری اور ناہموار اولاد جننے سے یہ بہتر ہے کہ
عورتیں سانپ کے بچے جنتی رہیں۔ سورۃ فرقان میں اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں کی دُعا
کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ یوں دُعا مانگتے ہیں "رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا
وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا" اے ہمارے
پروردگار! ہم کو ایسی بیویاں اور ایسی اولاد عطا کر جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، اور ہمیں
متقیوں کا امام اور پیشوا بنا دے۔ جو نیک اولاد اچھے اخلاق کی حامل ہو۔ نیک کام کرتی
ہو۔ وہ بلاشبہ والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اور جو اولاد ناہنجار ہو،
کھیل تماشے میں مشغول رہے اور بُری عادات کا شکار ہو۔ وہ والدین کے لیے
ذہنی کوفت کا سبب بنے گی۔ اسی لیے زکریا علیہ السلام نے پاکیزہ اولاد کی دُعا کی۔

دُعا کی قبولیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا۔ جس کا تذکرہ
اس طرح بیان ہوا۔ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ پس زکریا علیہ السلام کو فرشتوں نے
آواز دی۔ کس وقت؟ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ جب
کہ وہ کمرے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہاں پر محراب سے مراد مسجد کا محراب نہیں
بلکہ کمرہ مراد ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ تک بھی مساجد میں موجودہ محراب نہیں ہوا
کرتے تھے، جہاں امام کھڑا ہوتا ہے بلکہ یہ طریقہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں
رائج ہوا۔ بہرحال فرشتوں نے آپ کو آواز دے کر کہا کہ تمہاری دُعا قبول ہو گئی ہے
أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ بیٹے کی بشارت دیتا ہے۔ سورۃ
مریم میں یہ بیان اس طرح ہے "يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ"
ہم تمہیں یحییٰ بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام بھی ہم نے خود یحییٰ تجویز کیا ہے۔
لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا" اور یہ ایسا نام ہے۔ جو

اس سے پہلے کسی اور کا نام نہیں ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مناقب

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے چند اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی تصدیق کرنے والا ہو گا۔ کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ کلمۃ اللہ اُن کا لقب ہے کیونکہ اُن کی ولادت براہِ راست اللہ کے کلمے کی تاثیر سے ہوئی تھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریمؓ کے گریبان میں پھونک ماری تو اس کلمہ کی تاثیر سے اللہ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ آپ کی پیدائش میں باپ کا توسط نہیں ہے۔ عام مخلوق کی پیدائش میں ماں اور باپ دونوں کا توسط ضروری ہے مگر یہاں پر صرف ماں کا توسط ہے، باپ کا نہیں۔ لہٰذا آپ کلمۃ اللہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کے نبی اور رسول ہونے کی تصدیق سب سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کی۔ اسی لیے فرمایا۔ کہ یحییٰ علیہ السلام جیسے بیٹے کی بشارت ہے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا ہو گا۔

فرمایا اس کے علاوہ یحییٰ علیہ السلام وَسَيِّدًا سید یعنی سردار ہو گا۔ سیّد اُس شخصیت کو کہا جاتا ہے۔ جس کے حکم کی تعمیل ضروری ہو۔ حضرت سعد بن معاذؓ، بیماری کی حالت میں یہودیوں کا فیصلہ کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کی مجلس میں آئے تو آپ نے انصار سے فرمایا قُومُوا اِلٰى سَيِّدِكُمْ اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ۔ کیونکہ وہ بیمار ہیں، زخمی ہیں اور معذور ہیں۔ اُٹھ کر انہیں گدھے سے اتار دو۔ گویا آپ نے حضرت سعد کو سیّد کے لفظ سے پکارا۔ خود حضور علیہ السلام نے حضرت حسنؓ کے متعلق فرمایا اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ میرا یہ بیٹا سردار ہو گا۔ اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے امید ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ اسی طرح بنی عامر کا ایک وفد حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو ان لوگوں نے کہا اَنْتَ سَیِّدُنَا فَذُوْطَوْلٍ عَلَیْنَا

آپ ہمارے سردار ہیں اور آپ ہم پر طاقت رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ بات تکلفاً کہی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا حقیقت میں سید تو اللہ ہے۔ دیکھو! شیطان تمہیں اپنی خواہشات میں نہ ڈال دے۔ تکلف سے بات نہیں کرنی چاہیئے حضور علیہ السلام تو تمام نسل انسانی کے سردار ہیں۔ آپ نے فرمایا اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ میں نسل انسانی کا سردار ہوں مگر اس پر فخر نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ اس کے باوجود نبی علیہ السلام کا بنی عامر کے لوگوں کو یہ فرمانا کہ حقیقت میں سید اللہ ہے۔ اس وجہ سے تھا۔ کہ وہ لوگ تکلفاً سید کہہ رہے تھے۔ اور ڈر تھا کہ سید سید کہہ کر شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اس طرح شیطان ان کو اپنی خواہشات کے پیچھے نہ چلا لے۔ اسی لیے ایک دوسری حدیث میں فرمایا لَا تَقُوْلُوْا لِلْمُنَافِقِ سَیِّدٌ یعنی منافق کو سید کا لقب نہ دو۔ اگر منافق تمہارا سردار ہو گا۔ تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ کوئی منافق، فاسق، فاجر مسلمانوں کا سردار نہیں ہو سکتا۔ سید وہ ہونا چاہیئے جو نیک سیرت اور پاکیزہ اخلاق کا حامل ہو تاکہ اس کی اطاعت کی جا سکے۔

پھر فرمایا وَحَصُوْرًا یحییٰ نبی حصور یعنی خواہشات سے مکمل طور پہ رکنے والا ہو گا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ جس بیٹے کی بشارت دی جا رہی ہے۔ وہ عورت کے بالکل قریب نہیں جائیگا۔ چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حصور کا معنی یہ نہیں ہے کہ آپ شادی کے قابل نہ تھے۔ بلکہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ آپ تمام تر مردانہ قویٰ کی موجودگی میں عبادت و ریاضت میں اس قدر منہمک رہتے تھے۔ کہ دنیوی خواہشات خاص طور پہ عورت کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ آپ کی یہ شان ہے کہ ہر قسم کی خواہشات پہ آپکو مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ لہٰذا آپ کا لقب حصور تھا۔ اس کے علاوہ یحییٰ علیہ السلام کی ایک صفت یہ بھی تھی۔ وَنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ آپ نیکو کاروں

ہیں سے اللہ کے نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سر پر نبوت کا تاج رکھ دیا تھا۔ الغرض فرشتوں نے بشارت دیتے وقت بتایا۔ کہ اے زکریا (علیہ السلام) آپ کا بیٹا اِن چار صفات کا حامل ہو گا۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے خود ہی بیٹے کے لیے دُعا کی۔ دُعا کی قبولیت پر جب فرشتوں نے خوشخبری دی تو آپ استعجاب میں مبتلا ہو گئے۔ کہ بظاہر اسباب ایسے نہیں ہیں۔ کہ اولاد ہو سکے۔ کیونکہ وہ خود بوڑھے ہو چکے تھے۔ اور بیوی بھی بانجھ تھی۔ تاہم وہ کیفیت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ جس میں اُن کے ہاں اولاد ہو گی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے قَالَ حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ اے پروردگار! میرے ہاں بچہ کیسے تولد ہو گا۔ کیونکہ ظاہر صورتِ حال یہ ہے وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ مجھ پر بڑھاپا وارد ہو چکا ہے۔ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ اور بیوی بانجھ ہے، اولاد جننے کے قابل نہیں مگر تو قادرِ مطلق ہے۔ جو بے موسم پھل عطا کر سکتا ہے۔ وہ ہماری میاں بیوی کی جسمانی طاقت بھی تبدیل کر کے اولاد کے قابل بنا سکتا ہے۔ تو بدیع اور موجد ہے۔ تیری قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کو اسباب کی ضرورت بھی نہیں ہے تاہم میں جاننا چاہتا ہوں۔ کہ مجھ پر یہ عنایت کیسے ہو گی۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے جواب دیا قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ اللہ اسی طرح کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ یعنی اسباب کی ضرورت تو مخلوق کو ہوتی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی ذات تو اسباب و علل کی پابند نہیں۔ اس نے بیٹا عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تو جس طریقے سے چاہے گا عطا کر دیگا۔

استقرارِ حمل کی نشانی

حضرت زکریا علیہ السلام نے پھر عرض کیا۔ کہ مولا کریم! یہ تو مجھے علم ہے۔ کہ تو جو چاہے کر سکتا ہے۔ مجھے بیٹا بھی عطا کر دیگا۔ مجھے میرے اطمینان قلب کے لیے یہ تو بتا دے قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً میرے لیے کوئی نشانی بنا دے۔ جس سے پتہ چل جائے کہ میری بیوی حاملہ ہو چکی ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا استعجاب

تاکہ اس پر میں تیرا مزید شکر ادا کروں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی موت و حیات کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ تو عرض کیا تھا۔ مولا کریم مجھے مشاہدہ کرا دے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کیا تجھے اس بات کا یقین نہیں ہے۔ عرض کیا۔ یقین تو بیشک ہے وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ مگر میں اطمینان قلب کے لیے نظارہ کرنا چاہتا ہوں۔ کم و بیش یہی کیفیت حضرت زکریا علیہ السلام کی تھی۔ انہیں بیٹا ہونے کی بشارت تو مل گئی تھی۔ مگر وہ نشانی معلوم کرنا چاہتے تھے جس سے ان کو اطمینانِ قلب حاصل ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا تمہاری نشانی یہ ہوگی۔ کہ تین دن اور تین رات تم کسی سے بات نہیں کر سکو گے۔ میں تمہاری زبان روک دوں گا۔ البتہ اللہ کا ذکر کرنے اور عبادت کرنے کے لیے زبان جاری رہے گی۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب لیا ہے۔ کہ تم خود روزہ رکھ لینا اور چپ کر جانا۔ یعنی چپ کا روزہ رکھ لینا۔ یہ درست نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود تمہاری زبان کو کلام کرنے سے روک دے گا۔ انجیل میں بھی اسی طرح آتا ہے۔ کہ تم تین دن تک کلام نہیں کر سکو گے فرمایا ان تین ایام کے دوران وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا اپنے رب کا کثرت سے ذکر کرو۔ وَسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ اور صبح شام اپنے رب کی تسبیح بیان کرو۔ یہ اس بات کی نشانی ہوگی تمہاری بیوی کو استقرار حمل ہو چکا ہے۔ اور پھر قریبی زمانہ میں اللہ تعالیٰ بچہ عطا کرے گا۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

فرشتوں کا غیر نبی سے کلام

ترجمہ :- اور جب فرشتوں نے مریمؑ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ اے مریمؑ بیشک اللہ تعالیٰ نے تجھ کو منتخب کیا ہے۔ اور تجھ کو پاکیزہ بنایا ہے۔ اور تجھ کو بزرگی عطا فرمائی ہے۔ سب جہان والی عورتوں پر ﴿۴۲﴾ اے مریم اپنے پروردگار کی اطاعت کرو۔ اور سجدہ کرو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ﴿۴۳﴾ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے۔ ہم اس کو آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب کہ وہ اپنے قلموں کو ڈالتے تھے۔ کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے۔ جب کہ وہ آپس میں جھگڑتے تھے ﴿۴۴﴾

ربط آیات

گذشتہ سے پیوستہ دروس میں حضرت مریمؑ کی ولادت کے متعلق ذکر تھا کہ کس طرح اُن کی والدہ نے منت مانی۔ کہ ان کے ہاں لڑکا ہوگا، تو وہ اُسے خدمت دین کے لیے وقف کر دیں گی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا۔ کہ لڑکے کی بجائے انہوں نے حضرت مریمؑ کو جنا۔ پھر اُن کی کفالت کا ذکر ہوا۔

کہ قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا۔ انہوں نے اچھی طرح پرورش شروع کی۔ مگر حضرت مریمؓ کے کمرے میں بے موسم کے پھل دیکھ کر سخت حیران ہوئے۔ پوچھا اے مریم! یہ کہاں سے آتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ یہ اللہ کے ہاں سے آتے ہیں۔ اس پر حضرت زکریا علیہ السلام کو خیال پیدا ہوا۔ کہ جو مالک الملک بے موسم پھل حضرت مریم کو بھیج سکتا ہے۔ وہ اس بڑھاپے میں مجھے اولاد بھی عطا کر سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لیے دعا کی۔ تو اللہ نے انہیں یحیٰی بیٹے کی بشارت دی۔ اور فرشتوں نے ان کے پاکیزہ اوصاف بھی بیان کیے۔ آج کے درس میں روئے سخن پھر حضرت مریمؓ کی طرف ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے انتخاب اور ان کے مناقب کا بیان ہے۔ اور پھر آئندہ درس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت، ان کے اوصاف اخلاق حمیدہ اور معجزات کا تذکرہ ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اور جب فرشتوں نے کہا، اے مریمؓ! یہ ظاہر ہے۔ کہ حضرت مریمؓ نبی نہیں ہیں۔ بلکہ غیر نبی ہیں۔ تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا فرشتوں کا غیر انبیاء سے کلام جائز ہے۔ انبیاء کے پاس تو فرشتے ہمیشہ وحی لاتے رہے ہیں اور ان سے کلام کرتے ہیں۔ مگر غیر نبی سے فرشتوں کے کلام کی کیا حیثیت ہے اس سلسلے میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا غیر نبی سے کلام ممنوع نہیں ہے۔ البتہ وحی صرف نبیوں پر ہی نازل ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے احکام اور شریعت ہوتی ہے۔ جسے آگے لوگوں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے اس لیے وحی صرف انبیاء تک محدود ہوتی ہے۔ البتہ فرشتوں کا عام لوگوں کے ساتھ کلام روا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبی نہیں تھیں۔ مگر قرآن پاک میں ان

کے ساتھ فرشتوں کا کلام مذکور ہے۔ حضرت مریمؑ بھی بالاتفاق نبی نہیں ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک میں تصریح موجود ہے "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ" آج تک جتنے بھی نبی ہوئے ہیں۔ سب مرد تھے اللہ تعالیٰ نے نبوت کا منصب عورتوں کو عطا نہیں فرمایا۔ البتہ نبی کے بعد صدیقیت کا درجہ بعض عورتوں کو عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کے متعلق صراحتاً موجود ہے "اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ" ان کی ماں صدیقہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کے چار مراتب بیان فرمائے ہیں۔ سب سے پہلے نبی، پھر صدیق، پھر شہید اور پھر صالحین نبی کے بعد صدیق کا درجہ ہے۔ اور حضرت مریمؓ کے لیے یہ اعزاز قرآن پاک سے ثابت ہے اسی طرح جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے تو حضرت سارہؓ بھی وہاں موجود تھیں۔ مریمؓ کو بھی فرشتوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی۔ حضرت عمران ابن حصینؓ حضور کے اونچے درجے کے صحابی ہیں۔ جن کا ذکر مسلم شریف میں موجود ہے۔ (اور قوت القلوب والے نے لکھا ہے کہ حضرت عمرانؓ تیس ۳۰ سال تک صاحب فراش رہے۔ آپ کو ناسور اور شدید قسم کا بواسیر لاحق ہو گیا تھا) بیماری کی حالت میں فرشتے آکر اُن کو سلام کرتے تھے۔ انہوں نے علاج کے طور پہ زخم پہ آگ سے داغ لگوایا۔ تو فرشتوں کا سلام موقوف ہو گیا۔ جب انہوں نے یہ طریقہ علاج ترک کر دیا۔ تو سلام پھر ہونے لگا۔ فرشتوں کا سلام کرنا بھی اُن کا کلام کرنا ہی ہے۔ اور یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ الغرض! فرشتوں کا غیر نبی سے کلام کرنا ثابت ہے جو کہ اعلیٰ درجے کی فضیلت ہے۔

حضرت مریمؓ کے مناقب

یہاں پہ اللہ تعالیٰ نے ان مناقب کا تذکرہ فرمایا۔ جو فرشتوں نے حضرت مریمؑ سے بیان کیے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ بیشک اللہ تعالیٰ نے تجھ کو پسند فرمایا ہے یا منتخب فرمایا ہے یا برگزیدہ بنایا ہے۔ آپ کی پہلی

برگزیدگی تو یہ تھی کہ آپ کی والدہ کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ آپ کو عبادت الٰہی اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کیا گیا۔ چنانچہ بیت المقدس میں ہی آپ کی رہائش کا بندوبست ہوا۔ اور وہیں آپ بچپن میں مصروفِ عبادت رہیں۔ پھر فرمایا وَطَهَّرَكِ اور آپ کو پاکیزہ بنایا۔ پاک اور صاف بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی طہارت عطا فرمائی۔ حضرت مولانا عثمانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے دن سے ہی منتخب کر لیا تھا۔ آپ کو نیکی اور ایمان کے ساتھ پاک بنایا۔ کیونکہ انسان کو ایمان اور نیکی کے ساتھ طہارت حاصل ہوتی ہے، پھر اچھے اخلاق و عادات اور اچھے اعمال طہارت کا ذریعہ ہیں۔ برخلاف اس کے بُرے اعمال، بُرے اخلاق، کفر اور شرک نجاست اور گندگی کا سبب ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو ان تمام بُری خصلتوں سے پاک فرمایا۔ اس پر ہمہ تن عبادت میں مصروفیت مزید باطنی طہارت کی دلیل ہے۔ ہماری شریعت میں بھی ہر مومن مسلمان مرد اور عورت کے لیے طہارت ضروری ہے۔ یہ طہارت عقیدے اور اعمال یعنی ظاہر و باطن ہر طرح سے ہونی چاہیئے۔

فرمایا وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو یہ بھی خوشخبری سنائی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جہاں بھر کی عورتوں پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے۔ پہلے اصطفیٰ سے مراد بچپن کی فضیلت تھی۔ اب اس دوسرے اصطفیٰ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بلاواسطہ باپ والدہ بننے کا شرف ہے دوسری عورتوں پر کہ بغیر لمس بشر کے آپ کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر اور صاحبِ کتاب پیغمبر پیدا ہوئے۔ یہ امتیاز دنیا میں کسی اور عورت کو حاصل نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ مردوں میں تو بہت سے کاملین گزرے ہیں۔ سلسلے کے سارے انبیاء، اس کے بعد صدیق اور دوسرے لوگ، مگر عورتوں میں صرف چند عورتیں کاملین میں شمار ہوتی ہیں۔ ان میں مریم بنت عمران ہیں، حضور علیہ السلام

کی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد ہیں۔ فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحمؓ بھی مومنہ اور کاملین میں سے تھیں اس کے بعد حضرت فاطمہ سیدۃ النساء اہل الجنۃؓ ہیں۔ اور پھر حضرت عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے، جیسے ثرید کھانے کی دوسرے تمام کھانوں پر بعض روایات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کا بھی ذکر آتا ہے۔ یہ سب عورتیں کاملین میں شامل تھیں۔

حضرت مریمؓ کو نصیحت

بشارت سنانے کے بعد فرشتوں نے حضرت مریمؓ کو بعض نصیحتیں بھی کیں۔ جس سے مراد اس رب العلمین کا شکر ادا کرنا ہے۔ جس نے انہیں اس قدر بڑتری عطا فرمائی۔ چنانچہ فرمایا یٰمَرْيَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ اے مریم! اپنے رب کی عبادت کرو۔ قرآن پاک میں قنوت کا لفظ جہاں بھی مذکور ہے، اس سے مراد اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ اللہ نے اپنے پیارے بندوں کی صفات بیان فرماتے ہوئے فرمایا وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔ دوسری جگہ فرمایا وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ اللہ کے سامنے اطاعت کے جذبے کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ اسی سورۃ میں پیچھے گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کی فہرست میں جن لوگوں کو شامل کیا ہے۔ ان میں صابرین۔ صادقین کے بعد قٰنِتِيْنَ یعنی اطاعت گزار بھی شامل ہیں۔ الغرض! فرشتوں نے حضرت مریمؓ کو اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کی وصیت کی۔

اس کے بعد فرمایا وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ اور سجدہ کرو، اور رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ یہاں پر سجدہ کا ذکر پہلے ہے اور رکوع کا بعد میں ہے۔ اس کی توجیہہ مفسرین کرام خصوصاً امام بیضاویؒ یوں فرماتے ہیں کہ جن دو چیزوں کو حرف و کے ساتھ اکٹھا بیان کر دیا جاتا ہے۔ ان میں ترتیب ملحوظ نہیں رکھی جاتی ہے۔ اس لیے سجدے اور رکوع کے آگے پیچھے آجانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاہم نماز پڑھتے وقت پہلے رکوع

ہی کیا جائے گا۔ اور اسی طریقے پر عمل کیا جائیگا۔ جو حضور علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ امام بیضاوی یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ واسجدی سے مراد مکمل نماز پڑھنا ہے۔ چونکہ سجدہ نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ اس لیے صرف اس کا ذکر کر کے مراد نماز لیا گیا ہے۔ بعض اوقات صرف تسبیح کہہ کر مراد پوری نماز لی جاتی ہے۔ بہرحال امام صاحب فرماتے ہیں۔ کہ سجدہ سے مراد یہاں پہ نماز ہے۔ اور رکوع سے مراد خشوع و خضوع ہے۔ گویا عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ آپ کے مطابق پورے جملے کا مفہوم یہ ہوگا۔ کہ نماز نہایت خشوع و خضوع اور عاجزی کے ساتھ ادا کرو۔

بعض فرماتے ہیں۔ کہ یہودیوں میں یہ طریقہ رائج تھا۔ کہ سجدہ پہلے کرتے تھے اور رکوع بعد میں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر یہی ترتیب ملحوظ رکھی بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ یہودی سجدہ تو اہتمام کے ساتھ کرتے تھے۔ مگر رکوع کی چنداں پروا نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پہ ہدایت کی کہ رکوع کرو۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ اس میں کوتاہی نہ کرو۔ آج کے دور میں بعض لوگ رکوع کا خیال نہیں کرتے۔ سجدہ کے لیے پیشانی تو زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ مگر رکوع پوری طرح ادا نہیں کرتے، نہ پیٹھ کو پوری طرح ہموار کرتے ہیں۔ اور نہ رکوع سے سیدھا کھڑا ہوتے ہیں۔ بلکہ جلدی ہی سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ اس لیے رکوع کی خاص طور پہ تلقین کی گئی ہے۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نماز باجماعت ادا کرو۔ نماز میں سجدہ اعلیٰ درجے کی تعظیم ہے اور رکوع ادنےٰ درجے کی ہے سجدہ کا مرتبہ زیادہ بلند ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد[1] ہے۔

اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد

بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب سے قریب تر ہوتا ہے۔ اس لیے سجدہ کی فضیلت کے پیش نظر اس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔

---

[1] مسلم صفحہ ۱۹۱ ج ۱، ابوداؤد صفحہ ۱۲۷ ج ۱، نسائی صفحہ ۱۲۰ (فیاض)

غیب کی خبریں

حضرت مریمؑ کے تذکرہ کے بعد اب حضور خاتم المرسلین کی نبوت کی صداقت کا بیان ہے۔ اس کے بعد اگلے درس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری کا بیان ہوگا۔ تاہم درمیان میں حضور علیہ السلام کے تذکرہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ آپ کی نبوت سے متعلق بعض شکوک و شبہات میں مبتلا تھے۔ جن کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ یہ واقعہ جو ہم نے بیان کیا ہے، غیب کی خبروں میں سے ہے۔ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ یعنی آپ کو اس واقعہ کا نہ علم تھا۔ اور نہ آپ جانتے تھے۔ اور آپ غیب دان بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ علمِ غیب خاصہء خداوندی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔ اور جب حضرت مریمؑ کا یہ واقعہ پیش آیا۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ آپ اُن کے پاس بھی نہیں تھے۔ جو اس واقعہ کو ذاتی طور پہ جانتے ہوں۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے۔ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ جب کہ وہ لوگ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے۔ یعنی اس بات میں قرعہ اندازی کر رہے تھے کہ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ حضرت مریمؑ کی کفالت کون کرے۔ یہ اس وقت ہوا۔ جب اُن کی والدہ نے بتایا کہ انہوں نے نذر مانی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ بچہ عطا کرے گا۔ تو وہ اُسے بیت المقدس کی خدمت اور اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیں گی۔ چونکہ عمران فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے بیت المقدس کے سارے زعما نے حضرت مریم کی کفالت اپنے ذمے لینے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ یہ بڑی بابرکت بچی ہے۔ جسے اس کی ماں نے خدمت دین کے لیے وقف کر رکھا ہے، جب اُن لوگوں کے درمیان کفالت کے مسئلہ پر جھگڑا پیدا ہوا۔ تو انہوں نے اس کا فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کرنے پر اتفاق کر لیا۔ قرعہ اندازی کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ کہ ہر خواہش مند نے اپنی اپنی وہ قلمیں نہر میں ڈال دیں جن سے وہ تورات لکھا کرتے تھے۔ حضرت مریمؑ کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام بھی قرعہ ڈالنے

والوں میں شامل تھے۔ چنانچہ جب قلمیں پانی کے بہاؤ کی طرف ڈالی گئیں، تو سب کے قلم بہاؤ کی طرف بہہ نکلے۔ سوائے حضرت زکریا علیہ السلام کے قلم کے، جو بہاؤ کی اُلٹی طرف چل پڑا۔ چنانچہ قرعہ کا فیصلہ آپ کے حق میں ہو گیا۔ اور اس طرح حضرت مریمؑ ان کی کفالت میں چلی گئیں۔

قرعہ کی شرعی حیثیت

ہماری شریعت میں بھی قرعہ اندازی ایسے حقوق کے سلسلے میں جائز ہے۔ جو دو فریقوں کی اپنی رائے کے سپرد ہوں۔ اگر شریعت نے خود حقوق متعین کر دیے ہیں۔ تو پھر قرعہ اندازی درست نہ ہوگی۔ مثلاً کوئی جائداد بعض آدمیوں کے درمیان مشترک ہے۔ وہ اس بات پر قرعہ اندازی نہیں کر سکتے۔ کہ جس کے نام کا قرعہ ہو گا۔ وہ ساری جائداد لے لیگا۔ یہ تو قمار یا سود کی قسم ہے۔ اس طرح ایک دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے۔ ہاں ایسے معاملات میں قرعہ اندازی اس طور پر جائز ہے کہ کوئی جائداد برابر برابر تقسیم کے بعد شمالی جنوبی یا شرقی غربی حصے کا معاملہ ہو۔ کہ دونوں حصوں میں سے کون سا حصہ ایک حصہ دار لیگا۔ اور کونسا دوسرا حصہ دار وصول کریگا۔ اسمیں راہنما اصول یہ ہے۔ کہ قرعہ اندازی اُن اُمور میں جائز ہے جن میں بغیر قرعہ اندازی کے بھی معاملہ کا فیصلہ ہو سکے۔ جیسے کوئی معتبر آدمی یا حاکم وقت متنازعہ حصص کو تقسیم کر دے۔

قرعہ اندازی کی بعض مثالیں حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں بھی ملتی ہیں۔ فتح خیبر کے بعد یہودی اناج جمع کرتے تھے۔ تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اس کو دو برابر ڈھیروں میں تقسیم کر کے اُن کو اختیار دیتے تھے۔ کہ جونسا چاہو اٹھا لو، خود حضور علیہ السلام سفر پہ جاتے وقت اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ ڈال لیتے تھے۔ کہ کسے ساتھ لے جائیں۔ اگرچہ حضور علیہ السلام کو عام اجازت تھی کہ جس زوجہ مطہرہ کو چاہیں اپنی رفاقت میں ساتھ لے جائیں۔ مگر آپ اُنکی تالیف قلوب کے لیے قرعہ ڈال لیتے تھے۔ چنانچہ بعض اوقات آپ کے ساتھ حضرت عائشہؓ ہوتی تھیں، بعض دفعہ حفصہؓ رفیقہ سفر ہوتیں اور بعض اوقات

کوئی دوسری بیوی۔ تو بہر حال ایسے جائز امور میں قرعہ اندازی روا ہے جن میں اس کے بغیر بھی فیصلہ ہو سکے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔ کہ اگر نسب میں کوئی تنازعہ پیش آجائے تو قرعہ اندازی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً نومولود کے متعلق فیصلہ مطلوب ہو کہ یہ کس کا بچہ ہے تو اس کا فیصلہ قرعہ اندازی سے نہیں ہو سکتا۔ حضرت یونس علیہ السلام بھی جب کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ تو وہاں بھی قرعہ ڈالا گیا۔ اگرچہ انہوں نے خود ہی اقرار کیا۔ کہ غلطی واقعی مجھ ہی سے ہوئی ہے۔ اس کے باوجود قرعہ ڈالا گیا۔ تو پھسلنے والوں میں وہی ثابت ہوئے۔

پیغمبر اور علم غیب

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اور آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ جب وہ جھگڑا کر رہے تھے۔ ہر ایک شخص مریمؑ کی کفالت اپنے ذمے لینا چاہتا تھا۔ جب جھگڑا اٹھنے لگا تو فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے ہوا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ آپ کو یہ باتیں وحی کے ذریعے بتائی جا رہی ہیں۔ آپ بنفسہٖ وہاں موجود نہ تھے۔ اور نہ آپ عالم الغیب ہیں علم غیب تو خاصہ خداوندی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ" اے نبی کریم! آپ اس وقت کوہِ طور کے کنارے پر نہیں کھڑے تھے۔ جب وہ واقعہ پیش آیا۔ بلکہ یہ باتیں ہم نے آپکو وحی کے ذریعے بتائی ہیں۔ آپ نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ نہ آپ نے کتابیں پڑھی، نہ آپ خود وہاں موجود تھے، نہ عالم الغیب ہیں۔ اس کے باوجود بے شمار جزئیات کا علم آپ کو وحی کے ذریعے دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے اور جتنا چاہے علم عطا کرتا ہے اور پھر انبیاء علیہم السلام کو زیادہ علم عطا کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے امت تک پہنچانا ہوتا ہے۔ آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نبیوں سے زیادہ علم عطا کیا۔ مگر یہ علم غیب نہیں بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو بذریعہ وحی معلوم ہوئیں۔

درس پانزدہم ۱۵ | آیت ۴۵ تا ۴۸

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ ج

ترجمہ: اس واقعہ کو سامنے لاؤ، جب فرشتوں نے مریم سے کہا، بیشک اللہ تعالیٰ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے ایک کلمے کی اس کی طرف سے، جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ وہ وجاہت والا ہوگا دنیا میں اور آخرت میں اور مقربین میں سے ہوگا ﴿۴۵﴾ اور وہ کلام کریگا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں اور نیکوکاروں میں سے ہوگا ﴿۴۶﴾ مریم نے عرض کیا، اے پروردگار کہاں سے ہوگا میرے لیے لڑکا حالانکہ نہیں ہاتھ لگایا مجھے کسی آدمی نے، اس نے فرمایا، اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے، تو پھر وہ اسے کہتا ہے ہوجا، پس وہ بات ہوجاتی ہے ﴿۴۷﴾ اور سکھائے گا اس کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل ﴿۴۸﴾

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں حضرت مریمؑ کے کچھ مناقب بیان ہوئے تھے۔ کہ

اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم پیغمبر کی پیدائش کے لیے ان کا انتخاب کیا۔ اور اس ضمن میں انہیں تمام جہان والی عورتوں پر فضیلت بخشی۔ اس کے علاوہ انہیں ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے پاکیزہ بنایا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرنے کی نصیحت کی گئی۔ اور پھر یہ اصول بھی بیان کر دیا کہ جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ وہ غیب کی خبروں میں سے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالےٰ بذریعہ وحی انبیاء علیہم السلام تک پہنچاتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت کی گئی کہ حضرت مریمؑ کی کفالت کے متعلق جب قرعہ اندازی ہو رہی تھی تو اے پیغمبر آخر الزمان (علیہ السلام) آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ نہ آپ غیب دان ہیں۔ بلکہ آپ تک یہ خبریں پہنچانے کا ہمارا اپنا انتظام ہے۔ اب آج کے درس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق خوشخبری اور آپ کے بعض معجزات کا تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ مریمؓ کے اس استعجاب کا بیان ہے۔ جو انہیں بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری پر ہوا۔

حضرت مریمؑ کو بشارت

پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ حضرت مریمؑ کی پرورش اللہ تعالیٰ نے خاص طریقہ سے فرمائی اور وہ جلدی جلدی بڑی ہونے لگیں۔ پھر جب وہ سنِ بلوغت کو پہنچ گئیں تو فرشتوں نے آکر آپ کو بشارت دی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ اس واقعہ کو دھیان میں لاؤ، جب فرشتوں نے آکر مریمؓ سے کہا یٰمَرْيَمُ اے مریمؓ! اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دیتا ہے۔ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اپنی طرف سے ایک کلمہ کی۔ بشارت اس خبر کو کہا جاتا ہے۔ جس میں خوشی ہو۔ خبر سن کر سرور حاصل ہو۔ جیسے سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ "جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کیے، ان کو جنت کی بشارت دے دیجئے۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ نہایت ہی خوشی کی بات ہے کہ کسی کے لیے جنت مقدر کر

دی جائے تاہم بعض اوقات بشارت سے مراد محض خبر بھی ہوتا ہے۔ جیسے کفار کے متعلق فرمایا "فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ" انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دو۔ تاہم یہاں پہ بشارت سے مراد اچھی اور خوش کن خبر ہے کہ اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے اس مقام پہ کلمہ کا لفظ حضرت مسیح علیہ السلام پہ بولا گیا ہے۔ آپ کو اللہ کا کلمہ اُس خصوصیت کی بنا پہ کہا گیا ہے۔ جو آپ کی ذات میں بن باپ کے پیدائش کی وجہ سے ہے۔ قرآن میں بعض دوسری چیزوں کی نسبت بھی خصوصی طور پہ اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ جیسے سورۃ شمس میں نَاقَةَ اللّٰہِ یعنی اللہ کی اونٹنی کا ذکر آیا ہے۔ اونٹنیاں اور تمام چیزیں تو سب کی سب اللہ ہی کی ہیں۔ مگر صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو خاص طور پہ اللہ کی اونٹنی اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی پیدائش خاص طریقہ سے کی تھی۔ یہ اونٹنی کسی ماں کے پیٹ کی بجائے چٹان سے نکالی گئی تھی۔ اس لیے اس کو اللہ کی اونٹنی کہا گیا اسی طرح خانہ کعبہ کو بیت اللہ شریف یعنی اللہ کا گھر کہا گیا ہے۔ حالانکہ تمام مساجد اللہ ہی کے گھر ہیں۔ اس کے علاوہ کائنات کی ہر چیز اسی کی پیدا کردہ ہے لہٰذا اسی کی ہے۔ مگر بیت اللہ کو بیت اللہ اس لیے کہا گیا ہے۔ کہ وہاں پہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلیات ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہیں۔ عام مساجد میں بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ بھی اللہ کے گھر ہیں۔ تو بہر حال فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو اللہ کے کلمے کی بشارت یعنی خوشخبری دی۔ امام ابوبکر جصاص رح فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہنے کی ایک وجہ تو یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بغیر باپ کے توسط کے پیدا کیا۔ گویا آپ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے حکم سے پیدا ہوئے۔ اس لقب کی دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ پہلی کتابوں میں مسیح علیہ السلام کے متعلق

پیش گوئی موجود تھی۔ کہ آپ اپنے مقررہ دور میں آکر ہدایت کا ذریعہ بنیں گے۔ تو یہ وہی ____________ کلمۃ اللہ ہیں۔ جن کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے۔ کلمۃ اللہ کی تیسری توضیح یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو کَلِمٰتِ رَبِّکَ یعنی اللہ کے کلمے کہا ہے۔ اور یہ لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ اسی طرح چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی مخلوق کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا، لہذا ان کا نام بھی کلمۃ اللہ رکھ دیا۔

فرمایا اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے کلمے کی خوشخبری دیتا ہے۔ اِسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ اکثر مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ لفظ مسیح عبرانی اور سریانی زبان کے اشتقاق سے آیا ہے اور اس کا معنی مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کے بعد پہلے ہی دن آپکی زبان سے کہلوا دیا تھا۔ کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ "وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ" (سورۃ مریم) میں جہاں بھی ہوں، مجھے برکت والا بنایا ہے۔ لہذا آپ کا لقب مسیح قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ کا لقب یسوع بھی ہے جو یشوع سے آیا ہے اور اس کا معنی سردار یا سید ہے۔

عربی زبان میں مسیح کا معنی سیاح ہے۔ دجال کے ساتھ مسیح کا لفظ بھی انہی معانی میں آیا ہے۔ مسیح دجال یعنی سیاحت کرنے والا دجال، کہتے ہیں کہ دجال چالیس دن میں پوری دنیا کے گرد گھوم جائیگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مسیح اس لیے کہتے ہیں۔ کہ آپ بھی سیاحت کرتے تھے۔ آپ نے زندگی بھر رہنے کے لیے اپنا گھر نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ مسیح کا اطلاق مسح پر بھی ہوتا ہے۔ جس کا معنی ہاتھ پھیرنا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں

کو ہاتھ لگاتے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا کر دیتا۔ یہ ذکر آگے معجزات میں آئے گا۔

دجال کے ساتھ لفظ مسیح، ممسوح کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ جو کہ مفعول کا صیغہ ہے۔ مَمْسُوْحُ الْعَیْنِ اُس شخص کو کہتے ہیں جس کی ایک ہی آنکھ ہو یعنی مٹائی ہوئی آنکھ والا۔ دجال کی دائیں آنکھ بالکل مٹی ہوئی ہو گی اور انگور کے پھٹے ہوئے دانے کی مانند ہو گی۔ اس کی بائیں آنکھ میں بھی عیب ہو گا۔ اس لیے اس کو ممسوح کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ممسوح بگڑی ہوئی فطرت والے کو بھی کہتے ہیں۔ دجال ممسوح الفطرت یعنی بگڑی ہوئی فطرت والا ہو گا۔

عیسائیوں کا باطل عقیدہ

عیسیٰ ابن مریمؑ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے اُس باطل عقیدہ کی تردید فرمائی ہے۔ جس کے مطابق وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا تین خداؤں میں سے تیسرا کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر واضح کر دیا ہے۔ کہ عیسیٰ ابن مریم ہے جس کو اللہ نے ایک عورت کے بطن سے پیدا فرمایا۔ جو شخص کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہو۔ وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ تو خود مخلوق ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے، اس کے نبی اور برگزیدہ انسان ہیں۔ "لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ" تو شانِ خداوندی ہے۔ یہ صفت کسی مخلوق میں کیسے ثابت کی جا سکتی ہے۔ بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

سورۃ مریم میں موجود ہے۔ کہ یہ اتنا بڑا کلمہ ہے کہ "تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا" قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ اس بات پر کہ "اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا" وہ خدا تعالیٰ کے لیے بیٹے کو پکار رہے ہیں۔ یہ اس قدر باطل عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ثابت کرنا۔ یہ تو اُس کی تنزیہہ کے ہی خلاف ہے۔

عیسیٰ ابن مریم

قرآن پاک میں حضرت مسیح علیہ السلام کا لقب عیسیٰ ابن مریم کئی مقامات پر آیا ہے۔ آخرت میں بھی آپ کو اسی لقب سے پکارا جائے گا جب

محاسبے کی منزل آئے گی، تو اللہ تعالیٰ آپ کو اسی نام سے مخاطب کریں گے۔ سورۃ مائدہ میں آتا ہے "وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا۔ کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنا لو۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عیسےٰ علیہ السلام کو اس طرح خطاب فرمائیں گے، تو آپ پر دہشت طاری ہو جائیگی اور آپ پانچ سو سال تک کپکپاتے رہیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اُن کو حوصلہ دیگا۔ تو عرض کرینگے "قَالَ سُبْحٰنَكَ" اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔ جس کا مجھے حق ہی نہیں پہنچتا۔ تو تو دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے، مخفی ارادوں تک سے واقف ہے۔ اگر میں نے ایسی بات کی ہے تو تجھ سے تو پوشیدہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وہ ایسا دن ہوگا، کہ اُس دن سچوں کو اُن کی سچائی فائدہ دے گی۔ یہ سب سورۃ مائدہ میں آرہا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن ہر شخص کو باپ کی نسبت سے پکارا جائے گا، مگر عیسیٰ علیہ السلام کو ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔ یعنی عیسیٰ ابن مریم۔ کیونکہ آپ کے لیے باپ کا توسط نہیں ہے اسی طرح سورۃ مریم میں جہاں یحییٰ علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ وہاں "وَبَرًّام بِوَالِدَيْهِ" کے الفاظ آتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے والدین یعنی ماں اور باپ دونوں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے والا مگر جہاں عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ وہاں فرمایا "بَرًّام بِوَالِدَتِيْ" اللہ نے مجھ کو میری ماں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے والا بنایا ہے۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے اُس عقیدے کا رد فرمایا ہے جس کے مطابق وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا تین خداوں میں سے تیسرا خدا مانتے ہیں

یہودیوں کی مسیح دشمنی

یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کی حد درجہ تحقیر کرتے تھے۔ انہوں نے

آپ کی والدہ پر حرام کاری کا الزام لگا کر اُن کو بدکار عورت تک کہا۔ اور عیسٰی علیہ السلام کو حرامی بچہ کہہ دیا۔ حتیٰ کہ آپ کو سزائے موت دلانے کے لیے عدالت میں لے گئے اور راستے میں جاتے ہوئے العیاذ باللہ آپ کے چہرے پر تھوکا۔ یہ بدبخت لوگ بگڑی ہوئی ذہنیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے مسیح علیہ السلام کی بڑی توہین کی۔ حتیٰ کہ انہیں سولی پر لٹکانے کے لیے تیار ہو گئے۔ انہوں نے تو ایسا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا چھوڑی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے آپ کو اپنی طرف اٹھا کر یہودیوں کے مذموم ارادے سے آپ کو بچا لیا۔ انجیل میں موجود ہے کہ یہودیوں کے عالم بڑے بدبخت تھے۔ عیسٰی علیہ السلام نے اُن کو سانپ کے بچوں سے تشبیہ دی ہے۔ آپ نے فرمایا تم کیسے بدبخت لوگ ہو، جو لوگوں کو گمراہی میں ڈالتے ہو۔ اور ہدایت کی بات کو سنتے ہی نہیں۔ یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کو دجال بھی کہتے تھے۔ کہ یہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اُن کے عقیدے بگاڑتا ہے۔ مروجہ رسموں کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسی بنا پر وہ آپ کے دشمن بن گئے اور پھر آپ کے قتل کے درپے ہوئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ قیامت کے قریب جب دجال ظاہر ہوگا۔ تو اُس کو مسیح سمجھتے ہوئے اُس کے پیچھے لگ جائیں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اصفہان سے ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) چغے پہنے ہوئے یہودی دجال کے پیچھے پیچھے جائیں گے۔

حضرت مسیح کے مناقب

آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس دشمنی کا پردہ چاک کیا ہے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض اوصاف بیان فرمائے ہیں کہ فرشتوں نے جس مسیح عیسٰی ابن مریم کی بشارت حضرت مریم کو دی وہ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ دنیا اور آخرت میں وجاہت والا ہوگا۔ یعنی عزت اور مرتبے والا ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کی تمام تر دشمنی اور ہرزہ سرائی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الزامات سے بری قرار دیا۔ اور ان ناپاک لوگوں کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیا جس کو اللہ تعالیٰ عزت کا اعلیٰ مقام عطا کرے اُسے کون ذلیل کر سکتا ہے۔ آپ تو دونوں جہانوں میں صاحب عزت ہیں۔ ان کی عزت کرنے والے کروڑوں اور اربوں لوگ موجود ہیں۔ عیسائیوں کا اگرچہ عقیدہ مشرکانہ ہے۔ مگر وہ آپ کی عزت

تو کرتے ہیں۔ دُنیا میں مُسلمانوں کی آبادی ایک ارب کے لگ بھگ ہے یہ سب حضرت مسیح علیہ السلام کو سچا نبی تسلیم کرتے ہیں۔ جس کی دس آدمی عزت کرنے والے ہوں، اُس کا حوصلہ بلند ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں تو اربوں کی تعداد میں مسیح علیہ السلام کو سچا رسُول ماننے والے موجود ہیں۔ لہٰذا آپ عزت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی لوگوں نے طرح طرح کے الزام لگائے ان کی طرف غلط باتیں منسوب کیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں غلط الزامات سے بری قرار دیا "فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا" نیز یہ بھی فرمایا "وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا" وہ اللہ کے نزدیک بڑی عزت والے تھے۔ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی وَجِيْهًا کا لفظ استعمال کیا۔ کہ آپ بڑے عزت والے اور بڑے وقار والے تھے۔ یہودیوں کی الزام تراشیاں بکواس محض تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے دُنیا میں آپ کو نبوت کے مقام پر سرفراز فرمایا۔ اور آخرت میں آپ اپنے صحیح ماننے والوں کی شفاعت کریں گے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عزت اور وجاہت ہو سکتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا اور آخرت میں وجاہت والے ہوں گے۔

مقربین الٰہی

وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہوں گے۔ انہیں خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو گا، جو بہت بڑا مرتبہ ہے۔ ہر صاحب ایمان اپنے مالک کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عبادت ریاضت، قربانی، صدقہ خیرات سب اسی واسطے سے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ

راضی ہو کہ اپنا تقرب عطا کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے عیسٰے علیہ السلام کو مقربین میں سے بنایا۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ مقرب وہ ہے جو نہایت اونچے درجے کے کام کرتا ہو، اور اس میں غایت درجے کا خلوص پایا جائے۔ "اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا" میں یہی بات ہے۔ دو بھائیوں نے قربانی کی۔ جس قربانی میں زیادہ خلوص اور صلاحیت تھی، اللہ نے اسے قبول کر لیا۔ اور جو بُرا تھا، اس کی قربانی قبول نہ کی۔ شیخ ابوطالب مکیؒ اپنی تصوف کی مشہور و معروف کتاب قوت القلوب میں فرماتے ہیں۔ مقرب وہ ہوتے ہیں جن کی نگاہ ازل کے فیصلے پر ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں۔ کہ پتہ نہیں ہمارا حساب کیا ہوگا۔ بزرگانِ دین کی نگاہ ازل کے اُس فیصلے پر ہوتی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو دو مٹھیوں میں بند کر کے فرمایا تھا ھٰذِہٖ للجنۃ ولا ابالی وھٰذہٖ للنار ولا ابالی یعنی اس مٹھی والے لوگ جنت میں جائیں گے اور مجھے کچھ پروا نہیں اور یہ لوگ دوزخی ہیں، مجھے کچھ پروا نہیں۔ اللہ کے مقربین کو ہمیشہ یہ فکر لگی رہتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ الایمان بین الخوف والرجا ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے جب کسی شخص کا آخری وقت آتا ہے موت کا فرشتہ اس کے قریب آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے۔ کہ اے مولا کریم! یہ شخص اہل ایمان میں سے ہے یا اہل نار میں سے مجھے حکم دے کہ میں اس کی روح کو ایمان کے ساتھ قبض کروں یا کفر کے ساتھ، تو اللہ کے بندے اپنے آخری وقت کو یاد کر کے فکر مند رہتے ہیں کہ اللہ العالمین ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارا خاتمہ کیسے ہوگا۔ یا اللہ! ہمیں ایمان کی موت عطا کرنا۔ غرضیکہ مقربین الٰہی وہ لوگ ہیں۔ جن کی نگاہ ہمیشہ اپنے مالک کی طرف لگی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا۔ کہ آپ مقربین میں سے ہوں گے۔

کم سنی میں کلام

حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ

نے آپ کے بعض معجزات کا تذکرہ بھی کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا آپ لوگوں سے کلام کریں گے گہوارے میں (یا گود میں) اور ادھیڑ عمر میں۔ یہ بشارت تھی جو فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو دی۔ اور پھر جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ تو یہ بشارت حرف بحرف پوری ہوئی۔ سورۃ مریمؑ میں موجود ہے۔ کہ پیدائش کے پہلے ہی دن حضرت عیسٰی علیہ السلام نے باتیں کیں۔ جب حضرت مریمؑ نومولود بچے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اٹھا کر قوم کے پاس آئیں تو قوم نے سخت غصے کا اظہار کیا۔ اور کہا، اے ہارون کی بہن! تیرے والدین تو ایسے نہیں تھے، تو یہ بچہ کہاں سے لے آئی۔ تو حضرت مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا، گہوارے یا گود میں پڑا بچہ ہمارے ساتھ کیسے بات کرے گا۔ اس وقت عیسٰی علیہ السلام نے بول کر کہا اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ" میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب عطا کی گئی ہے اور نبی بنایا گیا ہوں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے علاوہ بعض دیگر بچوں نے بھی کم سنی میں کلام کیا ہے۔ حضرت جریجؒ ایک نیک آدمی تھے ان پہ تہمت لگائی گئی۔ کہ وہ زنا کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ایک فاحشہ عورت نے اپنے نومولود بچے کی نسبت ان کی طرف کی۔ لوگ آپ کو گھسیٹ کر عبادت خانے سے باہر لے آئے۔ آپ کو مارا پیٹا اور عبادت خانہ تباہ کر دیا ———— اس اللہ کے بندے نے زندگی کی آخری نماز پڑھی۔ اور پھر اس بچے کے پیٹ پہ انگلی رکھ کر کہا کہ خدا کے حکم سے بتاؤ، تمہارا باپ کون ہے۔ اللہ نے اس بچے کو قوت گویائی دی اور اس نے بول کر کہا۔ کہ میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔ یہ سن کر لوگ سخت پشیمان ہوئے کہ انہوں نے ایک نیک آدمی کو ناحق تکلیف دی ہے۔ کہنے لگے اگر چاہو تو تمہارا عبادت خانہ، سونے اور چاندی سے تعمیر کر دیں۔ حضرت جریجؒ نے

فرمایا۔ مجھے سونے چاندی کے محل کی ضرورت نہیں۔ میرا جھونپڑا ویسا ہی مٹی سے بنا دو جیسے پہلے تھا۔ (بخاری مسلم)

قرآن پاک میں موجود ہے وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا" جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام پہ تہمت لگائی، تو ایک چھوٹے بچے نے ہی آپ کی برئیت کی گواہی دی تھی۔ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرنے والی عورت مومنہ تھی۔ اللہ تعالی کی توحید اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پہ ایمان تھا۔ جب کنگھی اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی تو اس نے بِسْمِ اللّٰہِ کہہ کر دوبارہ اٹھائی۔ اس پہ فرعون کی بیٹی بگڑ گئی۔ فرعون کو پتہ چلا کہ یہ لوگ میرے علاوہ کسی اور خدا کو بھی مانتے ہیں۔ تو اُس نے تانبے کا ایک بہت بڑا گھوڑا تیار کرایا۔ اور پھر اس کو گرم کر کے خاندان کے سب افراد کو اس کے پیٹ میں ڈال دیا۔ چھوٹے بچے کی ماں اپنے بچے کو جلتا ہوا دیکھ کر سخت پریشان ہوئی۔ مگر اس بچے کو اللہ نے قوتِ گویائی عطا فرمائی۔ اس نے بول کر کہا، ماں! گھبراؤ نہیں۔ جس چیز کو تم آگ سمجھ رہی ہو، وہ تو باغ و بہار ہے۔ آؤ تم بھی اس آگ میں کود جاؤ تم حق پر ہو۔

قرآن پاک میں اصحاب الاخدود کا واقعہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔ یہ واقعہ حضور علیہ السلام کی بعثت سے ستر سال قبل پیش آیا ہے۔ یمن کے بادشاہ ذونواس نے اہل ایمان کی سرکوبی کے لیے بڑے بڑے گڑھے کھدوائے ان میں خوب آگ جلائی اور پھر ہزاروں ایمان والوں کو اس آگ میں زندہ جلا دیا۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک ایماندار عورت لائی گئی جس کی گود میں بچہ بھی تھا۔ آگ کے شعلے دیکھ کر عورت کو تردد پیدا ہوا، تو اللہ تعالی نے اس کے بچے کو قوتِ گویائی دی اور وہ کہنے لگا یَا اُمِّی اِصْبِرِی اِنَّکِ عَلَی الْحَقِّ" یعنی اے ماں! صبر کرنا، بلاشبہ تم حق پر ہو۔

بخاری شریف اور بعض دیگر احادیث میں ایک اور بچے کا واقعہ بھی آتا

ہے۔ ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ پاس سے کچھ لوگ گذرے، جو ایک عورت پر چوری اور بدکاری کا الزام لگا کر اسے پیٹتے جا رہے تھے مگر وہ زبان سے یہی کہہ رہی تھی۔ حَسْبِیَ اللّٰہ۔ دودھ پلانے والی عورت نے اس معتوب عورت کی حالت زار دیکھ کر اپنے بچے کے متعلق کہا، خدا تجھے ایسا نہ بنائے۔ بچہ فوراً دودھ چھوڑ کر بولا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِثْلَھَا اے اللہ! مجھے ایسا ہی بنا دے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بڑا مغرور اور سرکش آدمی گھوڑے پر سوار گذرا۔ ماں اس سوار کی شان و شوکت دیکھ کر کہنے لگی۔ اے اللہ! میرے بچے کو بھی ایسا ہی بنا دے۔ بچہ دودھ چھوڑ کر پھر بولا، یا اللہ! مجھے ایسا نہ بنانا، بہر حال تاریخ میں بعض دیگر بچوں کے حالات بھی ملتے ہیں جنہوں نے کم سنی میں اسی طرح کلام کیا، جس طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پیدائش کے پہلے ہی دن کلام کر کے اپنی ماں کی بریت کی۔

حکیمانہ کلام

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ عیسٰی علیہ السلام کے بچپن اور کہولت میں کلام کرنے سے مراد حکیمانہ کلام ہے۔ عمر کے دونوں حصوں میں آپ کا کلام حکمت سے لبریز ہو گا۔ چنانچہ بعض آثار میں آتا ہے۔ کہ عیسٰی علیہ السلام بارہ سال کی عمر میں تبلیغ کرتے تھے۔ اور ایسی حکیمانہ باتیں کرتے تھے، کہ بڑے بڑے فلاسفر اور دانا حیران رہ جاتے تھے۔ تفسیر بیضاوی اور تفسیر روح المعانی میں حضرت سعید ابن مسیبؓ اور حضرت زید بن اسلمؒ جو تابعین میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ مسیح علیہ السلام کو ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر اٹھایا گیا۔ آپ دوسرے آسمان پر ہیں۔ معراج والی حدیث میں موجود ہے۔ کہ دوسرے آسمان پر حضور علیہ السلام کی ملاقات حضرت یحیٰی علیہ السلام اور عیسٰی علیہ السلام سے ہوئی۔ اور دوسری طرف یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ سن کہولت چالیس سال کے بعد ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ عیسٰی علیہ السلام چالیس سال تک تو دنیا میں ٹھہرے ہی نہیں۔ پھر کہولت میں کلام کرنے سے کیا

مراد ہے۔ اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ عیسٰی علیہ السلام کا بچپن میں کلام کرنا تو مکمل ہو گیا مگر آپ کا کہولت یعنی ادھیڑ عمر میں کلام کرنا ابھی باقی ہے۔ اسکی تکمیل اُس وقت ہو گی جب قرب قیامت میں آپ دوبارہ زمین پر آئیں گے، تو اس عمر میں بھی حکیمانہ کلام کریں گے۔ ایک سَو سے زیادہ احادیث موجود ہیں جن میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا ذکر ہے۔ بخاری مسلم اور دیگر کتب میں یہ بھی ہے۔ کہ جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے، تو حکومت کریں گے۔ دنیا میں عدل و انصاف قائم کریں گے۔ چالیس سال یا کم و بیش کا عرصہ دنیا میں ٹھہریں گے۔ بعض روایات میں سات سال کا ذکر بھی ہے۔ اس عرصے میں آپ نکاح کریں گے، اولاد ہو گی۔ اور پھر طبعی وفات بھی ہو گی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ساتھ ہی دفن ہوں گے ترمذی شریف میں یہ حدیث موجود ہے جو درجہ حسن کی ہے۔

صالح عیسٰی علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعض معجزات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ یعنی عیسٰی علیہ السلام صالحین میں سے ہوں گے۔ صالح کا معنیٰ نیکوکار ہے۔ میں نے پہلے عرض کیا تھا۔ کہ صالح اُس شخص کو کہتے ہیں۔ جو نیکی کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے حقوق ادا کرتا ہو۔ اور کسی کا حق ضائع نہ کرتا ہو۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ اللہ کے اولوالعزم پیغمبر اور صاحب کتاب رسول ہیں۔ لہٰذا فرشتوں نے حضرت مریمؓ کو بشارت دیتے ہوئے یہ بھی کہا۔ کہ جس کلمۃ اللہ کی بشارت دی جا رہی ہے۔ وہ نیکوکاروں میں سے ہو گا گذشتہ آیت کے آخر میں ذکر تھا۔ کہ عیسٰی علیہ السلام مقربین میں سے ہوں گے اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ وہ صالحین میں سے ہوں گے۔

حضرت مریمؓ کی پریشانی

جب حضرت مریمؓ نے فرشتوں کی زبان سے بیٹے کی پیدائش کی بشارت سنی تو بہ مقتضائے بشریت گھبرا گئیں۔ بات ہی ایسی تھی۔ وہ ایک

عابدہ و زاہدہ دوشیزہ لڑکی ہے، نکاح ہوا نہیں، تو بچہ کیسے پیدا ہو گا۔ کیا نکاح ہو گا۔ اگر نہیں ہو گا۔ تو بچہ کیسے۔ حضرت مریمؑ کو طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ آخر پریشان ہو کر کہنے لگیں قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ اے پروردگار! میرے ہاں بچہ کیسے ہو گا وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ عادت اللہ تو یہ ہے۔ کہ مرد و زن کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے مگر نہ تو میرا نکاح ہوا ہے۔ نہ کسی ناجائز طریقے سے مرد کی قربت حاصل ہوئی ہے۔ تو بچہ کیسے پیدا ہو گا۔ فرشتوں نے جواب دیا قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے، جو چاہے۔ اس سے پہلے جب یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق بشارت کا ذکر آیا تھا۔ تو وہ وہاں فرمایا تھا۔ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ اسی طرح کرتا جس طرح چاہے۔ مگر یہاں پہ يَفْعَلُ کی بجائے يَخْلُقُ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ فرق یہ ہے۔ کہ وہاں پہ بوڑھے میاں بیوی سے بچہ پیدا کرنا مقصود تھا۔ جو کہ عام عادت کے خلاف ہے مگر ممکن ہے۔ پچھلے دنوں اخبارات میں آیا کہ ہندوستان کے کسی علاقے میں سو سال کی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا اگرچہ یہ عام طور پہ دشوار ہے مگر ناممکن نہیں۔ کیونکہ میاں بیوی دونوں موجود ہیں اگرچہ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت میں یخلق کا لفظ اس لیے استعمال کیا۔ کہ یہاں پہ باپ بھی موجود نہیں مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بچہ پیدا ہوا۔ آگے آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ وہاں نہ ماں ہے اور نہ باپ ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کلمہ کن کے ساتھ آدم علیہ السلام کی تخلیق فرما دی۔ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کام کے کرنے کے لیے اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اس کا حکم ہی کافی ہوتا ہے۔

مسیح علیہ السلام بحیثیت معلم

فرمایا جس مسیح علیہ السلام کی بشارت دی جارہی ہے۔ اس کی ایک صفت یہ بھی ہوگی۔ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور اللہ تعالیٰ اُسے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور حکمت سکھائیگا۔ عام مفسرین کرام کتاب سے مراد لکھنا لیتے ہیں اور حکمت سے دانائی۔ مگر بہت سے دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ مسلم شریف میں امام ابن ابی ذئبؒ کی روایت میں ہے کہ جب مسیح علیہ السلام دنیا میں دوبارہ نازل ہوں گے۔ تو وہ کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن و سنت کا علم بھی بلا واسطہ دیں گے۔ آپ کسی استاذ سے نہ تفسیر پڑھیں گے اور نہ سنت سیکھیں گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چیزیں خود سکھائیگا۔

وَالتَّوْرٰىةَ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تورات کا علم بھی دیا۔ تورات کا معنی قانون ہے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ فرعون کی غلامی سے نجات پانے کے بعد آپ کی امت نے درخواست کی، کہ ہم غلامی کے قانون سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اس لیے اب ہمارا اپنا قانون ہونا چاہیئے، تو اس فرمائش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تورات نازل فرمائی۔

وَالْاِنْجِيْلَ اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل کا علم بھی دیا گیا۔ انجیل کا لفظی معنی بشارت ہے۔ اور یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی اور آپ کو اس بات کا پابند بنایا کہ تم جہاں بھی جاؤ لوگوں کو خوشخبری سناؤ "مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ" (سورۃ صف) یعنی میں تم کو خوشخبری سنانے والا ہوں کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ سریانی زبان میں یہ نام فارقلیط ہے جو کہ اب عیسائیوں نے انجیل سے حذف کر دیا ہے۔ ان دو لفظوں

الفاظ کا معنی ایک ہی ہے یعنی ستو وہ جہاں تعریف والا نبی۔ وہ آنیوالا ہے اور اس کی شریعت ابد تک رائج رہیگی۔ اس کے بعد کوئی نیا قانون اور شریعت نہیں آئیگی۔ اس لیے اس کا نام ہی انجیل رکھا۔ اس میں اخلاق حکمت اور نصیحت کی باتیں ہیں۔

درس شانزدہم ۱۶ — آیت ۴۹ تا ۵۰

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۵۰﴾

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالےٰ اس کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا (اور وہ ان سے کہے گا) بیشک میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے۔ (اور وہ یہ ہے) کہ میں بناتا ہوں تمہارے سامنے گارے سے پرندے کی شکل کی طرح۔ پس میں پھونک مارتا ہوں اس میں، پس وہ ہوتا ہے اڑنے والا، اللہ کے حکم سے۔ اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص والے کو۔ اور میں زندہ کرتا ہوں مُردوں کو اللہ

کے حکم سے۔ اور میں بتلاتا ہوں تم کو جو تم کھاتے ہو اور جو تم ذخیرہ بنا کر رکھتے ہو،
اپنے گھروں میں بیشک البتہ اس میں نشانی ہے تمہارے لیے، اگر تم ایماندار ہو (۴۹)
اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اس کی جو مجھ سے پہلے ہے تورات۔ اور میں اس
واسطے آیا ہوں کہ میں حلال کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام قرار دی گئی ہیں
اور میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے۔ پس اللہ سے
ڈرو۔ اور میری بات مانو (۵۰)

ربط آیات

گذشتہ درس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق بشارت کا ذکر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ جو کلمہ تجھ کو عطا کرے گا، اس کا نام مسیح ابن مریمؑ ہو گا۔ بڑی عزت والا اور دنیا و آخرت میں مقربین میں سے ہو گا۔ نیز یہ کہ وہ گود میں اور ادھیڑ عمر میں کلام کرے گا۔ اور نیکو کاروں میں سے ہو گا۔ حضرت مریم نے تعجب کا اظہار کیا۔ کہ اس کے ہاں بچہ کیسے ہو گا جب کہ نہ اس نے نکاح کیا ہے۔ اور نہ وہ کسی لغزش کا شکار ہوئی ہے۔ بلکہ کسی مرد نے اس کو چھوا تک نہیں تو اللہ کی جانب سے ارشاد ہوا۔ کہ اس کے لیے بغیر باپ کے بچہ عطا کر دینا کچھ مشکل نہیں۔ وہ جو چاہے کر پاتا ہے۔ صرف اس کے حکم کی ضرورت ہوتی ہے کام ہو جاتا ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل کے لیے اسباب و علل کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ پھر یہ بھی فرمایا۔ کہ اس پیدا ہونے والے بچے کو اللہ تعالیٰ براہ راست کتاب و حکمت کی تعلیم دیگا۔ اور اسے تورات اور انجیل بھی سکھائیگا۔

رسول بنی اسرائیل

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ کہ جس کلمۃ اللہ کی بشارت دی گئی ہے۔ اس کی حیثیت یہ ہو گی وَرَسُوۡلًا اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اللہ تعالیٰ اسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ نبوت اور رسالت اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ ترین مناصب ہیں جسے عطا ہو جائیں۔ یہ منصب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حصے میں بھی رکھ دیا کہ وہ رسول ہونگے۔ مگر

بنی اسرائیل کی طرف۔ آپ کی نبوت و رسالت تمام اقوام عالم کے لیے نہیں بلکہ صرف قوم بنی اسرائیل کے لیے ہے۔ یہ تو انجیل میں بھی موجود ہے۔ کہ ایک عورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی۔ اور عرض کیا، حضرت! میں آپ سے فیض حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نے دریافت کیا، تو کس قبیلہ سے تعلق رکھتی ہے عرض کیا کنعان قبیلہ سے متعلق ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس عورت کی راہنمائی کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا، میں تو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اُس عورت نے بڑا اصرار کیا مگر آپ نے اس کی بات نہ مانی۔ جب وہ عورت چلی گئی تو آپ کے شاگردوں نے عرض کیا۔ کہ آپ نے اُس عورت کو کیسے محروم رکھا، فرمایا، میں تو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس کے علاوہ یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے فرمایا، کیا میں انسانوں کی غذا کتوں کے آگے ڈال دوں، انجیل میں موجود ہے۔ کہ اُس عورت نے پھر عرض کیا۔ کہ کتے بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ اور انہیں بھی فیاض لوگوں کی میز سے گرے ہوئے ٹکڑے مل جاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے عورت! تیرا ایمان بڑا مضبوط ہے۔ الغرض عیسیٰ علیہ السلام نے صاف کہہ دیا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کیلیے مبعوث ہُوا ہوں۔ اسی لیے آجکل کے عیسائیوں کی دعوتِ عامہ غلط ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے رسول ہیں۔

البتہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت تمام اقوام عالم کے لیے ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے۔ "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا" ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کیلیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے کہلوایا "قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا" آپ کہہ دیں کہ اے دنیا جہان کے

کے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ نے خود بھی فرمایا۔ بُعِثْتُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ اللہ نے مجھے ہر سیاہ و سرخ کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ غرضیکہ آپ علیہ السلام کی نبوت عامہ ہے اور تمام بنی نوع انسان کے علاوہ جن وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔ حضور علیہ السلام سے قبل آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تمام اقوام کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے اس کی تصریح قرآن پاک میں موجود ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں تمہیں ساری دنیا کا امام بنانے والا ہوں۔

معجزات انبیاء

فرمایا جس عظیم المرتبت رسول کی پیش گوئی کی جا رہی ہے۔ وہ آ کر کہے گا۔ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ نشانی سے مراد وہ معجزات ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام اور دیگر انبیاء کو عطا کیے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا، جس کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی نشانی نہ عطا کی ہو۔ معجزے عام بھی ہوتے ہیں اور خاص بھی۔ مادی بھی اور روحانی بھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اللہ نے جو خاص معجزہ مجھے عطا فرمایا ہے۔ وہ قرآن کریم ہے۔ اس لیے مجھے امید ہے۔ کہ قیامت کے دن میرے ماننے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔ میرا یہ معجزہ دائمی ہے۔ اور ہمیشہ لوگوں کے درمیان موجود رہے گا۔ لوگ اس کو پڑھیں گے، اس پر ایمان لائیں گے۔ ہدایت اختیار کریں گے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار بے شمار ہوں گے، یہ آپ کا زندہ معجزہ ہے۔ باقی معجزات وقتی نوعیت کے تھے، جو اپنے اپنے وقت تک ہی قائم رہے۔

مصنوعی پرندہ

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے معجزات لوگوں کے سامنے پیش کیے۔ سب سے پہلے معجزے کے متعلق فرمایا اَنِّیْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ

ہیں تمہارے سامنے مٹی سے ایک پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں۔ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ پس وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگتا ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا یہ خاص معجزہ تھا۔ آپ مٹی کا پرندہ بناتے اس میں پھونک مارتے تو وہ پھر سے اڑ جاتا۔ اب ہماری شریعت میں کسی جاندار کی تصویر یا مجسمہ بنانا جائز نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَعَنَ اللّٰہُ الْمُصَوِّرِیْنَ تصویر کشی کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔ وہ اس کی رحمت سے دور ہیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا جس گھر میں تصویر اور کتا ہو، وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ بہر حال عیسٰی علیہ السلام نے تصویر سازی معجزہ کے طور پر کی۔

شفائے بیماراں

فرمایا میرا دوسرا معجزہ یہ ہے وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ میں مادر زاد اندھوں اور برص یا کوڑھ کے مریضوں کو اچھا کرتا ہوں۔ برص پھلبہری یا جزام پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہ لاعلاج بیماریاں ہیں۔ یونانیوں کے زمانے سے لے کر آج تک حکماء نے ان بیماریوں پر قابو پانے کی بڑی کوشش کی ہے مگر پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے۔ جزام ایسی خطرناک بیماری ہے کہ اس کے مریض کے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں اور ناک وغیرہ گل جاتے ہیں اور پھلبہری کے داغ بھی جب پیدا ہو جائیں تو رفع نہیں ہوتے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام بطور معجزہ ان مہلک بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔ اس زمانے میں طبابت کا بڑا چرچا تھا۔ بقراط اور جالینوس جیسے بڑے بڑے حکیم اسی زمانہ کے قریب گزرے ہیں۔ ایک سے ایک بڑا طبیب تھا مگر مذکورہ بیماریاں لاعلاج تھیں۔ عیسٰی علیہ السلام نے ان کے علاج کا دعوےٰ کیا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں میڈیکل سائنس نے بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ خاص طور پر سرجری میں بڑی مہارت حاصل کی ہے۔ مگر پھر بھی لاتعداد کیس ایسے ہیں کہ بیماری کی سمجھ ہی نہیں آتی، علاج تو بعد کی بات ہے۔ بہر حال

یہ بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ لاعلاج بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔

دراصل معجزہ کا مطلب ہی عاجز کر دینے والی نشانی ہے۔ یعنی ایسی چیز جس کا عام لوگ جواب پیش کرنے سے عاجز آجائیں۔ خود قرآن پاک نے اپنے آپ کو بطور معجزہ پیش کرتے ہوئے چیلنج کیا اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اگر تمہیں قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک ہے۔ تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لاؤ۔ مگر فصاحت و بلاغت کا کوئی ماہر اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔ بلکہ سب عاجز آگئے۔ اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانے میں طبابت کا بڑا چرچا تھا۔ مگر مذکورہ بیماریوں کے سامنے سب عاجز تھے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معجزہ سے زندگی سے مایوس مریضوں کو شفا ملنے لگی۔

احیائے موتٰی

اس سے بھی بڑھ کر آپ نے تیسرے معجزے کا اعلان کیا وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ میں مُردوں کو زندہ کرتا ہوں، اللہ کے حکم سے۔ مفسرین کرام نے چار ایسے مُردوں کا ذکر کیا ہے۔ جنہیں عیسٰی علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے زندہ کیا۔ پہلا واقعہ آپ کے عاذر نامی دوست کا تھا۔ جس کا گھر آپ سے کئی دن کی مسافت پر تھا، وہ سخت بیمار ہوا، تو اس کی بہن نے آکر حضرت عیسٰی علیہ السلام سے اس کی حالتِ زار بیان کی۔ آپ دو تین دن کا سفر طے کر کے اس کے گاؤں پہنچے، تو دوست فوت ہو چکا تھا، اور اسے دفن کیا جا چکا تھا۔ آپ نے اس کی قبر پر جا کر کہا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ اللہ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ۔ تو وہ مُردہ زندہ ہو گیا۔ احیائے موتٰی کا دوسرا واقعہ ایک عورت کا بیٹا تھا۔ اُس عورت نے آپ کی بڑی منت سماجت کی۔ تو آپ نے اس کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح ایک چنگی والے کی مردہ بیٹی کو زندہ کیا۔ چوتھا واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کا ہے۔ آپ نے اس کی قبر پہ جا کر کہا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ کہا تو وہ گھبرائے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئے

ان کا آدھا سر سفید ہو چکا تھا۔ کہنے لگے، کیا قیامت برپا ہو گئی ہے۔ آپ نے نفی میں جواب دیا۔ اس زمانے میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوتے تھے۔ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سفید ہونا شروع ہوئے۔ گویا دنیا بحیثیت مجموعی اس وقت تک جوان تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے بڑھاپا آنا شروع ہوا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سام سے پوچھا تمہارے بال کیسے سفید ہو گئے۔ تو انہوں نے کہا، برزخ میں دہشت کی وجہ سے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا، کیا دوبارہ اسی حالت میں جانا پسند کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں، بشرطیکہ مجھ پر سکرات موت کی تلخی دوبارہ وارد نہ ہو۔ چنانچہ وہ دوبارہ اسی حالت پر چلے گئے۔ باقی تین مردوں کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ انہوں نے کافی عرصہ دوبارہ زندگی گزار دی، بلکہ بعض کے ہاں اولاد بھی پیدا ہوئی۔ وہ پھر اپنے اپنے وقت میں ختم ہو گئے۔ بہر حال اللہ تعالےٰ نے احیائے موتیٰ کا معجزہ بھی مسیح علیہ السلام کو عطا فرمایا۔

خوراک کی خبر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس معجزے کا بھی تذکرہ کیا وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ میں تم کو بتلاتا ہوں جو کچھ تم گھر سے کھا کر آتے ہو وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ اور جو کچھ تم گھر میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔ کسی مجلس میں لوگ بیٹھے ہوتے تو عیسیٰ علیہ السلام بتا دیتے کہ فلاں شخص اپنے گھر سے یہ چیز کھا کر آیا ہے اور فلاں چیز اس کے گھر میں باقی رکھی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ نے معجزہ عطا کیا تھا، اس کے علاوہ باقی چیزوں کی آپ خبر نہیں دیتے تھے فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اس میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں اگر تم یقین رکھتے ہو، یقین دہانی کے لیے اس قسم کے الفاظ قرآن پاک میں متعدد بار آئے ہیں کسی نبی کے ہاتھ پر کوئی خارق عادت فعل سرزد ہو تو معجزہ کہلاتا ہے۔ اور کسی ولی کے ہاتھ پر ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔ تاہم یہ سب کچھ باذن اللہ یعنی اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ کسی انسان، نبی، ولی کا اپنا اختیار نہیں ہوتا۔

معجزات کا انکار

موجودہ زمانے کے بعض منکرین معجزات نے ایسی آیات کی عجیب و غریب تاویلیں کی ہیں۔ انہوں نے اس آیت میں مذکورہ پرندوں سے مراد حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواری لیے ہیں، جنہیں آپ نے تیزی سے چلنے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے مادر زاد اندھوں سے جاہل لوگ مراد لیے ہیں اسی طرح وہ کوڑھی سے گندے اور غلیظ لوگ مراد لیتے ہیں۔ پرویز جیسے منکرین نے کمال الٹے معنی لیے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک میں معجزات کا صریح تذکرہ موجود ہے مثلاً پتھروں سے پانی نکلنا اور اونٹنی کا چٹان سے پیدا ہونا، عصا، ید بیضا وغیرہ۔ اس کے علاوہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے کئی ایک معجزات کا ذکر صریح الفاظ میں موجود ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جلائی جانے والی آگ کا معجزہ بڑا واضح ہے۔ یہ تمام معجزات اہل ایمان کے ایمان کا حصہ ہیں اور ان سے انکار کی مجال نہیں۔ مگر کتنے ہی دہریے، نیچری، قادیانی، لاہوری، سرسید احمد خاں اور پرویز وغیرہم گمراہ لوگ ہیں۔ جو صریح معجزات کی بیہودہ تاویلیں کرتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ہی یقین نہیں کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ان منکرین نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بغیر باپ کے پیدائش کا بھی انکار کر دیا ہے۔ یہ کفر کی باتیں ہیں۔ مومن کی شان یہ ہے۔ آمنا و صدقنا کہ اگر کوئی چیز انسانی شعور میں نہ بھی آئے، تو اس پر ایمان لانا چاہیے انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہم ہر چیز کو عقل سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اعلیٰ دماغ والے لوگ معجزات کی حقیقت سے آگاہ ہو سکتے ہیں مگر عام لوگوں کے سامنے ایسی چیزوں کا اظہار مناسب نہیں ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے یہ فرمایا وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ میں اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ ہر نبی اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس نبی سے چاہیں کسی پہلے نازل شدہ حکم کو منسوخ کرا دیں۔ اللہ تعالےٰ

نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کہلوایا کہ میں تورات کا مصدق ہوں، اُس کا منحرف نہیں ہوں۔

فرمایا مجھے یہ فرض بھی سونپا گیا ہے۔ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ تاکہ میں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں۔ مثال کے طور پر بنی اسرائیل پر مچھلی، چربی اور بعض دوسری چیزیں حرام تھیں۔ ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے حلال قرار دیا۔ یہ بات قابلِ وضاحت ہے کہ حلت و حرمت کی نسبت، جب نبی کی طرف ہوتی ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ نبی حلت و حرمت کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ ورنہ کسی چیز کی حلت و حرمت اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہے۔ نبی اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُس کے پاس اس بات کا قطعی علم آگیا ہے۔ کہ فلاں چیز حلال ہے یا حرام ہے۔ عیسائیوں نے اسی مقام پر غلطی کی۔ جب یہ منصب انہوں نے اپنے پادریوں کو سونپ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے شرک قرار دیا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہی تو ہے۔ کہ حلال و حرام کے اختیارات اپنے پیر پادری یا مولویوں کے سپرد کر دیے جائیں۔ تو نبی کا حلال و حرام ٹھہرانا دراصل اللہ کے احکام کا اعلان ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہوں۔ اس لیے میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں فَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ سے ڈر جاؤ وَاَطِيْعُوْنِ اور میری بات مانو، کیونکہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اور اسی کا حکم تم کو سناتا ہوں۔

اگلی آیت میں تمام اقوام اور ادیان کا بنیادی عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۵۱ تا ۵۴ — درس ہفدہم ۱۷

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ع

ترجمہ :۔ بیشک اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے۔ پس اُسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے ﴿۵۱﴾ پھر جب عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان لوگوں کی طرف سے کفر محسوس کیا، تو کہا کون میری مدد کرنے والا ہے، اللہ کی راہ میں حواریوں نے کہا ہم ہیں۔ اللہ کے مددگار۔ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور تو بھی گواہ بن جا کہ بیشک ہم فرمانبرداری کرنے والے ہیں ﴿۵۲﴾ حواریوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر جس کو تو نے نازل کیا ہے اور ہم نے رسول کی تابعداری کی ہے، پس لکھ لے ہم کو گواہی دینے والوں میں ﴿۵۳﴾ اور ان لوگوں نے مخفی تدبیر کی ______ اور اللہ نے بھی مخفی تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر (پوشیدہ) تدبیر کرنیوالا ہے ﴿۵۴﴾

بنیادی عقیدہ

گذشتہ درس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض معجزات کا تذکرہ تھا جن کے متعلق آپ نے اپنے مخاطبین سے کہا کہ میں تمہارے پاس تمہارے

رب کی طرف سے نشانیاں لے کر آیا ہوں، اس لیے میرا تم سے مطالبہ ہے۔ کہ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ قرآن پاک شاہد ہے۔ کہ جن انبیار کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ ان سب نے اپنی اپنی قوم سے یہی کہا کہ اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت شعیب اور حضرت لوط علیہم السلام کے واقعات سے یہی پتہ چلتا ہے۔ یہ بنیادی عقیدہ تخلیق آدم سے لے کر ہر دور میں ہر امت میں پایا گیا ہے۔ اور انبیار اسی عقیدے کی تعلیم دینے آئے ہیں۔ یہاں پر بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زبان سے اسی عقیدے کا اظہار کیا جارہا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ رَبِّی وَرَبُّکُمْ بیشک میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے۔ وہی خالق ہے، وہی مالک ہے اس لیے فَاعْبُدُوْہُ عبادت بھی اسی کی کرو۔ یہ عقیدہ دین کی اساس ہے اور تمام انبیار کی بنیادی تعلیم یہی ہے۔ اسی سے عیسائیوں کے باطل عقیدہ کا بھی رد ہوتا ہے۔ جو عیسٰی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا خود خدا مانتے ہیں۔ میرا اور تمہارا سب کا رب تو ایک وحدہٗ لاشریک ہے۔ تم خواہ مخواہ مجھ میں ربوبیت کی صفت مانتے ہو۔

اعتقاد اور عمل

یہاں یہ دو باتیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہیں۔ پہلی بات ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ امام بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ کہ عیسٰی علیہ السلام اس بیان کے ذریعے سمجھانا یہ چاہتے ہیں۔ کہ دیکھو بھائی! ہم سب مخلوق ہیں۔ میرا اور تمہارا سب کا رب ایک ہی ہے ہماری سب کی منزل بھی ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ کی ربوبیت اور الوہیت پہ ایمان لانا۔ اور یاد رکھو! جب تک کسی شخص کا اعتقاد برحق نہ ہو، اس کی قوت عقلی اور علمی کامل نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اس قوت کو کامل بنانے کے لیے اعتقاد کی سچائی اور اس کی پختگی ضروری ہے۔ اور پھر اعتقادِ برحق کی آخری منزل اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر کامل ایمان لانا ہے اگر عقیدے میں شرک شامل ہوگیا، تو عقیدہ فاسد ہوجائیگا اور قوت علمیہ ضائع ہوجائے گی۔ اور انسان کو مطلوبہ کمال کبھی حاصل نہیں ہوسکے گا۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں دوسری بات فَاعْبُدُوْهُ ہے۔ اور یہ چیز قوتِ عملیہ کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرے اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرے۔ اس طرح اس کی قوت عملی بھی کمال کو پہنچ جائے گی۔ پھر جب قوت علمی اور قوت عملی دونوں اپنے معیار کو پہنچ جائیں گی تو فرمایا هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس کی طلب ہر مسلمان ہر نماز میں کرتا ہے اور کہتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ یہی وہ راستہ ہے جسکی تعلیم تمام انبیاء کرام دیتے آئے ہیں۔ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ۔ یہ اساسی اعتقاد ہے۔ جس کو چھوڑ کر یہودی گمراہ ہو گئے۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ بر خلاف اس کے عیسائیوں نے اللہ کے بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کے درجے تک پہنچایا۔ وہ بھی صراط مستقیم سے بھٹک گئے۔ اور ناکام ہوئے۔ جب تک یہ اساسی عقیدہ درست نہیں ہوگا، کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

حضرت عیسیٰ کے حواری

فرمایا فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ جب عیسیٰ علیہ السلام نے اُن لوگوں کی طرف سے کفر محسوس کیا۔ یہ لوگ آپ کے سخت مخالف تھے۔ آپ کو طرح طرح سے تکالیف پہنچاتے تھے۔ جب اُن کی عداوت حد سے بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ کون ہے جو میری مدد کرے اللہ کی راہ میں بعض فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ یہودیوں نے عیسیٰ کی بات نہ مانی، اس لیے آپ نے غیر بنی اسرائیل کے لوگوں سے خطاب کیا۔ کہ مطلقاً میری مدد کرنے والا کون ہے۔ اِس موقع پر قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ حواریوں نے کہا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

حواری وہ مخلص لوگ ہیں۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ حور سفیدی کو کہتے ہیں، یعنی وہ چیز جو خالص ہو۔ یہ لوگ بھی چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے

ساتھ مخلص تھے، اس لیے ان کو حواری کہا گیا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ یہ لوگ دھوبی تھے اور کپڑے دھویا کرتے تھے۔ اُن پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کا گزر ہوا، تو پوچھا کیا کرتے ہو، عرض کیا، ہم کپڑوں کو میل کچیل سے صاف کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم کپڑوں کو صاف کرتے ہو، آؤ! میں تمہیں دلوں کی صفائی کا راز بتاؤں۔ وہ لوگ آپ کے معتقد ہو گئے۔ اور آپ کی مدد کرنے لگے۔ یہ بات حتمی طور پر نہیں کہی جا سکتی کہ وہ بنی اسرائیل سے تھے یا غیر بنی اسرائیل سے۔ تاہم زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اور تعداد میں بارہ ۱۲ تھے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام انہیں مختلف مقامات پر تبلیغ کے لیے بھیجتے اور یہ اللہ کا پیغام حضرت عیسٰی علیہ السلام کے منشاء کے مطابق لوگوں تک پہنچاتے۔ بہر حال حواری مخلص دوست پر بولا جاتا ہے۔ اور حور یعنی سفید اس لیے کہ ان کے دل پاک اور سفید تھے۔ توحید سے لبریز تھے اور ہر قسم کی کدورت سے پاک تھے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ ہر نبی کا کوئی مخلص دوست اور ساتھی ہوا کرتا ہے۔ اور میرا حواری زبیرؓ ہے، جو آپ کے پھوپھی زاد اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ بڑے بہادر مجاہد تھے اللہ تعالیٰ نے اتنا حوصلہ اور قوت ایمان دی تھی۔ کہ جنگ یرموک میں لاکھوں دشمنوں کی صفوں میں تن تنہا گھس گئے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ حضرت زبیرؓ نے اپنے بیٹے عروہ سے کہا، میرے جسم میں ایک انچ جگہ بھی ایسی نہیں جہاں تیر یا تلوار کا زخم نہ آیا ہو۔ ایک دفعہ نیزہ آپ کے کندھے سے پار ہو گیا تھا۔ زخم پوری طرح بھرا نہیں تھا۔ بلکہ کندھے میں سوراخ بن گیا تھا۔ عروہ اس میں ہاتھ ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے حضرت زبیرؓ کو اپنا حواری بتایا۔

الغرض ! حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں، یعنی ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ

جو اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے، اللہ اسکی مدد کرتا ہے۔ اللہ کو اپنی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو غنی ہے اور وہ خود ہر ایک کا مددگار ہے۔ اللہ کی مدد سے مراد اللہ کے دین، اسکی کتاب، اس کے نبی، اسکی شریعت اور عقیدہ حق کی مدد ہے، اللہ کے دین کی اشاعت کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دینا ہی اللہ کی مدد ہے۔

حواریوں نے اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں، یہ بھی کہا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ آپ بھی گواہ بن جائیں کہ ہم خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ اس طرح حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے ایمان کا گواہ بنا لیا۔

حواریوں کی دعا

عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اللہ رب العزت کے حضور دعا بھی کی۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم ایمان لائے ہیں۔ اس چیز کے ساتھ جو تو نے نازل کی ہے یعنی کتاب وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ اور ہم نے رسول (عیسیٰ علیہ السلام) کی پیروی کی ہے فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ لہذا ہمیں بھی گواہی دینے والوں میں لکھ دے۔ گویا کتاب و سنت کے ساتھ اپنا تعلق محکم کرنے کے بعد اللہ کے ہاں اپنے ایمان کی رجسٹری کرا رہے ہیں تاکہ قیامت کے دن اپنے ایمان کا پورا پورا بدلہ پا سکیں۔ یہ ہے وہ نقشہ جو قرآن پاک نے حواریوں کا کھینچا ہے۔ البتہ انجیل میں ان حواریوں کا بالکل معکوس نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے تو حواریوں کا ایمان بھی ثابت نہیں ہوتا۔ یہ حواریوں کا قصور نہیں، بلکہ ان یہودیوں کی تحریف کا نتیجہ ہے، جن کے ہاتھ میں تورات اور انجیل رہی۔ یہ دونوں کتابیں تحریفات سے پر ہیں۔ خود عیسائی پادریوں کا بیان ہے کہ انجیل میں تیس ہزار[۳] غلطیاں موجود ہیں۔ تحریف شدہ تورات میں انبیاء سے بڑی غلط باتیں منسوب کی گئی ہیں، حتیٰ کہ کفر و شرک اور بے حیائی

"تک اُن سے منسوب ہے یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ"
یہ لوگ بائبل کے ہر ایڈیشن میں کوئی نہ کوئی تبدیلی کرتے رہے ہیں۔ اس طرح انہوں نے خدا کی کتابوں میں ردّ و بدل کر دیا ہے۔ خود ان کی اپنی ذہنیت بگڑ چکی ہے مفسد اور سازشی ذہن رکھتے ہیں اور ہمیشہ بنی نوعِ انسان کی برائی کی تدبیریں سوچنے والے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں۔ کہ تمام لوگ اُن کے دامِ فریب میں پھنس جائیں۔ اور پھر وہ انہیں جس طرح چاہیں گمراہ کرتے رہیں۔ یہ کم بخت ایسی ایسی سکیمیں تیار کرتے ہیں۔ جن کے نتائج سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال بعد سامنے آئیں۔

یہودیوں کی سازش

شام و فلسطین کے یہودی شاہِ روم کی عمل داری میں تھے تاہم انہیں مقامی طور پر کچھ آزادی بھی حاصل تھی بالکل ایسے ہی جیسے کسی وفاق میں صوبوں کو صوبائی معاملات میں قدرے خود مختاری ہوتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ان بدبختوں کی برائیوں کی نشاندہی کرتے تھے، جس کی وجہ سے یہ اُن کے مخالف تھے، آپ کو گالیاں دیتے، پتھر مارتے، آپ کے خلاف غلط پراپیگنڈا کرتے، اُن کے خلاف سازشیں کرتے، غرضیکہ آپ کی ایذا رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے کہتے کہ یہ شخص تورات کا انکار کر کے دین کو بگاڑ رہا ہے۔ آپ پر ملحد ہونے کا الزام لگایا گیا اور آپ کے لیے سزائے موت کا مطالبہ کیا گیا۔ بہرحال انہوں نے ایک مخفی تدبیر کی۔ کہ عیسیٰ کو عدالت میں پیش کر کے آپ کو سزائے موت دلائیں۔ اس ضمن میں آپ کو ایک مکان میں بند کر دیا گیا تاکہ آپ اُن کی گرفت سے نکل نہ سکیں۔ آپ کے خلاف اسی سازش کا تذکرہ کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَكَرُوْا اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی۔ بعض اوقات لفظ مکر سے غلط فہمی ہوتی ہے۔ اردو اور پنجابی میں مکر سے مراد فریب اور دھوکا ہے۔ جب کہ عربی زبان میں یہ لفظ خفیہ تدبیر کے لیے بولا جاتا ہے۔ بہرحال یہودیوں نے خفیہ تدبیر کی، کہ کسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرا دیا جائے۔ اور اُدھر اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسی منشاء کے متعلق فرمایا، وَمَكَرَ اللّٰهُ

اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ وہ اپنے بندے کو یہودیوں کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس طرح آسمانوں پر اٹھالیا اس کا ذکر آگے آئیگا۔ فرمایا وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ یہ مشہور مقولہ ہے۔ کہ جو اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے۔ (چاہ کندہ را چاہ درپیش) وہ خود اسی میں گرتا ہے۔ جو کسی کے لیے بُری تدبیر کرتا ہے، وہ خود اس کا شکار ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کامیاب ہوئی۔ اللہ نے انہیں وہاں سے صحیح سلامت نکال لیا۔ اور یہودی اپنی سازش میں کامیاب نہ ہوسکے۔ آگے آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کی تفصیلات آئیں گی۔

درس ہشردہم ۱۸ — آیت ۵۵ تا ۵۷

اِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسٰۤى اِنِّىۡ مُتَوَفِّيۡكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَجَاعِلُ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡكَ فَوۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ‌ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ فِيۡمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَاُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ:۔ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے عیسیٰ! بیشک میں تجھ کو قبض کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور پاک کرنے والا ہوں، اُن لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا۔ اور میں بنانے والا ہوں تیرا اتباع کرنے والوں کو اُوپر اُن لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا قیامت (کے قریب تک) پھر میری طرف ہی تم سب کا لوٹ کر آنا ہو گا۔ پھر میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان ان باتوں میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿۵۵﴾ پس بہر حال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، پس میں اُن کو سزا دوں گا سخت سزا دنیا اور آخرت میں، اور اُن کا کوئی بھی مددگار نہیں ہو گا ﴿۵۶﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اور جنہوں نے اچھے کام کیے۔ پس دوہ اللہ تعالیٰ) پورا پورا دے گا

اُن کو اُن کا بدلہ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۵۷﴾

ربط آیات

گذشتہ درس میں اُن سازشوں کا ذکر تھا، جو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کے لیے کیں۔ انہوں نے آپ کو قتل کروانے کے لیے بادشاہ وقت کے کان بھرے کہ یہ شخص تورات کو بدلنا چاہتا ہے یہ لوگوں کو بے دین بنا دیگا لہذا اُسے سزا ملنی چاہیئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے بھی مخفی تدبیریں کیں اور اللہ نے بھی تدبیر کی۔ اور اللہ ہی سب سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں وہ یہودیوں کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے بلکہ خود اپنی منشاء کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کریں گے۔

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ کہ یہودیوں کی سازش کے تحت فَبَعَثَ فِي طَلَبِهٖ اَنْ يَّاْخُذَهٗ وَيَصْلُبَهٗ وَيَنْكُلَ بِهٖ بادشاہ نے حکم دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے لایا جائے۔ انہیں سولی پہ لٹکایا جائے۔ اور انہیں عبرتناک سزا دی جائے تاکہ آئندہ کوئی اس قسم کی جرأت نہ کر سکے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى وہ واقعہ قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ میں تجھ کو قبض کرنے والا ہوں۔

توفّی کا معنیٰ

عربی لغت میں توفّی۔ وَفّی کا معنیٰ ہوتا ہے اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا یعنی کسی چیز کا مکمل طور پہ وصول کر لینا ہے۔ کسی چیز کو قبض کر لینا مراد ہوتا ہے چنانچہ شیخ الہندؒ اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "جس وقت اللہ تعالیٰ نے کہا اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں لے لوں گا تجھ کو اور اٹھالوں گا تجھکو اپنی طرف" جو کہ بالکل صحیح ترجمہ ہے۔ البتہ مجازی طور پہ اس کا اطلاق موت اور نیند پر بھی ہوتا ہے جیسے فرمایا اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا "اللہ تعالیٰ موت کے وقت نفسوں کو قبض کر لیتا ہے" وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا "اور جو نیند کے وقت نہیں مرتی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ گویا توفّی

کا لفظ نیند کے لیے بھی استعمال ہو گیا۔ وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ اللہ تعالیٰ رات کو تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ اور اللہ جانتا ہے جو تم دن میں کام کرتے ہو۔ اس طرح توفی کے کے تین معنے ہو گئے۔ اصل معنی وصول کرنا اور مجازی معنی موت اور نیند ہو گیا۔

تو بعض اس کا مجازی معنی کرتے ہیں۔ اور پھر اس سے یہ اخذ کرتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بالفرض اگر توفی کا معنی موت بھی لیا جائے۔ تو پھر مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ میں تقدیم تاخیر ماننی پڑیگی۔ یعنی عمل کے لحاظ سے رَافِعُکَ اِلَیَّ پہلے ہو گا اور مُتَوَفِّیْکَ کا عمل بعد میں۔ اس طرح معنی یہ ہو گا۔ کہ اے عیسیٰ علیہ السلام میں (اس وقت) تجھ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور پھر (اپنے وقت پر) موت دینے والا ہوں حضرت عبداللہ بن عباسؓ توفی کا معنی موت کرتے ہیں۔ مگر ان سے یہ روایت بھی صراحتاً منقول ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَمْ یَمُتْ عِیْسٰی یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو موت نہیں آئی۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔ آپ قیامت کے قریب دوبارہ نزول کریں گے۔ اور زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دیں گے۔ جیسے وہ اس سے پہلے ظلم اور ناانصافی سے پُر ہو گی! ابوداؤد شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نزول کے بعد چالیس سال تک زمین پر حکومت کریں گے بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نکاح بھی کریں گے۔ بچے پیدا ہوں گے۔ پھر آپ کی وفات کا ذکر بھی ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔ کہ جب عیسیٰ علیہ السلام وفات پائیں گے تو میرے پاس ہی دفن ہوں گے۔ چنانچہ حجرہ مبارک میں چوتھی قبر کی جگہ اب بھی موجود ہے۔ اس وقت وہاں پر تین قبریں ہیں یعنی حضور علیہ السلام حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ۔ چوتھی قبر عیسیٰ علیہ السلام کی بنے گی۔ ان احادیث کے علاوہ اگلی سورۃ نساء میں "بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰہُ اِلَیْہِ" کے

صریح الفاظ موجود ہیں، جس کا معنی یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی بلکہ اللہ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اور وہ دوبارہ نازل ہوں گے۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔ کہ حیات مسیح علیہ السلام کے بارے میں روایات اس کثرت سے ہیں۔ کہ وہ تواتر کا درجہ رکھتی ہیں۔ تواتر چار قسم کا ہوتا ہے یعنی لفظی، معنوی، طبقہ اور توارد۔ اور یہ چاروں درجات ان احادیث میں پائے جاتے ہیں۔ جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ غرضیکہ تواتر کے راوی اتنی کثرت سے ہوتے ہیں۔ کہ آدمی کی عقل تصور نہیں کرتی کہ اتنے آدمی جھوٹ بول سکتے ہیں۔

ابن حزم ظاہریؒ لکھتے ہیں لم یشك فی کفرہ اثنان یعنی آپ کو دو آدمی بھی ایسے نہیں ملیں گے، جنہیں ایسے شخص کے کفر میں شک ہو، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور آپکے دوبارہ نزول پر یقین نہ رکھتا ہو۔ یعنی پوری امت کے علمائے دین میں سے کوئی بھی اس معاملہ میں متردد نہیں ہے۔

اس مسئلہ کا ایک دوسرے طریقہ سے تجزیہ بھی ضروری ہے۔ کہ ایک منٹ کے لیے فرض کر لیا جائے کہ متوفی کا معنی موت دینا ہے۔ تو پھر گذشتہ آیت کی تکذیب لازم آئے گی۔ گذشتہ آیت میں گزر چکا ہے۔ کہ مخالفوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مارنے کی تدبیر کی۔ اور ادھر اللہ تعالےٰ نے انہیں بچانے کی تدبیر کی۔ اگر مخالفین آپ کی جان لینے میں کامیاب ہو گئے تو پھر وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ کا کیا معنی نکلا۔ اس سے مراد تو یہ ہے کہ اللہ کی تدبیر کامیاب ہوئی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا گیا۔ اور اگر ان کو موت ہی دے دی گئی، تو پھر اللہ تعالیٰ اور مخالفوں کی تدبیر ایک ہی ہوئی اور یہ بات قطعاً درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر کی کامیابی کا اعلان کیا ہے، جو حیات مسیح پر قطعی دلیل ہے۔

قادیانیوں کی غلط تاویل

توفی کے لفظ سے قادیانیوں نے بڑا غلط مفہوم لیا ہے۔ وہ اس کا معنیٰ موت کرتے ہیں۔ اور پھر اس دعویٰ کی دلیل میں سورۃ مائدہ کی یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ عیسیٰ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے، اے مولا کریم، جب تو نے مجھے فوت کر دیا۔ موت دے دی، تو تو ہی ان پر نگران تھا۔ مرزائی پھر اس سے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، اس لیے ان کے دوبارہ نازل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب ان سے کہا جاتا ہے۔ کہ قرآن پاک کی بہت سی آیات کے علاوہ حضور علیہ السلام کی احادیث بکثرت موجود ہیں، جن میں مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نازل ہونے کا ذکر ہے، تو کہتے ہیں۔ کہ ان احادیث کی رو سے دوبارہ آنے والے مسیح ابن مریم نہیں ہو گا بلکہ مثیل مسیح یعنی اس کے مشابہ ہو گا۔ اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ جس کے متعلق روایات میں آتا ہے۔ کہ وہ دنیا میں ہدایت کا سامان پیدا کرے گا۔ لہٰذا مسیح موعود آ چکا ہے۔ اب کسی مسیح کا انتظار نہیں ہے۔ یہ ہے وہ بنیادی مسئلہ جس پر قادیانی گذشتہ تقریباً سو سال سے جھگڑا کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ دعوےٰ صریحاً کفر ہے۔

مسئلہ ختم نبوۃ

علمائے امت نے اس مسئلہ میں قادیانیوں کا ہر طرح سے رد کیا ہے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ جو بیس سال تک مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث رہے ہیں انہوں نے ختم نبوت پر فارسی زبان میں بہت عمدہ کتاب لکھی ہے۔ آپ کا علم چونکہ زیادہ عمیق تھا اس لیے کتاب ذرا مشکل ہے، مگر قادیانیوں کا بڑے اچھے طریقے سے رد کیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ ذرا محنت کرکے پڑھنے والے اس کتاب سے خوب فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ آپ نے حیاتِ مسیح پر بھی عربی میں دو کتابیں لکھی ہیں اور ان میں مسئلہ کی پوری تحقیق

کے ساتھ وضاحت کی ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی کتاب میں مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے متعلق ایک سو حدیثوں کا ذکر کیا ہے، جو تواتر کے درجہ کی ہیں۔ عربی زبان میں یہ نہایت عمدہ کتاب ہے۔ جو دمشق میں طبع ہوئی۔

موجودہ زمانے کے علمائے کرام میں سے مولانا ابوالحسن علی ندوی نے عربی زبان میں القادیانیہ لکھی ہے۔ جس سے مشرق وسطیٰ میں اس مسئلہ کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ اس کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں علمائے امت نے چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں قادیانیت کا ردّ کیا گیا ہے۔

حق و باطل

اس وقت مسیح علیہ السلام کے متعلق دنیا میں تین مذاہب پائے جاتے ہیں یہود، نصاریٰ اور اہلِ حق۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا۔ آگے سورۃ نساء میں اس کا مفصل ذکر آئیگا۔ اللہ تعالیٰ نے تردید کی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا گیا اور نہ سولی دی گئی۔ لہٰذا یہودیوں کا عقیدہ باطل ٹھہرا نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا اور وہ سات گھنٹے تک مردہ رہے۔ اس کے بعد زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ یہ بھی باطل عقیدہ ہے۔ تیسرا عقیدہ اہلِ حق کا ہے۔ "وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ" وہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کرنے میں کامیاب ہو سکے اور نہ سولی دینے میں کامیاب ہوئے۔ اور نہ ہی اُن کی طبعی موت واقع ہوئی "بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح سلامت باعزت اپنی طرف اٹھا لیا۔ تو اس آیت میں بھی یہی بات ہے اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ میں تجھے اپنے وقت پر فوت کروں گا۔ سر دست میں تجھ کو رَافِعُكَ اِلَيَّ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں یہ بشارت اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی زندگی میں ہی سُنا دی جس کا تذکرہ حضور علیہ السلام سے کیا جا رہا ہے۔

واقعہ ارتفاع

اس کے بعد فرمایا وَمُطَهِّرُكَ اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں تجھ کو پاک کرنے والا ہوں مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اُن لوگوں سے جنہوں نے

کفر کیا۔ یعنی کافروں کے ناپاک ہاتھ تجھ تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے والے آئے۔ آپ کے ساتھی ادھر اُدھر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ جس مکان میں محصور تھے۔ دشمنوں نے ایک شخص کو اُس مکان کے اندر بھیجا تاکہ وہ آپ کو گرفتار کر سکے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کے ذریعے عیسیٰ علیہ السلام کو اس مکان کے روشندان کے راستے اٹھوالیا۔ اور جو آدمی پکڑنے گیا تھا اُس پر مسیح علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی وہ شخص کافی دیر تک تلاش کرنے کے بعد جب خود باہر نکلا تو لوگوں نے اُسے ہی مسیح سمجھ لیا اور پکڑ کر لے گئے۔ اُس نے بڑا شور مچایا کہ وہ مسیح نہیں ہے مگر اس کی بات کون سُنتا تھا۔ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کا یہی مطلب ہے کہ اُن پر شبہ ڈال دیا گیا اور وہ اپنے ہی آدمی کو مسیح سمجھ بیٹھے اور اُسے سولی پر چڑھا دیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتی حفاظت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بشارت بھی سنائی۔ وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اور میں تیرے متبعین کو قیامت تک کے لیے کفار کے اوپر بلند کرنے والا ہوں۔ یعنی غالب کرنے والا ہوں۔ گویا اللہ تعالےٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ تیرا اتباع کرنے والوں کو قرب قیامت تک کفار پر غالب رکھونگا۔ اب غور فرمائیے کہ اتباع کرنے والے کون ہیں اور کفر کرنے والے کون۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں دو گروہ واضح ہیں۔ پہلا درجہ آپ کے ابتدائی دور کے حواریوں کا ہے۔ جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کو خدا کا سچا نبی تسلیم کیا۔ موجودہ مسلمان بھی اسی گروہ میں شامل ہیں۔ کیونکہ یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلکہ تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ کامل متبعین ہیں۔ البتہ متبعین کا دوسرا گروہ نصاریٰ کا ہے۔ جو اگرچہ کامل متبعین نہیں ہیں۔ مگر وہ عزت تو کرتے ہیں۔ تو بہر حال اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ

ان دوگروہوں کو قیامت کے قریب تک غالب رکھوں گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں آجتک مسلمان یا عیسائی ہی غالب رہے ہیں ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا۔ اور آپ کا کفر کرنے والے یہودی ہیں۔ جنہوں نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عیسٰی علیہ السلام کو ان کے ناپاک ہاتھوں سے بچالیا۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے تک یہودی مغلوب ہی رہے ہیں۔ پوری دُنیا میں ان کا کوئی وطن ہی نہیں تھا اور کوئی حکومت نہیں تھی۔

اب قریبی زمانہ میں یہودیوں کی حکومت بھی قائم ہوگئی ہے۔ اور انہوں نے اسرائیل کے نام پر اپنا علیحدہ وطن حاصل کر لیا ہے کیا اب اللہ تعالیٰ کا وعدہ غلط ہوگیا ہے؟ نہیں، بلکہ اللہ کا وعدہ قائم ہے۔ یہودیوں کی موجودہ حکومت کوئی مستقل حکومت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ملک دُنیا کی سپر پاورز امریکہ، روس، فرانس اور برطانیہ کی مشترکہ چھاؤنی ہے۔ روس کے علاوہ باقی تینوں طاقتیں عیسائی ہیں۔ جب کہ روس بگڑا ہُوا یہودی اور عیسائی ہے، دہریہ اور ملحد ہے اگر اسرائیل کو ان عالمی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل نہ ہو تو یہ ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان کو امن اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ یا تو خدا پر ایمان لے آئیں یا دوسری قوموں کے ماتحت ہو کر رہیں۔ اس زمانے میں یہ لوگ غیر اقوام کی ماتحتی میں ہیں اور "اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ" کے مطابق غیروں کی سرپرستی میں گزارہ کر رہے ہیں۔ حقیقت میں ان کی اپنی ذاتی حیثیت صفر کے برابر ہے جب بھی اغیار کی حمایت سے محروم ہوں گے، مسیح علیہ السلام کے متبعین کے مغلوب ہی ہوں گے۔

الغرض! فرمایا، میں تیرا اتباع کرنے والے لوگوں کو تیرے ساتھ کفر کرنے والے لوگوں پر غالب بنانے والا ہوں۔ اور یہ سلسلہ قیامت کے قریب تک اسی طرح رہے گا۔ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ پھر قیامت کے بعد تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہوگا۔ فَاَحْکُمُ بَیْنَکُمْ

فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ پھر میں تمہارے درمیان اُن چیزوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔

عذاب اور ثواب

فرمایا فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا پس بہرحال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ پس اُن کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہو کر ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت کا عذاب تو قطعی ہے وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ اور اُن کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا۔ جو مشکل وقت میں اُن کو عذابِ الٰہی سے بچا سکے۔ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے اعمال انجام دیے فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ اُن کو اُن کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ اور اللہ تعالیٰ ظلم و زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ایسی قوم اور ایسا شخص سزا کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ضرور آئے گا۔ دیکھیے وَفّٰی کا لفظ یہاں بھی آیا ہے۔ اور معنیٰ وہی ہے اخذ الشي وافیا" کسی چیز کو مکمل طور پر لے لینا۔ اس لفظ کا لغوی معنیٰ موت نہیں ہے۔ بلکہ موت پر یہ مجازاً بولا جاتا ہے۔

درس نوزدہم ۱۹ — آیت ۵۸ تا ۶۰

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: یہ بات ہم آپ پہ تلاوت کرتے ہیں، یہ آیتیں ہیں اور محکم بیان ہے ﴿۵۸﴾ بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسی آدم علیہ السلام کی مثال اس کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس نے فرمایا ہو جا، پس وہ ہو گیا ﴿۵۹﴾ حق وہ ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے ہے پس آپ شک کرنیوالوں میں نہ ہوں ﴿۶۰﴾

رفع عیسیٰ علیہ السلام پر دلائل

گذشتہ درس میں عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پہ زندہ اٹھائے جانے کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس درس میں اس موضوع پہ بعض دلائل ہوں گے اور واقعہ رفع کی مزید تفصیلات پیش کی جائیں گی۔ چنانچہ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کا واقعہ بعید از قیاس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر جو معجزات ظاہر فرمائے، وہ اس بات کی طرف اشارہ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ غیر معمولی سلوک کر رہا ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندے کی شکل بناتے، پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ پرندہ بن کر اڑ جاتا۔ آپ کا دوسرا معجزہ یہ تھا۔ کہ آپ لاعلاج بیماریوں کا علاج کرتے۔ جن امراض سے دنیا بھر کے اطباء عاجز آ چکے تھے، عیسیٰ علیہ السلام ہاتھ لگاتے تو اللہ تعالیٰ شفا دے دیتا۔ اسی طرح آپ کا آسمان کی طرف اٹھائے جانا بھی عین

ممکن ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں نفخہ جبرائیلیہ کا اثر تھا۔ اللہ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونکا تھا۔ تو اس کے اثر سے حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہوئی گویا آپ کو فرشتوں کے ساتھ کامل مناسبت ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ جبرائیل علیہ السلام جن کا لقب روح القدس ہے وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ" یعنی ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس سے تائید فرمائی آپ کی اس غیر معمولی حیثیت کی بنا پر آپ کے ارتفاع پر حیرت کا اظہار کسی طور مناسب نہیں۔ اس معاملہ میں شک کرنے والے لوگ نہ تو معجزات کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے پر یقین ہے۔ ایسے لوگ دہریے، پرویزی یا نیچری تو ہو سکتے ہیں۔ کوئی مومن اس شبہ میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے اور دوبارہ نزول کا سلف میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ حضرت قتادہؒ جو تابعین میں سے ہیں، فرماتے ہیں فَطَارَ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ وَھُوَ مَعَھُمْ عیسیٰ علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے گئے اور فرشتوں کے ساتھ اڑنے میں کسی کو تعجب نہیں ہوتا۔ فرشتے آسمانوں میں اڑتے ہیں، عرشِ الٰہی کے گرد چکر لگاتے ہیں اور ایسا کرنے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام میں چاروں صفات پائی جاتی ہیں، یعنی انسیاً، ملکیاً، سماویاً اور ارضیاً۔ آپ انسان ہیں۔ آپ میں ملکی صفات بھی پائی جاتی ہیں۔ آپ سماوی بھی ہیں اور ارضی بھی ہیں۔ فرشتے کے روح پھونکنے کی بنا پر آپ سماوی ہیں اور والدہ کی نسبت سے ارضی ہیں۔ لہذا آپ کے آسمان پر چلے جانے پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے حضرت قتادہؒ کے علاوہ مفسر قرآن حضرت ضحاکؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت عکرمہؒ، سعید ابن جبیرؒ، سعید ابن مسیبؒ، حضرت حسن بصریؒ، محمد ابن سیرینؒ یہ سب تابعین میں سے ہیں اور بڑے پائے کے لوگ ہیں۔ یہ سب رفع نسیح

کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ آپ نے آٹھ صحابہؓ کی زیارت کی ہے اور چار سے روایت بھی بیان کرتے ہیں۔ چار مسلمہ فقہا میں سے یہ شرف صرف امام ابوحنیفہؒ کو حاصل ہوا ہے۔ آپ بھی یہی فرماتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اُٹھائے جانے میں کسی قسم کا استعجاب نہیں ہونا چاہیئے۔

نشاناتِ صداقت

تو اس مقام پہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے متعلق فرمایا ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ یہ باتیں جو ہم عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق پڑھ کر سُنا رہے ہیں۔ یہ آیات الٰہی میں سے ہیں۔ اس سے پیشتر حضرت مریمؑ اور زکریا علیہ السلام کے واقعات کے متعلق بھی آچکا ہے ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ اِلَيْكَ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں، جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور آپ اُن کے پاس نہیں تھے جب وہ قرعہ ڈال رہے تھے۔ کہ مریم کی کفالت کون کرے اور نہ اُس وقت آپ اُن کے پاس تھے، جب وہ جھگڑ رہے تھے۔ وہاں پر بھی یہ باتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پہ بیان کی گئی تھیں اور یہاں پہ بھی نَتْلُوهُ عَلَيْكَ میں آپ کی رسالت کی صداقت کا تذکرہ ہے۔

قرآن پاک میں آیت کا لفظ کئی معنوں میں آیا ہے۔ آیت کا معنیٰ نشانی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مقام پہ آیت سے مراد یہ ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام کے متعلق جو صحیح صحیح واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ آپ کی صداقت کی نشانی ہے۔ اور آیت کا معنیٰ دلیل بھی ہوتا ہے ——— "لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ" اس میں عقلمندوں کے لیے دلائل ہیں۔ اسی طرح آیت کا معنیٰ معجزہ بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا کیا ہے، آیات سے مراد احکام اور مسائل بھی ہوتے ہیں اور قرآن پاک میں کئی مقامات پہ یہ لفظ اِن معانی میں استعمال ہوا ہے۔

فرمایا وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ یہ جو کچھ ہم پڑھ کر سُنا رہے ہیں۔ یہ

محکم بیان بھی ہے۔ بیان کا معنی STATEMENT یعنی مسیح علیہ السلام کے متعلق وضاحت ہے۔ اور حکیم سے مراد مضبوط اور مستحکم ہے۔ اس سے مراد حکمت والا بھی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ ایک سلیم الفطرت انسان جو حواس ظاہرہ اور باطنہ کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے، وہ یقیناً یہی اعتقاد رکھے گا کہ مریم رضؓ اور مسیح علیہ السلام الٰہ نہیں بلکہ انسان ہیں۔ یاد رہے کہ حواس ظاہرہ سے مراد آنکھ، کان، ناک اور لمس وغیرہ ہیں۔ اور حواس باطنہ میں وہم، خیال، فکر اور حس مشترک وغیرہ آتے ہیں۔

صانع اور مصنوع

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے۔ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص نظام کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ اللہ کی خاص مخلوق ہے۔ باقی ہر چیز عام مخلوق ہے۔ مخلوق خاص ہو یا عام یہ اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔ اور مصنوع کہلاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کا بنانے والا یعنی صانع ہے۔ قرآن پاک میں اس کے لیے بدیع کا لفظ آیا ہے۔ فاطر اور خالق کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ صانع کا لفظ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَالِقُ کُلِّ صَانِعٍ وَّصَنْعَتَہٗ اللہ تعالیٰ نے ہر صانع یعنی کاریگر اور اسکی صنعت کو پیدا کیا ہے۔ اب دیکھئے جس طرح باقی اشیاء مصنوع ہیں، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی مصنوع ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُن کا صانع ہے۔ اور ہر صاحب عقلِ سلیم جانتا ہے۔ کہ ہر مصنوع چیز خواہ وہ مشینری ہو، برتن ہو، کپڑا وغیرہ ہو، اپنے صانع کی دلیل، علامت اور نشانی ہوتی ہے۔ اور اگر کسی مصنوع کو ہی صانع بنا دیا جائے تو اعتقاد باطل ہو جائے گا۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے یہاں پہ لفظ آیت سے سمجھائی ہے کہ ذرا غور کرو مسیح علیہ السلام مصنوع ہیں، صانع نہیں ہیں اُن کو اللہ یا خدا کا بیٹا یا تیسرا خدا بنانا باطل عقیدہ ہے۔ اس طرح تو ساری حکمت ہی باطل ہو جائے گی۔ یہ عقل انسانی اور فطرتِ سلیمہ کے خلاف ہے کائنات میں پائی جانیوالی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی کاریگری اور صنعت کی نشانیاں ہیں

؎ فِی کُلِّ شَیءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

جو یقیناً بتاتی ہے کہ اس کا پیدا کرنیوالا خدائے واحد ہے۔ شیخ سعدیؒ نے بھی کہا ہے ؎

ہر گیاہے کہ از زمین روید وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

جو بھی گھاس زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ زبانِ حال سے وحدہٗ لاشریک کہتی ہے ہر ہر پتہ اور ہر ہر ذرہ اپنے صانع یعنی خالق کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے۔ ہر چیز خود بخود معرضِ وجود میں نہیں آ گئی۔ بلکہ اس کو ظاہر کرنیوالی کوئی ہستی موجود ہے۔ مولانا رومیؒ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعے سمجھائی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

کوئی چیز خود بخود نہیں بن جاتی جس طرح کوئی لوہا خود بخود تلوار کی شکل اختیار نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا کوئی صانع ہوتا ہے۔ مقصد یہ کہ ہر مصنوع کا کوئی صانع ہوتا ہے۔ اور ہر مصنوع اپنے صانع کی نشانی ہوتی ہے۔ اسی طرح مسیح علیہ السلام بھی اپنے پیدا کرنے والے اللہ کی نشانی ہیں۔ وہ خود الٰہ نہیں ہیں۔

رفع کی مزید تفصیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے متعلق مفسرین روایت بیان کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے بادل کو مقرر کیا۔ وہ بادل قریب آیا تو آپ اس میں داخل ہو گئے۔ جب بادل آپ کو لیکر اوپر اُٹھا، تو آپ کی والدہ قریب ہی تھیں، انہوں نے آپ کو پکڑ لیا اور چلانے لگیں مگر آپ نے فرمایا کہ اب ہمارے اکٹھا رہنے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اِنَّ الْقِیَامَۃَ تَجْمَعُنَا اب قیامت ہی کو ہم اکٹھے ہوں گے۔ تفسیر جلالین میں یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ واقعہ لیلۃ القدر کی رات پیش آیا۔ اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ۳۳ سال تھی۔ آپ کی والدہ محترمہ صدیقہ مریمؓ آپ کے اٹھائے جانے کے بعد چھ سال زندہ رہیں،

پھر وفات پاگئیں۔

نزول مسیح — بخاری اور مسلم شریف کی روایت میں ہے ینزل بقرب القیامۃ مسیح علیہ السلام قیامت کے قریبی زمانہ میں زمین پر نازل ہوں گے۔ یحکم بشریعۃ نبینا ہمارے نبی کی شریعت کے مطابق حکم جاری کریں گے کیونکہ اُن کی اپنی شریعت کا دور ختم ہو چکا ہے۔ وہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب، امتی اور قابل جبریل کی حیثیت سے زمین پر آئیں گے، قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اور جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔ دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے اور جزیے کو موقوف کریں گے۔ مسلم شریف کی ایک اور روایت کے مطابق آپ سات سال تک زمین پر ٹھہریں گے۔ ابوداؤد کی ایک روایت کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کی زمین پر ٹھہرنے کی کل مدت چالیس[۴] سال ہے۔ آپ ۳۳ سال عمر گزار چکے ہیں۔ اور باقی سات سال دوبارہ نزول پر گزاریں گے۔ ایک اور روایت میں یہ بھی آتا ہے۔ کہ نزول ثانی پر یتزوج ویولد لہ آپ نکاح کریں گے اور اولاد ہوگی۔ ابن ابی شیبہ اور مسلم کی روایت میں آتا ہے۔ کہ جب تک عیسیٰ علیہ السلام زمین پر دوبارہ نازل نہیں ہوں گے لا تقوم الساعۃ قیامت برپا نہیں ہوگی۔ آپ اتریں گے اس حالت میں کہ حکماً فیصلہ کرنے والے ہوں گے مقسطاً انصاف قائم کرنے والے ہوں گے اور اماماً عادلاً عادل امام بن کر آئیں گے۔ خلافت بھی آپ کے ہاتھ میں ہوگی اور آپ عادل خلیفہ ہوں گے۔ فیکسر الصلیب آپ صلیب کو توڑیں گے اب صلیب کا نشان عیسائیوں کے باطل عقیدہ کی نشانی ہے۔ اُن کا ایمان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس صلیب پہ لٹک کر لوگوں کا کفارہ بن گئے۔ اسی لیے وہ اِس کی پوجا کرنے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ صلیب بت ہے اور شرک کی نشانی ہے۔ گلے میں لٹکا کر اور گرجے میں رکھ کر اس کی تعظیم کی جاتی ہے، جو اس کی پرستش کے مترادف ہے۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام

[۱] مسلم شریف صفحہ ۸ (فیاض)

کو نہ سولی پر چڑھایا گیا، اور نہ وہ ہلاک ہوئے۔

خنزیر کو قتل کرنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ آپ عیسائیوں کو ذلیل کریں گے کیونکہ جب رومی بادشاہ نے عیسائیت قبول کی تو اس زمانے میں انہوں نے خنزیر کو حلال قرار دیا۔ ورنہ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد تمام شریعتوں میں خنزیر حرام رہا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کفار سے جزیہ وصول کرنے کی مدت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک ہے۔ چنانچہ آپ کے دوبارہ نزول پر یہ مدت ختم ہو جائے گی اور آپ جزیے کو موقوف کر دیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام اسلام کے سوا کوئی دین قبول نہیں کرینگے۔ لہٰذا یا تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے یا تہ تیغ ہو جائیں گے۔ صحیحین میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بدترین دشمن یہودیوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ جس پتھر یا درخت کے پیچھے چھپنا چاہیں گے، وہ پتھر یا درخت خود بول کر کہے گا کہ اے مسلمان! دیکھ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔ مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے زمانے میں مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہو گی کہ کوئی شخص صدقہ و خیرات قبول نہیں کرے گا۔ ابو داؤد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ یَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ عِنْدَ الْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ شَرْقِیَّ دِمَشْقَ آپ دمشق سے مشرقی جانب سفید منارے پر اتریں گے۔ وہ سفید مینار بیت المقدس میں ہے۔ جو دمشق سے بجانب مشرق ہے۔

علامات قیامت

حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا قیامت سے پہلے دس بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی، ان میں سے ایک مسیح علیہ السلام کا نزول بھی ہے۔ اس کے علاوہ دجال کا خروج، یاجوج ماجوج کا ظہور، سورج کا مغرب کی جانب سے طلوع، لوگوں کا زمین میں دھنسایا جانا، آگ کا نکلنا اور دابۃ الارض وغیرہ بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ یعنی عیسیٰ علیہ السلام

نے وفات نہیں پائی فَاِنَّہٗ رَاجِعٌ اِلَیْکُمْ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ
کیونکہ وہ قیامت سے پہلے تمہاری طرف دوبارہ لوٹ کر آئیں گے۔ ابن ماجہ
کی روایت میں معراج کے واقعہ کے متعلق آپ کا ارشاد مبارک ہے۔ کہ جب
قیامت کا تذکرہ ہوا، تو سب انبیاء نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ قیامت کب
آئیگی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا اَمَّا وَجْبَتُھَا فَلَا یَعْلَمُھَا
اِلَّا اللّٰہ قیامت کے وقوع کے وقت کا سوائے اللہ کے کسی کو علم نہیں۔
مجھے تو اتنی بات بتائی گئی ہے۔ کہ میں زمین پہ اتروں گا اور دجال کو قتل کرونگا
مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں یہ آیت آئی ہے "وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ
لِّلسَّاعَۃِ" اس سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں اسی طرح
آگے آیت آرہی ہے "وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ
قَبْلَ مَوْتِہٖ" اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہیں، مگر وہ مسیح علیہ السلام
کی موت سے قبل ایمان لائے گا۔ اہل کتاب ابھی تک تو ایمان سے محروم ہیں
ظاہر ہے۔ کہ یہ پیش گوئی ان کے دوبارہ نزول کے بعد پوری ہوگی۔ اس
وقت جتنے لوگ ہوں گے یا تو ایمان لے آئیں گے یا پھر ختم ہو جائیں گے۔
مسیح علیہ السلام کے بارے میں یہ مختصر سی بات میں نے عرض کر دی۔

تخلیق عیسیٰ پر مثال

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ وفد نجران کے عیسائیوں نے حضور علیہ السلام
پہ اعتراض کیا تھا۔ لِمَ تَسُبُّ صَاحِبَنَا کہ آپ ہمارے صاحب یعنی
عیسیٰ علیہ السلام کو گالی کیوں دیتے ہیں تَقُوْلُ لَہٗ عَبْدُ اللّٰہِ آپ انہیں اللہ
کا بندہ کہتے ہیں، حالانکہ وہ تو خدا کے بیٹے ہیں اور الہ ہیں۔ نصاریٰ کی اس
احمقانہ بات پہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ
کَمَثَلِ اٰدَمَ اللہ کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام جیسی ہے
یعنی جس طرح آدم علیہ السلام کا ماں باپ نہیں تھا، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام
کا باپ بھی نہیں ہے۔ یہاں ماں تو موجود ہے، آدم علیہ السلام کی ماں بھی نہیں ہے

یہ تو یہودی اور عیسائی سب تسلیم کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا کیا۔ بائیبل اور قرآن دونوں کتابوں میں یہ آیات موجود ہیں۔ لہٰذا اگر تم آدم علیہ السلام کو ماں باپ کے وسیلہ کے بغیر مانتے ہو تو عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے کیوں تسلیم نہیں کرتے۔ گویا اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب و غریب چیز پہ قیاس کر کے مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا مسئلہ سمجھایا ہے۔ تو فرمایا بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسے آدم علیہ السلام کی مثال خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ اسے اللہ نے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نَفَخَ فِيهِ الرُّوحَ اس میں جان ڈالی۔ قرآن پاک میں خشک مٹی اور گارے کا ذکر بھی آتا ہے گارے میں جب خمیر پیدا ہوتا ہے تو وہ گل سڑ جاتا ہے۔ یہ وہ عنصر (ELEMENT) ہے جس سے آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ اسے قرآن پاک میں صَلْصَالٍ اور حَمَإٍ مَّسْنُونٍ بھی کہا گیا ہے۔ اور پھر یہ بھی ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما کر اپنے دستِ قدرت سے اس میں روح ڈالی۔ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ پھر اُسے کہا ہو جاؤ، تو وہ کامل انسان ہو گیا۔ آدم علیہ السلام کامل انسان تھے۔ عقلمند ایسے کہ نبی سے زیادہ کوئی شخص عقلمند، ذہین اور دانا نہیں ہو سکتا۔ ڈاروِن کا نظریہ بالکل باطل ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ اولین انسان کی تخلیق بطور بندر ہوئی، پھر آہستہ آہستہ ترقی کر کے انسان بن گیا۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ حضور نے فرمایا نَبِيًّا مُّكَلَّمًا آدم علیہ السلام نبی مکلم تھے۔ نبی ہمیشہ کامل انسان ہوتا ہے۔ آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان اور نبی تھے۔ اور بالکل مکمل انسان تھے۔ سمجھانا یہ مطلوب ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ بغیر ماں باپ کے مٹی سے انسان کی تخلیق کر لیتا ہے۔ تو عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا فرما دینا کون سی مشکل بات ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام عبد اللہ یعنی اللہ کے بندے ہیں، وہ خود الٰہ نہیں ہیں۔ فرمایا اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ حق وہ ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے ہے

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ پس آپ شک کرنے والوں میں نہ ہوں یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہو رہا ہے۔ مگر بات سب کو سمجھائی جا رہی ہے کہ کسی مومن کو اس بات میں شک و شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو مریم جیسی کنواری عورت کے بطن سے پیدا فرمایا، وہ الٰہ نہیں ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے باوجود اگر یہ لوگ جھگڑا کریں گے، تو پھر آگے مباہلہ کا چیلنج بھی آ رہا ہے۔

درس بستم ۲۰ — آیت ۶۱ تا ۶۳

فَمَنۡ حَآجَّكَ فِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَكُمۡ قف ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡقَصَصُ الۡحَقُّ ج وَمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۳﴾ ع

ع ۶ / ۱۴

ترجمہ: پس جو شخص اس بارے میں آپ سے جھگڑا کرے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے۔ پس کہ دیجئے، آؤ، بلائیں ہم اپنی اولادوں کو، تم اپنی اولادوں کو، ہم اپنی عورتوں کو، تم اپنی عورتوں کو۔ ہم اپنی جانوں کو، تم اپنی جانوں کو۔ پھر ہم التجا کریں اور گڑگڑائیں۔ پھر ہم سب اللہ کی لعنت کریں اُن لوگوں پر جو جھوٹے ہیں ﴿۶۱﴾ بیشک یہی بات صحیح اور سچا بیان ہے۔ اور نہیں ہے کوئی عبادت کے لائق سوائے اللہ کے۔ اور بیشک البتہ اللہ زبردست اور حکمت والا ہے ﴿۶۲﴾ پس اگر یہ لوگ قبول نہ کریں، تو بیشک اللہ خوب جانتا ہے مفسدوں کو ﴿۶۳﴾

ربط آیات

گذشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ نہ تو خدا کے بیٹے ہیں اور نہ خود خدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضیلت عطا فرمائی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک واضح مثال کے ذریعے سمجھائی۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ آپ کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی مثال جیسی ہے۔ جیسے

اللہ نے بغیر ماں اور باپ کے پیدا فرمایا۔ اگر آدم علیہ السلام الوہیت کے درجے کو نہیں پہنچے، تو عیسیٰ علیہ السلام الٰہ کیسے بن گئے۔

نجران کے عیسائی وفد کا تذکرہ ابتدائے سورۃ سے ہی ہو رہا ہے جب حضور علیہ السلام کے ساتھ عیسائیوں کی بحث نے طول پکڑا، اور جھگڑا بڑھ گیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر وفدِ نجران کو مباہلہ کی دعوت دی۔ ارشاد فرمایا فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ پس جو شخص اس معاملہ میں آپ سے جھگڑا کرے، بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے فَقُلْ تَعَالَوْا پس آپ اُن سے کہیں آؤ، نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ ہم اپنی اولادوں کو بلاتے ہیں، تم اپنی اولادوں کو بلاؤ۔ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں، تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ہم خود آتے ہیں تم بھی خود آؤ۔ ثُمَّ نَبْتَهِلْ پھر ہم سب گڑگڑائیں اور التجا کریں۔ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ پھر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مباہلہ کرنے کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ کہ اگر واضح دلائل دینے کے باوجود یہ لوگ حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔ تو پھر آپ انہیں چیلنج کریں کہ آؤ تم خود بھی آجاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی میدان میں لے آؤ۔ پھر ہم سب مل کر اللہ کے سامنے نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ دُعا کریں۔ کہ مولا کریم! جو فریق جھوٹا ہے۔ اس پر تیری لعنت ہو۔ ایسا گروہ تیرے عذاب میں گرفتار ہو۔ جب حضور علیہ السلام نے نصاریٰ کو یہ دعوت دی۔ تو کہنے لگے، ہم آپس میں مشورہ کرنے کے بعد جواب دیں گے۔ اس واقعہ کی تفصیل امام بیضاویؒ یوں بیان فرماتے ہیں لَمَّا دعوا الی المباھلۃ قالوا ننتظر جب انہیں مباہلہ کی دعوت دی گئی تو کہنے لگے، ہم باہمی مشورہ کرتے ہیں۔ فَلَمَّا تخالوا جب وہ علیحدگی میں ملے۔ تو ان میں سے جو

گذشتہ پیوستہ

حصول تقویٰ کے کئی ایک ذرائع ہیں۔ منجملہ ان کے روزہ بھی ایک ہے۔
اس سے پہلے روزے کی فرضیت اور اس کے لیے دنوں کے تعین کا بیان ہو چکا ہے اس کے بعد صدقہ فطر کا مسئلہ اور رمضان المبارک کی فضیلت کا بیان ہوا پھر قرآن کریم کے نزول کا ذکر اور رمضان کے مسائل کا تذکرہ ہوا اللہ تعالیٰ کی تکبیر بیان کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے کا حکم ہوا۔

شانِ نزول

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزے کے بعض دیگر مسائل بیان فرمائے ہیں۔
فرضیت رمضان سے پہلے یہود و نصاریٰ چوبیس گھنٹے کا روزہ رکھتے تھے اور سحری نہیں کرتے تھے۔ جب مسلمانوں پہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَرْقُ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ اَهْلِ الْكِتٰبِ اَكْلَةُ السَّحَرِ یعنی ہمارے روزے اور اہل کتاب کے روزے میں سحری کھانے کا فرق ہے۔ فرضیت رمضان کے ابتدائی عرصہ میں ہماری شریعت میں بھی یہ قانون تھا کہ رات کو نماز عشاء کے بعد یا ایک دفعہ سو جانے کے بعد کھانا پینا اور مباشرت منع تھی۔ عشاء کی نماز یا سونے سے پہلے پہلے کھانا پینا اور مباشرت جائز تھی۔
بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کے ایک صحابی قیس بن صرمہ انصاریؓ کاشت کار تھے۔ دن بھر کی مشقت کے بعد گھر آئے تو بیوی سے کھانا طلب کیا۔ عورت نے خود روزہ رکھا ہوا تھا، گھر میں کھانا نہیں تھا۔ وہ اپنے پڑوس یا رشتہ داروں کے ہاں کھانا لینے چلی گئی۔ واپس آئی تو شوہر نیند کے غلبہ کی وجہ سے سو گیا تھا۔ اُسے سخت افسوس ہوا۔ کہ سونے کے بعد اٹھ کر اب کھانا کھانا جائز نہیں۔ لہٰذا صحابی رسول کو اگلے دن کا روزہ بغیر کھائے پیئے رکھنا پڑا۔ دوپہر تک صحابی رسول پہ غشی طاری ہو گئی۔ سخت موسم اور مسلسل دو روز کے روزہ کی وجہ سے نڈھال ہو چکے تھے۔ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں آسانی پیدا کر دی گئی۔ اور رات کے وقت کھانا پینا اور عورت سے مباشرت جائز قرار دے دی گئی۔
بعض روایات میں آتا ہے۔ کہ خود حضرت عمرؓ کے ساتھ اس قسم کا

صلح نامہ کر لیا۔ کہ وہ مسلمانوں کے ماتحت رہ کر جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔ تاہم اپنے مذہب اور اپنی رسومات پر قائم رہیں گے۔ اس معاہدے کے تحت نجران کے عیسائیوں نے سالانہ ٹیکس کے طور پر دو ہزار جوڑے کپڑے جو حلہ یا بعض روایات کے مطابق حمراء قسم کے طے پائے۔ ان میں سے ایک ہزار سوٹ صفر کے مہینہ میں اور ایک ہزار رجب کے مہینہ میں واجب الادا قرار پائے۔ اس کے علاوہ تیس ۳۰ زرہیں، تیس ۳۰ گھوڑے تیس ۳۰ اونٹ اور لڑائی میں استعمال ہونے والے ہر قسم کے تیس تیس ہتھیار منجملہ تلوار، نیزہ وغیرہ بھی بطور جزیہ ادا کرنے کا معاہدہ ہوا۔

صلح نامہ طے پا جانے کے بعد نصاریٰ نے کہا۔ کہ اُن کے ہمراہ کوئی دیانتدار عامل بھیج دیا جائے، جو ایک تو ٹیکس کی اشیاء وصول کرے اور دوسرے ہمارے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات کا تصفیہ کرے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں! میں تمہاری طرف ایک نہایت ہی امانتدار آدمی بھیجونگا۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضؓ کو اس کام پر مامور فرمایا، اور فرمایا لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَمِیْنٌ ہر امت میں کوئی خاص امانتدار ہوتا ہے۔ اور میری امت کا سب سے بڑا امانتدار ابو عبیدہ رضؓ ہے۔

بخاری اور ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت منقول ہے۔ کہ ایک دفعہ ابو جہل نے اعلان کیا، کہ اگر میں نے محمدؐ کو کعبے کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو اُن کی گردن روند ڈالوں گا۔ لَاَطَئَنَّ علی عنقہ۔ جب حضور علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی، تو فرمایا کہ اگر یہ بدبخت ایسی حرکت کرے گا، تو فرشتے اُس کو پکڑ لیں گے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو اس قبیح حرکت کی طاقت نہیں دے گا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہودیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ لوگ زندگی میں بڑے حریص ہیں۔ اگر ان کا پختہ ایمان ہے۔

مشابہت دی۔ اس کے علاوہ ایک تیسرا اخلاقی پہلو بھی ہے۔ عورت اس لحاظ سے لباس ہے۔ کہ یہ انسان کے عیوب کو چھپانے کا ذریعہ بھی ہے۔ انسان کو حیوان کے مقابلہ میں ایک تمدنی حیثیت حاصل ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت آپس میں نکاح کرنے کے بعد اپنے فطری جذبہ کو پورا کرتے ہیں۔ اس لیے عورت اور مرد کو ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی گئی ہے۔

سابقہ لغزش کی معافی

اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی سابقہ لغزشوں کی کلیتاً معافی دے دی۔ فرمایا عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ اللہ جانتا ہے۔ کہ تم اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے تھے۔ یعنی تم میں سے بعض لوگ سونے کے بعد یا بعد از نماز عشاء اپنی بیویوں کے پاس چلے جاتے تھے۔ جو کہ ممنوع تھا۔ فَتَابَ عَلَیْکُمْ پس اللہ تعالیٰ نے مہربانی کے ساتھ تم پر رجوع فرمایا ہے۔ تَابَ کا معنی توبہ بھی ہوتا ہے اور رجوع کرنا بھی۔ جب بندہ کوئی غلطی کرتا ہے۔ تو وہ بُرائی یا لغزش سے واپس پلٹ جاتا ہے اور جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جائے۔ تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہربانی کے ساتھ رجوع فرماتا ہے۔ اس مقام پر بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری لغزش کو جانتے ہیں۔ مگر انہوں نے کمال مہربانی سے تم پر رجوع فرمایا ہے وَعَفَا عَنْکُمْ اور تمہیں معاف کر دیا ہے نیز آئندہ کے لیے اجازت دے دی ہے فَالْئٰنَ بَاشِرُوْھُنَّ کہ اب تم عورتوں سے مل سکتے ہو یعنی ان سے مباشرت کر سکتے ہو۔

حصول اولاد

یہ اجازت دینے کے بعد ایک جملے کا اضافہ کر دیا وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اُسے تلاش کرو۔ مقصد یہ کہ مباشرت سے مطلوب محض خواہش نفسانی کی تکمیل ہی نہیں بلکہ حصول اولاد ہے جو اللہ نے تمہارے مقدر میں کر دی۔ اور نکاح کا اصل مقصد بھی یہی ہے۔ کہ نسل انسانی قائم رہے۔ چونکہ متعہ میں نسل انسانی کی بقا مقصود نہیں ہوتی اس لیے اس کی اجازت نہیں دی گئی۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں۔ کہ متعہ سے نسل انسانی

ہے۔ تاہم پہلی مذکورہ روایت میں باقی تین حضرات اور ان کی اولاد کا ذکر نہیں ہے
دونوں روایات کو جمع کرنے سے پوری صورتِ حال سامنے آجاتی ہے۔
شیعہ حضرات تو حقائق کو اس حد تک مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ
حضرت فاطمہؓ کے علاوہ حضور علیہ السلام کی کسی دوسری بیٹی کو تسلیم ہی نہیں کرتے
حالانکہ آپ کی تین صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ کے علاوہ تھیں جو واقعہ مباہلہ سے
قبل فوت ہو چکی تھیں۔ حضرت رقیہؓ ۲ھ میں فوت ہوئیں۔ آپ غزوۂ بدر
کے لیے تشریف لے گئے تو رقیہؓ مدینہ میں فوت ہو گئیں۔ آپ ان کے جنازے
میں بھی شریک نہیں ہو سکے۔ بدر سے واپس آکر ان کی قبر پہ جا کر دعا کی۔ اس کے
بعد ام کلثومؓ کا حضرت عثمان غنیؓ سے نکاح ہوا، مگر کچھ عرصہ بعد وہ بھی وفات
پا گئیں۔ پھر آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ ۸ھ میں فوت
ہوئیں، اس کا ذکر احادیث میں موجود ہے۔ واقعہ مباہلہ ۹ھ یا ۱۰ھ میں
پیش آیا، جب کہ آپ کی تین صاحبزادیاں ۸ھ تک فوت ہو چکی تھیں۔ مگر
نہایت افسوس کا مقام ہے۔ کہ شیعہ سوائے حضرت فاطمہؓ کے آپ کی کسی اور
صاحبزادی کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔
ان حضرات کا معتبر مصنف ملا باقر مجلسی اپنی کتاب حیات القلوب میں
لکھتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام مباہلے کے لیے نکلے تو مہاجرین اور انصار سب
آپ کے ساتھ تھے۔ قرآن پاک نے ازواج مطہرات کو صریحاً اہل بیت فرمایا
ہے خود حضور علیہ السلام نے ایک ________________
________ موقع پہ ازواج کو اہل بیت میں شریک کیا تھا۔ لہذا
شیعوں کا عقیدہ باطل ہے۔

مباہلہ کی مشروعیت

یہاں پہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود تو
مباہلہ فرمایا، کیا یہ آپ کے بعد بھی ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف
ہے۔ ہمارے بزرگوں میں سے محقق فرماتے ہیں کہ مباہلہ اب بھی جائز ہے مگر

دن کا روزہ نہ رکھیں بلکہ روزہ رکھتے وقت ہر روز سحری کھانا مستحب ہے۔ اور بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے فقہائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگر بھوک نہ بھی ہو تو ایک دو لقمے ہی کھا لینا چاہیئے۔ یا دو گھونٹ پانی ہی پی لینا چاہیئے تاکہ سحری میں شمولیت حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سحری کھانے والوں پر رحمت فرماتا ہے۔ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں کے لیے مسلسل دعائیں مانگتے ہیں۔ سحری کھانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے۔ کہ اہل اسلام اور اہل کتاب کے روزے میں واضح تفریق پیدا ہو جاتی ہے۔ لہذا سحری ضرور کھانی چاہیئے۔ یہ بڑی بابرکت چیز ہے۔

صومِ وصال

صوم وصال حضور علیہ السلام کا معمول تھا۔ آپ کئی کئی دن بغیر سحری کھلائے اور افطار کئے روزہ رکھتے۔ جب صحابہ کرامؓ نے بھی آپ کے اتباع میں صوم وصال شروع کر دیا، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ روحانی غذا دیتا ہے جسکی طاقت سے میں ایسا روزہ رکھ لیتا ہوں، مگر تم میں اتنی قوت برداشت نہیں ہے۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ روحانی طاقت خاص خاص آدمیوں میں ہوتی ہے ایسے لوگ صوم وصال رکھ سکتے ہیں۔ عام لوگوں کے بس کی یہ بات نہیں ہے۔ چونکہ عام لوگ اتنی مشقت برداشت نہیں کر سکتے، لہذا ان کے لیے صوم وصال مکروہ ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا آخری روزہ چالیس دن کا تھا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے روحانی طاقت سے نوازا تھا۔ آپ بالائی منزل سے نیچے اتر کر مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اتنے لمبے روزے کے باوجود اُن کے فرائض میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ بعض دوسرے بزرگوں کے واقعات میں بھی صوم وصال کا ذکر ملتا ہے۔ بہرحال یہ خاص لوگوں کا شیوہ ہے، عام لوگوں کے لیے مکروہ ہے۔

اعتکاف فی المساجد

فرمایا کہ اپنے گھروں میں تمہیں اجازت ہے۔ کہ رمضان کی راتوں میں بیویوں سے مقاربت کر سکتے ہو مگر وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ ط جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھنے والے ہو، تو پھر تم اپنی عورتوں

مگر یہ صرف انہی معاملات میں ہو سکتا ہے، جن کا قطعی ثبوت موجود ہو۔ اب مباہلے میں عورتوں اور بچوں کو شریک کرنا بھی ضروری نہیں۔ اور اس قسم کا عذاب آنا بھی لازمی نہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ مباہلہ پر آتا۔ تاہم اس وقت مباہلہ اتمام حجت اور بحث و مباحثہ کو ختم کرنے کی ایک صورت ہے۔

مولانا عثمانیؒ یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ میرے خیال میں مباہلہ ایک عام کاذب کے ساتھ نہیں بلکہ کاذب معاند (عناد کرنے والا) کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا اَنْ یُّبَاھِلَ مَنْ عَانَدَ الْحَقَّ فِیْ اَمْرِ عِیْسٰی بَعْدَ ظُھُوْرِ الْبَیَانِ کہ آپ ایسے شخص کے ساتھ مباہلہ کریں جو عیسٰی علیہ السلام کے متعلق حق کے ساتھ عناد رکھتا ہے۔ جب کہ دلائل و براہین کے ساتھ بات بالکل واضح ہو چکی ہے۔ اور تمام قرائن سے ثابت ہو گیا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام خدا کے پیدا کیے ہوئے اس کے بندے ہیں، وہ خود الٰہ نہیں ہیں، بہر حال مباہلہ اب بھی جائز ہے مگر اس قسم کے ٹھوس معاملات میں۔ بعض لوگ معمولی مسائل مثلاً فاتحہ خلف امام یا آمین وغیرہ میں مباہلہ پر تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے

حق بات

فرمایا اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ بے شک البتہ یہ بیان ہے سچا مسیح علیہ السلام کے متعلق جو واقعات بیان ہوئے ہیں، یہ بالکل صحیح ہیں۔ قَصَص قِصّہ کی جمع ہے اور قصہ واقعہ کو کہتے ہیں۔ قَصَّ یَقُصُّ بیان کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اس مقام میں قَصَص مصدر بمعنی بیان کرنا ہے قَصَّ کا اصل معنی نقش قدم کو تلاش کرنا ہے قاص واعظ کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی واقعات کے پیچھے چلتا ہے الغرض فرمایا کہ مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ دعویٰ کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، بالکل صحیح بیان ہے وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ یعنی مستحق عبادت نہیں ہے وہ نافع اور ضار ہے، خالق، قیوم، قادر مطلق اور علیم کل ہے۔ وہ جو چاہے کرے وہ ازلی ابدی قائم و دائم ہے۔ وہی بگڑی بنانے والا ہے۔ وہی مشکل کشا اور حاجت روا

کو توڑنے کی کوشش مت کرو۔ بلکہ مومن کی شان تو یہ ہے۔ کہ وہ اللہ کی حدود کی حفاظت کرتا ہے۔ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ظاہر ہے۔ کہ اگر اِن حدود کو توڑو گے تو تقویٰ سے محروم ہو جاؤ گے۔ ترقی رُک جائے گی اور خرابیاں پیدا ہونے لگیں گی۔ لہٰذا اِن حدود کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اِن کی نگرانی کرو۔ اللہ تعالےٰ نے جگہ جگہ یہ قانون بتلا دیا ہے۔ فرمایا۔ کَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ اللہ تعالیٰ اسی طریقے سے اپنے احکام اور آیات لوگوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ تاکہ وہ بچ جائیں۔ برائیوں سے کنارہ کش ہو کر متقی بن جائیں۔ ابتداء میں روزے کا مقصد بھی یہی بتایا تھا۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ پھر مالی حقوق کے متعلق بھی فرمایا حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ اور یہاں بھی آخر میں تقویٰ ہی کو بنیاد بنایا لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔

درس بست یک ۲۱ | آیت ۶۴

قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ :- اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے ، اے اہل کتاب! آؤ ایک کلمے کی طرف جو تمہارے اور ہمارے درمیان برابر (مسلّم) ہے۔ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی چیز کو اُس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور نہ بنائیں ہم میں سے بعض بعض کو رب اللہ کے سوا۔ پس اگر یہ لوگ اعراض کریں (قبول نہ کریں) تو (اے مسلمانو!) تم ان سے کہہ دو، تم گواہ رہو، بیشک ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں ﴿۶۴﴾

ربط آیات جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سورۃ بقرہ میں روئے سخن زیادہ تر یہودیوں کی طرف تھا۔ اور اس سورۃ آل عمران میں زیادہ تر عیسائیوں کے عقائد باطلہ کی تردید ہے۔ اس سورۃ میں تقریباً ۸۳ آیات نجران کے عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں جو حضور علیہ السلام سے بحث مباحثہ کرنے کے لیے مدینہ طیبہ آئے تھے۔ مگر جب آپ نے مباہلہ کا چیلنج پیش کیا، تو انھوں نے قبول نہ کیا۔ بلکہ جزیہ ادا کرنے پر رضامند ہو کر صلح کر لی۔ اور واپس چلے گئے۔ اہل کتاب کے اِن دونوں گروہوں کے عقائد باطلہ کی بیخ کنی کی گئی ہے۔ اور دلائل کے ساتھ اُن کا رد کیا گیا ہے آج کی آیت میں یہود و نصاریٰ دونوں کو مخاطب کر کے عقیدہ توحید کی دعوت دی گئی ہے۔ جو کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔

مقصود طہارتِ نفس اور طہارتِ بدن ہے۔ اب اس آیت میں مالی تذکرے سے مراد مال کی طہارت ہے۔ اُس وقت تک مسلمان کا تزکیہ نہیں ہو سکتا جب تک روح و جسم کے علاوہ اُس کا مال بھی پاک نہ ہو۔ اس آیت میں حرام مال کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اسمیں یہ لطیف نکتہ پوشیدہ ہے۔ کہ روزہ کی حالت میں تو حلال چیز بھی اُتنے وقت کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ مگر حرام مال تو مدت العمر یعنی ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ گویا ایک مسلمان حرام مال کی طرف سے ساری عمر کے لیے روزے دار ہے۔ وہ اس کے قریب کیسے جا سکتا ہے۔ چنانچہ آیت زیر درس کو مسائل روزے کے ساتھ یہ مناسبت ہے۔

شیخ الہندؒ کا ترجمہ قرآن

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کو عالم اسلام میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ یہ میرے سامنے آپ ہی کا ترجمہ قرآن پاک ہے۔ آپ حضرات کے پاس جو ترجمہ ہے۔ یہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کا ہے۔ یہ دونوں تراجم دراصل شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کی آسان صورت ہے جو ان حضرات کے ہاتھوں انجام پائی۔ برصغیر میں سب سے پہلا بامحاورہ اردو ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ کا ہی ہے۔ تاہم اس میں آج سے اڑھائی سو سال پرانی اردو استعمال کی گئی تھی اور اس میں ہندی اور بعض دوسری زبانوں کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں جو آجکل کی اردو میں استعمال نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر شاہ صاحب نے "اللّٰہُ الصّمد" کا ترجمہ "نرادھار" کیا ہے جو کہ خالص ہندی یا سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ اسی طرح "وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ" میں طاغوت کا ترجمہ "ہڑدنگا" کیا ہے۔

مولانا سید عزیر گل

مولانا شیخ الہندؒ نے یہ ترجمہ مالٹا کی جیل میں قید کے دوران کیا تھا۔ آپ اور آپ کے پانچ ساتھیوں پر بغاوت کا مقدمہ چلا تھا۔ اگرچہ آپ سزائے موت سے بچ گئے تاہم قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ آپ نے اس تنہائی سے یہ فائدہ اٹھایا کہ قرآن پاک کا ترجمہ آسان اردو میں پیش کر دیا۔ آپ کے پانچ ساتھیوں میں سے اس وقت صرف حضرت مولانا سید عزیر گل فاضل دیوبند زندہ ہیں۔ مولانا شیخ الہندؒ

میں لکھتے ہیں لَا وَثَنًا وَّلَا صَلِیْبًا وَّلَا صَنَمًا وَّلَا طَاغُوْتًا وَّلَا نَارًا وَّلَا شَیْئًا یعنی آؤ ہم اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ہم اللہ کے ساتھ نہ بت کو شریک بنائیں گے، نہ صلیب کو، نہ طاغوت کو، نہ آگ کو اور نہ کسی اور چیز کو۔ طاغوت کے متعلق قرآن پاک کی تعلیم موجود "وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ" طاغوت سے بچو۔ شاہ عبدالقادرؒ نے طاغوت کا معنیٰ "ہڑدنگا" کیا ہے۔ یعنی وہ شخص جو کسی کے بنانے سے نہیں بلکہ خود ہی چودھری بن جائے۔ اور یہ شیطان کی خصلت ہے بلکہ ساری باطل طاقتیں اسی قبیل سے ہیں۔

مقصد یہ کہ اہل کتاب کو دعوت دی گئی ہے۔ کہ آؤ ہم سب مل کر اپنی عبادت اللہ ہی کے لیے مخصوص کر دیں۔ چنانچہ ہر مومن، ہر نماز کی ہر رکعت میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اے مولا کریم! اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہم تجھے ہی عبادت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ لَا نَعْبُدُ غَیْرَکَ ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ مگر عیسائیوں نے اقنوم ثلاثہ کا عقیدہ گھڑ لیا یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس تین مل کر ایک خدا بنتے ہیں۔ پھر تینوں الگ الگ بھی خدا ہیں۔ عجیب ملغوبہ ہے بالکل مشرکانہ عقیدہ۔ نہ تو تین خدا ہیں اور نہ تینوں ایک ہیں۔ یہ سب بناوٹی عقیدے ہیں۔ یہ باتیں پولس نے عیسائیوں کے عقیدے میں داخل کیں۔ انجیل کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ نہ کوئی خدا کا اوتار ہے اور نہ کوئی اس کا مظہر ہے۔ یہ تو ہنود کا عقیدہ ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی اُن کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ کہ خدا کسی انسان کے روپ میں آکر ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح وہ شخص اوتار یا مظہر خدا کہلاتا ہے۔ کہیں مریم پرستی ہو رہی ہے۔ حضرت مریمؑ کی تصویریں کو گرجوں میں رکھ کر اُن کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اُن کو مادرِ خدا کہتے ہیں۔ اُن کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ مسیح پرستی کے علاوہ موجودہ عیسائیوں میں پاپائیت بھی پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے بڑے راہنماؤں کو الوہیت کے درجے پہ پہنچا

ہو جائے۔ اس قوم نے بڑی مادی ترقی کی ہے اور بڑے بڑے لمبے عرصہ تک دنیا میں حکومت کی ہے۔ اس کا ستارہ چھ سو سال تک بام عروج پہ رہا، امریکہ اور روس تو انگریز کے بچے ہیں۔ جس طرح کسی زمانے میں رومیوں کا دنیا میں رعب و داب تھا، اسی طرح ماضی قریب میں انگریز کو عروج حاصل تھا۔ ان میں بڑے بڑے فلاسفر، سائنس دان انجنیئر اور قانون دان پیدا ہوئے ہیں۔ تاہم عیسائی ہونے کے ناطے اسلام کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔

شیخ سعدیؒ

شیخ سعدیؒ کا زمانہ ساتویں صدی ہجری ہے۔ آپ کی گلستان پڑھیے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انگریز نے شیخ صاحب کو بھی قید کر ڈالا تھا۔ آپ کے ساتھ یہودی قیدی تھے۔ کہتے ہیں۔ کہ میں خندق کی تعمیر کے سلسلے میں گارہ اٹھا اٹھا کر لا رہا تھا، حلب کا کوئی رئیس آپ کا واقف تھا۔ ادھر سے گزرا تو آپ کو پہچان لیا۔ پوچھا کیا بات ہے شیخ سعدیؒ نے کہا کہ میں تو لوگوں سے تنگ آکر باہر جنگل میں نکل گیا تھا تاکہ یکسوئی سے اللہ اللہ کروں، مگر شومئی قسمت کہ قید فرنگ میں مبتلا ہو گیا اُس رئیس نے انگریز کو فدیہ دے کر شیخ صاحب کو رہائی دلا دی۔

شیخ صاحب اپنے زمانے کے بہت بڑے شاعر تھے۔ فارسی کی غزل گوئی میں آپ کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کی کتابیں گلستان اور بوستان بڑی مقبول ہوئیں۔ یہ ابتدائی جماعتوں کو اسی زمانہ سے پڑھائی جا رہی ہیں۔ آپ نے پاکیزہ زبان استعمال کر کے نصیحت آموز باتیں کی ہیں۔ جن میں مزاح کا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس بات پر اعتراض کیا کہ آپ نے کتاب میں ہنسی مذاق کو بھی جگہ دے دی ہے تو آپ نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے اسمیں ظرافت اور خوش طبعی کو اس لیے جگہ دی ہے۔ تاکہ لوگ اسے آسانی سے قبول کر لیں۔ بعض اوقات کڑوی گولی چینی میں بند کر کے کھلانی پڑتی ہے۔ تاکہ اس سے مریض کو شفا رہو۔ اسی اصول کے تحت میں نے نصیحت آموز باتیں ہنسی مذاق کے خول میں بند کر کے دی ہیں۔ تاکہ یہ لوگوں کے ذہن میں اتر سکیں۔

گلستان کے بارے میں انگریزوں کا قول ہے۔ کہ یہ کسی ایک شخص کی تحریر معلوم نہیں ہوتی، بلکہ یہ کسی کمیٹی یا کمیشن کا کام ہے۔ اس میں اتنے تجربات اور نصیحتیں

کا حکم ہُوا، تو عرض کیا۔ حضرت! وہاں تو سید میراں حسین زنجانیؒ تبلیغ دین میں مصروف ہیں میں وہاں جا کر کیا کروں گا۔ فرمایا، جاؤ میرے حکم کی تعمیل کرو۔ چنانچہ آپ لاہور تشریف لے آئے۔ جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو ایک جنازہ نظر پڑا۔ دریافت کیا تو معلوم ہوُا۔ کہ سید میراں حسین زنجانیؒ کا جنازہ جا رہا ہے۔ غرضیکہ خواجہ اجمیریؒ نے ہندوستان میں دین کی بہت بڑی خدمت کی۔ اُن کے متعلق شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ کہ جو کوئی شخص اُن کی قبر پہ یا سالار مسعود غازیؒ کی قبر پہ اس غرض سے جاتا ہے کہ اُن سے کوئی حاجت طلب کرے، وہ قتل اور زنا سے زیادہ سنگین جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسی طرح لاہور میں حضرت علی ہجویریؒ بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ اُن کی بلندی درجات کے لیے دُعا کرنا تو جائز ہے مگر مافوق الاسباب کسی کی مراد پوری کرنا اور حاجت روائی کرنا تو صرف شانِ خداوندی ہے۔ یہ ان بزرگوں کی شان نہیں ہے۔ دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اُن کے طریقے پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اُن کے واسطے سے ہمارا خاتمہ بالخیر ہو۔ جنت میں اُن کی معیت نصیب ہو۔ ایصالِ ثواب کرنا ہے۔ تو اپنے گھر پہ ہی مساکین کو کھانا کھلا دو کپڑے پہنا دو۔ دیگر ضروریات مہیا کر دو اور دعا کر دو کہ اللہ تعالیٰ اس کا اجر خواجہ معین الدین چشتیؒ کو یا خواجہ مسعود سالار غازیؒ کو یا حضرت علی ہجویریؒ کی روح مبارک کو پہنچائے۔ ان کے درجات بلند کرے۔ یہ سب کچھ اپنے مقام پر بھی ہو سکتا ہے وہاں چل کر جانے کی کیا ضرورت ہے۔

شرک کی لعنت

حکام پرستی اور ملوک پرستی بھی شرک میں شامل ہے اور شرک ہی کی قسم ہے۔ جاپانی شینٹو ازم یعنی ملوک پرستی میں مبتلا تھے۔ وہ لوگ اپنے بادشاہ کو الٰہ کا درجہ دیتے تھے۔ بادشاہ کو کلی اختیار تھے، جو چاہے کرے، اُس پہ کوئی قدغن نہ تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ مسلمہ بات یہ ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ نہ کسی کو حاضر و ناظر مانیں، نہ مختارِ کل،

رہا، تاہم انگریزیہ کے ماتحت ہی رہا۔ اب امریکہ کے زیر اثر ہے۔ اسی کی پالیسی پہ گامزن ہے
جب انگریز زوال پذیر ہوا، تو امریکہ کو عروج حاصل ہونے لگا۔ دنیا میں اس کی اجارہ داری
قائم ہوگئی۔ دوسری طرف روس نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اب یہ دو طاقتیں دنیا کی متحارب
قوتیں ہیں۔ یہ آپس کی سرد جنگ میں مبتلا ہیں۔ دنیا کے باقی ممالک دونوں میں سے
کسی نہ کسی گروپ میں شامل ہو کر ان کے دست نگر ہیں۔ اب یہ سپر طاقتیں سازشوں
میں مصروف ہیں۔ ان کی نگاہیں مشرق وسطیٰ اور اسلامی ممالک پر ہیں کہ ان کو کس طرح تقسیم
کیا جائے۔ امریکہ کا ہر آنے والا صدر سابقہ پالیسی کو جاری رکھتے ہوئے اسرائیل کی
پشت پناہی کرتا ہے اور اسرائیل مشرق وسطیٰ میں ناسور کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ یہ امریکہ
برطانیہ اور فرانس کا مشترکہ پروردہ ہے۔ جس کی وساطت سے مسلمانوں کو ذلیل و رسوا
کیا جا رہا ہے۔

سپر پاورز

ہدایہ اور گلستان

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ ہمارے اس آخری دور کے بہت بڑے
محدث ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ آپ ہمارے دور کے
جید ترین محدث ہیں جنکی مثال نہیں ملتی۔ اللہ تعالےٰ نے ایسا کمال درجے کا حافظہ دیا تھا
کہ جب کوئی کتاب ایک دفعہ دیکھ لی تو پوری زندگی یاد رہی، بھولتے نہیں تھے۔ بخاری
شریف پوری کی پوری یاد تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر کوئی کتاب دنیا سے ناپید
ہو جائے تو میں اُسے دوبارہ لکھ سکتا ہوں۔ مگر دو کتابیں ایسی ہیں جن کو دوبارہ لکھنے پر میں
قادر نہیں ہوں، اُن میں سے ایک ہدایہ ہے اور دوسری شیخ سعدیؒ کی گلستان ہے
اس کے آٹھ باب ہیں اور تین سو صفحات پر مشتمل ہے، ہدایہ فقہ کی بلند پایہ کتاب ہے۔
صاحب ہدایہ نے اسے اسی ۸۰ جلدوں سے مختصر کر کے چار جلدوں میں محفوظ کر دیا ہے
امام محمدؒ کی جامع صغیر اور ابو الحسنؒ کی قدوری ہدایہ کی اصل ہیں۔ یہ بہت اچھی شرح ہے
انسان کا کوئی کام حتمی نہیں ہوتا، غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ سہو سے پاک تو اللہ تعالیٰ کی ذات
ہے۔ بہر حال صاحب ہدایہ نے یہ گراں قدر خدمت انجام دی ہے اور علامہ انور شاہ صاحب
کشمیریؒ نے شیخ سعدیؒ کی گلستان کو اس کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔

صرف اور صرف خدا تعالیٰ ہی ہے۔ لہذا اُس کے سوا کسی کو رب نہ بنائیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ توحید کے دو درجے تو مشرک بھی مانتے ہیں یعنی واجب الوجود اور خالق۔ وہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ خدا کی ذات واجب الوجود ہے اور وہی ہر چیز کا خالق ہے۔ مگر خرابی تیسرے اور چوتھے درجے میں جا کر پیدا ہوتی ہے۔ تیسرا درجہ تدبیر کا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی مدبّر ہے۔ وہی ہر چیز کی تدبیر کرتا ہے۔ مگر مشرک لوگ یہاں آکر پھسل جاتے ہیں۔ نجومی ستاروں کو بھی تدبیر کنندہ سمجھتے ہیں۔ عیسائی اسکی نسبت مسیح علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں یہودی عزیر علیہ السلام کی طرف اور باقی مشرک کسی اور طرف۔ اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ توحید کا چوتھا درجہ عبادت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پورے خلوص کے ساتھ انتہائی درجے کی تعظیم صرف خدا کی ہی ہو سکتی ہے کوئی دوسری ہستی مستحق عبادت نہیں ہے۔ مگر حال یہ ہے۔ کہ لوگ مالی اور جانی ہر قسم کی عبادتیں خدا کے علاوہ دوسروں کے سامنے انجام دیتے ہیں۔ اور اس طرح شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے پیر و مرشد امام جعفر صادقؒ سے عرض کیا۔ اے رسول اللہ کے فرزند! یہ فرمائیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت بھی کسی کے سپرد کی ہوئی ہے انہوں نے کہا، معاذ اللہ! اللہ نے اپنی ربوبیت کسی کے سپرد نہیں کی۔ ربوبیت کے کام وہ خود انجام دیتا ہے لوگوں کی حاجات پوری کرنے کا اُس نے کسی کو اختیار نہیں دیا۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ گناہ کے کام میں کسی کی اطاعت کرنا اور غیر اللہ کے آگے سجدہ کرنا بھی بعض کو بعض کا رب بنانا ہے۔

تحلیل و تحریم

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد حضرت عکرمہؒ کا قول ہے۔ کہ بنیادی طور پر اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ تحلیل و تحریم کے بارے میں ہے۔ اس کا پتہ خود حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے ایک واقعہ سے چلتا ہے۔ حاتم طائی

مسلمانوں کے بہت بڑے لیڈر اور ہمدرد ہیں۔ ہمیشہ آپ سے رابطہ رکھتے تھے۔

تحریک ریشمی رومال

۱۹۱۵ء میں ریشمی رومال کی تحریک چلی۔ یہ سکیم بھی حضرت شیخ الہندؒ کی تھی۔ آپ کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح انگریز کو ہندوستان سے نکال باہر کیا جائے، اس وقت برصغیر کی آبادی چالیس کروڑ تھی، مگر پانچ چھ لاکھ انگریز حکومت کر رہے تھے کیونکہ طاقت اُن کے ہاتھ میں تھی۔ مگر مسلمانوں کی غداری کی وجہ سے یہ تحریک بھی کامیاب نہ ہو سکی، اس کا راز قبل از وقت فاش ہوگیا تھا۔ مقصد یہ کہ برصغیر کی آزادی کے سلسلے میں علماء کی جدوجہد تو پرانی ہے اُس وقت ہندوؤں کو تو خواب بھی نہیں آیا تھا کہ انگریزوں کو یہاں سے نکالنا ہے اور مسلم لیگ بعد کی پیداوار ہے۔ اُس زمانے میں اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس میں نواب قسم کے لوگ شامل تھے۔ آخر میں جب لوگ انگریز اور ہندوؤں سے تھک چکے تھے تو مسلمان مسٹر جناح کی قیادت میں یکجا ہو گئے اور بات بن گئی۔ ان کی جدوجہد تو صرف پانچ سات سال کی ہے۔ جب کہ علمائے کرام کی تحریک حریت ڈیڑھ صدی پہ محیط ہے۔

تذکیہ مال

بہرحال بات حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن کی ہو رہی تھی۔ آپ نے سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء کا حاشیہ بھی لکھا۔ باقی حاشیہ آپ کے شاگرد رشید مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا ہے۔ تو مولانا محمود الحسنؒ نے مختصر الفاظ میں بہت بڑی بات سمجھادی کہ اس آیت میں طہارتِ مال کا بیان ہے۔ جب کہ اس سے پہلی آیات میں روزہ کا بیان تھا جس سے مقصود لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ یعنی نفس اور جسم کی طہارت تھا۔ ظاہر ہے۔ کہ ایک مسلمان کا اس وقت تک مکمل تزکیہ نہیں ہوسکتا جبتک اُس کا مال بھی پاک نہ ہو۔ تو اس آیت زیر درس میں مال کی پاکیزگی کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ کہ ایک مسلمان کو حلال اور پاکیزہ مال کھانے اور حلال بیوی سے متمتع ہونے سے صرف روزے کے دوران منع کیا گیا ہے مگر حرام سے اُسے ہمیشہ کے لیے منع کر دیا گیا ہے۔ وہ ساری عمر ایسے مال کے کیسے قریب جاسکتا ہے۔ یہ تو تزکیہ کے اصول کے منافی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے ہے۔ البتہ جب اس کی نسبت نبی کی طرف ہوتی ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے۔ کہ کسی چیز کی حلت یا حرمت کی قطعی علامت ہے۔ نبی خود حلال و حرام نہیں کرتا۔ بلکہ اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتا ہے۔ جس چیز کو مجتہد حلال یا حرام ٹھہراتے ہیں، اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے یہ فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں دیا ہے۔ انہیں خود ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کا نبی کو اختیار نہیں، مجتہد کو کیسے ہو سکتا ہے۔

شیعہ حضرات اپنے ائمہ کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ یحلون مایشاءون ویحرمون مایشاءون یعنی اُن کے امام معصوم ہیں وہ جس چیز کو چاہیں حلال قرار دیں اور جس کو چاہیں حرام کر دیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ معصوم صرف نبی کی ذات ہے۔ یہ گارنٹی صرف اُسے حاصل ہے۔ کہ اُس سے گناہ سرزد نہیں ہونے دیا جائے گا۔ لہٰذا شیعوں کا عقیدہ اس معاملے میں درست نہیں ہے۔

شاہِ روم کے نام خط

حضور علیہ السلام نے مختلف ممالک کے فرمانرواؤں کو بذریعہ خطوط و مکاتیب اسلام کی دعوت دی۔ ان خطوط میں ایک خط قیصر شاہِ روم کے نام بھی تھا۔ یہ دعوت نامہ آپ نے سنہ ۶ھ میں دحیہ ابن خلیفہ کلبیؓ کے ہاتھ گورنر شام کی معرفت بھیجا تھا۔ اس خط کے الفاظ یہ ہیں[1]۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ الرَّسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی ھِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی یہ خط محمد کی طرف سے رومیوں کے بادشاہ ہرقل جو عظیم ہے رومیوں کا کی طرف ہے۔ سلامتی ہو اُس پر جس نے ہدایت کی تابعداری کی امابعد فَاَسْلِمْ تَسْلَمْ اسلام لے آؤ، سلامتی پا جاؤ گے۔ وَاَسْلِمْ یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ اسلام قبول کر لو، اللہ دوہرا اجر دیگا۔ عیسائیت کے بعد اگر ایمان لے آؤ گے تو عیسائیت کا اجر بھی ملے گا اور اسلام لانے کا

[1] بخاری ص ۵ ج ۱ (فیاض)

اگر کسی نے ناجائز طریقے سے جاگیر حاصل کر رکھی ہے۔ تو پھر وہ معاوضے کا قطعاً حقدار نہیں۔ وہ حقدار کو ملنی چاہیئے۔ اور اگر کوئی جائداد وراثت میں ملی ہے یا جائز ذرائع سے خریدی گئی ہے، تو پھر اس کا پورا پورا معاوضہ ملنا چاہیئے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ اسلامی ریاست اس جائداد کو حاصل کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ کسی جائیداد پر زبردستی قبضہ، جوا، یا ناجائز بیع کے ذریعے حصولِ جائداد بالکل درست نہیں یہ حرام ہے۔

آگے فرمایا وَ تُدْلُوا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ اور ایسے مال کو حاکموں تک نہ پہنچاؤ۔ مقصد یہ کہ کوئی جائداد یا کوئی مال ناجائز طریقے سے حاصل کرنے کے لیے حکام وقت کی امداد حاصل نہ کرو۔ نہ اُن کو رشوت پیش کرو اور نہ اُن کے پاس سفارش لیکر جاؤ۔ اب تو حکام کے علاوہ یہ سلسلہ اُن کی بیگمات تک وسیع ہو گیا ہے۔ مٹھائی اور فروٹ کی ٹوکریاں پیش کی جاتی ہیں۔ کپڑے اور زیورات کے تحائف دیے جاتے ہیں۔ تاکہ کسی دوسرے کے مال پر غاصبانہ قبضہ کیا جا سکے یہ سب حرام ہے اس سے منع کیا گیا ہے۔ مال حاصل کرنے کے لیے جھوٹا دعویٰ دائر کرنا یا کسی ایسے معاملہ میں جھوٹی گواہی دینا بھی اِسی قبیل سے ہے۔ اور حرام کھانے کے مترادف ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ حکام کے پاس اس غرض سے مت جاؤ کہ لوگوں کا مال غلط طریقے سے کھا جاؤ۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ حالانکہ تم جائز اور ناجائز کو اچھے طرح جانتے بھی ہو، پھر غلط کام کرتے ہو۔ یہ قطعاً حرام ہے اس سے بچو۔

درس بست و دو ۲۲ — آیت ۶۵ تا ۶۸

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم کیوں جھگڑا کرتے ہو ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد، کیا تم عقل نہیں رکھتے ﴿۶۵﴾ سنو اے لوگو! جھگڑا کیا تم نے اس چیز میں جس کا تمہیں علم تھا۔ اب کیوں جھگڑا کرتے ہو اس چیز میں جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿۶۶﴾ ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی مگر وہ حنیف (سب طرف سے ہٹ کر ایک طرف لگنے والے) اور مسلمان (اللہ کے فرمانبردار) تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں نہیں تھے ﴿۶۷﴾ بیشک لوگوں میں سے ابراہیم (علیہ السلام) کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ولی (کارساز) ﴿۶۸﴾

اور چاند۔ اب سورج ہمیشہ ایک ہی ہیئت میں رہتا ہے، اسمیں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی بر خلاف اس کے چاند ہمیشہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگوں نے سوال کیا تھا۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ لوگ آپ سے نئے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام قُلْ آپ کہہ دیجئے یعنی اُن کے سوال کا جواب یہ دیجئے ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ یہ اوقات ہیں لوگوں کے لیے اور حج کے لیے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ

اس مسئلہ پہ امام بیضاوی نے اپنی تفسیر میں بحث کی ہے۔ بیضاء ایران کے ایک مقام کا نام ہے، جس سے نسبت کی بنا پہ آپ کو بیضاوی کہا جاتا ہے۔ آپ بہت بڑے فاضل اور صالح بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ کی تفسیر بیضاوی عربی کی مشکل تفاسیر میں شمار ہوتی ہے۔ علم اصول میں بھی آپ کی ایک کتاب موجود ہے۔ تاہم تفسیر میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں صرف، نحو، علم کلام، اور علم قرات غرضیکہ تمام علوم کی روشنی میں قرآن کریم کا مقصد اور منشا بیان کیا ہے۔ آپ قاضی کے عہدے پہ فائز تھے مگر اپنے پیر و مرشد شیخ محمد کتانی کے حکم پہ یہ عہدہ چھوڑ دیا تھا۔ اور تحصیل علم میں لگ گئے۔ اُن کے کہنے پہ ہی آپ نے قرآن پاک کی تفسیر کی، اس کو تحریری صورت میں پیش کیا اور پھر لوگوں کو اسکی تعلیم بھی دی۔ یہ زمانہ مسلمانوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ اور علم ترقی کے منازل طے کر رہا تھا۔

سوال و جواب میں اختلاف

امام صاحب فرماتے ہیں۔ کہ سوال تو یہ تھا۔ کہ چاند کیوں گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ جب کہ سورج کی جسامت میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اس میں کون سی حکمت کارفرما ہے۔ مگر جواب یہ دیا گیا کہ یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اوقات کا نظام ہے مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ اس قسم کا جواب علیٰ طریق اسلوب حکیم کہلاتا ہے اور حکم جو ہوتا ہے۔ وہ موقع اور ضرورت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کی مثال حدیث شریف میں موجود ہے کہ یہودیوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۹ نشانیوں

کے طریقے سے ہٹ چکے ہیں۔ لہٰذا اُن کی خالی نسبت کا کچھ فائدہ نہیں۔

یہودیت اور نصرانیت کی ابتدا

ارشاد ہوتا ہے یٰٓاَھۡلَ الۡکِتٰبِ اے یہودیو اور عیسائیو! لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡٓ اِبۡرٰھِیۡمَ تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ حالانکہ آپ کو یہودیت سے کیا تعلق۔ یہودیت تو تورات کو مسخ کرنے سے پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جس تورات کو نازل فرمایا یہودیوں نے اس میں تحریف کی۔ اس میں قطع برید کرنے کے بعد کچھ چیزیں اپنی طرف سے ملا لیں اور بعض اصلی احکام چھوڑ دیئے۔ اس طرح تورات اپنی اصل حالت میں باقی نہ رہی۔ گویا یہودیت موسیٰ علیہ السلام کے بگڑے ہوئے دین کا نام ہے۔

اسی طرح عیسائیت انجیل کو بگاڑنے سے پیدا ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں آپ کے حواری تو آپ کو مانتے تھے اور آپ کے دین کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔ مگر جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا، تو انجیل میں رد و بدل شروع ہو گیا۔ روم کے مشرک بادشاہ نے عیسائیت قبول کر لی۔ اس کے ساتھ اس کی رعایا بھی اسی دین میں شامل ہو گئی پھر انہوں نے بہت سی مشرکانہ رسوم عیسائیت میں داخل کر دیں۔ عقائد بھی بدل دیے۔ پولس کی تعلیم کے ذریعے ابنیت کا عقیدہ وضع کیا گیا۔ یعنی مسیح علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے۔ اسی طرح تین خداؤں کا عقیدہ ایجاد ہوا۔ غلط عقاید اور مشرکانہ رسوم نے اصل مذہب کو باقی نہ رہنے دیا اور اس طرح عیسائیت یا نصرانیت معرضِ وجود میں آئی۔ عیسائیوں کے مولویوں اور پادریوں نے انجیل کی تعلیمات کو بگاڑ دیا۔ خنزیر کو حلال قرار دینے کا مسئلہ قسطنطین کے زمانے میں پیدا ہوا۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ کہ جب رومیوں کا بادشاہ قسطنطین عیسائی ہو گیا تو خنزیر کو حلال قرار دے کر کھانا شروع کر دیا گیا حالانکہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام انبیاء نے خنزیر کو حرام قرار دیا۔ اور یہ سب کچھ عیسیٰ علیہ السلام کے بہت

ہلال کہتے ہیں۔ "وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ" میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ جب کسی چیز کی نامزدگی غیر اللہ کے نام پہ ہوتی ہے۔ تو اسمیں بھی آواز بلند ہوتی ہے۔ کہ یہ چیز فلاں بزرگ کے نام کی ہے۔ لہٰذا یہ شرک میں داخل ہو جاتا ہے۔ عرض یہ کہہ رہا تھا۔ کہ پہلے دن کا چاند ہلال کہلاتا ہے، اور پھر جب بڑھنے لگتا ہے تو اس کا نام قمر ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب چودھویں تاریخ کو بالکل پورا ہو جاتا ہے تو اسے بدر کہتے ہیں، اور آخر میں جب ڈوب جاتا ہے تو اسے محاق کہتے ہیں۔ اس کے بعد دو ایک دن نظر نہیں آتا۔ اور آخر پھر سے نیا چاند بن کر سامنے آتا ہے جس کا مطلب یہ کہ گذشتہ مہینہ ختم ہوا اور نئے مہینہ کی پہلی تاریخ ہو گئی۔ اس طرح ایک مکمل سال پورے بارہ ماہ میں پورا ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں بیان فرمایا ہے۔ "إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا" یعنی اللہ تعالےٰ کے نزدیک سال بھر کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ گویا جب اللہ تعالیٰ نے زمین، آسمان، چاند سورج غرضیکہ پورا نظام شمسی قائم کیا تو مہینوں کی تعداد بارہ مقرر فرمائی۔

حرمت والے مہینے

پھر فرمایا کہ ان بارہ مہینوں میں "مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ" چار مہینے حرمت والے ہیں۔ ان مہینوں میں کوئی گناہ کرنا دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ بڑا جرم ہے۔ ان مہینوں میں لڑائی کی ابتدا نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ چار ماہ اللہ کے ہاں بڑے باعزت مہینے ہیں۔ اگر غیر مسلم خود مسلمانوں سے جنگ کا آغاز کریں تو پھر انہیں بھی اجازت ہے کہ اپنا دفاع کریں ایسی صورت میں ان پہ کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا۔ ان چار مہینوں میں ذی قعدہ، ذی الحج اور محرم اکٹھے ہیں۔ اور رجب کا مہینہ ذرا الگ ہے۔ یہ چار مہینے حرمت والے ہیں۔

اوقات کا تعین

الغرض! فرمایا کہ چاند کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے مختلف امور کی ادائیگی کے لیے اور خاص طور پہ حج کے لیے اوقات کا تعین ہوتا ہے۔ انسان کوئی مزدوری کرتا ہے، کسی چیز کے کرایہ کا معاملہ طے کرتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس

تم نے اُس چیز میں تو جھگڑا کیا جس کا تمہیں کچھ علم تھا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو تمہیں کچھ تھوڑا بہت علم تھا۔ کہ اُن پہ نازل شدہ کتابیں کسی نہ کسی شکل میں تمہارے پاس موجود تھیں۔ لہذا اُن کے متعلق تمہارا اختلاف رائے کسی حد تک قبول کیا جاسکتا ہے۔ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ مگر تم اُس چیز کے متعلق کیوں جھگڑا کرتے ہو۔ جس کا تمہیں سرے سے علم ہی نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی صحیح صحیفہ تمہارے پاس نہیں۔ اُن کی کسی تعلیم پر تمہارا عمل نہیں۔ لہذا اُن کی طرف غلط باتیں کیوں منسوب کرتے ہو۔ کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اس بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے

ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے

فرمایا مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا بلکہ وہ تو حنیف اور مسلمان تھے۔ حنیف اُس کو کہتے ہیں۔ جو سب طرف سے ہٹ کر ایک طرف لگ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی تعلیم دی "حُنَفَآءَ لِلّٰهِ" اللہ کیلئے حنیف بن جاؤ۔ ہر طرف سے کٹ کر صرف اُسی کی اطاعت میں آجاؤ اور مشرک نہ بنو۔ چنانچہ ابراہیم (علیہ السلام) تو حنیف ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالےٰ کے سامنے عرض کیا "اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" میں نے ہر طرف سے منہ موڑ کر اپنا رشتہ اُس اللہ جل جلالہٗ سے جوڑ لیا ہے۔ جو آسمان و زمین کا خالق ہے۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ کہ حنیف سے مراد وہ شخص ہے۔ جو ابراہیم کو ماننے والا ہے۔ فارسی تفسیر فتح الرحمن کے حاشیے پہ لکھا ہے کہ حنیف وہ شخص ہے۔ جو کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ جو بیت اللہ کا حج کرتا ہے۔ جو ختنہ کرتا ہے، جو شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت

اہمیت حاصل ہے۔ سورۃ بقرہ جامع سورۃ ہے۔ اس میں تمام عبادات کا ذکر آگیا یعنی اصلاح عقیدہ کے بعد نماز کا بیان آیا۔ پھر زکوٰۃ کا بیان ہوا، اس کے بعد روزہ کے احکام آئے اور اب اس آیت میں حج کا بیان بھی آگیا ہے۔ تو گویا تمام عبادات کا تعلق قمری تقویم سے ہے۔ اور ایک مسلمان کے لیے اس کے بغیر چارہ نہیں۔

حج کے لیے جلدی

اس آیت میں حج کا اشارتاً ذکر کیا ہے۔ آگے تفصیل آئے گی۔ "اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ" یعنی حج کے مہینے معلوم ہیں۔ اور ان کا تعین بلاشبہ چاند سے ہی ہوتا ہے۔ حج ایک فرض عبادت ہے۔ ہر صاحب استطاعت پہ عمر بھر میں ایک دفعہ حج کرنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ جتنی دفعہ حج کرے گا، اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ نماز ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنی ہوتی ہے۔ زکوٰۃ سال میں ایک دفعہ فرض ہے۔ اور روزے بارہ مہینوں میں ایک ماہ کے فرض ہیں۔ ارکان اسلام میں سے حج کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں مالی اخراجات کے علاوہ جسمانی مشقت بھی برداشت کرنا پڑتی ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان صاحب استطاعت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو حج کرنے کی توفیق عطا فرماوے تو پھر اُسے چاہیئے کہ دیر نہ کرے بلکہ فوری طور پہ ادائیگی کی کوشش کرے فَاِنَّهٗ لَا یَدْرِیْ کیونکہ اُسے علم نہیں۔ کہ آگے کس قسم کے حالات پیش آنے والے ہیں۔ لہٰذا اُسے اس فرض سے جلد سبکدوش ہو جانا چاہیئے۔ کوئی حادثہ پیش آسکتا ہے۔ انسان بیمار ہو سکتا ہے۔ مال ضائع ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان کو حج کے معاملہ میں دیر نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اولین فرصت میں سفر حج پہ روانہ ہو جانا چاہیئے۔ اور پھر اس فرض کی ادائیگی میں سستی کرنے والوں کے لیے وعید بھی بڑی سخت آئی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص پہ حج فرض ہوگیا اور اس کی ادائیگی میں کوئی امر مانع نہیں ہے اور وہ اس کے لیے کوشش نہیں کرتا تو ایسا شخص یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

اسلام کا پانچواں رکن جہاد ہے۔ یہ حج سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ اسمیں

یہ منسوب کرنا کہ وہ گانے بجانے کے قائل تھے، بالکل غلط ہے۔ اس برصغیر میں جس قدر اتباع سنت چشتیوں میں پایا گیا ہے، کسی اور مسلک میں نہیں ملتا۔ اسی مہینے میں حضرت علی ہجویریؒ کا عرس منایا جا رہا ہے۔ مزار کو عرق گلاب سے غسل دیا جاتا ہے۔ حکومت کے نمائندے چادریں چڑھاتے ہیں۔ اب اِن مزاروں پہ گنبد بن گئے ہیں۔ جپس لگ گئے ہیں۔ عرس ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ کیا ہے۔ ؎ چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

اوقاف میں آنے کا مقصد تو یہ تھا کہ لوگوں کی اصلاح کی جائے۔ شرک و بدعات سے منع کیا جائے۔ مگر اب خود مسلمان ہی یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ اِن کو اس بُرائی سے کون روکے گا۔ یہاں تو آمدنی سے غرض ہے۔ چڑھاوے کی آمدنی کھانے پینے اور ملازموں کی تنخواہوں پہ خرچ ہوتی ہے۔ جو شخص اپنی نسبت حضرت علی ہجویریؒ کی طرف کرتا ہے اور پھر شرک و بدعت کا ارتکاب بھی کرتا ہے۔ وہ خود بھی جھوٹا ہے اور اس کی نسبت بھی غلط ہے۔

خواجہ گیسو درازؒ گلبرگہ دکن میں رہنے والے بڑے اعلیٰ پایہ کے بزرگ تھے اُن کی کم و بیش سو کتابیں ہیں۔ اِن میں قرآن پاک کی تفسیر بھی ہے۔ تصوف پہ کتابیں ہیں مکتوبات بھی ہیں۔ اِن کتابوں میں شرک کی واضح تردید موجود ہے کہتے ہیں۔ کہ آپ کے پاس ایک جوگی کوئی عمل بتانے کے لیے آیا مگر ہزار منت کے باوجود آپنے وہ عمل نہیں سیکھا۔ فرمایا مجھے تمہارے عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس اللہ کا قرب دلانے والے عمل موجود ہیں۔ ہم سونا بنانے کا عمل سیکھ کر کیا کریں گے آپ متوکل علی اللہ اور معلم تھے، خواجہ بختیار کاکیؒ عبادت و ریاضت کے شیدائی تھے۔ دو رکعت میں پورا قرآن کریم اور چار پارے تلاوت فرماتے تھے۔ خواجہ بختیار کاکیؒ کا مجاہدہ تھا کہ بیس برس تک زمین پر پشت لگا کر نہیں سوئے۔ نیند کا غلبہ ہوا تو بیٹھے بیٹھے ہی آرام کر لیا۔

سے، ہر صورت میں کامیابی کا راز صراطِ مستقیم پر چلنے میں مضمر ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان اس اہم قانون کی خلاف ورزی کر کے ناکام ہوئے۔ انفرادی حیثیت سے لے کر نظام حکومت تک سب کی درستگی قرآن و سنت کا راستہ اختیار کرنے پر منحصر ہے۔ اسلام کے نفاذ کے لیے جب تک اسلام کا بتایا ہوا طریقہ اختیار نہیں کیا جائے گا، کامیابی نہیں ہو سکتی۔ پورے نظام حکومت کی تبدیلی محض بیوروکریسی کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے اسلام کا بتایا ہوا صراطِ مستقیم اختیار کرنا پڑے گا

فرمایا نیکی یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تقویٰ کا قانون قرآن پاک میں بار بار بیان ہوا ہے۔ کہیں فرمایا "ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ" یعنی یہ ہدایت متقین کے لیے ہے۔ اگر یہ تقویٰ اختیار کرو گے تو فوز و فلاح کے دروازے کھلیں گے۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ کامیاب ہو جاؤ۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳ — اٰلِ عِمْرَان ۳

درس بست و سہ ۲۳ — آیت ۶۹ تا ۷۱

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾

ع ۸ / ۱۵

ترجمہ :- اہل کتاب میں سے ایک گروہ پسند کرتا ہے کہ وہ تم کو گمراہ کریں اور وہ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنی جانوں کو، اور وہ نہیں سمجھتے ﴿۶۹﴾ اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ اور تم گواہ ہو ﴿۷۰﴾ اے اہل کتاب! کیوں ملاتے ہو تم حق کو باطل کے ساتھ۔ اور تم حق کو چھپاتے ہو، اور تم جانتے ہو ﴿۷۱﴾

ربط آیات

گزشتہ درس میں تذکرہ ہو چکا ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ کا آپس میں جھگڑا یہ تھا کہ یہود کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کی تردید فرمائی۔ اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو حنیف اور مسلمان تھے۔ یہودیت اور نصرانیت نام کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ یہ

استعمال ہوتا ہے۔ اور قتال خاص ہے۔ جس سے مراد جنگ ہے۔ جہاد ظاہری اور باطنی طاقت کو دشمن کے مقابلے میں بقائے امن اور اقامت دین کے لیے خرچ کرنے کا نام ہے۔ حضور علیہ السلام نے جہاد کی کئی شکلیں بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ یعنی مشرکوں کے خلاف اپنے مال جان اور زبان کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ صحیح حدیث مسند احمد اور ابوداؤد شریف میں موجود ہے۔ جان و مال کے ساتھ جہاد کی صورت تو واضح ہے۔ کہ کلمہ توحید بلند کرنے کے لیے انسان مال خرچ کر کے دور دراز کے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ تیر و تلوار اٹھاتا ہے اور پھر اپنی جان تک کا نذرانہ پیش کر دیتا ہے۔ البتہ زبان کے ساتھ جہاد سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور لوگوں کے شکوک و شبہات کو دور کرنا ہے۔ تصنیف و تالیف کی ہے۔ دین کی کوئی کتاب لکھی ہے رسالہ ترتیب دیا ہے۔ بحث و مناظرہ کیا ہے۔ یہ سب چیزیں جہاد باللسان کا حصہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کا مبارک فرمان ہے يُوْزَنُ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ بِدَمِ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی دینی تصنیف و تالیف کا کام کرنے والے علماء کی سیاہی کا وزن قیامت کے روز شہیدوں کے خون کے ساتھ کیا جائے گا۔ یعنی اللہ کے راستے میں خرچ ہونے والی سیاہی شہداء کے خون کے برابر مرتبہ رکھتی ہے۔ یہ اتنا بڑا کام ہے اور شہید کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے يُغْفَرُ بِأَوَّلِ الْقَطْرَةِ یعنی شہید اپنے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے معاف کر دیا جاتا ہے۔ بخش دیا جاتا ہے۔ اس کے تمام حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں البتہ حقوق العباد کا بار اس کے سر پر باقی رہتا ہے۔ کسی کے ساتھ لین دین کیا ہو، کسی کی ایذا رسانی کی ہو، دل دکھایا ہو، اس کا معاملہ فریق ثانی کے ساتھ ہے۔ اس لیے ایسے حق کی معافی متعلقہ حقدار کے ذریعہ ہی ممکن ہو سکتی ہے۔

اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے کو اور بھی کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ وہ قبر کی آزمائش سے مامون ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ اس کی سفارش بھی

رہے اور ایک نقطے پر قائم رہے ہے۔ آپ کے زمانے میں یہودی سازشیں کرنے لگے۔ عبداللہ ابن سبا یمنی یہودی تھا، جو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ مگر مسلمانوں میں فرقہ بندی کی وبا پیدا کر دی۔ شیعہ اسی کو مانتے ہیں۔

نصاریٰ بھی مسلمانوں کے ساتھ برابر ٹکراتے رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا وَ رُوْمُ ذَوَاتِ الْقُرُوْنِ یعنی رومی عیسائی قرن ہا قرن تک قائم رہیں گے حتیٰ کہ مسیح ابن مریم نازل ہو جائیں۔ کبھی عیسائیوں کو غلبہ ہوگا۔ اور کبھی مسلمانوں کو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان صلیبی جنگیں صدیوں جاری رہیں۔ گذشتہ دو سو سال میں بھی عیسائیت کا بڑا عروج رہا ہے۔ اس عرصہ میں برطانیہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت تسلیم کی جاتی تھی اور برطانیہ کو برطانیہ عظمیٰ کہا جاتا تھا۔ یہ سب عیسائی ہی تو تھے۔ آج اگرچہ امریکہ بڑی طاقت ہے۔ مگر یہ تو کل کا بچہ ہے۔ یہ بھی برطانیہ سے بھاگے ہوئے انگریز ہیں جنہوں نے نیا براعظم دریافت کیا۔ اور پھر وہیں آباد ہو گئے۔ تاہم مسلمانوں کو کمزور کرنے والے برطانوی عیسائی ہی تھے۔ جن کی سازش کافی حد تک کامیاب ہوئی۔

مستشرقین کی سازش

امیر شکیب ارسلانؒ شام کے باشندے تھے اور وہاں کے جاگیردار تھے جنگِ عظیم میں سلطنتِ ترکیہ کے ہسپتالوں کے انچارج تھے۔ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد میں بالفعل شریک ہوئے۔ جب انگریزوں نے اُن کے علاقوں پر قبضہ کیا تو اُن کی جاگیریں بھی ضبط کر لیں۔ آپ بیس ۲۰ سال تک یورپ میں بھی مقیم رہے ہیں۔ جنگِ عظیم کے بعد ایک امریکی نے مسلمانوں کی حالتِ زار پر انگریزی زبان میں کتاب لکھی۔ اس کا عربی ترجمہ کسی مصری عالم نے کیا۔ یہ کتاب امیر شکیبؒ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اس کا مقدمہ لکھا۔ اصل کتاب ایک جلد میں ہے۔ مگر اس کا مقدمہ تین جلدوں پر پھیل گیا۔ امیر شکیبؒ نے دیکھا۔ کہ اس کتاب میں جہاں مسلمانوں کے متعلق بعض صحیح باتیں لکھی گئی ہیں۔ وہاں کچھ غلط چیزیں بھی

لئے ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح پورے معاشرہ کی حفاظت کی خاطر کسی ناپسندیدہ عنصر کے خلاف قتال بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اور ایسے شخص کو معاشرے سے کاٹ پھینکنا ہی معاشرے کے وسیع تر مفاد میں ہوتا ہے۔ لہذا اسلام نے دونوں قسم کے جہاد کی اجازت دی ہے۔ مسلمان دفاعی جنگ بھی لڑ سکتا ہے اور بوقت ضرورت حملے میں پہل بھی کر سکتا ہے

قتال کا حکم

اسلام کے تیرہ سالہ ابتدائی مکی دور میں اہل ایمان نے کفار کے ہاتھوں بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کی، مگر ہاتھ نہیں اٹھایا، کیونکہ اللہ کا حکم تھا کُفُّوٓا اَیۡدِیَکُمۡ اپنے ہاتھ روکے رکھو۔ نماز قائم کرو اور جماعتی تنظیم کرو۔ پھر جب مدنی دور میں اسلام طاقتور ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اجازت والی دی اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ کہ وہ بھی دشمن کے سامنے ڈٹ جائیں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے چنانچہ اس کے بعد جہاد بالسیف کی ابتدا اور اللہ نے واضح حکم دے دیا۔ وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ یعنی اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں

کفار کی طرف سے پہل

ظاہر ہے۔ کہ یہ دفاعی جنگ کا حکم ہے۔ ان کی طرف سے پہل ہو گی تو ان کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہوا۔ اور ابتدا میں ایسا ہی ہوا۔ پہل کفار کی طرف سے ہی ہوئی۔ مشرکین نے تیرہ سال تک اہل ایمان کو مکہ میں ستایا، پھر ہجرت پر مجبور کیا۔ بہت سی جانوں کو تلف کیا حتیٰ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے درپے ہوئے۔ ہجرت کے بعد بھی کفار نے مسلمانوں کا پیچھا کیا۔ جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ احزاب وغیرہ اس اس بات کے واضح شواہد ہیں۔

لارڈ ہیڈلے پہلی جنگ عظیم کے زمانہ میں لنڈن میں ہوا ہے۔ عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ بعد میں اسلام کی دولت سے مشرف ہوا۔ بنیادی طور پہ بیرسٹر تھا، پھر دین کا علم بھی حاصل کیا، اس نے کہا تھا کہ غیر مسلم اقوام مسلمانوں کے مسئلہ جہاد کی وجہ سے انہیں بدنام کر رہی ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ جنگ کی ابتدا مسلمان نہیں کرتے بلکہ وہ تو اپنا دفاع کرتے ہیں۔ وہ اپنے دعویٰ کو جغرافیائی طور پر ثابت کرتا ہے کہ

آپ دیکھ رہے ہیں۔ کہ مخالفین اسلام کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ پورے عالم اسلام میں کہیں بھی مسلمان اپنے دین پہ قائم نہیں رہ سکے ان کے عقیدے بگڑ چکے ہیں اور نظریات فاسد ہو گئے ہیں۔ آج کی دنیا میں مسلمانوں نے بھی انہی نظریات کو اپنا لیا ہے، جو غیر مسلمانوں نے اختیار کر رکھے ہیں۔ آج کے اکثر نام نہاد اعلیٰ تعلیم یافتہ فاسد خیالات کا شکار ہیں۔ انگریزی تعلیم کے پروردہ ہونے کی بنا پہ قرآن پاک کی تعلیمات کو توڑ موڑ کر پیش کرتے ہیں۔

فن اور فحاشی

آج کھیل تماشے، عریانی، فحاشی اور ایسی ہی دیگر قباحات کو فن کا نام دے دیا گیا ہے۔ اور پھر دعویٰ یہ ہے۔ کہ اسلام ان کی مخالفت نہیں کرتا۔ گانا بجانا، راگ رنگ، فلم اور ڈرامہ فن ہے اور اس میں حصہ لینے والے فنکار ہیں۔ یہ لوگ اپنے نام نہاد فن کے ذریعے ملک کی بہت بڑی "خدمت" کر رہے ہیں۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ وہ عوام الناس کو سستی تفریح مہیا کرتے ہیں۔ جگہ جگہ فن کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ بلکہ غیر ممالک کے طائفوں سے تبادلہ ہوتا ہے، اور اس طرح دنیا بھر کی قباحتیں تبادلہ میں ملتی رہتی ہیں۔ اب یہ چیزیں ہر گھر میں اس کثرت سے جاری ہیں کہ ان کی قباحت کا احساس تک باقی نہیں رہا۔ یہ سب یہود و نصاریٰ کا اثر ہے۔

تصویر سازی کا فن بھی عیسائیوں کا ایجاد کردہ ہے۔ اور اب مسلمانوں کی زندگی کا بھی لازمی حصہ ہے، حالانکہ اسلام میں تصویر کشی بالکل حرام ہے۔ لعن اللہ المصورین تصویر بنانے والوں پہ اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے

آج دنیا کے کسی ملک میں بھی مسلمان اسلام پہ مکمل طور پہ کاربند نہیں ہیں۔ اہل کتاب نے انہیں شکوک شبہات میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کے عقیدے بگاڑ دیے ہیں اور نظریات فاسد کر دیے ہیں سب فحش چیزیں ہیں۔ "قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ" اللہ تعالیٰ تو تمہیں بے حیائی اور فواحش کا حکم نہیں دیتا۔ مگر آج انہی قبیح چیزوں کو فن کا نام دے کر جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ ان تمام لغویات

اس کے کہ کسی خاص ضرورت کے تحت ہو، محض غنیم کو نقصان پہنچانے کے لیے ایسا کرنا درست نہیں۔

جہاد کا مقصد

مفسرین کرام نے وَلَا تَعْتَدُوْا کا ایک اور مطلب یہ بیان کیا ہے۔ کہ جہاد صرف دین کی خاطر کرو، اس کے علاوہ جہاد کا اور کوئی مقصد نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص شہرت حاصل کرنے کے لیے، بہادری دکھانے کے لیے یا مال و دولت اکٹھا کرنے کے لیے جہاد میں شریک ہوتا ہے، تو یہ زیادتی ہوگی۔ اسی لیے فرمایا زیادتی نہ کرو، بلکہ خالص دین کی سربلندی کے لیے جہاد میں حصّہ لو۔ گویا اسلام کا جہاد اتنا پاکیزہ ہے۔ کہ دین کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے اسکی اجازت ہی نہیں دی گئی۔

اب اسلام کے جہاد پہ اعتراض کرنے والے نام نہاد متمدن لوگوں کا حال ملاحظہ فرمائیں۔ دنیا کی خاطر لڑی جانے والی جنگ میں ہزاروں لاکھوں بے گناہ جانوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ ہسپتالوں پہ بمباری کر کے مریضوں تک کی پرواہ نہیں کرتے۔ دوسری جنگ عظیم میں چھ کروڑ کے قریب انسان لقمہ اجل بن گئے۔ پہلی جنگ عظیم میں دو کروڑ کے لگ بھگ جانیں تلف ہوئیں۔ اندھا دھند بمباری سے کھیت تباہ ہوگئے، جانور ہلاک ہوئے، عورتیں اور بچے بھی اس ہلاکت کا شکار ہوئے۔ آخر یہ کون سی تہذیب اور کونسا تمدن ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ بیشک اللہ تعالی زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا

جہاد کے اصول

اللہ تعالےٰ نے جہاد کے بھی کچھ اصول مقرر فرمائے ہیں، جن کے تحت ہی جنگ لڑی جا سکتی ہے۔ فرمایا وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ یعنی جن لوگوں سے تمہیں جہاد کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اُن سے جنگ کرو۔ جہاں بھی انہیں پاؤ۔ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ اور تم بھی انہیں اس جگہ سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔ مشرکین نے تمہیں مکہ سے نکلنے پہ مجبور کیا تھا۔ اب یہ بھی اسی سلوک کے مستحق ہیں۔ اور یاد رکھو وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج فتنہ تو قتل سے بھی زیادہ سخت ہے فتنہ سے مراد کفر و شرک کا غلبہ، بدنظمی، ظلم و زیادتی ہے۔ اگر یہ لوگ ان وجوہات کی بنا پہ ایمان کے راستے

بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۔ اے اہلِ کتاب ! اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ یعنی اُن کو کیوں جھٹلاتے ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ کا سچا نبی کیوں نہیں مانتے ۔ قرآن پاک کے احکام پر عمل کیوں نہیں کرتے ۔ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ حالانکہ تم گواہ ہو۔ یعنی تم جانتے ہو کہ قرآن پاک اللہ کی سچی کتاب ہے ۔ اور اس کے لانے والے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے سچے نبی ہیں ، جن کے متعلق اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ بنی اسماعیل میں سے تمہارے جیسا نبی برپا کروں گا ، اور اُس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ قرآن پاک وہی کلام ہے ۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم وہی نبی ہیں " یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ " جنہیں تم اسی طرح جانتے پہچانتے ہو جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اعراف میں فرمایا ہے " يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ " اہل کتاب حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت کے متعلق تورات و انجیل میں لکھا ہُوا پاتے ہیں ۔ مگر اپنی ضد ، عناد ، حسد اور ذہنی فساد کی وجہ سے اُن پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ۔

اللہ مالک الملک نے فرمایا یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ ۔ اے اہلِ کتاب ! حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو۔ اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں تحریف کے مرتکب کیوں ہوتے ہو۔ اس کے احکام کو کیوں بدلتے ہو۔ جب تم سے کہا جاتا ہے ۔ کہ تمہاری کتابوں میں نبی آخر الزمان کی کیا علامتیں ہیں تو اصل علامات کی بجائے غلط ملط علامتیں بتا دیتے ہو۔ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ اور تم حق بات کو چھپا جاتے ہو ۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ یہود و نصاریٰ کو حق و باطل کے امتیاز میں کوئی شبہ نہیں مگر یہ لوگ دانستہ کتمان حق اور کذب بیانی کرتے ہیں ۔ مشرکین تو لاعلمی اور اشتباہ کی وجہ سے گمراہی میں پھنسے ہوئے

لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ ان کے ساتھ جنگ کرو حتیٰ کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے۔
جہاد کی اصل غرض و غایت بھی یہ ہے۔ کہ دنیا سے فتنہ و فساد جنگ و جدل
بدامنی اور بدنظمی اور کفر و شرک کا قلع قمع کر دیا جائے۔ تاکہ غلبہ اسلام کے راستے
میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ ہو سکے۔
وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ اور اطاعت صرف اللہ ہی کیلیے باقی رہے یعنی جو کوئی دین اسلام
میں داخل ہونا چاہے اُسے کوئی شخص روکنے والا نہ ہو اور وہ بلاخوف و خطر دین حنیف
کو اختیار کر سکے۔ فرمایا فَاِنِ انْتَھَوْا اگر یہ لوگ اس قسم کی فتنہ انگیزی سے باز آجائیں
دین کے راستہ میں رکاوٹ نہ بنیں، زیادتی نہ کریں فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی
الظّٰلِمِیْنَ تو ان پہ کوئی زیادتی نہیں ہے۔ البتہ جو ظالم ہوگا۔ اس کے خلاف
جہاد کیا جائے گا تاکہ دنیا میں عدل و انصاف کو قائم کیا جا سکے۔ اور فتنہ و فساد کا دروازہ
ہمیشہ کے لیے بند کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے احکام بھی بیان فرما دیے
فریضہ حج کے بعد اسلام کا یہ ایک اہم رکن ہے۔

درس بست و چہار ۲۴ آیت ۷۲ تا ۷۴

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

ترجمہ:- اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ایمان لاؤ اس چیز پر جو نازل کی گئی ہے اُن لوگوں پر جو ایمان لاتے ہیں، دِن کے پہلے حصے میں اور کفر کرو اُس کے ساتھ دِن کے آخری حصے میں، شاید یہ لوگ پھر جائیں ﴿۷۲﴾ اور تم نہ تصدیق کرو مگر اسی کی جو تمہارے دین کی پیروی کرتا ہے۔ آپ کہہ دیجیے بیشک ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے۔ تصدیق نہ کرو اس وجہ سے کہ دیا جائے کوئی مثل اس کے جو تم دیے گئے ہو۔ یا وہ جھگڑا کریں تمہارے ساتھ تمہارے رب کے پاس، آپ کہہ دیجیے، بیشک فضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۷۳﴾ وہ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ﴿۷۴﴾

ربط آیات گذشتہ درس کی طرح آج کے درس میں بھی اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ

قافلے پُرامن گزر جاتے تھے، ان مہینوں کا اس قدر احترام کیا جاتا تھا۔ یہ چار مہینے رجب ذی قعدہ، ذی الحج اور محرم ہیں۔

حدیبیہ کا واقعہ

انہی محترم مہینوں میں سے ذی قعدہ ۶ھ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا۔ اس سفر میں چودہ سو کے قریب صحابہؓ آپ کے ہم سفر تھے۔ جب مکہ کے نزدیک حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ حالانکہ ہدی کے جانور صحابہؓ کے ہمراہ تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ یہ قافلہ عمرہ کے ارادہ سے آیا ہے، نہ کہ جنگ وجدال کی نیت سے۔ حرمت والا مہینہ تھا۔ صحابہؓ نے احرام باندھے ہوئے تھے، مگر مشرکین نے آپ کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا، آخر گفت وشنید ہوئی، جس کے نتیجہ میں صلح کا معاہدہ لکھا گیا۔ کہ اس سال مسلمان عمرہ ادا نہیں کریں گے، بلکہ آئندہ سال انہیں اجازت ہوگی۔ مگر تین دن سے زیادہ مکے میں قیام نہیں کریں گے۔ صحابہؓ اس معاہدہ کے حق میں نہ تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور کیا نعوذ باللہ آپ کا خواب غلط ہو گیا ہے آپ نے تو دیکھا تھا کہ ہم عمرہ ادا کر رہے ہیں حجامت بنوا رہے ہیں۔ مگر ہماری یہ حسرت تو پوری نہ ہو سکی۔ حضور نے فرمایا۔ کہ میرے صحابہ! فکر نہ کرو۔ خواب بالکل سچا تھا۔ ہم ضرور عمرہ کریں گے کیونکہ خواب میں یہ تو واضح نہیں تھا ـــــــ کہ ضرور اسی سال کریں گے۔ عمرہ آئندہ سال بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور علیہ السلام اپنے صحابہ کے ہمراہ اگلے سال یعنی ۷ھ میں تشریف لائے اور عمرہ کیا۔ آپ کا یہ عمرہ، عمرۃ القضا کہلایا کیونکہ پہلے سال احرام باندھ کر اس فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکے تھے۔ اور بغیر عمرہ کیے احرام کھول دیئے تھے۔

جنگ کی اجازت

۷ھ میں جب حضور علیہ السلام عمرہ کے لیے دوبارہ تشریف لائے۔ تو اُس وقت بھی کفار مکہ کے بدعہدی کرنے اور عمرہ سے روک دینے کا امکان تھا مگر اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ گذشتہ سال مشرکین نے محترم مہینوں کا ادب نہ کیا تو

عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ایمان لاؤ اس چیز پر جو اہل ایمان پہ اتاری گئی ہے، دِن کے پہلے حصّے میں۔ ظاہر ہے کہ نازل ہونے والی چیز قرآن پاک ہے۔ مقصد یہ کہ صبح کے وقت مسلمان ہو جاؤ۔ وجہ چہرے کو بھی کہتے ہیں۔ اور دِن کے ابتدائی حصے کو بھی۔ اس کا ثبوت ایک عرب شاعر کے کلام سے ملتا ہے جو کہتا ہے۔ مَنْ كَانَ مَسْرُوْرًا بِمَقْتَلِ مَالِكٍ. فَلْيَاتِ نِسْوَتَنَا بِوَجْهِ نَهَارِ۔ جو مالک کے مرنے پہ خوش ہیں۔ انہیں دِن کے ابتدائی حصّے میں آکر دیکھنا چاہیئے۔ کہ ہماری عورتیں مالک پہ کس قدر نوحہ کر رہی ہیں اور وہ کس قدر غمگین ہیں لہذا انہیں اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ لوگ مالک کی موت پر خوش ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وجہ النہار سے دِن کا پہلا حصہ مراد لیا ہے۔

غرض! فرمایا کہ دِن کے پہلے حصے میں ایمان لے آؤ، وَاكْفُرُوْا اٰخِرَهٗ اور دِن کے آخری حصے میں انکار کر دو۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ شاید اہل ایمان اپنے ایمان سے پھر جائیں۔ یہ خیال کریں۔ کہ اسلام میں ضرور کوئی نقص ہے۔ جو یہ اہل علم ایمان لا کر پھر واپس اپنے دین پہ چلے گئے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں گے۔

تصدیق حق سے انکار

یہ اہل کتاب کی دینی خیانت تھی۔ وہ لوگ جان بوجھ کر تصدیق حق سے انکار کر رہے تھے۔ حالانکہ یہ وہی رسول ہیں۔ جن کی بشارت عیسٰی علیہ السلام نے دی، بلکہ سارے انبیاء نے دی۔ اور قرآن پاک وہی کتاب ہے۔ جو اللہ کی آخری اور برحق کتاب ہے۔ مگر یہ لوگ گمراہی کے پیشوا بنے ہوئے ہیں۔ اور لوگوں کو صحیح دین سے پھیرنا چاہتے ہیں۔ اپنی حکمت عملی کو بروئے کار لاتے ہوئے کہتے ہیں وَلَا تُؤْمِنُوْا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ اور نہ تصدیق کرنا، مگر اس کی جو تمہارے دین کا تابع ہو۔ یعنی صرف اپنے دین کو ہی سچا ماننا، کہیں مسلمانوں کے دین کی تصدیق نہ کر بیٹھنا۔ مقصد یہ کہ جب

مدمقابل جائیں، زیادتی نہیں کرنا۔ یہ مسلمان کے لیے دائمی قانون ہے۔ برخلاف اس کے کفار و مشرکین نے ہمیشہ عہد کو توڑا یہودیوں اور عیسائیوں نے اللہ کے قانون کی پروا نہ کی اور ذلیل و خوار ہوئے۔ انہوں نے اللہ کا خوف نہ کھایا۔ میدان جنگ کے علاوہ عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کیا۔ بوڑھوں پہ ہاتھ اٹھایا۔ آج کی دنیا میں بھی امریکہ ہو یا برطانیہ روس ہو یا فرانس جب آتش انتقام بھڑکتی ہے۔ تو شہروں پہ بمباری کرنے سے نہیں ہچکچاتے۔ کتنے شہری ہیں جو لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ کتنے بیمار ہیں جو جانبر نہیں ہو سکتے۔ آج کی دنیا کے یہ نام نہاد متمدن لوگ جب درندگی پر اتر آتے ہیں۔ تو پھر تمام انسانی قدروں کو روند ڈالتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے۔ کہ یہ لوگ خوف خدا سے عاری ہیں۔

اپنے آپکو ہلاکت میں نہ ڈالنا

جہاد جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لیے اخراجات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ مال و دولت کے بغیر جہاد کا کوئی تصور نہیں، اس لیے یہاں پر حکم ہوا۔ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اللہ کے راستے میں خرچ کرو وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس آیت کو سمجھنے میں بعض صحابہؓ کو اشتباہ ہوا تھا اور حضرت ابوایوب انصاریؓ نے اس عقدہ کو حل کیا تھا۔

یہ وہی جلیل القدر صحابی ہیں۔ جنہیں مدینہ طیبہ میں حضور علیہ السلام کی میزبانی کا شرف اولین حاصل ہوا تھا۔ ہجرت کے موقع پر نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ کہ میری اونٹنی مامور من اللہ ہے۔ یہ جہاں پہ بیٹھ جائے گی۔ اسی کے ہاں میرا قیام ہوگا۔ چنانچہ یہ سعادت حضرت ابوایوب انصاریؓ کے حصہ میں آئی اور وہ آپ کا کجاوہ اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ جب تک مسجد نبوی اور آپ کا حجرہ تیار نہ ہو گیا، آپ اسی صحابی کے ہاں مقیم رہے۔ حضرت ابوایوبؓ استنبول کے جہاد میں شریک ہوئے۔ وہیں آپ کی وفات ہوئی اور استنبول کی دیوار کے قریب دفن ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے اس جہاد کی پیش گوئی فرما دی تھی۔ کہ آخری زمانہ میں مسلمان استنبول جو ترکی کا دارالخلافہ ہے کو فتح کریں گے، پرانے زمانے میں اسے قسطنطنیہ کہتے

آجائیں گے اور یہ یہودیت کی ناکامی کا باعث ہوگا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اگر تم نے اُن کی تصدیق کر دی تو وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہارے خلاف حجت قائم کریں گے کہ مولا کریم! ان لوگوں نے سچے دین کی تصدیق کرنے کے باوجود تیرے آخری نبی اور تیری آخری کتاب قرآن پاک کو تسلیم نہ کیا۔ اس طرح اہل اسلام قیامت کے دن اللہ کے حضور بھی تم پر غالب آجائیں گے، لہٰذا سلامتی اسی بات میں ہے۔ کہ صرف اُسی کی تصدیق کرو جو تمہارے دین کا متبع ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے کی تصدیق مت کرو۔

بنی اسرائیل کی عارضی فضیلت

بنی اسرائیل کا دعویٰ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو باقی تمام اقوام پر فضیلت بخشی ہے۔ قرآن پاک میں بھی آتا ہے ۔ اے بنی اسرائیل! میری نصیحتوں کو یاد کرو، جو میں نے تم کو دیں۔ ''وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ'' اور میں نے تم کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔ مگر یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا۔ اُس وقت بنی اسرائیل ہی اللہ کے نزدیک برتر تھے۔ چنانچہ انہیں فرعون سے نجات دلائی اور انہیں طرح طرح کی نعمتیں عطا کیں۔ پھر جب انہوں نے اپنے دین کو بگاڑ لیا۔ تعصب، حسد، ضد اور عناد کا شکار ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل و خوار کر دیا۔ اُن کی فضیلت اور برتری ختم ہوگئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ نبوت ہمیشہ اُن کے خاندان میں رہیگی۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ ایک خاص مدت تک نبوت اُن کے خاندان میں رہیگی، نہ کہ قیامت تک، مگر یہودیوں نے اپنی نبوت، حکومت اور برتری کو دائمی خیال کر لیا۔ حالانکہ جب وہ احکام الٰہی سے روگرداں ہو گئے، تو نہ ان کے پاس حکومت رہی اور نہ برتری ۔ بلکہ نبوت بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کی طرف منتقل کر دی اور آخری نبی کے طور پر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما دیا۔ لہٰذا نبی آخر الزماں کی بعثت کے بعد فضیلت اور برتری بھی آخری امت کو منتقل ہوگئی۔ قرآن نے

ہلاکت کا باعث نہیں بلکہ جہاد سے روگردانی کرنا ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔
اگر جہاد ترک کر دو گے، آرام طلب بن جاؤ گے، تو دشمن تم پر غالب آ کر تمہیں ہلاکت میں ڈال دے گا۔

فقہ حنفی

امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے جلیل القدر شاگردوں نے بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے امام صاحب تابعین میں سے ہیں۔ آپ کی ملاقات آٹھ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ آپ کے علاوہ باقی تین آئمہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ میں سے کسی کو تابعی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ پیشہ کے لحاظ سے امام ابوحنیفہؒ تاجر تھے آپ کے کارخانہ میں کپڑا تیار ہوتا تھا، جبکہ آپ وسیع پیمانے پر تجارت کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا تھا اور پھر اسے خرچ کرنے کا حوصلہ بھی عطا فرمایا تھا خصوصاً غریب طلباء کی اس طرح مدد کرتے تھے کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلتا تھا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد شمار سے باہر ہے، جن میں بڑے قابل لوگ ہوئے ہیں۔ خصوصاً امام ابویوسفؒ علم حدیث میں بڑی دسترس رکھتے تھے اور امام محمدؒ لغت دانی کے لحاظ سے بے مثال تھے۔ آپ امام شافعیؒ کے استاد تھے امام احمدؒ کا قول ہے۔ کہ جس مسئلہ پر امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ جمع ہو جائیں، تو پھر مخالفت نہیں ہو سکتی۔ ان تینوں کا اجماع گویا فقہ، حدیث اور زبان کا اجماع ہے۔ دنیا میں فقہ حنفی کی اس قدر پذیرائی امام صاحب کے قابل شاگردوں کی انتھک محنت کا نتیجہ ہے۔ امام ابویوسفؒ اپنے دور میں ساٹھ لاکھ مربع میل پر محیط سلطنت خلافت کے چیف جسٹس تھے اس وقت اسلامی مملکت ایک طرف خراسان تک اور دوسری طرف افریقہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ امام لیث ابن سعدؒ، امام مالکؒ کی طرح بڑے امام تھے مگر ان کے شاگردوں میں کوئی قابل ذکر ہستی نظر نہیں آتی۔ امام شافعیؒ کے شاگرد بڑے قابل تھے، لہٰذا ان کا مسلک دور دور تک پھیلا۔ امام احمدؒ کے شاگردوں نے بڑی محنت کی جس کی وجہ سے آپ کا مسلک بھی پھیلا۔

پہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاص کیا۔ اور پھر آخری دور میں اپنے آخری پیغمبر اور آخری امت کو اپنی رحمت کے ساتھ خاص کیا۔ اُن کو فضیلت اور برتری عطا فرمائی۔ کیونکہ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ اللہ تعالیٰ عظیم فضل و رحمت کا مالک ہے۔ اس کی رحمت تو ہر آن موجود ہے مگر انسان عدم صلاحیت کی بنا پر اِس سے محروم ہو جاتا ہے۔

ان سب میں خرچ کرنا چاہیئے۔ اور سب سے بڑھ کر جہاد کی مد ہے اگر اہل اسلام اس مد میں خرچ نہیں کریں گے تو دشمن غلبہ پا جائے گا اور مسلمان ذلیل و خوار ہوں گے۔ اور پھر نہ صرف مال ضائع ہوگا بلکہ جانیں بھی تلف ہوں گی۔ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں۔ تاتاریوں کے حملوں کے بعد مسلمانوں کے قدم نہیں جم سکے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ مسلمانوں میں قربانی کا جذبہ باقی نہیں رہا۔ غیر مسلم اقوام زیادہ خرچ کرتی ہیں۔ اسلحہ سازی اور دوسری ٹیکنالوجی پر جو کچھ امریکہ اور روس خرچ کر رہے ہیں، اس کی مثال کہاں ملیگی۔

فضول خرچی

حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوریؒ کی ایک مجلس میں یہ خبر موضوع بحث بنی کہ نجد کے کسی امیر نے فرانس سے تین لاکھ ریال میں بنا بنایا حمام منگوایا ہے۔ آپ نے بڑے افسوس سے فرمایا، یہ مسلمانوں کی بدبختی ہے۔ کہ حمام پر اتنا خرچ کر دیا ہے۔ اگر اس رقم سے کوئی فیکٹری لگاتے تو ملک و قوم کا فائدہ ہوتا۔ حمام تو محض نمود و نمائش اور عیاشی کا سامان ہے۔ اس سے قوم کو کیا فائدہ پہنچا۔ اس زمانے کی بڑی بڑی عمارتیں اور ان میں تعیش کا سامان مسلمانوں کے کون سے کردار کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بڑی بڑی قیمتی کاریں درآمد ہو رہی ہیں، غیر ملکی عورتوں سے شادیاں ہو رہی ہیں لاکھوں روپیہ ننگ و ناموس کے نام پر برباد کیا جا رہا ہے۔ مگر کیا مسلمان دنیا میں باعزت زندگی بسر کر رہا ہے۔ نہیں بلکہ بڑی طاقتوں کا دست نگر بن کر رہ گیا ہے۔ دنیا کے مختلف گوشوں میں انگریز نے کس قدر ذلیل کیا ہے روس اور امریکہ کیا کچھ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس افرادی قوت ہے۔ بیشمار وسائل مہیا ہیں مگر سب عیاشی کی نذر ہو رہے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ کو ترک کر دیا گیا ہے۔ ایک فیصد بھی صاحب ثروت آپ کو نہیں ملیں گے جو اپنے مال کا معقول حصہ دین کی حفاظت اور اس کی بقا کے لیے خرچ کر رہے ہوں۔

تبلیغ دین

انگریزوں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں نواب نجیب الدولہ تھے اپنے دور میں پانچ سو علماء کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔ یہ وظیفہ پانچ روپے سے لیکر پانچسو روپے تک تھا۔ اُس وقت کے پانچ سو روپے آج کے پانچ ہزار سے

غرور میں مبتلا تھے۔ باقی لوگوں پر اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے۔ بغض اور حسد میں مبتلا تھے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی مالی خیانت کا ذکر کیا ہے کہ وہ دنیا کے مال و دولت کے سلسلے میں کس قدر خائن ہیں۔

مالی خیانت

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ بعض اہلِ کتاب ایسے ہیں۔ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ اگر آپ اُن کے پاس ڈھیر مال یا بڑا خزانہ امانت رکھیں يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ تو وہ اُس کو واپس لوٹا دے گا۔ وَمِنْهُمْ اور اُن میں سے بعض ایسے بھی ہیں۔ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ اگر آپ اُن کے پاس ایک دینار ایک اشرفی یا ایک پونڈ ہی امانت رکھیں لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ تو وہ اس کو بھی واپس نہیں کرے گا۔

بعض سے مراد اگر وہ اہل کتاب لیے جائیں، جو ایمان لے آئے، تو ظاہر ہے کہ اُن کی امانتداری تو ایمان کی برکت کی وجہ سے ہو گی، اور اگر بعض سے مراد عام اہل کتاب لیے جائیں، تو یہ بھی ممکن ہے، کیونکہ سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کچھ اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور کچھ بُرے بھی ہوتے ہیں۔ خود قرآن میں آگے آئے گا "لَيْسُوْا سَوَآءً" وہ سارے برابر نہیں ہیں۔ دوسری یہ بات بھی ہے۔ کہ قرآن کریم کو ماننے والے عام مسلمان متعصب نہیں ہیں۔ اگر کسی باطل دین والے میں بھی کوئی اچھی صفت ہو گی، تو وہ اس کی تعریف کریں گے تعصب کا اظہار نہیں کریں گے، کیونکہ یہ تو مشرکین اور اہل کتاب کا شیوہ ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں جہاں بھی اہل کتاب کی کسی اچھی بات کا ذکر ہے، وہاں اس کی تعریف کی گئی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے کہ اچھی چیز کو چھپانا نہیں چاہیئے۔ کہ یہ بد دیانتی میں داخل ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ مدینے میں دس بڑے عالم یہودی تھے، اُن میں سے عبداللہ بن سلام رضؓ واحد عالم ہیں، جنہیں اللہ نے اسلام کی دولت نصیب فرمائی، باقی تو علماء اس نعمت سے محروم رہے۔ کسی شخص نے عبداللہ بن سلام رضؓ

درس ہشتاد (۸۰) — آیت ۱۹۶

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ج وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ط فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ج فَاِذَآ اَمِنْتُمْ وقفہ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ج فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ط تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ط ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

۲۴ ع ۸ / ۸

ترجمہ: اور پورا کرو حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے۔ پھر اگر تم روک دیے گئے تو جو میسر ہو قربانی کرو۔ اور اپنے سروں کو نہ منڈواؤ یہاں تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے۔ پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو، پس فدیہ ہے روزے سے یا صدقہ ہے یا قربانی ہے۔ پس جب تم امن کی حالت میں ہو، تو پھر جس شخص نے فائدہ اٹھایا عمرہ کا حج کے ساتھ، پس جو میسر ہو قربانی سے جو شخص قربانی کا جانور نہ پائے پس وہ تین دن کے روزے حج کے ایام میں رکھے اور سات روزے جب تم واپس لوٹو۔ یہ دس روزے پورے ہیں۔ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کا گھر بار مسجد حرام کے پاس نہ ہو۔ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے (۱۹۶)

اس سے پہلے نئے چاند کے متعلق ذکر آ چکا ہے۔ کہ چاند اوقات اور

گذشتہ پیوستہ

درہم چاندی کا سکہ تھا، جو ساڑھے تین ماشے کا ہوتا تھا۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں اور باقی دنیا میں یہی سکہ رائج تھا۔ تابعین میں ایک بزرگ عبداللہ بن دینارؒ نامی ہوئے ہیں۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ دینار دو الفاظ پہ مشتمل ہے، دین اور نار۔ دین کا معنی تو واضح ہے مذہب، عقیدہ وغیرہ اور نار کا معنی آگ ہے۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ مَنْ اَخَذَہٗ بِحَقِّہٖ فَھُوَ دِیْنُہٗ جو دینار کو حق اور جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے، وہ اس کے لیے دین بن جاتا ہے، اور جو اس کو باطل طریقے سے حاصل کرتا ہے۔ وہ اُس کیلیے آگ بن جاتا ہے۔ گویا دینار کے لفظ میں حق و باطل دونوں پہلو مضمر ہیں۔ اگر کمائی حلال طریقے سے کی ہے۔ اور جائز ضرورت پہ خرچ کیا ہے۔ تو یہ اُس کے لیے دین بن گیا۔ اور اگر اس کا الٹ ہے، تو یہی مال اس کے لیے دوزخ کا باعث بن گیا۔

فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح دینار دو الفاظ کا مجموعہ ہے، اسی طرح درہم بھی دو الفاظ سے بنا ہے یعنی در اور ہم۔ در کا معنی بہانا یا زیادتی ہے۔ اور ہم کا معنی غم ہے اس طرح درہم کا معنیٰ ہوگا، غم کا باعث یا غم کو زیادہ کرنے والا ہے۔ یعنی مال و دولت بظاہر بڑی پُرکشش چیز ہے۔ مگر حقیقت میں یہ غم کا باعث بنتی ہے اس کی وجہ سے اکثر مصائب آتے ہیں یا مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ کہ درہم یعنی مال و دولت ایسی چیز ہے۔ کہ اگر میسر نہ ہو تو بھی انسان غم میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور اگر مل جائے۔ تب بھی ہر وقت غم و فکر میں لگا رہتا ہے کہ فلاں کام کرنا ہے، فلاں رہ گیا ہے۔

باطل فلسفہ

میں عرض یہ کر رہا تھا۔ کہ یہودیوں نے ایک باطل فلسفہ قائم رکھا تھا۔ کہ انہوں نے علم حاصل کرنے میں بڑی محنت کی ہے۔ مال صرف کیا ہے۔ تو اس کے عوضانے کے طور پہ ان پڑھ لوگوں کا مال اُن پہ حلال ہے۔ جب یہ فلسفہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ کہ یہودیوں نے یہ عقیدہ بنا رکھا ہے۔ تو آپ نے فرمایا كَذَبَ اَعْدَاءُ اللہِ دشمنانِ خدا جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا

آپ نے اگلے سال یعنی ۷ھ میں اس کو قضاء کیا۔ اس مقام پہ اللہ تعالٰے نے حج اور عمرہ کا اکٹھا حکم دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جہاد کا حکم بھی ہے۔ حج کے بعد جو زیادہ مشقت طلب عبادت ہے، وہ جہاد ہے۔ اس میں مال اور جان دونوں کی بازی لگانا پڑتی ہے چونکہ حج میں بھی مال وجان دونوں چیزوں کا حصہ ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے عورتوں سے فرمایا تھا جِھَادُ کُنَّ الْحَجُّ تمہارا جہاد حج ہے۔ یعنی تم پر جہاد فرض نہیں ہے۔ تمہارے لیے حج ہی کافی ہے کیونکہ اس میں بھی جہاد کی طرح مال وجان کی ضرورت ہوتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے، وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ حج اور عمرہ کو اللہ کی رضا کی خاطر پورا کرو۔ یعنی اگر سفر کے دوران تمہارا حج یا عمرہ مکمل نہیں ہو سکا ہے۔ تو اس کو بعد میں پورا کرلو، یہ واجب ہے حج کا لفظی معنی قصد کرنے کا ہے۔ اور مراد اس سے مخصوص ایام میں افعال مخصوصہ کا قصد ہے جو کہ بیت اللہ شریف اور اس کے مضافات میں خالص نیت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ عمرہ کا معنیٰ فقط زیارت ہے۔ اور یہ حج کے مخصوص ایام کے علاوہ پورے سال میں کسی وقت بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔

للہ کا مفہوم

لِلّٰہ کا عام فہم معنیٰ اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ جس طرح دیگر عبادات نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ اللہ کی رضا کی خاطر ہی ادا کی جاتی ہیں۔ اسی طرح حج وعمرہ کے متعلق فرمایا کہ انہیں اللہ کی رضا کی خاطر پورا کرو، تاہم اس مقام پہ ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ حج وعمرہ جیسی مشقت طلب اور صبر آزما عبادت صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہونی چاہیئے اس میں غرور وتکبر اور فخر وتفاخرہ کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیئے حج پہ روانہ ہوتے وقت بینڈ باجے کا استعمال اور گلے میں ہاروں کے ذریعے تشہیر تفاخرہ کی نشانی ہے۔ عام طور پہ تو عزیز واقارب ہی حاجی کو ہار پہناتے ہیں، مگر خودستائی کا پہلو خاص طور پر اس وقت نمایاں ہوتا ہے۔ جب حاجی خود اپنے گلے میں ہار ڈال کر اپنی حیثیت کو نمایاں کرتا ہے حج سے واپسی پر بھی

حتیٰ کہ اُسے واپس مل جائے۔ مگر اکثر اہل کتاب ایک دینار بھی واپس کرنے کو تیار نہیں
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ کیونکہ ان کا فلسفہ یہ ہے۔ کہ ان پڑھ لوگوں کا مال کھانے میں ان پہ کچھ گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ یہ لوگ اللہ پہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان کے اس باطل عقیدہ کی نسبت ان کے دین اور انکی کتاب کی طرف ہوگی۔ اور کتاب کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ خدا تعالیٰ نے ان کے لیے امیوں کا مال مباح قرار دیا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ یہ لوگ دیدہ دانستہ اللہ پہ جھوٹ باندھتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ جو شخص تیرے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ایسا نہ کر۔ اپنے جرم کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ مگر تم اس گناہ کا ارتکاب کیوں

عہد کی پابندی

اللہ نے فرمایا۔ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے گا۔ اگر کسی نے امانت رکھی ہے تو اس کو ادا کرے گا۔ وَاتَّقٰى اور ڈرتا رہے گا۔ کفر شرک نفاق اور معصیت سے بچتا رہے گا۔ امانت میں خیانت نہیں کریگا۔ بلکہ پرہیزگاری اختیار کرے گا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ متقیوں کو ہی پسند فرماتا ہے۔ دوسری جگہ موجود ہے۔ "وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ" اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ وہ ایسے لوگوں سے نفرت کرتا ہے۔ کفار، مشرکین، منافقین، متکبرین اور خائنین اس کی نظر میں بہت بڑے مجرم ہیں۔

غرض! ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی گندی ذہنیت کا ذکر کیا ہے۔ کہ انہوں نے ایک باطل فلسفہ خود ہی وضع کر رکھا ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ مالی حقوق تو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے جب تک کہ صاحبِ حق خود معاف نہ کرے۔ حقوق العباد بڑی اہم چیز ہے۔

درس بست و شش ۲۶ آیت ۷۷ تا ۷۸

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَاَيۡمَانِهِمۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا اُولٰٓـئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنۡظُرُ اِلَيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيۡهِمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الۡكِتٰبِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ:۔ بیشک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی سی قیمت خریدتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا۔ اور نہ اُن کی طرف نگاہ کرے گا قیامت کے دن۔ اور نہ اُن کو پاک کرے گا۔ اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۷۷﴾ اور بیشک ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ ایسا ہے۔ جو موڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ، تاکہ تم اُسے کتاب سے گمان کرو۔ حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے۔ اور وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے اور یہ اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں اور یہ جانتے ہیں ﴿۷۸﴾

اہل کتاب کی تیسری خیانت

اس سے پیشتر اہل کتاب کی دینی اور مالی خیانت کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ آج کی آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں اور ان میں اہل کتاب کی تیسری بڑی خیانت کا ذکر ہے یہ لوگ اُن پیش گوئیوں کو چھپا لیتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتب میں قرآن کریم اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازل فرمائی تھیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے

قرآن پاک میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے۔ کہ اُس نے اہل کتاب سے عہد لیا تھا۔ کہ اُن کے پاس جو نبی آئے گا اُس پہ ایمان لائیں گے اور اس کا ساتھ دیں گے مگر جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ——————

—————— اور قرآن اُترنا شروع ہوا، تو ان لوگوں نے اپنے عہد کا کچھ پاس نہ کیا۔ آگے اس سورۃ میں مختلف قسم کے عہدوں کا ذکر آرہا ہے۔ بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر تو سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آئے گا۔ مگر یہ ان کی بہت بڑی خیانت تھی کہ اپنے عہد کو بھول گئے اور نہ قرآن پر ایمان لائے اور نہ نبی آخر الزمان علیہ السلام کو تسلیم کیا۔ حالانکہ اُن کے عہد کا ذکر خود تورات میں بھی موجود ہے۔ مگر انہوں نے تحریف کر کے تورات کے احکام کو بھی بدل دیا۔ اور قرآن پاک کو بھی تسلیم نہ کیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی اشعث بن قیس رضؓ کی کچھ زمین ایک یہودی کے قبضے میں تھی، جسے وہ چھوڑتا نہیں تھا۔ اس کی شکایت اُس نے آپ علیہ السلام کی خدمت میں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے۔ جو گواہی دے کہ زمین واقعی تمہاری ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیِ گواہ پیش کرنا مدعی پر لازم ہے۔ لہٰذا تم اپنے دعوےٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کرو۔ صحابی رسول نے عرض کیا حضور! میرے پاس گواہ تو کوئی نہیں آپ نے فرمایا پھر مدعا علیہ کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔ مسلمان کہنے لگا۔ کہ حضرت! یہ شخص تو فاجر ہے۔ یہ تو جھوٹی قسم بھی کھا جائیگا۔ اس کا کیا اعتبار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں جس پر فیصلہ کیا جائے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَاجِرَۃٍ لِیَقْتَطِعَ بِھَا مَالَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَقِیَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ وَھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانُ جو شخص کسی مسلمان —— کا مال کھانے کے لیے جھوٹی قسم اٹھاتا ہے۔ قیامت کے دن

وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ اُس پر غضبناک ہوگا۔ آپ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی۔ "اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ الخ"
حضرت اشعث بن قیسؓ فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیت ہمارے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے۔

اہل کتاب کی بدعہدی

ارشاد ربانی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا جو لوگ اپنے عہد اور قسم کے بدلے دنیا کا حقیر مال خریدتے ہیں اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اُن کے لیے آخرت میں کچھ نہیں۔ دنیا کا مال جس قدر بھی زیادہ ہو۔ آخرت کے مقابلے میں بالکل حقیر ہے۔ "مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعٌ" یہ دنیا کی زندگی تو تھوڑا سا برتنے کا سامان ہے "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ" آپ کہہ دیں دنیا کا سارا مال و اسباب آخرت کے مقابلے میں بالکل قلیل ہے۔ لہذا دنیا کے حقیر مال کو ناجائز ذرائع سے حاصل کرنے والوں کو آخرت میں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ اور اللہ ان سے شفقت و مہربانی کے ساتھ کلام نہیں کرے گا۔ غصے اور باز پرس کی صورت میں تو ضرور کلام کرے گا۔ مگر لطف و کرم کے ساتھ گفتگو نہیں فرمائے گا۔ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اور نہ نگاہِ شفقت سے ایسے لوگوں کی طرف دیکھے گا۔ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ اور اُن کو پاک بھی نہیں کرے گا۔ یہ ہمیشہ نجاستوں میں لت پت رہیں گے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اور وہ عذاب الیم کا شکار ہوں گے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے عہد لیا تھا۔ کہ ہر نبی برحق کی حمایت کرنا اس پر ایمان لانا اور اس طرح خدا تعالیٰ کے عہد کی پابندی کرنا۔ مگر ان لوگوں نے عہد کو توڑ دیا۔ انبیاء کی تکذیب کی اور اللہ کے احکام کو چھپایا۔ کلام الٰہی میں تحریف کی۔ جھوٹی قسم کھا کر دنیا کا مال حاصل کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عہد کی پابندی کی سخت تاکید کی تھی، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا"۔ اللہ کے عہد کے متعلق باز پرس ہوگی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ

نے عام حکم بھی دیا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ "اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو۔ عہد سے روگردانی منافق کی نشانی ہے۔ اللہ کی نظر میں ایسے لوگ مبغوض ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُن کے ساتھ کلامِ شفقت نہیں کرے گا، اُن کی طرف نظرِ شفقت سے نہیں دیکھے گا اور نہ اُن کو پاک کرے گا۔

مبغوض لوگ

حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ۔ نہ اُن کے ساتھ کلام شفقت کرے گا۔ نہ نظرِ رحمت سے دیکھے گا۔ اور نہ اُن کو پاک کرے گا۔ اِن میں سے ایک آدمی وہ ہے منع ابن السبیل فضل الماء جو کسی مسافر کو زائد پانی سے مستفید نہیں ہونے دیتا۔ کنواں یا چشمہ ہے پانی بھی اپنی ضرورت سے زیادہ ہے مگر وہ مسافر کو پانی استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ روکتا ہے۔ فرمایا ایسا شخص اللہ کی نگاہ میں مبغوض ہے۔ اِس گروہ کا دوسرا آدمی وہ ہے۔ جو نمازِ عصر کے بعد جھوٹی قسم اٹھا کر گاہک کو سودا خریدنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور تیسرا آدمی وہ ہے۔ جو خلیفۃ المسلمین اور امام کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے۔ پھر اگر اس کا دنیوی مقصد پورا ہوتا رہے تو عہد کی پاسداری کرتا ہے۔ اور یہ مقصد پورا نہ ہو تو بیعت کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہ تین قسم کے آدمی اللہ کی نگاہ میں مبغوض ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں یوں بھی آتا ہے۔ کہ وہ شخص بھی مبغوض ہو گا مُتَبَرِّءٌ لِوَالِدَیْہِ جو اپنے والدین سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ ان کی خدمت کرنے کی بجائے، اُن کے ساتھ احسان کرنے کی بجائے، اُن سے نفرت کرتا ہے۔ فرمایا وہ شخص بھی مبغوض ہے مُتَبَرِّءٌ مِّنْ وَلَدِہٖ جو اپنی اولاد سے نفرت کرتا ہے۔ انہیں اُن کی مطلوبہ شفقت و محبت مہیا نہیں کرتا۔ اور تیسرا آدمی وہ ہے کہ اَنْعَمَ عَلَیْہِ قَوْمٌ اس کی قوم نے اس پر احسان کیا۔ مگر وہ ان کی ناشکری اور ناقدری کرتا ہے۔ فرمایا یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے نہ کلام کرے گا۔ نہ نظرِ شفقت سے دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔

صحیح احادیث میں آتا ہے۔ کہ تین قسم کے آدمی اس زمرہ میں آتے ہیں اَلْمُسْبِل وہ شخص جو اپنے پاجامے یا تہبند۔ پتلون کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے۔ مردوں کے لیے مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ عورتیں مستثنا ہیں۔

دوسرا شخص والمنفق سلعتہ جو جھوٹی قسم اٹھا کر سودا بیچتا ہے۔ گاہک کو جھوٹا یقین دلاتا ہے۔ اور تیسرا شخص المنان ہے۔ جو کسی پر احسان کر کے جتلاتا ہے اس کا نہ صرف احسان ضائع ہوا۔ بلکہ وہ بھی مبغوض گروہ میں شامل ہو گیا۔ ایک حدیث میں حضور نبی کریم کا ارشاد ہے تین شخص ایسے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے پہلا شخص اَلتَّاجِرُ الْحَلَّافُ یعنی قسمیں کھانے والا تاجر ہے۔ وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ دوسرا شخص وہ ہے جو محتاج ہو کر غرور کرے۔ وَالْبَخِيْلُ الْمَنَّانُ اور تیسرا شخص احسان جتلانے والا بخیل ہے ان تینوں اقسام کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔

محبوب لوگ

پھر فرمایا تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پہلا شخص وہ ہے جو دشمن کے مقابلے میں جہاد کرتا ہے۔ پھر یا تو فتح تک پہنچتا ہے یا شہید ہو جاتا ہے۔ فرمایا دوسرا محبوب آدمی وہ ہے۔ جو کسی قافلے میں شامل ہو کر سفر پہ جاتا ہے۔ پڑاؤ کے مقام پہ قافلے والے سو جاتے ہیں اور وہ خدا کے حضور کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے اللہ کے سامنے اپنی مناجات پیش کرتا ہے۔ پھر جب نماز فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔ تو اپنے ساتھیوں کو بیدار کر دیتا ہے۔ فرمایا تیسرا محبوب خدا وہ شخص ہے۔ جو پڑوسی کی تکالیف پہ صبر کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اُسے موت آجائے یا وہاں سے علیحدگی اختیار کرے۔ اِن اقسام کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔

آیت زیر درس میں یہودیوں کا ذکر اُس گروہ میں کیا گیا ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔ وہ مبغوض لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد کو توڑا اور جھوٹی قسمیں کھائیں

قسم تو سچی بھی نہیں کھانی چاہیئے۔ سوائے اس کے کہ برأت کے لیے ہو۔ محض دنیا کا حقیر مال حاصل کرنے کے لیے قسم اٹھانا باعث وبال ہے۔

تحریف لفظی

اگلی آیت میں یہودیوں کی ایک اور بُری خصلت کا تذکرہ ہے۔ وہ جان بوجھ کر زبان کے ہیر پھیر سے اصل لفظ کو بگاڑ کر بولتے تھے۔ جس سے سُننے والا کچھ اور مطلب سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُنَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ اُن میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو اللہ کی کتاب زبان

کو مروڑ کر پڑھتا ہے۔ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتٰبِ تاکہ تم گمان کرو کہ یہ اللہ کی کتاب میں سے ہے۔ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ حالانکہ وہ کتاب اللہ میں سے نہیں ہے۔ اہل کتاب کی اس قبیح حرکت کی مثال سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ جب یہ لوگ حضور کی مجلس میں آتے تھے۔ تو لفظ رَاعِنَا کی بجائے زبان کو گھما کر رَاعِيْنَا کہتے تھے حالانکہ دونوں لفظوں کے معانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے رَاعِنَا کا معنی ہے کہ حضور! ہماری طرف توجہ فرمائیں، اور رَاعِيْنَا کا معنی چرواہا یا احمق ہے۔ اس طرح وہ لوگ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کی توہین کا ارتکاب کرتے تھے، یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ یہ کتنے خائن لوگ ہیں۔ جو اللہ کی کتاب اور نبی کے ساتھ بھی خیانت کرتے ہیں۔ اس قسم کی تحریف لفظی کی مثال تورات میں بھی موجود ہے۔ وہاں لکھا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے مروہ کے مقام پر لے گئے۔ مروہ چونکہ مکہ معظمہ میں ہے۔ اس لیے یہاں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی ثابت ہوتی ہے۔ جسکو یہودی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ تو اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اس حقیقت سے بچنے کے لیے وہ لفظ مروہ کو موریا کر کے بولتے تھے، تاکہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں انجام پانے والی قربانی مکہ میں ثابت نہ ہو سکے۔ مقصد یہ کہ یہ لوگ اللہ کی کتاب میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے۔ اور اصل لفظ کو بگاڑ کر کچھ اور ہی بنا دیتے تھے۔

انجیل میں موجود لفظ فارقلیط کی جگہ مددگار یا شفیع لکھ دیا۔ اور دس ہزار کی بجائے لاکھوں لکھ دیا۔ اور اس طرح لفظی تحریف کی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا۔ آگے فرمایا "مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ" یہ اس لیے فرمایا کہ ان بدبختوں نے تورات میں بھی رد و بدل کیا، تورات میں بھی موجود ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ مگر ان لوگوں نے آگے لکھ دیا فاستراح (پھر اس نے آرام کیا) اللہ نے فرمایا یہ تو کفر کا کلمہ ہے۔ کیا خدا تعالےٰ تھک گیا تھا، جو آرام کی ضرورت پڑی۔ اللہ کے ساتھ ایسی بات منسوب کرنا صریح کفر ہے۔ مگر ان لوگوں نے محض ساتویں دن کی چھٹی ثابت کرنے کے لیے یہ لفظ بڑھا دیا۔ یہ بھی تحریف لفظی کی ایک مثال ہے۔ انہوں نے نہ صرف الفاظ کو تبدیل کیا، بلکہ معنوی طور پر بھی مطلب کچھ کا کچھ کر دیا۔

تحریف معنوی

مسلمانوں میں سے اہل بدعت بھی اس بیماری کا شکار ہیں۔ یہ قرآن پاک کے الفاظ تو تبدیل نہیں کر سکے مگر مطلب سارا الٹ پلٹ کر دیا ہے۔ جس آیت سے چاہتے ہیں، اپنے مطلب کی بات نکال لیتے ہیں۔ دیکھیے میلاد کا موسم آتا ہے۔ پہاڑیاں بنائی جاتی ہیں۔ پوچھو بھائی یہ پہاڑیاں کیسی ہیں، کہتے ہیں قرآن میں صفا و مروہ پہاڑیوں کا ذکر آیا ہے "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ" کہ یہ پہاڑیاں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اس قسم کی باتیں قرآن پاک میں صریح تحریف ہے۔ قطعاً ناجائز اور گمراہی کا باعث ہے۔

بہت سے واعظین اور خود ساختہ مفسرین بھی اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔
ایک صاحب نے بسم اللہ کی تفسیر لکھی ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ کہ اسم اللہ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ حالانکہ اسم اللہ سے اللہ کا نام مراد ہے۔ اور اللہ کا نام لیکر ہی شروع کرنا چاہیئے۔ مگر انہوں نے اس کا معنی تبدیل کر دیا۔ خود پروفیسر ہیں، معلم ہیں، مگر تفسیر یہ کی ہے کہ مرزا قادیانی نے بھی تو یہی کہا۔ کہ میرا نام سورۃ فتح میں محمد رکھا گیا ہے اور رسول اللہ بھی لکھا ہے (العیاذ باللہ) یعنی لفظ

تو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ ہے مگر اس نے کہا کہ اس سے مراد میری ذات ہے۔ اسی طرح خاتم النبیین کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام مہریں لگا لگا کر نبی بنا رہے ہیں۔ آپ کے بعد جو بھی نبی آئے گا وہ آپ کی مہر سے بنے گا۔ سب سے پہلے مرزا نے اپنے آپ کو اس قسم کا نبی شمار کیا۔ اسی کو تحریف معنوی کہتے ہیں جو کفر ہے۔

فرمایا اس قسم کی لفظی و معنوی تحریف کر کے وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللّٰهِ کہتے ہیں۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللّٰهِ حالانکہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ غلط معانی اور الفاظ کو اللہ کی طرف منسوب کرنا بدترین قسم کی خیانت ہے۔ اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ اسی لیے فرمایا وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وہ اللہ پر افترا باندھتے ہیں۔ اور کتمانِ حق بھی کرتے ہیں۔ آگے سورۃ مائدہ میں آئے گا کہ انہوں نے زنا کے حکم کو تورات میں چھپا دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے ذریعے ظاہر فرما دیا۔ مطلب بدلنے کا کام یہاں پر فضل الرحمٰن اور پرویز نے بھی کیا ہے۔ نماز کا معنی اکٹھ کر دیا۔ حج کا معنیٰ عالمی کانفرنس کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح یہ لوگ الفاظ تو اب نہیں بدل سکتے مگر مفہوم بدل کر تحریف معنوی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وَهُمْ يَعْلَمُونَ حالانکہ وہ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔

بعض باطنی فرقے بھی اس قسم کی تحریف میں ملوث ہیں۔ انہوں نے حج سے مراد پیر کی زیارت لیا ہے۔ روزہ کا مطلب یہ ہے کہ پیر صاحب جو راز بتائیں اُسے چھپا کر رکھا جائے۔ یہ صریحاً تحریف ہے۔ الفاظ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اُن الفاظ کا مفہوم بھی وہی لینا چاہیئے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ اور جس کی وضاحت اللہ کے نبی نے کی۔ یا نبی کے صحابہؓ یا آئمہ دین نے کی جنہوں نے حقیقتاً اس کا مطلب سمجھا ہے۔ اگر آیات قرآنی کا مطلب وہ لیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے تو درست ہے، ورنہ سراسر گمراہی ہوگی۔ اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہوگا۔

درس بست و ہفت ۲۷ آیت ۷۹ تا ۸۰

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع ۸ ۹ ۱۶

ترجمہ: کسی انسان کے لیے یہ بات (مناسب) نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اُس کو کتاب، حکم اور نبوّت عطا فرمائے۔ پھر وہ شخص لوگوں سے کہے کہ ہو جاؤ تم میرے بندے اللہ کے سوا۔ لیکن وہ یوں کہے گا کہ ہو جاؤ رب والے۔ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھلاتے ہو، اور اس وجہ سے تم اس کو پڑھتے ہو ﴿۷۹﴾ اور وہ تم کو اس بات کا حکم نہیں دیگا، کہ تم اللہ کے فرشتوں اور نبیوں کو رب بناؤ۔ کیا وہ تم کو کفر کا حکم دیگا، بعد اس کے کہ تم فرمانبردار ہو چکے ہو ﴿۸۰﴾

ربطِ آیات

اہلِ کتاب کی مختلف خیانتوں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ یہ لوگ دینی، دنیوی اور مالی لحاظ سے خائن تھے۔ جھوٹ بولتے تھے۔ اللہ کی کتاب کے احکام کو تبدیل کرتے اور حق کو چھپاتے تھے۔ الفاظ و معانی میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے، خود مسائل گھڑ کر انہیں اللہ کی طرف منسوب کرتے اور کہتے کہ یہ کتاب کا حصہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں صریح جھوٹ بولتے آخری

نبی علیہ السلام کے متعلق پیشن گوئیوں کو چھپا جاتے۔ حق و باطل کو خلط ملط کرتے تھے اور دنیا کا حقیر مال حاصل کرنے کی خاطر اپنے عہد و پیمان کا کچھ لحاظ نہ رکھتے۔ اُن کی اِن بدخصلتوں کی وجہ سے اللہ نے اُن کی سزا بھی تجویز فرما دی۔ کہ آخرت میں اِن کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ نرمی سے کلام نہیں کرے گا، نہ اُن کی طرف نگاہِ شفقت سے دیکھے گا۔ اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا۔ وہ ہمیشہ عذاب الیم میں مبتلا رہیں گے۔

شانِ نزول

گذشتہ دروس میں وفد نجران کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ کہ یہ وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و مباحثہ کے لیے مدینہ طیبہ آیا تھا۔ جب بات چیت کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تو نبی علیہ السلام نے اُن کو مباہلہ کا چیلنج دیا۔ مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور جزیہ دینا قبول کر کے سمجھوتہ کر لیا۔ اُن کے قیامِ مدینہ کے دوران حضور علیہ السلام کی مجالس ہوتی رہتی تھیں جن میں ارکانِ وفد کے علاوہ صحابہ کرامؓ بھی شامل ہوتے۔ ایسی ہی ایک مجلس میں نجران کے نصاریٰ، نبی علیہ السلام کے ساتھ مصروف گفتگو تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سوالات کے جوابات دے رہے تھے۔ اُس مجلس میں بنو قریظہ کا یہودی مولوی ابو رافع بھی موجود تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام ہر بات میں عیسائیوں کو لاجواب کر رہے ہیں، تو وہ کہنے لگا۔ کہ اے محمد! کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تمہاری پوجا کرنے لگیں جیسا کہ نصاریٰ مسیح علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کے اس سوال کے جواب میں یہ آیت نازل فرما کر واضح کر دیا۔ کہ یہ ناممکن ہے۔ کہ اللہ کا نبی لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے بلکہ وہ تو ہمیشہ ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی ہی دعوت دیگا۔

بشریت انبیاء

کلام کا آغاز اس طرح ہوتا ہے مَا کَانَ لِبَشَرٍ کسی بشر یا انسان کی یہ شان نہیں ہے۔ کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے۔ بشر سے مراد انسان، آدمی یا آدم کی اولاد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر یعنی تمام انسانوں کے باپ ہیں اس لحاظ سے تمام انبیاء کرام بھی انسان ہیں مشرکین کا یہ بالکل غلط عقیدہ ہے کہ نبی بشر

نہیں ہوتا۔ حالانکہ حدیث شریف میں صریح الفاظ آئے ہیں۔ کسی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے حضور علیہ السلام کے اخلاق کے متعلق سوال کیا۔ تو انہوں نے کہا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ یعنی حضور علیہ السلام انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ پوچھنے والے نے دریافت کیا تھا۔ کہ حضور علیہ السلام کی گھریلو زندگی کیسی ہے۔ آپ کا اخلاق کیسا ہے۔ آپ گھر میں کیا کیا کام کرتے ہیں تو جواب یہی تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سے ایک انسان ہیں۔ جو کام عام آدمی گھر میں کرتے ہیں، وہ کام اللہ کا نبی بھی کرتا ہے۔ حدیث شریف میں بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ کا لفظ آتا ہے۔ نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰہِ نہیں آتا۔ یہ تو عیسائیوں والا عقیدہ ہے۔ انہوں نے بھی مسیح علیہ السلام کو خدا کا جزو بنا دیا۔ اور آج کے مسلمان بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ الغرض! حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے فرمایا، آنحضرت علیہ السلام گھر میں بکری کا دودھ دوھ لیتے، اپنے کپڑے صاف کر لیتے۔ جوتے کا ٹانکا لگا لیتے، گویا اپنا کام اپنے دستِ مبارک سے انجام دے لیتے تھے۔

بخاری، مسلم، ترمذی اور دیگر کتبِ احادیث میں یہ حدیث موجود ہے۔ کہ کچھ لوگ آپ کی خدمت میں ایک مقدمہ لائے تاکہ آپ اس کا فیصلہ فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ بھائی! میں ایک انسان ہوں اور انسان عالم الغیب نہیں ہوتا۔ میں ظاہر میں تمہارا معاملہ سنوں گا۔ اور اس کے مطابق فیصلہ دوں گا۔ ہو سکتا ہے ایک فریق اپنا مقدمہ پیش کرنے میں بڑا چرب زبان ہو اور دوسرا فریق اتنا فصیح نہ ہو۔ فرمایا فَلَعَلَّ بَعْضَکُمْ اَلْحَنُ بِحُجَّتِہٖ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس کی دلیل سن کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ یاد رکھو! جو شخص کسی چیز کا مستحق نہیں ہے۔ وہ اس چیز کو مت لے۔ کیونکہ اس کے حق میں وہ دوزخ کی آگ کا ٹکڑا ہو گا۔ فرمایا میں انسان ہوں۔ باطنی حالات تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ جب وحی نازل ہوتی ہے۔ مالک الملک کی جانب سے علم دیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے۔ فرمایا تمام انبیاء علیہم السلام انسان ہیں اور انسانیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔

انسان یا بشر ہونا کوئی عیب کی بات نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور احسان کے فرمایا ہے ۔" اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ" (ص) فرشتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا میں مٹی سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں " ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ" پھر تم بحیثیت انسان زمین پر پھیل گئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے " لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت اور قویٰ واعضاء کے ساتھ پیدا کیا۔ " ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ" پھر اگر اس انسان کی فکر فاسد ہو جائے۔ عقیدہ بگڑ جائے اعمال واخلاق خراب ہو جائیں تو اس انسان سے زیادہ ذلیل چیز کوئی نہیں ہو گی۔ ایسی صورت میں کیڑے مکوڑے، جانور، درندے وغیرہ انسان سے بہتر ہیں۔ مگر انسان ہونا کوئی بُری بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین مخلوق پیدا کیا۔

منصب نبوت

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا كَانَ لِبَشَرٍ کسی انسان کی یہ شان نہیں ہے۔ اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ الْکِتٰبَ کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب عطا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کتاب اس کو دیتا ہے جس کو منصب نبوت عطا کرتا ہے اور یہ سب سے بلند مرتبہ ہے جو کسی انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ فضیلت والی اور کوئی چیز نہیں تمام اولیاء، عابد، زاہد سب نبی سے کم تر درجہ میں ہیں۔ نبوت کا مقام سب سے اعلیٰ ہے اور یہ مقام اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا اور آپ کو قرآن پاک جیسی عظیم کتاب عطا کی۔

فرمایا جس انسان کو اللہ کتاب عطا کرے وَالْحُكْمَ اور حکم عطا کرے۔ حکم کا معنیٰ فیصلہ بھی ہوتا ہے اور علم بھی۔ جیسے فرمایا فَاحْكُمْ بَیْنَھُمْ یعنی ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ نیز فرمایا اٰتَیْنٰہُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ہم نے اُسے حکم اور علم عطا فرمایا۔ نیز حکم کا معنیٰ فہم بھی ہوتا ہے اور ——————

نبی کا فہم، عقل اور ذکاوت تمام انسانوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ نبی اعقل الناس ہوتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ ذکی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں کمال درجے کی صلاحیت ودیعت کرتا ہے۔ آگے فرمایا وَالنُّبُوَّةَ یعنی ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکم کے علاوہ نبوت بھی عطا فرما دے۔ اس کی یہ شان نہیں ہے ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ کہ وہ لوگوں سے کہے كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ، اللہ کے علاوہ میرے بندے بن جاؤ۔ یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تو نبوت اور رسالت عطا فرمائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلانے کی بجائے اپنی بندگی کی طرف دعوت دے۔ یا کسی دوسرے انسان یا کسی بھی مخلوق کی عبادت کی تلقین کرے۔ یہ نہیں ہو سکتا اگر ایسی بات ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ، اللہ کا انتخاب ہی درست نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پر جہالت لازم آئے گی (نعوذ باللہ) کہ اُس نے ایسے شخص کو نبی بنایا جو اس نبوت کا اہل نہیں تھا۔ نبی کا منصب تو یہ ہے۔ کہ وہ خود بھی اللہ تعالےٰ کی وحدانیت پر کاربند ہو اور دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دے۔ دنیا کے معاملات میں بھی جب کسی شخص کو وزارت یا گورنری کے عہدہ پر فائز کیا جاتا ہے۔ تو اس سے توقع ہوتی ہے۔ کہ وہ حکومت کی پالیسی کے مطابق کام کرے گا۔ اگر کوئی شخص خلاف کرے تو اُسے ایک منٹ کے لیے کسی اعلیٰ عہدے پر برداشت نہیں کیا جاتا۔ اللہ کا نبی تو اللہ کا کامل وفادار ہوتا ہے۔ دنیا میں منشائے ایزدی کی تکمیل اُس کا فرض ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے علاوہ اپنی یا کسی دوسری مخلوق کی عبادت کی دعوت کیسے دے سکتا ہے۔

انبیاء کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے۔ کہ اُن میں موجود بشریت کے تمام تقاضے بہترین طور پر سنور جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی تربیت ہی ایسی کرتا ہے۔ جس سے اُن کے تمام قویٰ درجہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ اُن سے ایسی بات کا سرزد ہونا جو منشائے الٰہی کے خلاف ہو، ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا، ہم نے تم پر احسان کیا۔ تمہاری پرورش ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی

نبی کا فہم، عقل اور ذکاوت تمام انسانوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ نبی اعقل الناس ہوتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ ذکی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں کمال درجے کی صلاحیت ودیعت کرتا ہے۔ آگے فرمایا وَالنُّبُوَّةَ یعنی ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکم کے علاوہ نبوت بھی عطا فرما دے۔ اس کی یہ شان نہیں ہے ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کہ وہ لوگوں سے کہے کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ، اللہ کے علاوہ میرے بندے بن جاؤ۔ یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تو نبوت اور رسالت عطا فرمائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلانے کی بجائے اپنی بندگی کی طرف دعوت دے۔ یا کسی دوسرے انسان یا کسی بھی مخلوق کی عبادت کی تلقین کرے۔ یہ نہیں ہوسکتا اگر ایسی بات ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ، اللہ کا انتخاب ہی درست نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پر جہالت لازم آئے گی (نعوذ باللہ) کہ اس نے ایسے شخص کو نبی بنایا جو اس نبوت کا اہل نہیں تھا۔ نبی کا منصب تو یہ ہے۔ کہ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کاربند ہو اور دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دے۔ دنیا کے معاملات میں بھی جب کسی شخص کو وزارت یا گورنری کے عہدہ پر فائز کیا جاتا ہے۔ تو اس سے توقع ہوتی ہے۔ کہ وہ حکومت کی پالیسی کے مطابق کام کرے گا۔ اگر کوئی شخص خلاف کرے تو اسے ایک منٹ کے لیے کسی اعلیٰ عہدے پر برداشت نہیں کیا جاتا۔ اللہ کا نبی تو اللہ کا کامل وفادار ہوتا ہے۔ دنیا میں منشائے ایزدی کی تکمیل اس کا فرض ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے علاوہ اپنی یا کسی دوسری مخلوق کی عبادت کی دعوت کیسے دے سکتا ہے۔

انبیاء کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے۔ کہ ان میں موجود بشریت کے تمام تقاضے بہترین طور پر سنور جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تربیت ہی ایسی کرتا ہے۔ جس سے ان کے تمام قویٰ درجہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ ان سے ایسی بات کا سرزد ہونا جو منشائے الٰہی کے خلاف ہو، ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا، ہم نے تم پر احسان کیا۔ تمہاری پرورش ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی

ہوں گے وہ خدا سے ڈرنے والے ہوں گے۔

فرمایا اللہ کا نبی تو کہے گا، اللہ والے ہو جاؤ، رب والے ہو جاؤ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھلاتے ہو۔ اور کتاب سکھلانے والے کی لازماً اصلاح ہونی چاہیئے۔ اس میں خالص توحید اور جذبہ عبادت ہونا چاہیئے۔ بلکہ اُسے دوسروں کی اصلاح بھی کرنی چاہیئے۔ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ اور اس وجہ سے کہ تم خدا کی کتاب پڑھتے ہو۔ اس کا بھی تقاضا ہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔

عبدیت کی غلط نسبت۔

کل ذکر کیا تھا۔ کہ کتاب اللہ میں لفظی یا معنوی تحریف کرنا اہل کتاب کا کام تھا مگر اس زمانے میں یہ کام خود مسلمان بھی انجام دے رہے ہیں۔ بلکہ یہ تو ان سے بھی بدتر کام کر رہے ہیں۔ کلام اللہ کے ایسے غلط معانی و مطالب بیان کرتے ہیں جو نہ اللہ کی مراد ہے اور نہ رسول اللہ کی تشریح ہے۔ نہ خلفائے راشدین نے ایسے معنیٰ کیے اور نہ آئمہ دین نے یہ مطلب سمجھا مگر آج کا پرویز اور مرزا قادیانی عجیب و غریب تاویلات کرتے ہیں۔ اب دیکھئے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اس آیت "قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ" سے کیا مطلب نکالا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے فرما رہے ہیں آپ اپنی طرف سے کہہ دیں اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ گویا حضور علیہ السلام اپنی امت کو میرے بندو کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) اسی سے مولوی احمد رضا خان یہ نکالتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف نسبت کر کے نام رکھنا جائز ہے۔ جیسے عبدالرسول، عبدالمصطفےٰ، عبدالنبی وغیرہ، حالانکہ یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی! آپ اللہ کی طرف سے کہہ دیں یعنی اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف فرما دیگا، اس کی مثال سورۃ مریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حضرت مریمؑ کی طرف یہ آیت دے کر بھیجا۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا "میں تیرے رب کا فرستادہ ہوں تاکہ میں تجھ کو ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ بظاہر عطا کی نسبت جبرائیل امین کی طرف ہے مگر حقیقت میں وہ خدا تعالیٰ کی طرف ہے کہ میں اللہ کی جانب سے آیا ہوں اور وہ اللہ تجھے بیٹا عطا کرنے والا ہے۔ اسی طرح اس آیت میں لِعِبَادِیْ سے مراد نبی کے بندے" نہیں بلکہ "اللہ کے بندے" ہے۔ ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ عبد الرسول، عبد الحسین، عبد العلی وغیرہ نام رکھنے میں شرک کی بو پائی جاتی ہے۔ اسی طرح پیر بخش، علی بخش وغیرہ نام نہیں رکھنے چاہئیں۔ کسی پیر، نبی، بزرگ کی طرف عبدیت کی نسبت کرنا قطعاً روا نہیں۔ مگر لوگ باز نہیں آتے۔ قرآن پاک کا عجیب وغریب ترجمہ کرکے جگہ جگہ باطل عقیدے وضع کئے گئے ہیں۔ یہ سب چیزیں تحریف کا حصہ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے جس کا نام عبد الشمس تھا، اس کا نام عبد الرحمٰن رکھا، نام رکھتے وقت عبدیت کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیئے۔ یا کم از کم ایسے نام رکھو جس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہ پائی جائے۔

رب صرف اللہ ہے

الغرض! فرمایا۔ کہ اللہ کا نبی اپنی عبدیت کی دعوت نہیں دے سکتا بلکہ وہ تو یوں کہے گا کہ اللہ والے بن جاؤ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھلاتے ہو اور اُسے پڑھتے پڑھاتے ہو۔ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اللہ کا نبی تمہیں ہرگز یہ حکم نہیں دیگا کہ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو۔ جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے کیا۔ "اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" انہوں نے اپنے پیروں اور مولویوں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا۔ گذشتہ دروس میں گزر چکا ہے۔ کہ عدیؓ بن حاتم طائی نے کہا۔ کہ حضور! ہم تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے اُن کو رب نہیں بناتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جس چیز کو تمہارے پیر اور عالم حرام کہتے ہیں تم حرام سمجھتے ہو، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ حلال ہے اور جس چیز کو وہ حلال کہتے ہیں تم حلال سمجھتے ہو حالانکہ وہ اللہ کے ہاں حرام ہے۔ یہی رب بنانا ہے جب تحلیل وتحریم کا منصب غیر اللہ کے سپرد کر دیا جائے تو انہیں رب بنانے کے

مترادف ہے۔ کسی کو سجدہ کیا جائے، نذر نیاز پیش کی جائے، حاضر و ناظر سمجھا جائے
علیم کل سمجھا جائے، مافوق الاسباب، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جائے، یہی شرک
ہے۔ اس قسم کا جو بھی عقیدہ اللہ کے علاوہ غیر کی طرف منسوب کیا جائے گا شرک ہو گا،
فرمایا پیغمبر کبھی یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں یا انبیاء کو رب بناؤ۔ اَیَاْمُرُكُمْ
بِالْكُفْرِ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے سکتا ہے؟ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ باوجود اس کے کہ تم فرمانبرداری اختیار کر چکے ہو۔ اللہ کی وحدانیت
کو اپنا چکے ہو۔ جب تم اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آچکے ہو تو پھر وہ تمہیں
ایسا حکم کیسے دیگا۔ جس سے تم پھر کفر و شرک کی تاریکیوں میں غرق ہو جاؤ ایسا نہیں ہو
سکتا۔ اللہ کے نبی سے یہ توقع ہرگز نہیں ہو سکتی۔

اہل کتاب نے نبی علیہ السلام سے کہا تھا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں۔ کہ لوگ
آپ کی عبادت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ قانون بتلا دیا
کہ اللہ کا نبی نہ اپنی عبدیت کی طرف دعوت دیتا ہے اور نہ کسی غیر اللہ کی۔
مسیح علیہ السلام نے بھی ربوبیت کی نسبت اللہ ہی کی طرف کرتے ہوئے
فرمایا تھا اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ میرا اور تمہارا سب کا رب
اللہ ہے۔ میں بھی اسی کی عبادت کرتا ہوں تم بھی اُسی کی عبادت کرو اللہ کا ہر نبی
یہی دعوت دے گا۔ کہ اللہ والے بن جاؤ۔ رب والے بن جاؤ۔ اس کے سوا کسی
انسان کی پوجا نہ کرو۔

درس بست وہشت ۲۸ — آیت ۸۱ تا ۸۲

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ :- اور اُس وقت کو دھیان میں لاؤ جب اللہ نے نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ جب میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی، پھر آیا تمہارے پاس رسول تصدیق کرنے والا اسکی جو تمہارے پاس ہے، البتہ ضرور اس پہ ایمان لاؤ گے اور البتہ ضرور اسکی مدد کرو گے۔ فرمایا اللہ نے، کیا اقرار کیا تم نے، اور لیا تم نے اس بات پر میرا پختہ عہد۔ انھوں نے کہا۔ ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا، گواہ ہو جاؤ، اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی دینے والوں میں ہوں ﴿۸۱﴾ پس جس نے اس کے بعد روگردانی کی۔ پس وہی لوگ نافرمان ہیں ﴿۸۲﴾

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ جب حضور علیہ السلام وفدِ نجران کو بحث میں لاجواب کر رہے تھے، تو ایک یہودی نے کہا، کیا آپ یہ چاہتے ہیں

کہ ہم لوگ آپ کی پرستش شروع کریں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ جس انسان کو نبوت سے سرفراز فرمائے، اس کی یہ شان نہیں ہے۔ کہ وہ اللہ کی بجائے لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے یہ اٹل بات ہے کہ نبی ہمیشہ خدا تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ وہ تو کہتا ہے۔ کہ اللہ والے ہو جاؤ۔ وہ ملائکہ یا انبیاء کی عبادت کا حکم نہیں دیتا۔ اس معاملہ میں انبیاء کی بریت واضح کرنے کے بعد آمدہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے میثاق النبیین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یعنی اُس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی جماعت سے لیا تھا۔ کہ جب تمہارے پاس اللہ کا رسول آجائے۔ جو تمہارے پاس موجود چیز کی تصدیق کرے، تو اُس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

میثاقِ الست

قرآن پاک میں مختلف میثاقوں کا ذکر ہے۔ منجملہ ان کے میثاق الست ہے یہ وہ عہد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان سے لیا تھا۔ اس کا ذکر سورۃ اعراف میں موجود ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْؕ قَالُوْا بَلٰى اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والی نسلِ آدم کو عالمِ ارواح میں متمثل فرما کر ان سب سے سوال کیا تھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں" گویا یہ عہد اللہ نے اپنی الوہیت اور ربوبیت کے اقرار کے لیے اس دنیا میں آنے سے پہلے لیا تھا۔ پھر جوں جوں بنی آدم کو پیدا فرمایا اس عہد کی یاد دہانی کے لیے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ اور کتابیں نازل فرمائیں۔

تمام انبیاء سے میثاق

دوسرا عہد میثاق انبیاء ہے جس کا ذکر آیت زیرِ درس میں آیا ہے۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے لیا۔ اس میثاق کی تشریح میں دو قول ہیں۔ پہلا قول حضرت علیؓ کا ہے جسے امام ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر طبری میں اور سید محمود آلوسیؒ نے روح المعانی میں نقل کیا ہے۔ دوسرا قول امام طاؤسؒ کا ہے۔ آپ تابعین میں سے ہیں اور مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ بلند پایہ فقیہ اور محدث تھے۔ امام صاحب کا یہ قول مصنف عبدالرزاق میں درج ہے۔ جو کہ علم حدیث کی معتبر کتاب

ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ موجود تھا۔ اب زمانہ حال میں یہ عظیم کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔ اس میں بائیس ہزار ۲۲۰۰۰ احادیث اور آثار مذکور ہیں۔ عبدالرزاقؒ امام بخاریؒ کے استاذ الاستاذ اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی کوششوں سے ایک مسلمان نے چار لاکھ روپیہ صرف کرکے اُسے بیروت سے طبع کرایا ہے اس کا حاشیہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے عالم اور بزرگ حبیب الرحمٰن اعظمی بعمر ۸۵/۸۰ سال بقید حیات[لہ] ہیں نے لکھا ہے اور کتاب کی تصحیح بھی کی ہے۔ بڑی عظیم کتاب ہے۔ اس میں امام طاؤسؒ کا یہ قول مذکور ہے کہ اس آیت میں جس میثاق النبیین کا ذکر ہے۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے لیا تھا اَنْ یُّصَدِّقَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا یعنی ہر نبی دوسرے نبی کی تصدیق کرے گا۔ چنانچہ ہر نبی نے دوسرے نبی کی تصدیق ہی کی ہے، کسی نے کسی کی تکذیب نہیں کی۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ سورۃ احزاب کی آیت وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ (احزاب آیت ۷) یعنی اُس واقعہ کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور آپ سے بھی عہد لیا۔ "وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ" اور نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے بھی پختہ عہد لیا۔ یہ آیت بھی امام طاؤسؒ کے قول کی تشریح کرتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے اس بات کا پختہ وعدہ لیا تھا۔ کہ وہ دوسرے نبی کی تصدیق کرے گا۔ یہ قول بھی درست ہے۔

میثاقِ خاص

حضرت علیؓ کا قول جسے صاحب روح المعانی اور امام ابن جریرؒ نے نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ میثاق انبیاء عام نہیں ہے کہ ہر نبی دوسرے کی تصدیق کرے گا۔ بلکہ یہ میثاق خاص ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا۔ لَمْ يَبْعَثِ اللّٰهُ نَبِيًّا اٰدَمَ وَمَنْ بَعْدَهٗ اِلَّا اَخَذَ اِلَيْهِ الْعَهْدَ فِىْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا

[لہ] اب وفات پاچکے ہیں (فیاض)

مگر حضور علیہ السلام کے متعلق اس سے عہد لیا لَئِنْ بُعِثَ وَهُوَحَیٌّ لَیُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَیَنْصُرُنَّهٗ کہ اگر تمہاری زندگی میں نبی آخر الزمان آجائیں تو ان پر ایمان لاؤ گے اور اُن کی مدد کرو گے۔ لہٰذا یہ عہد خاص طور پر حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا۔ یہ قول بھی صحیح ہے۔

حضور علیہ السلام کے متعلق اس خاص عہد سے آپ کی ختم نبوت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ کسی نبی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ نہیں پایا، جو اس میثاق کی رو سے آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی مدد کرتے۔ البتہ حضرت عیسٰی علیہ السلام جب قرب قیامت میں نازل ہوں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں گے۔ اُس وقت وہ حضور علیہ السلام کے نائب کی حیثیت سے جلوہ افروز ہوں گے اور آپ کی شریعت کے مطابق دنیا میں قرآن وسنت کا نظام جاری کریں گے۔ اس عہد سے حضور علیہ السلام کی خاص فضیلت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

اسی بنا پر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ شب معراج میں اللہ نے تمام انبیاء کو بیت المقدس میں جمع کیا۔ فَاَمَّتَهُمْ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا اور آپ نے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی۔

سید آلوسی بغدادیؒ جنہوں نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے، بلند پایہ مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ آپ تیرھویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں ۱۲۷۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ حنفی مسلک رکھتے تھے۔ آپ نے تیس ۳۰ جلدوں میں قرآن پاک کی تفسیر لکھی ہے۔ ہر پارے کی الگ جلد ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ یہ تفسیر آپ نے آغاز جوانی میں لکھی۔ اس تفسیر میں تمام علوم منجملہ صرف، نحو، علم عقائد اور قرأت وغیرہ موجود ہیں۔

دیگر مفسرین کی طرح آپ نے بھی اپنے زمانے کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن پاک کی عظیم تفسیر کی ہے۔

یہودیوں کی خلاف ورزی

میثاق انبیاء کا تذکرہ کر کے امتیوں کو بات سمجھائی جا رہی ہے کہ جس چیز

پہ انبیاء سے ایمان لانے کا عہد لیا گیا، اُس چیز پہ ایمان لانا انبیاء کے امتیوں کا بطریق اولیٰ فرض ہے۔ جب تمام انبیاء کرام سے یہ عہد لیا گیا کہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان لانا، تو ان انبیاء کے اتباع کے دعویدار یہود و نصاریٰ پہ بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کریں۔ مگر یہ آج تک نبی کریم علیہ السلام کی تصدیق کرنے سے گریزاں ہیں۔ بلکہ مخالفت پہ کمربستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ جو عہد ان کے نبیوں نے اللہ سے کیا تھا۔ یہ اُس کی پابندی کیوں نہیں کرتے۔ یہ اُن کے ایمان کی خرابی، اور ان کی حماقت ہے۔ اُن کے لیے حکم یہ ہے۔ کہ وہ نبی آخرالزمان علیہ السلام پہ ایمان لائیں۔ آپ کے دین کی تائید کریں اور اسکی تقویت کا باعث بنیں۔ مگر یہ لوگ الٹی مخالفت کر کے اپنے انبیاء کے عہد کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کر کے آپ سے مکمل وابستگی کا اظہار کر دیا۔ آپ کی فوقیت اور عظمت کی گواہی دی۔ اور اپنے متبعین کو بھی یہی تلقین کی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو خاص طور پر حضور علیہ السلام کی آمد کی بشارت دی "وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ" میں اپنے بعد آنے والے رسول احمد کی بشارت دیتا ہوں۔ اس پہ ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ مگر اُن لوگوں نے تعصب اور عناد کی بناء پر گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایک عہد اہل کتاب سے بھی لیا تھا جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے "وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اُس واقعہ کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ" (۳ : ۱۸۷) کہ تم خدا کی کتاب اور اس کے فرمان کو لوگوں پہ ظاہر کرو گے اور اُس کو چھپاؤ گے نہیں۔ انہوں نے بھی اس بات کا اقرار کیا۔ مگر حق آجانے کے بعد حضور کی پیشین گوئی کو کیوں چھپاتے ہیں۔ یہ بھی ان کی گمراہی کی دلیل ہے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ ایک نبی دوسرے کی تصدیق کرتا ہے۔ اس لیے انبیاء کے متبعین کا فرض ہے۔ کہ اپنے نبی کے اتباع میں وہ بھی دوسرے انبیاء کی تصدیق کریں۔ اس سے شاہ صاحب یہ بھی اخذ کرتے ہیں۔ کہ مشائخ کو مشائخ سے یہی معاملہ کرنا چاہیئے۔ کوئی شیخ وقت، نیک بندہ یا درویش اپنے برابر والے شیخ یا اپنے سے اونچے درجے والے کی تصدیق کرے۔ اس سے دعا کرانے اور اس کی حمایت کرنے سے گریز نہ کرے۔ شاہ رفیع الدینؒ تو یوں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کے نیک بندے اور اولیاء ایک دوسرے کی کبھی مخالفت نہیں کرتے۔ اَلْفُقَرَاءُ کَنَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ تمام فقراء کی مثال ایک جسدِ واحد کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی بزرگ نے دوسرے کی تکذیب نہیں کی کہ فلاں غلط ہے یا جھوٹا ہے۔ بلکہ اس کی تصدیق کی ہے۔ یہ انبیاء کی تعلیم کا نتیجہ ہے جس طرح ایک نبی دوسرے نبی کی تنقیص نہیں کرتا اسی طرح ایک اللہ والا دوسرے ولی اللہ کو اپنی تنقید کا نشانہ نہیں بناتا بلکہ اس کی حمایت کرتا ہے۔ مگر اس وقت جو ایک دوسرے کی مخالفت کی جارہی ہے۔ یہ نہ تو درویشی اور نہ فقراء کا سلسلہ ہے۔ یہ کچھ اور ہی ہے۔ بزرگی محض قبریں بنالینے، ان پہ گنبد کھڑے کر لینے اور بدعات جاری کرنے کا نام نہیں ہے۔ اصل بزرگوں کا ہرگز یہ مشن نہیں ہو سکتا۔ جو اللہ کے نیک بندے ہیں وہ ہمیشہ نیکی کا حکم کرتے ہیں۔

حضرت یحییٰ منیریؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید اور بڑے بزرگ مرد تھے۔ مشرقی ہندوستان میں قیام تھا۔ لوگوں نے ان کے لیے خانقاہ تیار کی اور لاکر وہاں بٹھادیا۔ فرمانے لگے دوستو! بڑا افسوس ہے، تم نے میرے لیے ایک مندر سا بنا دیا۔ ہمارے ساتھ تو اس کا تعلق ہی قائم نہیں ہوتا۔ خواجہ فرید الدینؒ کو بادشاہ وقت فیروز تغلق نے جاگیر کی پیش کش کی۔ آپ نے فرمایا کہ میرا اور میرے بزرگوں کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ اس جاگیر کو مستحقین میں تقسیم کر دو۔ یہی بات حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے صدر ہند راجندر پرشاد کو کہی تھی۔ حکومت نے

ملک کا سب سے بڑا سول اعزاز پدم بھوشن پیش کرنا چاہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرے اور میرے بزرگوں کے طریقے کے خلاف ہے۔ اس کو اپنے پاس رکھو۔ ہم نے انگریزوں کے خلاف جدوجہد اللہ کی رضا اور انسانیت کی بہتری کے لیے کی تھی۔ کوئی تمغہ یا جاگیر لینے کے لیے نہیں کی تھی۔ اس سے بہتر یہ ہے۔ کہ لوگوں کے ساتھ انصاف کرو۔ مسلمانوں کو تنگ نہ کرو۔

الغرض! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ عہد لیا۔ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ جب میں نے تمہیں کتاب اور حکمت یعنی علم، دانش اور فہم عطا کیا۔ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ پھر آ گیا تمہارے پاس رسول سے مراد ہر رسول بھی ہے۔ اور بڑا رسول بھی۔ نکرہ تعظیم کے لیے ہوتا ہے جب رَسُوْلٌ عظیم الشان رسول آ گیا۔ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہو، جو تمہارے پاس ہیں۔ تو اس وقت تمہارا فرض ہے۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ ضرور اس پر ایمان لانا۔ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ اور ضرور اس کی مدد کرنا قَالَ اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا۔ ءَاَقْرَرْتُمْ کیا تم اقرار کرتے ہو وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ اور تم نے اس بات پر میرا پختہ عہد لیا؟ اصر بوجھ کو کہتے ہیں اور اس سے مراد پختہ عہد ہے۔ اس کو میثاقاً غلیظاً بھی کہتے ہیں جس طرح بوجھ کو اٹھانا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح عہد کی پاسداری بھی ضروری ہوتی ہے گویا اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لیا کہ جب میرا نبی آخر الزماں آ جائے گا۔ تم اس پر ایمان لانا اور اس کی اعانت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا سب انبیاء علیہم السلام نے کہا، ہم نے اقرار کیا۔ کہ ہم اس عہد کو پورا کریں گے اور ہر آنے والے نبی پر اور خصوصاً حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ بنی قریظہ کا ایک یہودی حضرت عمرؓ کا دوست

تھا۔اس نے تورات میں سے کچھ اچھی اچھی باتیں لکھ کر آپ کو دیں حضرت عمرؓ وہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اور عرض کیا کہ میرے ایک یہودی دوست نے تورات کی بعض اچھی چیزیں لکھ کر دی ہیں۔ کیا میں ان کو پڑھ لیا کروں۔ یہ سن کر ناراضگی کی وجہ سے حضور علیہ السلام کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ فرمایا اَتَھَوَّکُتُمْ کَمَا تَھَوَّکَتِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصٰرٰی کیا تم بھی اسی طرح سرگرداں ہونا چاہتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ ہوئے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ یہ تو تم تحریف شدہ تورات کا ورق لائے ہو اگر موسیٰ علیہ السلام بنفس نفیس آجاتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرتے تو تم گمراہ ہو جاتے اَنَا آخِرُ النَّبِیِّیْنَ میں آخری نبی ہوں جو تمہارے حصے میں آیا ہوں۔ لہٰذا تم پر میری ہی اطاعت لازم ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا۔ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا وَّرَسُوْلًا میں راضی ہو گیا اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور رسول ہونے پر۔ اس پر حضور علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

الغرض! جب تمام انبیاء نے اپنے عہد کا اقرار کر لیا۔ قَالَ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ گواہ بن جاؤ۔ کہ تم نے یہ اقرار کر لیا ہے۔ تم نے وعدہ کیا ہے۔ کہ جب نبی آخر الزمان علیہ السلام آئے گا تو اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی تائید کرو گے۔ اور دیکھو! میں بھی تمہارے ساتھ اس بات پر گواہ ہوں۔

عہد شکنی پر وعید

فرمایا کہ پختہ عہد کرنے کے بعد فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ جس نے اعراض کیا اس کے بعد یعنی عہد کی پابندی نہ کی۔ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ تو ایسے لوگ فاسق اور نافرمان ہوں گے۔ فاسق نافرمان، منافق اور کافر کو بھی کہا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکاری ہے تو یہ بنیادی فسق ہے۔ انسان کافر

ہو جائے گا، ورنہ معصیت کا مرتکب خصوصاً کبیرہ گناہ کا مرتکب فاسق ہوتا ہے
فرمایا اس عہد کو توڑنے والا فاسقوں میں شمار ہو گا۔

مفسّرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ یہ بات میثاقِ انبیاء کے ضمن میں کہی جا رہی ہے۔ کہ عہد شکنی کرنے والا فاسق ہو جائے گا مگر اس سے مراد امت کو سمجھانا ہے۔ کہ انبیاء کے کئے ہوئے عہد کو توڑ نہ دینا ورنہ تمہارا نام فاسقوں کی فہرست میں لکھ دیا جائے گا۔ اور اس سے مراد اہلِ کتاب خاص طور پہ ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام سے عہد شکنی کا تو گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ کا نبی ایسا کام نہیں کر سکتا۔ بلکہ نبی کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ" اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا۔ تو آپ کے تمام اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے۔ لہٰذا نبی سے عہد شکنی کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ امت کو سمجھانا مقصود ہے۔ کہ انبیاء کے عہد کو توڑ کر فاسقوں کے گروہ میں شامل نہ ہو جانا۔ اہلِ کتاب تو بیشک عہد شکن ہیں۔ مگر آج کا مسلمان بھی اس معصیت سے محفوظ نہیں رہ سکا۔
اللہ تعالیٰ سمجھ عطا کرے۔

درس بست ونہ ۲۹ — آیت ۸۳ تا ۸۵

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں، حالانکہ اسی اللہ کے لیے فرمانبرداری کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں۔ اور جو زمین میں ہیں خوشی اور ناخوشی سے۔ اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائیں گے ﴿۸۳﴾ اے پیغمبر (علیہ السلام) آپ کہہ دیجئے، ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس چیز پر جو اتاری گئی ہے۔ ہمارے اوپر اور اس چیز پر جو اتاری گئی ہے، حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پر اور جو چیز دی گئی ہے۔ موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو اور جو چیز دی گئی ہے سب نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم تفریق نہیں کرتے کسی ایک کے درمیان۔ اور ہم اسی اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں ﴿۸۴﴾ اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا۔ پس اس سے ہرگز نہ قبول کیا جائیگا اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ ﴿۸۵﴾

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ جو اُس نے عام لوگوں اور انبیاء علیہم السلام سے لیا۔ اور پھر اُس عہد کو توڑنے والوں کی سزا کا بیان بھی آچکا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ نے ڈانٹ پلائی ہے۔ اُس کے بعد دین اسلام کی صداقت اور حقانیت کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پہ بیان فرمایا کہ اگر یہ لوگ اُس دین اطاعت۔ فرمانبرداری کو قبول نہیں کرتے جس کا اُن سے عہد لیا گیا تھا، تو پھر کیا اس کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان تو دینِ توحید کے متعلق لیا تھا۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی دین کی تعلیم دیتے رہے ہیں لہٰذا وہ کبھی اس بات کی تعلیم نہیں دیتے کہ اللہ کے علاوہ مخلوق میں سے کسی کو رب بنا کر اس کی عبادت کی جائے۔ یا کسی کو حلال و حرام کا مختار سمجھا جائے۔ وہ تو ہمیشہ یہی تعلیم دیتے رہے ہیں "كُونُوا رَبَّانِيِّينَ" یعنی اللہ والے بن جاؤ۔ رب والے ہو جاؤ۔ صرف اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھو۔

سچا دین

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ لوگ سچے دین کو قبول نہیں کرتے۔ اَفَغَيْرَ دِينِ اللّٰهِ يَبْغُونَ کیا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی ہیں۔ حالانکہ اللہ کا سچا دین تو صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام۔ پہلی آیتوں میں گزر چکا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا اَسْلِمْ یعنی اسلام لے آؤ، اللہ کے سچے دین کو قبول کر لو، اس کی اطاعت کے آگے سر تسلیم خم کر دو، تو انہوں نے جواب میں کہا "اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" میں نے تمام جہانوں کے رب کا نازل کردہ دین قبول کر لیا۔ اُس کا فرمانبردار ہو گیا میں نے اسلام قبول کر لیا۔ کیوں کہ "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہی ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی دین کی تعلیم دی ہے۔ مگر یہ لوگ اس دین کو قبول کرنے کی بجائے کسی دوسرے دین کو تلاش کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پہ اللہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے جو جھوٹے دین بنا رکھے ہیں۔ کیا اِن کے بارے میں انہیں اللہ نے اجازت دی ہے۔ کہ جھوٹے اور

کفر و شرک والے ادیان کو تسلیم کریں۔ اللہ کے علاوہ کونسی ذات ہے۔ جس کی اطاعت تمام مخلوق پر لازم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو خود فرمایا وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان و زمین کی ہر مخلوق اسی خدائے وحدہٗ لاشریک کی فرمانبرداری کرتی ہے۔ ہاں! طَوْعًا وَّكَرْهًا کچھ لوگ اس کی اطاعت خوشی سے کرتے ہیں اور بعض دوسرے مجبوری اور لاچاری کی بنا پر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام دو قسم کے ہیں۔ تکوینی احکام وہ احکام ہیں جو انسان کو اپنی خواہش اور اختیار کے بغیر کرنے پڑتے ہیں۔ جیسے زندگی، موت، بیماری حادثات، بارش، خشک سالی، سیلاب، زلزلہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں، جو انسان پر بغیر خواہش اور بغیر اختیار کے وارد ہوتی ہیں۔ انسان کو ان احکام پر مجبوراً عمل پیرا ہونا پڑتا ہے۔ یہ تکوینی احکام ہیں۔ دوسری قسم کے احکام شرعی احکام کہلاتے ہیں۔ یہ احکام اللہ تعالیٰ انبیاء کے ذریعے انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ ان پر عمل انسان اپنی خواہش اور اختیار سے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتنی مخلوق ہے۔ جو ان احکام کو احکام الٰہی سمجھ کر خوشی سے تسلیم کرتی ہے۔ اور بعض بدبخت ایسے بھی ہیں، جو انہیں ماننے کے لیے تیار نہیں۔ تو فرمایا کہ ایسی ہستی جس کے تمام تکوینی اور شرعی احکام مانے جائیں وہ صرف خدا کی ذات ہے۔ اور ماننے والے آسمان میں بھی ہیں۔ اور زمین میں بھی ہیں۔ آسمانی مخلوق میں فرشتے ہیں۔ یہ اللہ کی مطیع اور فرمانبردار مخلوق ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔ آسمان میں چار بالشت بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ اپنے مالک کی عبادت میں مصروف نہ ہو۔ زمینی مخلوق میں انسانوں کے علاوہ شجر، حجر، چرند، پرند، نباتات، جمادات سب اللہ کے تکوینی احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ رہے انسان تو ان میں بہت سے ایسے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے شرعی احکام قبول کرتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں "وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ" اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی سزا ثابت ہو چکی ہے تکوینی احکام تو وہ بھی مجبوراً مانتے ہیں مگر شرعی

احکام پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ایسے لوگ اللہ کی گرفت سے بچ نکلنے پائیں گے، وہ تو فرماتا ہے وَاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ انہیں بہر صورت اُس مالک الملک کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔ سب اُس کے سامنے پیش ہوں گے اور ہر ایک سے اس کے عقیدے اور عمل کے متعلق باز پرس ہو گی۔ تو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ کافر، مشرک، یہودی اور عیسائی اگر اللہ کے سچے دین کو نہیں مانتے۔ تو پھر کس دین کو مانیں گے۔ کیا کوئی ایسی ذات ہے۔ جو اللہ کے علاوہ انہیں کوئی سچا دین مہیا کر دے۔ یہ کس دین کے متلاشی ہیں۔ دین عطا کرنے والی ذات تو فقط ذات واحد ہے۔

جس سچے دین کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ وہ وہی دین ہے جسکی تعلیم حضرت ابرہیم علیہ السلام نے دی اور جس کی تعلیم حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے "حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِكِیْنَ بِهٖ" کہ حنیف بن جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ چنانچہ اسی دین حنیف، کی تشریح میں فرمایا قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام ان سے کہہ دیجئے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ یعنی اپنے خدا تعالیٰ کی ہستی کو واجب الوجود تسلیم کیا۔ ہم نے اس کی توحید کو مانا۔ اس کے کمال صفات کے ساتھ متصف ہونے کو مانا، اُس ذات کو نقص و عیب سے پاک جانا۔ اس کو ازلی اور ابدی تسلیم کیا۔ ہم اس بات پہ ایمان لائے کہ وہی ذات مالک و مختار کل ہے۔ وہی علیم کل ہے۔ وہ خالق کُل اور مربی کل ہے۔ وہ ہر جگہ پہ حاضر و ناظر ہے وہی حلال المشکلات ہے۔ وہی نافع اور ضار ہے۔ یہی ایمان باللہ ہے۔ یہی عقیدہ سبحان اللہ وبحمدہ میں سمجھایا گیا ہے۔

ایمان باللہ کے بعد فرمایا وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا اور ہم اس چیز پہ بھی ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی، ظاہر ہے کہ ہماری طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرمایا ہے، جس پہ ہم ایمان لائے۔ اس کی تشریح میں فرمایا" ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ" پھر اس کا بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ نیز فرمایا کہ پیغمبر کا ایک کام یہ بھی ہے" لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ" جو کتاب اس پہ

نازل کی گئی ہے۔ لوگوں کے سامنے اس کی تشریح بیان کرے۔ تاہم یہ تشریح بھی منجانب اللہ ہوتی ہے۔ قرآن پاک وحی جلی ہے اور جو تشریح پیغمبر کی زبان سے ہوتی ہے۔ وہ وحی خفی ہے مسلم شریف کی روایت میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایمان وہ چیز ہے مَاجِئْتُ بِهٖ جو کچھ میں لے کر آیا ہوں۔ یعنی جو بھی چیز اللہ کی طرف سے نبی لایا ہے، اس پہ ہم ایمان لائے ہیں۔

فرمایا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ہم اُس چیز پہ بھی ایمان لائے جو ابراہیم علیہ السلام پہ اتاری گئی ہے۔ قرآن میں موجود ہے۔ کہ اللہ جلّ جلالہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پہ صحیفے نازل فرمائے۔ جیسا کہ سورۃ اعلیٰ میں آتا ہے "صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى" اللہ تعالیٰ نے ان کو دین دیا، شریعت دی، احکام دیے اور تمام مخلوق کا امام بنایا۔ فرمایا وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ ہم اُس چیز پہ بھی ایمان لائے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پہ اتاری گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ پہلے حضرت حاجرہؓ کے بطن سے اور دوسرے حضرت سارہؓ سے۔ دونوں اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اللہ نے اُن کو مستقل شریعت دی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم کے پوتے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ وہ بھی اللہ کے صاحب شریعت نبی ہیں۔ اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اسباط یعنی اولاد ہے۔ اُس میں سے اللہ نے جس کو نبوت دی، ان پہ وحی نازل فرمائی اور ان کو شریعت بھی دی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے اللہ نے چار ہزار نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔ یہ اتنا عظیم خاندان ہے۔ اسباط سے یہی انبیاء اور رسل مراد ہیں جن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر مبعوث ہوئے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بھی آپ کی اولاد میں سے ہیں تاہم بعض انبیاء کا ذکر قرآن میں موجود ہے، اکثر کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ ان تمام

انبیاء علیہم السلام پہ جو چیز نازل کی گئی۔ اُس پہ ہمارا ایمان ہے۔
اس کے علاوہ وَمَآ اُوتِیَ مُوسٰی وَعِیسٰی جو چیز موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اس پہ بھی ہمارا ایمان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہ تورات جیسی عظیم کتاب نازل کی گئی۔ اس کے علاوہ کچھ صحیفے بھی ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام پہ اللہ نے انجیل نازل فرمائی۔ جسے بگاڑ کر اہل کتاب نے ایک سو بیس [۱۲۰] انجیلیں بنالیں۔ ان میں سے متی، لوقا، یوحنا اور مرقس تو بائیبل میں موجود ہیں۔ جن کے مضامین ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ پانچویں انجیل برنباس ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اپنی اصل حالت پہ موجود نہیں رہی۔ تاہم ہمارا ایمان اُس اصلی انجیل پہ ہے۔ جو سریانی زبان میں نازل ہوئی۔
آخر میں فرمایا وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ خلاصہ یہ ہے تمام انبیاء علیہم السلام پہ اُن کے رب کی طرف سے جو کچھ بھی اتارا گیا ہے۔ اُس پہ ہمارا ایمان ہے مسلمانوں کی صداقت کی یہی نشانی ہے۔ کہ وہ انبیاء علیہم السلام پہ نازل ہونے والی تمام کُتب کو مانتے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ تم تو سب کتابوں پہ ایمان رکھتے ہو۔ مگر یہ یہود و نصاریٰ اللہ کی سب سے عظیم اور آخری کتاب قرآن پاک کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی طرف سے بنا کر لائے ہیں (العیاذ باللہ) یہ اس قدر متعصب لوگ ہیں۔ اور یہی ان کے کذب کی دلیل ہے۔ یہ تو ایک دوسرے کے بھی مخالف ہیں۔ مگر ہم تو تمام انبیاء کی رسالت پہ یقین رکھتے ہیں یہی حنیفیت ہے۔ اور یہی سچا دین اسلام ہے۔ ہر نبی دوسرے نبی کی تصدیق کرتا ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ اور خدا کی بارگاہ میں آپ کی نصرت کا وعدہ کیا۔
یہ آیت قریب قریب انہی الفاظ کے ساتھ پہلے پارے میں بھی گذری ہے وہاں پہ ملّت ابراہیمی کی تشریح الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ بیان

کی گئی ہے۔ وہاں پر علینا کی جگہ الینا اور والنبیون سے پہلے وما اوتی کے الفاظ زیادہ ہیں مقصد یہی ہے۔ کہ جو کچھ اللہ نے نبیوں پر نازل کیا ہے وہ حق ہے اور ان سب پر ہمارا ایمان ہے۔ گویا۔ اس اصل ہدایت پر ہمارا اکمل ایمان ہے اگرچہ بعد میں آنے والوں نے اس میں تغیر و تبدل کر دیا تاہم اس کے لیے وہ خود ذمہ دار ہیں اور اللہ کے ہاں جواب دہ ہیں۔

ایمان بالرسل

اور آخر میں تمام انبیاء پر ایمان لانے کی وضاحت اس طرح فرمائی لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ہم انبیاء اور رسل میں کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے، تفریق کرنے کا معنیٰ یہ ہے۔ کہ یہودیوں کی طرح بعض انبیاء پر ایمان لائے اور بعض پر نہ لائے۔ اس قسم کی تفریق صریح کفر ہے کیونکہ تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین علیہ السلام تک جتنے بھی نبی اور رسول آئے ہیں۔ وہ سب اللہ کے کامل بندے اور برحق نبی ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے دور میں مخلوقِ خدا کو حق کا پیغام پہنچایا۔ اللہ نے اپنے انبیاء کو کتابیں اور شرائع عطا فرمائیں۔ ان سب پر ہمارا ایمان ہے۔ مگر یہود و نصاریٰ اللہ کے تمام انبیاء پر ایمان نہیں رکھتے۔ مثال کے طور پر دونوں گروہ حضور ختم المرسلین علیہ السلام پر ایمان نہیں رکھتے۔ لہٰذا یہ تفریق بین الرسل کے مرتکب ہو کر کافر ٹھہرے۔ اسی طرح یہودی مسیح علیہ السلام کو نہیں مانتے۔ بلکہ انہیں دجال کہتے ہیں اور ان کی تذلیل و تحقیر کرتے ہیں۔ مگر ہم بحیثیت مسلمان کسی نبی کے درمیان تفریق نہیں کرتے وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ہم اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ یہی اسلام ہے۔ یہی حنیفیت ہے اور یہی ملتِ ابراہیمی ہے جس کی تعلیم سارے نبی دیتے آئے ہیں۔

غیر اقوام کی سازشیں

ارشاد ہوتا ہے۔ یاد رکھو! وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین تلاش کرے گا۔ اور یہ سمجھے گا۔ کہ ایسا کر کے وہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ اس سے

ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہے۔ لہذا وہی مقبول ہوگا۔ یہود و نصاریٰ نے یہودیت اور عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بین الاقوامی طور پر بڑی بڑی سازشیں کی ہیں۔ ماضی قریب تک سلطنت برطانیہ بڑی وسیع سلطنت، اور عظیم طاقت تھی۔ اس نے ساری دنیا کی ناکہ بندی کی ہوئی تھی۔ دو سو سال تک اس طاقت نے دنیا میں اودھم مچائے رکھا تھا۔ خصوصاً اہل اسلام کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ خلافت کو اسی نے ختم کیا۔ برصغیر کی آزادی کے بعد افریقی ممالک یکے بعد دیگرے آزاد ہونا شروع ہوئے۔ تو وہاں کے لوگ دھڑا دھڑ مسلمان ہونے لگے۔ کہتے ہیں کہ ایک ایک مجلس میں سینکڑوں لوگ اسلام لاتے تھے۔ یہ چیز انگریز کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ انہوں نے وہاں پہ طرح طرح کے فتنے کھڑے کیے۔ احمد دیلو مسلمان مبلغ تھے ان کے علاوہ نائجیریا کے صدر اور وزرار کو مروا ڈالا۔ جب لوگوں نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا۔ تو انہوں نے تحریف فی القرآن کا ارتکاب کیا۔ تحریف شدہ قرآن پاک کے نسخے بڑے خوبصورت انداز میں طبع کرا کے مفت تقسیم کیے مثال کے طور پہ آیت زیر مطالعہ میں سے لفظ غیر کو حذف کر دیا اور باقی صرف وَمَن يَبْتَغِ الْإِسْلَامِ دِينًا رہ گیا جس کا معنی بالکل الٹ ہو گیا۔ جب یہ بات کرنل ناصر مرحوم کے نوٹس میں آئی تو اس نے اس کا سختی سے نوٹس لیا۔ اس نے اشاعت قرآن کے لیے ایک خصوصی کمیٹی بنائی جس نے پوری صحت کے ساتھ بہت بڑی تعداد میں قرآن پاک طبع کرا کے تقسیم کیے۔ اور ساتھ کہہ دیا کہ اس نسخے کے علاوہ کسی دوسرے نسخے کا اعتبار نہ کرو۔ یہ نسخہ ہمارے پاس بھی موجود ہے انہوں نے اشاعت اسلام کے لیے صوت الاسلام کے نام سے ایک مستقل ریڈیو سٹیشن بھی قائم کیا تاکہ قرآن پاک کی نشر و اشاعت ہوتی رہے۔ یہ ناصر کا بہت بڑا کارنامہ ہے اگرچہ اس نے اپنے زمانے میں غلطیاں بھی کیں۔ بہر حال یہود و نصاریٰ کی سازش کا کامیاب جواب دیا گیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا "لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصٰرٰى أَوْلِيَاءَ" یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ یہ سازشی لوگ ہیں، ہر وقت اسلام کو نقصان

پہنچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ لہٰذا اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو تلاش نہ کرو۔ جو ایسا کرے گا، اُس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ایسا شخص آخرت میں نقصان میں پڑے گا۔ اسلام کے علاوہ کوئی دین بھی کامیابی کی طرف نہیں لے جائے گا۔ بلکہ اُس کے متبعین سراسر خسارے کا سودا کریں گے۔

مسلمانوں کی بدقسمتی

یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی تو قابلِ فہم ہے، وہ تو دوسرا دین ہی تلاش کریں گے۔ مگر بدقسمتی یہ ہے۔ کہ آج کا مسلمان بھی اپنے دین پر اعتماد نہیں کرتا۔ آج کے مسلمان بھی یہی سمجھتے ہیں۔ کہ جب تک غیر اقوام کی شاگردی اختیار نہیں کریں گے، ترقی نصیب نہیں ہوگی۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ جب مسلمان اپنے دین پر یقین کرتے تھے، عروج کی بلندیوں پر تھے۔ کوئی قوم اُن کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ مگر اب خود مسلمان انگریزوں سے مرعوب ہیں۔ ان کی تہذیب اختیار کر رہے ہیں۔ انہی کے لہو و لعب میں مشغول ہیں اور اسی میں اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ پیروانِ اسلام کے سوا کسی کو فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔ آخرت میں تو سخت نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے

اسلامی قوانین

تہذیب و تمدن کے علاوہ آج کا مسلمان اسلامی قوانین سے بھی مطمئن نظر نہیں آتا۔ اسی لیے وہ غیر اسلامی قوانین کی طرف دیکھ رہا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسلام ایک فرسودہ دین بن چکا ہے۔ لہٰذا وہ اقتصادی نظام کے لیے روس، جرمنی، امریکہ اور فرانس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ اُن کے پاس تعزیرات کا کوئی قانون موجود نہیں اُن کے تمام قوانین بناوٹی ہیں۔ برخلاف اس کے کہ اسلام کے پاس اپنے قوانین موجود ہیں۔ صحابہ کرامؓ کا دستور العمل مشعلِ راہ ہے۔ مگر اب قوانین اُس مجلس شوریٰ سے بنوائے جا رہے ہیں۔ جس میں ہندو اور عیسائی بھی شامل ہیں۔ کیا اسلام کا قانون یہ لوگ بنائیں گے، ممبران شوریٰ کے لیے تو خصوصی اہلیت مقرر ہونی چاہیئے تھی۔ جس سے پتہ چلتا کہ واقعی یہ لوگ اسلامی قانون سازی کے قابل ہیں۔ حضرت عمرؓ

کی شوریٰ کے ممبر وہ لوگ ہوتے تھے۔ جو قرآن پاک کو زیادہ جاننے والے ہوتے۔ آج بھی اسلامی شوریٰ میں جانے کے اہل وہ لوگ ہیں۔ جو قرآن و سنت اور تعامل صحابہؓ کے عالم ہوں۔ جب تک اہل لوگ اکٹھے نہیں ہوں گے اسلامی قانون کی تدوین نہیں ہو سکتی۔ جب فاسق فاجر، ہندو، مرزائی، رافضی وغیرہ ممبران شوریٰ ہوں گے۔ تو اسلامی قانون کیسے بن سکتا ہے؟ وہ تو اپنی اغراض پوری کریں گے۔ یہ سب عَنِ الْاِسْلَامِ دِیْنًا والی بات ہے۔ اگر فلاح کی ضرورت ہے تو اسلامی قوانین کو من وعن جاری کرنا ہوگا۔ اگر کلچر غیر اقوام کا اپنانا ہے، اقتصادیات اور سیاست ان سے لینی ہے۔ اخلاق اُن سے اخذ کرنا ہے۔ تو پھر مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔ آؤ! آج بھی راہ راست پہ آجاؤ۔ اور دین اسلام کو سینے سے لگا لو، تو کامیابی و کامرانی نصیب ہو جائیگی۔

درس سی ۳۰ — آیت ۸۶ تا ۹۱

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا قف فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

ع ۹ / ۱۱ / ۱۷

ترجمہ :- اللہ کس طرح راہ بتلائے گا اس قوم کو جنہوں نے کفر کیا ایمان کے پیچھے ۔ اور انہوں نے گواہی دی کہ بیشک رسول برحق ہے ۔ اور ان کے پاس کھلی نشانیاں آئیں اور اللہ نہیں راہ دکھاتا اس قوم کو جو ظلم کرنے والی ہو (۸۶) یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ یہ ہے کہ بیشک ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی (۸۷)

اُس میں ہمیشہ رہیں گے اور اُن سے عذاب ہلکا نہ کیا جائیگا اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی (۸۸) ہاں! مگر وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اچھے کام کیے تو اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۸۹) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے ایمان لانے کے بعد اور پھر وہ کفر میں بڑھتے رہے۔ پس اُن کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ اور یہی لوگ گمراہ ہیں (۹۰) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اس حالت میں مر گئے کہ وہ کفر کرنے والے ہیں پس اُن میں سے کسی ایک سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی سونے سے بھری ہوئی زمین اگرچہ وہ اس کا فدیہ دے۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور اُن کے لیے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا (۹۱)

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حنیفیت کی تشریح بیان فرمائی تھی۔ اور اسلام کی حقانیت کا تذکرہ کیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ اللہ کے ہاں اسلام کے سوا کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔ جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا طالب ہوگا، اُس سے وہ چیز قبول نہیں کی جائے گی اور ایسا شخص ہرگز کامیاب نہیں ہوگا۔ خاص طور پہ آخرت میں تو وہ جہنم کا مستحق ہو کر سراسر نقصان اٹھائے گا۔

اَب آج کے درس میں اسلام کے بعد کفر کرنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اور واضح کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دے گا۔ اور نہ ہی اُن کی توبہ قبول کی جائیگی وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

آخرت کا مدار اسلام پر ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح کے الفاظ آتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن مختلف نیکیاں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گی، مثلاً نماز حاضر ہو کر عرض کرے گی۔ پروردگار! میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اَنْتَ عَلٰی خَیْرٍ تم بہتری پر ہو۔ یعنی تمہارا بدلہ اچھا ہوگا۔ پھر صدقہ آئے گا اور عرض کرے گا، مولا کریم! میں صدقہ ہوں۔ اللہ جل شانہٗ فرمائیں گے، تمہارا بدلہ بھی اچھا ہے تم بھی بہتری پر ہو۔ جس شخص نے دنیا میں صدقہ کیا ہوگا، اُسے یقیناً اس کا اچھا

بدلہ ملے گا۔ اس کے بعد روزہ آئے گا۔ اور عرض کرے گا۔ اَنَا الصَّوْم اے اللہ! میں روزہ ہوں۔ اللہ فرمائے گا۔ تم بھی بہتری پہ ہو۔ پھر اسلام آئے گا اور عرض کریگا۔ اے پروردگار! اَنْتَ السَّلَامُ وَاَنَا الْاِسْلَامُ تو سلام یعنی سلامتی والا یا سلامتی دینے والا ہے (یہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک ہے) اور میں اسلام ہوں یعنی مجسم فرمانبرداری ہوں میں اطاعت ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہاں ٹھیک ہے۔ بِكَ اُعْطِيْ وَبِكَ اٰخُذُ آج میں تیری وجہ سے ہی دوں گا اور تیری وجہ سے مؤاخذہ کروں گا۔ آج سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ جس نے اسلام قبول کیا ہے، اس کو اچھا بدلہ ملیگا۔ اور جس نے اسلام سے روگردانی کی، اُس کا مؤاخذہ ہوگا۔ کہ تم نے اسلام کو کیوں نہ قبول کیا

شانِ نزول

ان آیات کی شانِ نزول میں مختلف روایات آتی ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ انصار مدینہ میں سے کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد پھر گیا۔ مگر بعد میں اس پہ نادم ہوا تاہم بعض شخص ایسے بھی تھے جو اسلام کو ترک کرنے کے بعد کفر پر اڑے رہے، منجملہ اُن کے بُتَیْس منافق کا ذکر آتا ہے جو مرتد ہوکر مشرکین مکہ سے جا ملا۔ یہ شخص اسلام اور اہلِ اسلام کی سخت مخالفت کرتا رہا اسی طرح ابن خطل کے متعلق آتا ہے۔ کہ اسلام لانے کے بعد اس کو حضور علیہ السلام نے صدقات کی وصولی کے لیے کسی جگہ بھیجا۔ راستے میں خدمت کے لیے ایک خادم بھی ہمراہ بھیجا۔ دورانِ سفر اس خادم نے کھانا تیار کرنے میں دیر کر دی تو اس ظالم نے اُس کو قتل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ قتل ناحق کے جرم میں اُس کے خلاف مقدمہ قائم ہوتا، پھر یا تو وہ قصاص میں قتل کیا جاتا یا دیت پر فیصلہ ہو جاتا اور آخرت کی سزا سے بچ جاتا۔ مگر اُس نے دنیا کی سزا قبول کرنے کی بجائے اسلام کو ترک کر دیا اور مرتد ہو کر کفار مکہ سے جا ملا۔ وہاں پہ اُس نے عیش و عشرت کی زندگی گزارنا شروع کر دی۔ اس کے پاس لونڈیاں تھیں۔ رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوتیں جن میں اسلام کی توہین اور اللہ کے رسول کی شان میں گستاخی کی جاتی۔ حضور علیہ السلام نے ابن خطل سمیت چار آدمیوں کے متعلق حکم دے رکھا تھا کہ یہ جہاں بھی ملیں قتل کر دیے جائیں۔

۸ھ میں حضور علیہ السلام دس ہزار قدسیوں کی جماعت کے ساتھ فتح مکہ کے لیے تشریف لائے۔ تو ابن خطل نے بیت اللہ شریف کے پردے پکڑ کر امان چاہی۔ حضور علیہ السلام کو خبر ملی تو اُس کے قتل کا حکم صادر فرمایا چنانچہ اُس بدبخت کو مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان قتل کر دیا گیا غرضیکہ یہ اُن لوگوں میں سے تھا جو مرتد ہونے کے بعد کفر میں اور زیادہ بڑھ گئے۔ اِن آیات میں ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ بھی آتا ہے۔ کہ مدینہ طیبہ کے اطراف میں رہنے والے دس یہودی اسلام میں داخل ہوئے مگر بعد میں مرتد ہو گئے یہ آیات اُن کے متعلق نازل ہوئیں۔ یہودیوں کی سازش کا تذکرہ اسی سورۃ میں آچکا ہے۔ کہ وہ آپس میں منصوبہ بناتے تھے۔ کہ دن کے پہلے حصے میں مسلمان ہو جاؤ۔ اور پھر آخری حصے میں اسلام کو ترک کر دو۔ اس طرح وہ لوگ بھی اسلام سے بدظن ہو جائیں گے جو اسلام لا چکے ہیں۔ دوسری طرف یہود کا تعصب بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہ لوگ آخری نبی کے منتظر تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم اُس نبی کا ساتھ دیں گے اور اس کے ساتھ مل کر کفار و مشرکین کا مقابلہ کریں گے اور اُن پر غلبہ حاصل کریں گے۔ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے "وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" نبی آخرالزماں کے آنے سے پہلے کافروں کے مقابلے میں فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ کہ اے اللہ! اپنے آخری نبی کو مبعوث فرما تاکہ ہم اُس کے ساتھ مل کر کافروں پر فتح حاصل کریں۔ مگر اللہ نے فرمایا "فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ" جب وہ نبی برحق آگیا۔ اور اِن بدبختوں نے اُسے پہچان بھی لیا، تو انکار کر دیا۔ پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔

بعثت رسول کی پیش گوئیاں

نبی آخرالزمان علیہ السلام کی بعثت کے متعلق سابقہ کتب میں پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ بائیبل میں اعمالِ رسل کے باب میں یہ آیت موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

بنی اسرائیل کے باپ دادوں سے کہا "خداوند جو تمہارا خدا ہے، وہ تمہارے بھائیوں میں تمہارے لیے ایک نبی میری مانند اٹھائیگا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے، تم سب اُس کو سنو" یہ آیت شیخ الاسلامؒ نے حاشیہ میں نقل کی ہے۔ حضور علیہ السلام کے متعلق عیسٰی علیہ السلام نے تو نہایت تاکید کے ساتھ کہا تھا کہ وہ میرے بعد آنیوالا ہے مگر جب وہ آگیا اور انہوں نے پہچان بھی لیا تو صاف انکار کر گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہود سمجھتے تھے۔ کہ آسمانی ہدایت صرف اُن کے لیے مخصوص ہے قرآن پاک میں موجود ہے۔ "قَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى" وہ کہتے تھے۔ کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ دوسرا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ وہ اس زعم میں مبتلا تھے کہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں انہی کے لیے مخصوص ہیں۔ مگر جب وہ نبی آخرالزماں تشریف لے آئے اور اعلان فرما دیا۔ "يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا" اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تو اہل کتاب ضد اور حسد میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے عناد اور کفر کا اظہار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نشانیوں کو مٹانے کی کوشش کی اور آپ کے متعلق پیشین گوئیوں کو غلط ملط کر دیا، اس طرح یہ لوگ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔

ظالم محروم ہیں

ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو کیسے ہدایت دے گا۔ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ جنہوں نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ اور گواہی بھی دی کہ بیشک خدا کا رسول برحق ہے۔ وَجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ اور اُن کے پاس واضح اور کھلی کھلی نشانیاں بھی آگئیں۔ یاد رکھو! جب تک کوئی قوم ظلم و ستم کرتی رہے گی۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اللہ ایسی قوم کو ہدایت نصیب نہیں کریں گے۔ راہِ راست کے لیے تو شرط ہے کہ انسان اپنی غلطی یا ظلم

کو ترک کرنے اور خلوصِ دل سے ہدایت کا طالب ہو، تو اللہ تعالیٰ اُن کے لیے ہدایت کا راستہ کھول دیگا۔ مگر یہ لوگ تو بدنیت اور بدکردار ہیں۔ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ اُن کا بدلہ تو یہ ہے۔ کہ اُن پر خدا کی پھٹکار ہے اور لعنت ہے۔ لعنت کا معنیٰ خدا کی رحمت سے دوری ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اور پھر یہ کہ وَالْمَلٰٓئِكَةِ اللہ کے فرشتے بھی ان پر لعنت اور پھٹکار کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ رسول کی آمد سے پہلے اُن کو مانتے تھے۔ مگر جب وہ آگئے تو انہوں نے ضد اور عناد کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا۔ اور جن لوگوں کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ اُن پر ساری مخلوق بھی لعنت بھیجتی ہے۔ اور اِس لعنت کا ثمرہ یہ ہوگا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وہ اس لعنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گرفتار رہیں گے۔ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ نہ اُن کے عذاب میں تخفیف ہو گی۔ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ اور نہ انہیں مہلت ملیگی۔ اُن کو اپنی اصلاح کرنے یا اللہ تعالیٰ کو منانے کا کوئی موقع نہیں دیا جائے گا۔

قبولیت توبہ

فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد بھی اگر کوئی توبہ کرلے گا تو باب التوبۃ مفتوح اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے مطلب یہ کہ مرتد ہونے کے بعد بھی اگر کوئی سچے دل سے توبہ کریگا، تو وہ قبول ہو سکتی ہے۔ جب تک سورج مشرق کی بجائے مغرب کی طرف سے طلوع نہیں ہوتا، توبہ قبول ہو گی، انسان خواہ کتنا بھی گنہگار ہو۔ پھر یہ ہے کہ توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ وَاَصْلَحُوْا اصلاح بھی کرلیں اور نیک اعمال انجام دیں۔ مولانا شرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔ کہ اصلحو میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کیا جائے۔ اگر اللہ کے حقوق یعنی فرائض منجملہ نماز، روزہ وغیرہ قضا ہوا ہے۔ تو اس کو ادا کیا جائے اور اگر بندوں کے حقوق ضائع ہوئے ہیں تو پہلے انہیں ادا کیا جائے یا بندوں سے معاف کرایا جائے۔ اس کے بغیر توبہ قبول

نہیں ہوتی۔ اور پھر یہ بھی ضروری ہے، جو غلطی ہوئی ہے، اس کا اعادہ نہ کیا جائے۔ اگر ان شرائط پہ پورا اترا، تو توبہ قبول ہوگی، فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ پس بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ جب اس کی رحمت جوش میں آتی ہے، تو سچے دل سے تائب کی سابقہ برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

عدم قبولیت توبہ

فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ اُن کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی، اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں توبہ کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوگی۔ ورنہ توبہ کا عام اصول یہ ہے۔ کہ جب تک انسان کے ہوش و حواس قائم ہیں اور اس پر غرغرے کی حالت طاری نہیں ہوتی، اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ ہاں! "اَلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ" جو لوگ برائیوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ موت نظر آجاتی ہے۔ اُن کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ جب موت کے فرشتے نظر آنے لگیں، غیب کا پردہ اٹھ جائے تو پھر توبہ کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ توبہ کی عدم قبولیت کا یہی معنیٰ ہے۔ فرمایا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الضَّآلُّوْنَ یہی لوگ گمراہ ہیں۔ انہیں توبہ کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوئی۔

فدیہ کام نہ آئے گا

فرمایا یاد رکھو! اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ جن لوگوں نے کفر کیا اور پھر کفر کی حالت میں ہی اُن کی موت واقع ہوئی، تو پھر اُنکی حالت یہ ہوگی فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِہٖ کہ ان میں سے اگر کوئی شخص سونے سے بھری ہوئی زمین بھی فدیہ میں دینا چاہے گا، تو اُس سے قبول نہیں کی جائے گی۔ اوّل تو یہ بات ویسے ہی محال ہے۔ کہ قیامت کے دن کسی شخص کی ملکیت میں زمین بھر سونا ہو اور وہ اُسے اپنی جان کی خلاصی کے لیے دینا چاہے۔ تاہم اگر ایسا ہو بھی جائے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُس کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ قیامت کے روز ایک شہید شخص کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تمہارا ٹھکانا کیسا ہے۔ عرض کرے گا مولا کریم! بہت ہی بہترین ٹھکانا ہے۔

اللہ فرمائے گا، کوئی اور خواہش ہے تو بتاؤ۔ وہ عرض کرے گا، الٰہی! مجھے دوبارہ دنیا میں جانے کی اجازت دی جائے تاکہ میں پھر تیرے راستے میں لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔ اللہ فرمائے گا، اس بات کی اجازت نہیں۔ پھر ایک کافر کو لایا جائے گا۔ اُس سے بھی وہی سوال ہوگا، کہ تمہارا ٹھکانا کیسا ہے۔ عرض کرے گا۔ شَرٌّ مَکَانًا بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ اللہ فرمائے گا، اگر ساری زمین سونے سے بھری ہوئی تیرے قبضے میں ہو، تو کیا تو اپنی جان کا فدیہ دینے کے لیے تیار ہے۔ عرض کرے گا، پروردگار میں بالکل تیار ہوں، اللہ فرمائیگا، تو جھوٹا ہے۔ میں نے تم سے ایک معمولی سا مطالبہ کیا تھا کہ مجھے وحدہٗ لاشریک مان لو، اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ یہ کون سی مشکل بات تھی۔ مگر تم نے نہ مانا اور کفر کا راستہ اختیار کیا۔ آج زمین بھر سونا فدیہ دینا چاہتے ہو، مگر یہ بھی قبول نہیں ہوگا۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے عذاب کے تمام زہریلے مادے اپنے اندر جمع کر رکھے ہیں۔ انہیں نہایت ہی دکھ دینے والا عذاب پہنچتا رہے گا۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ اُن کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ دنیا میں تو انسان لاکھوں حیلے بہانے اختیار کر لیتا ہے۔ کہیں افرادی قوت میسّر آجاتی ہے۔ کہیں رشوت اور سفارش کام کر جاتی ہے۔ مگر قیامت کے دن اس قسم کا کوئی حیلہ کارگر نہ ہوگا۔ کفر کرنے والے بے بس ہو جائیں گے۔ اور ابدی سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔

درس سی ویک ۳۱   آیت ۹۲

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

ترجمہ :- ہرگز حاصل نہ کر سکو گے نیکی یہاں تک کہ تم خرچ کرو اس چیز میں سے جسے تم پسند کرتے ہو۔ اور جو چیز بھی تم خرچ کرو گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے ﴿۹۲﴾

ربطِ آیات

سورۃ آل عمران کے ابتدائی حصے میں زیادہ تر نصاریٰ کی تردید کا بیان ہے — اللہ تعالیٰ نے اُن کے غلط عقائد کا رد فرمایا ہے۔ اور انہیں اصلاح کی دعوت دی ہے تاہم اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے یہودیوں کا ذکر بھی آگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بھی خرابیاں بیان کی ہیں، اور ان کے غلط عقائد کی تردید کی ہے اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیمی کا خلاصہ بیان فرمایا ہے۔ دین اسلام کے برحق ہونے کا تذکرہ کیا ہے اور اس کی پیروی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ نیز واضح فرمایا ہے کہ اسلام کے سوا اللہ تعالیٰ کسی چیز کو قبول نہیں کرے گا۔ اور اسلام کے علاوہ کسی دین میں کامیابی ممکن نہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہدایت اختیار کرنے کے بعد دوبارہ گمراہی کے راستہ پر چل نکلنے والوں کا رد فرمایا ہے۔ اور ان کی سزا کا تذکرہ کیا ہے اس سے پہلے بیان کیا تھا کہ جو لوگ کفر کی حالت میں مر گئے تو اگر وہ زمین بھر سونا بھی فدیہ کے طور پر قیامت کو دینا چاہیں گے، تو اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ کافر کی نجات ہرگز ممکن نہیں۔ اس کی طرف سے دنیا میں خرچ کیا ہوا مال کسی کام نہ آئیگا۔

قبولیت کا مدار ایمان پر ہے

آج کی آیت میں اہل ایمان سے خطاب ہے۔ انہیں یاد دہانی کرائی جا رہی ہے۔ کہ کافر خواہ کتنا بھی مال خرچ کریں۔ شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتے

البتہ اہل ایمان تھوڑی سی چیز بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو اجرِ عظیم کا مستحق ٹھہرے گا۔
مقصد یہ کہ قبولیت کا مدار اسلام اور ایمان پر ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے
اَخْلِصْ دِیْنَکَ یَکْفِیْکَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْعَمَلِ اپنے دین میں اخلاص پیدا کرو،
تھوڑا عمل بھی تمہارے لیے کفایت کرے گا۔ اخلاص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے
عقائد کی اصلاح فرمانبرداری اور نیت کی درستگی سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ کی
راہ میں خرچ کرنا چاہو، تو اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز خرچ کرو، تاکہ تمہیں اعلیٰ درجے
کی نیکی حاصل ہو جائے۔

بِر، بَر
اور اثم

بِر اور بَر کی اصطلاحیں قرآن و سنت میں کثرت سے استعمال ہوئی ہیں۔ کہ
بِر سے مراد جنت بھی ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجے کی نیکی ہی کے ذریعے
کوئی شخص جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔ یا مطلقاً بِر سے مراد نیکی ہے، جس کی ادائیگی
کے بعد انسان کو اچھا بدلہ مل سکتا ہے۔ مگر جب تک وہ اپنی محبوب چیز کو خرچ
نہیں کرے گا۔ اعلیٰ درجے کا معیار حاصل نہیں ہو سکتا۔ اِن معانی میں پہلی آیتوں کے
ساتھ ربط بھی پیدا ہو جائے گا۔ اہلِ کتاب اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ انہیں اپنی
محبوب چودھراہٹ کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ نجران کے نصاریٰ نے یہی تو کہا تھا
کہ اگر ہم ایمان قبول کر لیں تو ان کی جاگیر اور اعزاز ختم ہو جائے گا۔ مقصد یہ کہ
اگر اعلیٰ درجے کی نیکی چاہتے ہو، تو اِن سب چیزوں کو قربان کرنا پڑے گا۔ محبوب
چیز خواہ مال و دولت ہو یا جاہ و حشمت ان کی قربانی دینا پڑے گی۔ مگر اہلِ کتاب
اس کے لیے تیار نہ تھے۔

بَر اللہ تعالیٰ کا اسم پاک بھی ہے اَلْبَرُّ الرَّحِیْمُ بہت احسان کرنے
والا خدا تعالیٰ ہی ہے۔ بار نیکو کار آدمی کو کہتے ہیں۔ اور اس کی جمع ابرار ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ابرار یعنی نیکو کار بندوں کی تعریف فرمائی ہے۔ حدیث شریف
میں آتا ہے۔ کسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا۔ حضرت!
بِر کس کو کہتے ہیں فرمایا اَلْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّ اِلَیْہِ النَّفْسُ یعنی بِر وہ ہے جس

ہے نفس کو اطمینان حاصل ہو۔ اور اثم وہ ہے۔ مَاحَاکَ فِی الصَّدْرِ وَ کَرِھْتَ اَنْ یَّطَّلِعَ عَلَیْہِ النَّاسُ جس سے دِل میں کھٹکا پیدا ہو۔ اور تم یہ پسند نہ کرو۔ کہ لوگ اِس پر مطلع ہوں۔ ایسی چیز کو ترک کرنا چاہیئے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ کہ بِر ہر ایسا کام ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور اس کی طرف سے الہام پاکر اس کی مراد میں فنا ہو کر کیا جائے۔ نیز ہر ایسا کام بِر کی تعریف میں آتا ہے جس کی وجہ سے ارتفاقات ہیں اصلاح پیدا ہوتی ہے۔ روزمرہ زندگی میں اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے حجابات، ہٹتے ہیں۔ اور ایسے اعمال کی بدولت دنیا اور آخرت میں اچھا نتیجہ ملتا ہے۔ برخلاف اس کے اثم ایسا فعل ہے، جو شیطان کی اطاعت کے جذبے سے انجام دیا جاتا ہے اس سے ارتفاقات، میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اور دنیا کے طور طریقوں میں فساد برپا ہوتا ہے ایسا فعل انسان میں حجابات پیدا کرتا ہے۔ اور نافرمانی کے جذبے کو ابھارتا ہے۔ یہ اثم ہے۔ اور اس کا نتیجہ دنیا و آخرت ہر دو مقامات پر بُرا ہی مرتب ہوتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ہرگز نہ پاؤ گے تم اعلیٰ درجے کی نیکی یہاں تک کہ اُس چیز میں سے خرچ کرو جسے تم پسند کرتے ہو۔ سارا مال خرچ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ مِمَّا سے مراد ہے اپنی استطاعت کے مطابق۔ جب حضرت ابوطلحہؓ نے یہ آیت سنی تو حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضرت میرے باغات میں سے   بیرحاء مجھے بہت محبوب ہے میں اسے اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں۔ آپ اس کو مناسب جگہ پر صرف فرمالیں۔ فرمایا، خوب، یہ مال بڑا فائدہ دینے والا ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے۔ کہ اسے اپنے غریب رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔ چنانچہ ابوطلحہؓ نے وہ باغ اپنے تین چار اقرباء میں تقسیم کردیا۔ اِس میں میٹھا پانی بھی تھا۔ حضور علیہ السلام کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے

نیکی کی مثالیں

جاتے اور اس کے کنوئیں کا پانی نوش فرماتے۔ حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ جو زمین مجھے خیبر میں ملی ہے وہ مجھے اپنے اموال میں سے زیادہ پیاری ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے اللہ کی راہ میں دے دوں۔ آپ نے فرمایا اسے وقف کرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضور علیہ السلام کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میرے پاس بڑی اچھی چال والا ایک گھوڑا ہے اور وہ مجھے بڑا محبوب ہے، میں اسے اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں سرورِ کائنات نے فرمایا، بہت اچھی بات ہے دے دو۔ عرض کیا، حضور! جسے آپ مناسب سمجھیں دے دیں۔ آپ نے وہ گھوڑا زیدؓ ہی کے بیٹے حضرت اسامہؓ کو دے دیا تاکہ وہ اسے جہاد میں استعمال کر سکیں۔ اس پر زیدؓ کو کچھ تردد ہوا۔ کہ میں تو اللہ کی راہ میں دینا چاہتا تھا مگر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے اپنے بیٹے کو ہی عنایت کر دیا۔ حضور علیہ السلام کو پتہ چلا تو فرمایا، تردد مت کرو۔ جب تم نے اللہ کی راہ میں دے دیا تو اللہ نے اُسے قبول کر لیا، تمہارا بیٹا اس کا مستحق تھا، لہٰذا تمہارے صدقے میں کوئی کمی نہیں آئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک بڑی اچھی رُومی لونڈی تھی جو آپ کو بڑی عزیز تھی۔ آپ نے اُس کو اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر میں اپنی دی ہوئی چیزوں میں سے واپس لینا چاہتا تو یقیناً اس سے نکاح کر لیتا۔ مگر میں اس کو فی سبیل اللہ آزاد کر چکا ہوں۔ پھر آپ نے مشورہ کر کے اپنے شاگرد نافعؒ سے اُس لونڈی کا نکاح کرا دیا۔ مقصد یہ کہ اپنی محبوب چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بلاشبہ اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔

پچھلی سورۃ میں گزر چکا ہے۔ کہ اللہ کی راہ میں اچھی چیز خرچ کرنی چاہیئے نہ کہ ردی چیز۔ جب تم خود ناقص چیز پسند نہیں کرتے تو ایسی چیز اللہ کی راہ میں کیسے دیتے ہو۔ حکم تو یہ ہے۔ اَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ

وَمِمَّآ اَخۡرَجۡنَا لَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ" یعنی اپنی کمائی میں سے اچھی سے اچھی اور پاکیزہ سے پاکیزہ چیز خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ کسی نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا۔ حضور! کونسا غلام آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے۔ فرمایا جو مالک کے نزدیک زیادہ پیارا ہو۔ جیساکہ قربانی کے ضمن میں آتا ہے کہ اچھے سے اچھا، خوب موٹا تازہ، پالا پوسا ہوا جانور اللہ کی راہ میں قربان کرو۔ اس سے اجر بھی زیادہ ملے گا۔

محبوب چیز کی قربانی

یہ چند مثالیں میں نے عرض کر دیں۔ صحابہ کرامؓ عام طور پر اعلیٰ سے اعلیٰ چیز خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ تاہم یہ ضروری ہے۔ کہ انفاق فی سبیل اللہ تھوڑا ہو یا زیادہ ایمان، اسلام اور اطاعت کے جذبہ سے ہو گا، تو قبولیت کے درجہ کو پہنچے گا۔ اور اس کا اجر بھی اعلیٰ درجے کا ہو گا۔ یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ خرچ کا تعلق صرف مال کے ساتھ ہی نہیں بلکہ جو بھی کسی کے پاس محبوب چیز ہے، اُس کی قربانی دے کر اعلیٰ مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو جاہ اور حکومت پیاری ہے تو اُس کو قربان کرنا ہو گا۔ اور اس کی صورت یہ ہے۔ کہ اپنے عہدہ اور منصب کے ذریعے مخلوقِ خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ اور اپنے ذہن سے ظالم اور جابر حاکم کا زعم نکال دے۔ یہی اس کی قربانی ہے۔ اگر کوئی حاکم کسی کا جائز کام نہیں کرتا، ناجائز ذرائع سے مال اکٹھا کرتا ہے، اپنے آرام و آسائش کی فکر میں رہتا ہے، جو کوئی کوٹھی، کار، خادم اور دیگر آرام و آسائش کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ تو اُسے اعلیٰ درجے کی نیکی کہاں حاصل ہو سکتی ہے، اُسے تو یہ چیزیں قربان کرنا ہوں گی۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

ہیچ خیر از چشمک زر کش مجو
لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا

سونا کھینچنے والی نگاہوں سے کبھی نیکی کی امید نہ رکھو، جو شخص مال اکٹھا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ وہ نیکی کو کیسے پہنچ سکتا ہے۔ نیکی تو جب حاصل ہو گی جب اپنی محبوب چیز کی قربانی کرو گے۔

معاشی نظام

سرمایہ داری نظام میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے بنک بیلنس کی فکر میں رہتا ہے جائز و ناجائز، حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں۔ مال آنا چاہیئے خواہ کسی راستے سے آئے مگر دوسرے کے ساتھ نیکی کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ جو شخص خود دوسروں کا خون چوستا ہے۔ حرام کھاتا ہے، سود خور ہے، لوگوں کی حق تلفی کرتا ہے، اس سے نیکی کی کیا امید ہوسکتی ہے۔ اسی لیے قرآن نے سرمایہ دارانہ نظام کو لعنتی نظام قرار دیا ہے۔ امریکہ برطانیہ، فرانس سب لعنتی نظام معیشت کو اپنائے ہوئے ہیں۔ وسائل معیشت اکثر ناجائز ہیں۔ مال اکٹھا کرنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے، دوسری طرف الحادی نظام ہے۔ یہ سراسر خدا تعالیٰ اور شرائع الٰہیہ کا انکار ہے۔ روس اور چین وغیرہ میں یہی نظام ہے مگر سرمایہ دارانہ نظام کی طرح یہ اشتراکی نظام بھی ملعون ہے۔ ہاں جو نظام معیشت انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے۔ یہی صحیح اسلامی نظام ہے۔ اس کے ذرائع آمدن بھی جائز ہیں اور یہ حرام چیزوں پہ خرچ بھی نہیں ہوتا۔ اس میں تعیش اور حرام خوری نہیں ہے۔ یہ نظام ناداروں اور غریبوں کی مدد کرتا ہے، مظلوم کو اس کا حق دلاتا ہے۔ یتیموں کے سر پہ دستِ شفقت رکھتا ہے۔ اور بیواؤں کا سہارا بنتا ہے۔ اس نظام کے اپنانے والے مال اکٹھا نہیں کرتے، انہیں جاہ و حشمت کی کوئی خواہش نہیں ہوتی، بلکہ ان میں قربانی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔

تاجروں کے لیے لمحہ فکریہ

کسی قوم اور ملک کی معیشت میں تاجر حضرات مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر ان کا رویہ مثبت ہوگا، حرام کی کمائی سے بچیں گے، تو دنیا اور آخرت دونوں جگہ کامیاب ہوں گے، ورنہ خوار ہوں گے، حضور علیہ السلام نے تاجروں کو مخاطب کر کے فرمایا، اے تاجروں کے گروہ! یاد رکھو، قیامت کے دن اکثر تاجر فاجر اٹھائے جائیں گے۔ اِلَّا مَنْ اَعْطٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ سوائے اس کے جو نیکی والا ہوگا، سچائی والا ہوگا، اور تقویٰ والا ہوگا، ایسے ہی لوگ نبیوں۔ صدیقوں، شہیدوں اور نیکوکاروں کی قطار میں کھڑے ہوں گے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بازار میں تشریف لے گئے اور فرمایا، اے تجار! میں تم کو ایک بات کہتا ہوں، تم

دو چیزوں کے والی بنائے گئے ہو۔ انہی دو چیزوں کی وجہ سے پہلی کئی امتیں تباہ ہوئیں فرمایا وہ دو چیزیں الکیل والوزن ترازو اور پیمانہ ہیں۔ ان میں کمی بیشی کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سی قوموں کو ہلاک کیا، عذاب میں مبتلا کیا، یہ لوگوں کی حق تلفی کرتے تھے۔ "وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ" میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے سورۃ الرحمٰن میں فرمایا۔ "وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ" ترازو میں کمی نہ کرو، بلکہ پورا پورا تولو۔ انصاف کرو، ناانصافی نہ کرو۔

اسراف و تبذیر

بہرحال اسلام کے علاوہ جو بھی نظام معیشت ہے، سب ملعون ہے۔ یہ انسانیت کے خلاف ہے۔ البتہ اسلام کا نظام اور انبیاء کا نظام بالکل الگ ہے۔ اس میں حلال و حرام کی پابندیاں، اسراف و تبذیر کی پابندیاں ہیں۔ اسی لیے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ یہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔ مومن جب کلمہ پڑھ لیتا ہے۔ تو پھر اس پر بہت سی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔ نہ وہ حرام مال حاصل کر سکتا ہے اور نہ حرام مقام پر خرچ کر سکتا ہے۔ آج کل فضول رسومات میں بے دریغ روپیہ صرف کیا جا رہا ہے اور اسے بڑی عزت سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ سراسر اسراف ہے۔ قرآن پاک نے فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا ہے۔ "اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ" حضرت شاہ محمد یعقوب بھوپالیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان اسراف کو بڑی عزت سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ صریحاً خلافِ شرع ہے۔ مثال کے طور پر فرماتے ہیں کہ مسلمان کی عادت بن چکی ہے۔ کہ شادی میں تمام رشتہ داروں کو بلایا جاتا ہے۔ صاحبِ خانہ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس موقع پر کوئی رشتہ دار ناراض نہیں رہنا چاہیے۔ سب کو منت سماجت کر کے راضی کیا جاتا ہے اور تقریب میں بلایا جاتا ہے البتہ اپنی غلط رسوم اور اسراف کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کو رخصت کر دیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ جائیں، ہمارے لیے ہمارے

ترمذی ص ۳۴ (فیاض)

رشتہ دار کافی ہیں۔ اس طرح اللہ کے احکام کی کچھ پروا نہیں کی جاتی۔ اب دیکھیے ربیع الاول آرہا ہے۔ مسلمان جھنڈیاں لگا کر حضور علیہ السلام کی اتباع کا دعویدار بن رہا ہے۔ مگر یہ نہیں سوچتا کہ وہ اسراف کا ارتکاب کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہا ہے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہرگز نہ پاسکو گے اعلیٰ درجے کی نیکی یہاں تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ کرو۔ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو، فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے اسے علم ہے۔ کہ تم کس نیت اور جذبے کے تحت خرچ کر رہے ہو۔ لہذا اس کا بدلہ بھی نیت اور جذبے کے مطابق ہی ملیگا۔

درس سی و دو ۳۲ | آیت ۹۳ تا ۹۵

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۟ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

وقف جبرئیل علیہ السلام

ترجمہ :- بنی اسرائیل کے لیے ہر قسم کی کھانے کی چیزیں حلال تھیں سوائے اُن کے جن کو اسرائیل (علیہ السلام) نے خود اپنے اُوپر حرام قرار دیا تھا، اس سے قبل کہ تورات نازل ہو۔ آپ کہہ دیجئے اے پیغمبر (علیہ السلام)! تورات لاؤ اور اس کو پڑھو، اگر تم سچے ہو (۹۳) جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے، اس کے بعد، پس یہی لوگ بڑے بے انصاف ہیں (۹۴) اے پیغمبر (علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے، اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ پس تابعداری کرو ملّت ابراہیم (علیہ السلام) کی جو حنیف تھے۔ اور وہ شرک کرنے والوں میں نہیں تھے (۹۵)

گذشتہ رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ملّتِ ابراہیمی کے اصول بیان کر کے واضح شانِ نزول کیا تھا۔ کہ ملتِ ابراہیم، حنیفیت یا اسلام کا مطلب ایک ہی ہے۔ لہٰذا حضور علیہ السلام نے اہلِ کتاب کو اسی ملّت ابراہیمی کی طرف دعوت دی، اور فرمایا

کہ ملتِ ابراہیمی کے اصل پیروکار اہلِ اسلام ہیں۔ لہٰذا اہل کتاب کو چاہیئے کہ وہ بھی مسلمانوں کے طریقے کے مطابق ملتِ ابراہیمی کی پیروی کریں۔ اس کے برخلاف یہودیوں کا دعویٰ یہ تھا۔ کہ اصل ابراہیمی وہ ہیں۔ انہوں نے جواباً کہا کہ اگر مسلمانوں کو ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ ہے تو پھر ملتِ ابراہیمی میں حرام کردہ چیزوں کو وہ کیوں حلال سمجھتے ہیں۔ اُن کی مراد اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے دودھ سے تھی، جسے اہل کتاب حرام سمجھتے تھے مگر مسلمان اس کو حلال جانتے ہوئے استعمال کرتے تھے۔ یہودیوں کا دوسرا سوال یہ تھا کہ اگر مسلمان ملتِ ابراہیمی پر قائم ہیں۔ تو پھر اُس ملت کے قائم کردہ بیت المقدس کو قبلہ کیوں تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آیات زیرِ درس نازل فرمائیں اور واضح کیا۔ کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالےٰ نے حرام قرار نہیں دیا بلکہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے نذر کی تکمیل میں خود اپنے اُوپر حرام کر لیا تھا۔ اور پھر اُن کے اتباع میں اُن کی اولاد نے بھی اِن چیزوں کو حلال نہ سمجھا۔ اہل کتاب کے دوسرے سوال یعنی تحویل قبلہ کے متعلق اللہ تعالےٰ نے اگلی آیت اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ میں وضاحت فرما دی ہے۔

یہودیوں کے چار سوال

مستدرک حاکم اور ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے درجہ اوّل کی صحیح حدیث موجود ہے۔ کہ یہودیوں نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا تھا۔ کہ یعقوب علیہ السلام نے کس چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا۔ اس کے جواب میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام جن کا لقب اسرائیل یعنی اللہ کا بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی تھی۔ کہ تم کو بیٹا دوں گا یعنی اسحاق علیہ السلام "وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ یَعۡقُوۡبَ" اور بیٹے کے بعد پوتا یعقوب علیہ السلام بھی دوں گا۔ جسے آپ اپنی زندگی میں دیکھ لیں گے۔ یعقوب عقب کے مادہ سے ہے اور اس کا معنیٰ پیچھے آنے والا ہے چنانچہ اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور پھر آپ کے بارہ

بیٹوں کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی جن کی تعداد لاکھوں کروڑوں تک پہنچ گئی۔

حضور نبی کریم علیہ السلام نے یہودیوں کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النسا کی بیماری لاحق ہو گئی تھی جس کو لنگڑی کا درد بھی کہتے ہیں۔ نسار کے متعلق مشہور ہے کہ یہ رگ ہے مگر حقیقت میں یہ پٹھا ہوتا ہے۔ جو کولہے سے شروع ہو کر ران سے ہوتا ہوا انگوٹھے تک جاتا ہے یہ درد عرق النسار کہلاتا ہے۔ یہ درد کبھی ٹانگ کے ایک طرف ہوتا ہے اور کبھی دونوں طرف۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہی عارضہ تھا۔ انہوں نے نذر مانی کہ اللہ نے صحت عطاء فرمائی تو میں اپنی خوراک میں سے مرغوب چیز کھانا ترک کر دوں گا۔ آپ کے نزدیک مرغوب اشیا میں اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت عطا فرمائی، تو آپ نے ان چیزوں کو ترک کر کے اپنی منت پوری کی مقصد یہ کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کی تھیں۔ بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں یہودی اس جواب سے مطمئن ہو گئے۔

ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے۔ کہ یہودیوں نے نبی اکرم سے کہا۔ کہ ہم آپ سے بعض ایسی باتیں پوچھنا چاہتے ہیں، جن کا جواب نبی کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔ آپ نے فرمایا، اگر میں نے اُن باتوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیدیا تو پھر تمہیں ایمان لانا ہو گا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ یہودیوں کا پہلا سوال یہی تھا، جس کا ذکر آچکا ہے۔ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کون سی چیز اپنے اوپر حرام قرار دی تھی۔ مذکورہ جواب سُن کر یہودیوں نے اس کی تصدیق کی۔

یہودیوں کا دوسرا سوال یہ تھا۔ کہ ماں کے پیٹ میں تفریق جنس کس طرح واقع ہوتی ہے۔ یعنی بچہ یا بچی کیسے بنتے ہیں آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مرد کے مادہ تولید رنگت میں سفید اور قوام میں گاڑھا ہوتا ہے۔ برخلاف اس

کے عورت کا مادہ رنگت میں زرد قوام میں رقیق یا پتلا ہوتا ہے۔ فرمایا دونوں مادہ ہائے تولید میں جس مادہ کا غلبہ ہوتا ہے، وہی جنس پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں علی کا لفظ آتا ہے یعنی جونسا مادہ غالب آجائے۔ رہا یہ سوال کہ غالب کس طرح آتا ہے۔ تو اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً خاصیت میں، وصف میں یا مقدار میں غلبہ ہو سکتا ہے بہرحال جس مادہ کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے، تو لد ہونے والا بچہ اسی جنس میں ڈھل جاتا ہے۔

یہودیوں نے کہا کہ جواب درست ہے۔

یہودیوں کا تیسرا سوال یہ تھا۔ کہ نبی آخرالزمان کی نشانی کیا ہے۔ آنحضرت علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تنام عینہ ولا ینام قلبہ اس کی آنکھ سوتی ہے۔ مگر دل بیدار رہتا ہے۔ یہودیوں نے اس جواب کی بھی تصدیق کی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ان سوالوں کے جواب، مجھے معلوم نہ تھے، حتی کہ اللہ کی جانب سے جبرائیل علیہ السلام نے آکر یہ جواب مجھے بتائے تو میں نے یہودیوں کو بتا دیے۔

یہودیوں نے چوتھا سوال یہ کیا۔ کہ فرشتوں میں سے نبی امی کا دوست فرشتہ کون سا ہے۔ تو نبی علیہ السلام نے جواب دیا، اُن کا دوست جبرائیل فرشتہ ہے اس سوال پہ یہودی بدک گئے کہ جبرائیل کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اس فرشتہ نے ہمارے آباؤ اجداد کو تکالیف دی ہیں۔ ہم اس کو نبی آخرالزمان علیہ السلام کا دوست تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس طرح یہودیوں نے چوتھے سوال کے جواب کا انکار کر کے ایمان لانے سے انکار کر دیا حالانکہ پہلے اس کا وعدہ کر چکے تھے۔

حلت و حرمت

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کے لیے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں۔ طعام سے مراد کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ کُلُّ الطَّعَامِ سے وہ چیزیں مراد ہیں جو کھانے پینے کے کام آتی ہیں۔ وہ سب حلال تھیں سوائے اُن کے جن کا ذکر سورہ نساء کے پہلے رکوع میں آجائے گا۔ بعض حرام چیزوں کا

ذکر سورۃ اعراف میں بھی آتا ہے۔ اس کے علاوہ وحی الہیٰ کے ذریعے حرام کردہ چیزیں مثلاً مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور نذر لغیر اللہ بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال نہیں تھیں۔ البتہ کھانے پینے کی عام چیزیں اور بہیمۃ الانعام یعنی بھیڑ بکری یا اسی قسم کے دیگر جانوروں کا گوشت، دال، سبزی، روٹی وغیرہ تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں۔ ہاں! اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآئِیْلُ عَلٰی نَفْسِہٖ جو چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے بذریعہ نذر خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں، وہ خاص انہی کے واسطے حرام تھیں۔ اور وہ بھی مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ تورات کے نازل ہونے سے سینکڑوں سال پہلے۔ مگر اُن کی دیکھا دیکھی اُن کی اولاد نے بھی اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ استعمال کرنا ترک کر دیا، حالانکہ یہ اُن کے لیے بالکل جائز تھا۔ اور تورات میں ان چیزوں کی حرمت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہودیوں نے یہ غلط مشہور کر دیا تھا کہ یہ چیزیں تورات کے حکم سے حرام ہوئی ہیں۔

مختلف شرائع کے احکام میں فرق

یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے دینا اللہ کے حکم سے تھا یا اُن کے ذاتی اجتہاد کی وجہ سے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ حرمت دونوں طرح سے جائز ہے سابقہ شرائع میں کوئی چیز اللہ کے حکم سے بھی حرام ہو سکتی تھی اور نبی کے اجتہاد سے بھی ایسا ہو سکتا تھا۔ اور مسئلہ زیر بحث میں دونوں ذرائع کا امکان موجود ہے۔ البتہ ہماری شریعت میں کسی حلال چیز کو حرام قرار دینا درست نہیں ہے۔ ہماری شریعت کا حکم یہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص نذر کے طور پر بھی کسی حلال چیز کو اپنے آپ پہ حرام کر لیتا ہے تو ایسی نذر کو پورا کرنا ضروری نہیں، بلکہ ایسی نذر کا توڑنا ضروری ہے۔ اور ایسی نذر کے کفارے کا ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے بعض بیویوں کی خوشنودی کی خاطر ایک لونڈی کو اپنے آپ پر حرام قرار دے لیا تھا، یا مسلم شریف کی روایت کے مطابق شہد پینے کو حرام کر لیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ تحریم میں حکم نازل فرما دیا یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ "اے نبی! آپ اُس

چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں۔ جو اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دی ہے۔ پھر آگے فرمایا "قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ" اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے کہ قسمیں توڑ دی جائیں۔ ہماری شریعت میں یہ حکم ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی حلال چیز کو خود اپنے آپ پر حرام قرار دے لیتا ہے۔ تو قسم واقع ہو جاتی ہے، جسے توڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مگر یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہ ضروری نہیں تھا۔ لہٰذا انہوں نے اپنی قسم کو پورا کرتے ہوئے اپنے آپ پر دو چیزیں حرام کر لی تھیں۔

اور یہ تورات کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ تورات تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اور یعقوب علیہ السلام نے آپ سے سینکڑوں سال پہلے ایسا کیا تھا۔ اور وہ صحت یابی پر نذر کی صورت میں، نہ کہ ملتِ ابراہیمی کے حکم کی حیثیت سے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود اونٹ کا گوشت کھاتے تھے، آپ نے اسے اپنی اولاد کے لیے حرام بھی قرار نہیں دیا۔ بنو اسماعیل میں اونٹ کے گوشت اور دودھ کے ترک کی کبھی نوبت نہیں آئی، البتہ بنو اسحاق میں سے صرف حضرت یعقوب علیہ السلام نے قسم کی تکمیل میں یہ چیزیں چھوڑ دیں تھی۔ انہوں نے اپنی اولاد کو بھی ان کے استعمال سے منع نہیں کیا تھا۔ یہ تو آپ کی اولاد کی محض اپنی صوابدید تھی کہ انہوں نے بھی ان چیزوں کا استعمال ترک کر دیا۔

ہاں! تورات نے بعض دوسری چیزوں کو بنی اسرائیل کی سرکشی کی وجہ سے اُن پر حرام کر دیا تھا۔ اِن اشیاء کا ذکر سورہ نساء کے آخر میں اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آئے گا۔ "فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ" یعنی بنی اسرائیل کی شرارتوں کی وجہ سے ہم نے کئی حلال چیزیں اُن پر حرام کر دیں۔ اُن پر گائے کا گوشت حلال تھا مگر چربی حرام تھی انہیں ایک ایک بوٹی سے چربی علیحدہ کرنے کی مشقت برداشت کرنا پڑتی تھی۔ صرف آنت کی چربی حلال تھی۔ اُن کے لیے بعض دیگر جانور بھی حرام قرار دیے گئے تھے۔ حالانکہ ملت ابراہیمی میں یہ تمام چیزیں جائز تھیں۔

یہودیوں کی کذب بیانی

چونکہ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ اونٹ کے گوشت اور دودھ کی حرمت کا حکم تورات میں موجود ہے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو، تو تورات لے آؤ، فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ اس کو پڑھو، تو معلوم ہو جائے گا کہ تم اپنے دعوے میں کہاں تک سچے ہو۔ ظاہر ہے کہ تورات میں ان چیزوں کی حرمت کا حکم نہیں نکلے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں تو یعقوب علیہ السلام نے سینکڑوں سال پہلے خود اپنے اوپر حرام کی تھیں، لہٰذا تورات میں ان کا حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔

یہودیوں نے اس چیلنج کو قبول نہ کیا۔ اگر وہ تورات لا کر پڑھتے تو یہ حکم ثابت نہ کر سکتے اور جھوٹے ثابت ہوتے۔ اس سے قبل زنا کی سزا کے متعلق بھی اُن کی کذب بیانی ہو چکی تھی۔ اس کا ذکر سورۂ مائدہ میں آئے گا۔ واقعہ یہ ہوا کہ خیبر کے ایک مرد اور عورت زنا کے جرم میں ملوث ہوئے۔ جب یہ مقدمہ آنحضرت علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تورات میں اس جرم کی کیا سزا مقرر ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ تورات کا حکم یہ ہے۔ کہ زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور اُن کا منہ کالا کر کے گدھے پر اُلٹے رُخ بٹھایا جائے۔ اسپر آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ تورات میں زانیین کے رجم کا حکم ہے تورات لا کر پڑھو۔ جب تورات لائی گئی تو یہودیوں نے اصل حکم پر انگلی رکھ لی۔ مگر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے ذریعے اصل حکم واضح ہو گیا کہ زانی اور زانیہ شادی شدہ کو بیشک جان سے مارا جائے۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق خیبر کے بدکاروں کو سنگسار کر دیا گیا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے دودھ کے متعلق بھی یہودیوں سے فرمایا کہ اگر ان کی حرمت کا حکم تورات میں موجود ہے۔ تو تورات لاؤ اور پڑھ کر دیکھ لو۔ مگر یہودی چونکہ جھوٹے تھے، انہوں نے تورات لانے کی جرأت نہ کی۔ اگر تورات لے آتے تو حرمت کا حکم ثابت نہ کر سکتے۔

چنانچہ اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ یعنی جو کوئی حق واضح ہو جانے کے بعد اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ تو جان لو کہ یہی لوگ ظالم ہیں۔

ملت ابراہیمی کا اتباع

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصیحت کے طور پر فرمایا قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ اے نبی علیہ السلام! آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ اور ملت ابراہیمی کے اصول واضح کر دیئے ہیں۔ اور آپ اُن کی دعوت دینے والے ہیں۔ اور اُس پر قائم ہیں۔ البتہ خود یہودی ملت ابراہیمی کو چھوڑ چکے ہیں۔ انہوں نے خدا کی کتابوں میں تحریف کی ہے اور عمداً جھوٹ بولا ہے۔ اب جب کہ حق واضح ہو گیا ہے۔ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا پس ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع کرو۔ یہی دین اسلام ہے۔ اور یہی حنیفیت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود حنیف تھے، حنیف وہ ہے۔ جو اللہ کی توحید پر ایمان لاتا ہے۔ قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ ختنہ کرتا ہے اور بیت اللہ کا حج کرتا ہے۔ لہٰذا تم بھی حنیف بن جاؤ۔ ہر طرف سے کٹ کر ایک خدا وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آؤ۔ اور ملت ابراہیم کا اتباع کرو۔ پہلے گزر چکا ہے۔ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اپنے دور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر وہ لوگ تھے، جنہوں نے اُن کی پیروی کی۔ اور اس دور میں یہ نبی آخر الزماں علیہ السلام اور اس پر ایمان لانے والے لوگ ہیں۔ یہی لوگ آپ کی ملت کے پیروکار ہیں۔ یہودی تو ملت ابراہیمی کے تارک ہیں۔ انہوں نے ملت کو مسخ کر دیا۔ تورات کے احکام میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ اصولوں کو بگاڑ دیا اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ابراہیم علیہ السلام تو نعوذ باللہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ لہٰذا تم بھی حنیف بن جاؤ۔ کیونکہ حنیف مشرک نہیں ہو سکتا۔ " حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ اے اہل کتاب تم بھی شرک کو چھوڑ کر اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ۔ تم ملت ابراہیمی

کے پیروکار ہونے کا دعوٰی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے پہلے سوال کا جواب دیا۔ جس میں انہوں نے مسلمانوں سے کہا تھا۔ کہ جب تم ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعوٰی کرتے ہو۔ تو پھر اونٹ کا گوشت اور دودھ کیوں استعمال کرتے ہو۔

درس سی وسہ ۳۳ — آیت ۹۶ تا ۹۷

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ:۔ بیشک اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے البتہ وہ ہے جو بکہ (یعنی مکہ مکرمہ) میں ہے۔ برکت والا ہے۔ اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے ﴿۹۶﴾ اس میں واضح نشانیاں ہیں، جیسا کہ مقام ابراہیم (علیہ السلام)۔ اور جو شخص اس میں داخل ہو گا۔ وہ امن والا ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر حج ہے اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہے اس کی طرف راستے پر جانے کی۔ اور جس شخص نے انکار کیا، تو بیشک اللہ تعالیٰ سب جہان والوں سے بے پروا ہے ﴿۹۷﴾

گذشتہ سے پیوستہ

یہودیوں نے ملتِ ابراہیمی کی نسبت سے مسلمانوں پر دو سوال کیے تھے اوّل یہ کہ اگر اہلِ اسلام ملتِ ابراہیمی پر ہونے کے دعویدار ہیں، تو پھر وہ اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ کیوں استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ ملتِ ابراہیمی میں یہ چیزیں حرام تھیں۔ اس سوال کا جواب گذشتہ آیات میں آچکا ہے۔ کہ یہ چیزیں ملتِ ابراہیمی میں حلال تھیں۔ صرف یعقوب علیہ السلام نے اپنی نذر کی تکمیل میں از خود ان اشیاء کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ باقی سب لوگوں کے لیے حلال تھیں مگر آپ کی اولاد نے بھی محض آپ کے اتباع میں ان چیزوں کا استعمال ترک کر دیا۔ یہ تو نزولِ تورات سے سینکڑوں سال پہلے کی بات ہے۔ البتہ تورات کے نازل ہونے

کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بعض چیزیں اُن کی نافرمانی اور شرارت کی وجہ سے حرام قرار دے دیں، جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔

قبلہ اوّل

یہودیوں کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر اہل اسلام ملت ابراہیمی پر کاربند ہیں۔ تو پھر انہوں نے بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ شریف کو اپنا قبلہ کیوں مقرر کر لیا ہے اُن کا دعویٰ تھا۔ کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل سب لوگوں کا قبلہ بیت المقدس تھا، مگر آپ نے اس کو بدل کر بیت اللہ شریف کو قبلہ کیوں مقرر کیا۔ یہ تو ملت ابراہیمی کی خلاف ورزی ہے آج کے درس میں اسی اعتراض کا جواب ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے، وہ بکہ میں ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہاں پر لفظ بیت سے مراد مطلق گھر نہیں۔ بلکہ عبادت خانہ ہے اس بات کی تشریح مسلم شریف کی حدیث میں موجود ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا، حضور! زمین پر سب سے پہلے کونسا عبادتخانہ یا مسجد بنائی گئی تھی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا مسجد حرام جس میں بیت اللہ شریف واقع ہے۔ پھر ابوذرؓ نے دریافت کیا، حضور! دوسرے نمبر پہ کونسی مسجد تعمیر ہوئی۔ ارشاد ہوا، مسجد اقصیٰ جو بیت المقدس ہے۔ پھر عرض کیا، ان دونوں کے درمیان کتنا وقفہ ہے فرمایا چالیس سال۔

یہ بات تو واضح ہے۔ کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی، اور بیت المقدس حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر ہوا۔ اور ان دو انبیاء کے درمیان ایک ہزار سال کا وقفہ ہے۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کا چالیس سال وقفہ بتانا کیسے ہوا، حقیقت یہ ہے کہ روئے زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ہاتھوں سے بیت اللہ شریف کو تعمیر کرایا۔ جب آدم علیہ السلام زمین پر اُترے۔ تو انہیں وحشت ہوتی تھی اور وہ پریشان

رہتے تھے - آپ کی اس وحشت کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ جس طرح فرشتے آسمانوں پہ بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اور وہاں پہ عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ بھی زمین پہ عبادت خانہ بنائیں، جس کا لوگ طواف کریں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے زمین پہ سب سے پہلے بیت اللہ شریف تعمیر کیا۔ اس کے چالیس سال بعد آپ نے شام کا سفر کیا تو وہاں پہ بیت المقدس تعمیر کیا۔ اس طرح بیت اللہ شریف اور بیت المقدس کی تعمیرات میں چالیس سال کا وقفہ ہے۔

اس کے بعد حوادث اور طوفان آتے رہے۔ اور یہ دونوں مقدس مقامات ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، دونوں عمارات منہدم ہو گئیں۔ اس کے ہزاروں سال بعد بیت اللہ شریف کی دوبارہ تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی۔ سورۃ حج میں موجود ہے۔ "وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ" جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے بیت اللہ شریف کی جگہ ٹھیک کر دی۔ چنانچہ یہ جگہ اُس وقت سے آباد ہے۔ لہٰذا اولین عبادت خانہ بیت اللہ شریف ہی ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اِس کا حج کیا ہے۔ اور یہی ملتِ ابراہیمی کا قبلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن پہ فرمایا کہ صرف بیت اللہ شریف کی طرف ہی اپنا رُخ کرو۔ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک حنیف وہ شخص ہے۔ جو نماز میں بیت اللہ شریف کی طرف رُخ کرتا ہے۔ ختنہ کرتا ہے، خدا تعالیٰ کی توحید پہ ایمان رکھتا ہے، اور بیت اللہ شریف کا حج کرتا ہے۔ چنانچہ قبلہ اوّل بیت اللہ شریف ہی ہے۔ یہی ملتِ ابراہیمی کا قبلہ ہے۔ بیت المقدس بھی قبلہ رہا ہے مگر اب نہیں۔ ترتیب کے لحاظ سے وہ قبلہ ثانی تھا۔ وہ مکرم و محترم ہے۔ حضور علیہ السلام کی حدیث پاک میں جن تین مقدس مقامات کا ذکر آتا ہے، وہ یہی ہیں، مسجد الحرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس یعنی مسجد اقصےٰ۔ یہ تینوں مقامات ہدایت کے مرکز ہیں، تاہم ان میں سے سب سے زیادہ محترم بیت اللہ شریف ہے۔

"بکہ" اور "مکہ"

بیت اللہ شریف جس شہر میں واقع ہے، وہ عرف عام میں "مکہ" کہلاتا ہے جب کہ اس آیت کریمہ میں لفظ "بکہ" استعمال ہوا ہے۔ یہ دونوں نام اسی ایک ہی مقام کے ہیں۔ اس شہر پاک کو ام القریٰ، بلدہ طیبہ، بلد امین، بلدۃ المامون اور بلد مقدسہ بھی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں "بکہ" کے دو معانی آتے ہیں۔ اس کا ایک معنی اجتماع ہے چونکہ یہاں پہ لوگوں کا کثرت سے آنا جانا ہے، خصوصاً ایام حج میں بہت بڑا ہجوم ہوتا ہے، اس لیے اس کو "بکہ" کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا معنی جھکانا ہے، یا توڑنا ہے۔ امام بیضاویؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ شہر تَبُكُّ أَعْنَاقَ الْجَبَّارِيْنَ یعنی جباروں کی گردنوں کو جھکانے والا ہے اور گردنوں کا جھکانا دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے۔ کہ یہاں پہ بڑے بڑے ملوک اور جبار اپنی گردنوں کو جھکا کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور دوسری صورت یہ ہے۔ کہ جو کوئی اس مقدس مقام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی گردن کو توڑ دیتے ہیں۔ اصحاب فیل کا واقعہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ ابرہہ نے ہاتھیوں کے ساتھ بیت اللہ پہ چڑھائی کی، اس کو گرانے کی کوشش کی، تو اللہ تعالیٰ نے اسے وادی محسر سے آگے نہیں جانے دیا۔ مکہ سے تین میل باہر منیٰ کے قریب، اس لشکر کو ہلاک کیا۔ گویا بکہ ان معانی میں بھی ہے۔ کہ جو کوئی اس کو نقصان پہنچانا چاہے اللہ تعالیٰ اس کی گردن توڑ دیں گے۔

بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ حبشہ کا ایک ظالم بادشاہ جو سیاہ رنگ، موٹی پنڈلیوں والا، پست قد اور بڑا سنگدل ہوگا، خانہ کعبہ کی عمارت کو گرائیگا۔ اس کے بعد پوری دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور وہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکیگی۔ اس کے بعد صور اسرافیل پھونکا جائے گا۔ گویا انہدام کعبہ دنیا کے آخری دور کی علامت ہوگا۔

قرآن میں کعبہ شریف کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی گئی ہے۔ "جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ" اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو دنیا میں لوگوں کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔ جب تک خانہ کعبہ قائم ہے، اس میں

خدا تعالیٰ کی عبادت ہوتی رہے گی، دنیا قائم رہے گی۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب زمین میں اللہ اللہ کرنے والا کوئی نہیں رہے گا یقیناً قیامت برپا ہو جائے گی۔

فضائل بیت اللہ شریف

فرمایا زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ مکہ مکرمہ میں ہے اور اس کے فضائل میں سے ایک ہے مُبٰرَکًا وہ بڑا ہی بابرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ظاہری اور باطنی تمام برکات رکھی ہیں۔ برکت کا معنی ایسی زیادتی ہے جس میں تقدس پایا جائے حرم پاک میں ہر وقت خدا تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ اور ہر عابد کو اس میں سے حصہ ملتا رہتا ہے۔ وہاں پر ادا کی جانے والی عبادت کا اجر و ثواب دوسرے مقامات کی نسبت بے حد و حساب بڑھ جاتا ہے ابن ماجہ کی روایت[1] کے مطابق وہاں پر ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے۔ صحیحین کی روایت کے مطابق ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نماز سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے باطنی طور پر اس مقام کو کتنی فضیلت بخشی ہے۔ لہٰذا یہودیوں کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ کہ مسجد اقصےٰ کی فضیلت مسجد حرام سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ ظاہری طور پر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑا بابرکت رکھا ہے۔ یہ مقام کثیر الخیر والمنفعت ہے۔ اس کے مکین خوش نصیب ہیں، جن کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی "رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ" اے مولا کریم! اس شہر کو امن والا بنا دے اور اس کے مکینوں کو پھلوں سے روزی عطا فرما۔ اس دُعا کی قبولیت کا ثمرہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ غیر ذی زرع وادی میں ہر چیز کی کتنی بہتات ہے۔

فرمایا مکہ مکرمہ بابرکت بھی ہے۔ وَهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ اور تمام جہانوں کے لیے ذریعہ ہدایت بھی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ کجاوے نہ کسے جائیں

[1] ترمذی صفحہ ۱۲۵ (دیاض)

یعنی سفر اختیار نہ کیا جائے مگر ان تین مساجد کی طرف ۔ اور وہ ہیں مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ ۔ اس کا مطلب یہی ہے ۔ کہ یہ تینوں مقامات مراکز ہدایت ہیں ۔ تاہم ان میں خانہ کعبہ کو سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے ۔ اسی لیے وہاں پر عبادت کا ثواب بھی زیادہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان علیہ السلام کو وہاں پیدا کیا ، قرآن پاک کو وہاں نازل کیا اور مسلمانوں کی ابتدائی جماعت ، وہیں تیار کی ، جو اللہ کے دین کو پوری دنیا میں جاری ساری کرنے والی تھی ۔

مکہ مکرمہ کے مرکز ہدایت ہونے کی مثال ایسی ہے ۔ جیسے ماں کے پیٹ میں بچے کو ناف کے ذریعے خوراک بہم پہنچائی جاتی ہے ۔ ناف جسم انسانی کا مرکز ہوتا ہے تو اس کے ذریعے بچے کو خوراک پہنچا کر اس کی نشو و نما کی جاتی ہے ۔ اسی طرح بیت اللہ پوری دنیا کا مرکز ہے ۔ اور اس کے ذریعے تمام بنی نوع انسان کو روحانی غذا پہنچائی جاتی ہے ۔

فضائل بیت اللہ شریف میں سے ایک یہ بھی کہ یہ وسط البلاد ہے مکہ یا بکہ کا ایک معنی وسط بھی ہے ۔ یہ پوری دنیا کا وسط ہے ۔ محدث بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ جس آدمی کو نکسیر پھوٹتی ہو ۔ اُسکی نکسیر کا خون لے کر اس کی پیشانی پہ لکھ دیا جائے ۔
مکۃ وسط البلاد واللہ رءوف بالعباد تو اللہ اس کی نکسیر روک دیگا ۔
یہ مقام اس لحاظ سے بھی وسط البلاد ہے ۔ کہ زمین کی پیدائش سے پہلے ہر طرف پانی ہی پانی تھا ۔ پھر بیت اللہ شریف کے مقام پہ ایک بلبلہ سا پیدا ہوا اور اسی سے اللہ نے ساری زمین کو پھیلا دیا ، تو گویا زمین کی پیدائش میں مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے ۔ اور یہ پوری دنیا کا سنٹر ہے ۔

تاریخ تعمیر کعبہ

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی ۔ اور اس کی تجدید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے ہوئی ۔ اس کے بعد قبیلہ جرہم نے تعمیر کی ۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سسرال کا خاندان ہے ۔ پھر قوم عمالقہ کا ذکر ملتا ہے ۔ اور اس کے بعد قریش نے حضور علیہ السلام

کے اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل بیت اللہ شریف کی تعمیر کی جب کہ اُس کی چھت کمزور ہو چکی تھی۔ یہ وہی تعمیر ہے۔ جس کے دوران حطیم کا حصہ خانہ کعبہ سے باہر نکالا گیا تھا، جو آج بھی اسی حالت میں ہے اس کے بعد عبداللہ بن زبیر رضؓ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ پھر عبدالملک بن مروان کے زمانے میں حجاج بن یوسف نے بیت اللہ کو گرا کر نئے سرے سے تعمیر کیا۔ اور پھر یہ آخری تعمیر ترکی عہد حکومت میں سلطان مراد کے زمانے میں ہوئی، جو اب تک قائم ہے۔ البتہ موجودہ سعودی حکومت نے حرم شریف کی تعمیر میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ خانہ کعبہ کے گرداگرد ترکی عہد کے برآمدوں کے پیچھے بڑے وسیع برآمدے اور چاروں طرف سات بلند اور خوبصورت مینار تعمیر کیے ہیں۔ اب صفا و مروہ کا پورا حصہ ساتھ شامل ہو چکا ہے۔ اس دو منزلہ عمارت کا فرش سنگ مرمر کا ہے جس پہ دبیز قالین بچھائے گئے ہیں۔ آب زم زم کی فراہمی کے لیے جدید نظام قائم کیا ہے۔ حرم پاک میں روشنی کے لیے ٹیوب لائٹس اور فانوس روشن ہیں۔ برقی پنکھے ہمہ وقت چلتے رہتے ہیں۔ اور لاوڈ سپیکر کا مربوط نظام قائم ہے۔

اہل کتاب نے اس مقدس مقام کی فضیلت کو کم کرنے کی غرض سے اپنی ہی کتابوں میں تحریف کی ہے۔ زبور میں موجود ہے۔ کہ خدا کے مقدس بندے وادی بکہ میں گزریں گے۔ وہاں پہ پانی کے چشمے کا بھی ذکر ہے۔ اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور چشمہ سے مراد آب زم زم ہے مگر انہوں نے بکہ، کو بُکا بنا دیا اور کہا کہ یہ وادی مکہ کا نہیں بلکہ وادیٔ بُکا کا ذکر ہے عربی زبان میں بُکا سے مراد رونا ہے اسی طرح ان کی کتابوں میں مروہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ کہ اس مقام پہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی دی۔ مروہ سے مراد تو وہی صفا اور مروہ پہاڑیاں ہیں۔ مگر انہوں نے اس لفظ کو بگاڑ کر مُوریا بنا دیا۔ یہ بھی ان کی تحریف کا ایک شاہکار ہے۔

مقامِ ابراہیم

فرمایا بیت اللہ شریف وہ مقدس مقام ہے فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ

جس میں واضح نشانیاں ہیں۔ منجملہ اُن کے مَقَامُ اِبْرٰهِیْمَ مقامِ ابراہیم ہے۔
مقامِ ابراہیم کا ایک معنی تو یہ ہے۔ کہ اس جگہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد اسماعیل علیہ السلام کے لیے اقامت گاہ بنایا۔ جیسا کہ سورۃ ابراہیم میں موجود ہے رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ" اے ہمارے پروردگار! میں اپنی اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس بے آب وگیاہ زمین میں آباد کرتا ہوں۔ تاکہ وہ نماز قائم کریں، تیری عبادت کریں اور دنیا کے دل وہاں کھنچے ہوئے آئیں۔ اور انہیں پھلوں سے روزی عطا فرما۔ تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی دُعا تھی۔ جو حرف بحرف پوری ہوئی "اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۵ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ" اللہ نے انہیں بھوک سے نجات دی اور خوف سے امان بخشی۔ تو اس لحاظ سے اس میں بڑی واضح نشانیاں ہیں
عام مشہور یہ ہے۔ کہ مقامِ ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے۔ جس پہ کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا تھا۔ خانہ کعبہ کی دیواریں جوں جوں اونچی ہوتی جاتی تھیں۔ پتھر بھی خود بخود اوپر کو اٹھتا تھا۔ اور آپ اُس پہ کھڑے کھڑے تعمیر کا کام کرتے تھے۔ اس سخت پتھر پہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کا نشان بھی نقش کر دیا، جس کا مشاہدہ دنیا بھر کے لوگ آج تک کر رہے ہیں۔ پہلے یہ پتھر ایک دوسری عمارت میں بند کر کے رکھا گیا تھا۔ موجودہ حکومت نے اس کو شیشہ میں بند کر کے بابِ رحمت کے سامنے مطاف میں میں رکھ دیا ہے۔ یہ دیکھنے والوں کو بخوبی نظر آتا ہے۔ سعودی حکومت نے شیشہ کا یہ خول ۳۵ لاکھ ریال میں امریکہ سے خصوصی طور پہ تیار کروایا تھا۔ بیک وقت دو خول بنائے گئے تھے، تاکہ اگر ایک ٹوٹ جائے تو دوسرا وہاں رکھ دیا جائے یہ خاص قسم کا شیشہ ہے جو موسمی اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ بہر حال مقامِ ابراہیم اللہ کی واضح نشانیوں میں سے ہے۔

فرمایا یہ ایسا متبرک و مطہر مقام ہے وَمَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا ط

جو شخص اس میں داخل ہو گا، اُسے امان حاصل ہو گی۔ امن سے مراد ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے امن ہیں۔ ظاہری امن تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قاتل ہو۔ یا کسی دوسری جنایت میں ملوث ہو اور وہ حرم شریف میں پناہ لے لے، تو اس کو مارنے کی اجازت نہیں البتہ محدثین فرماتے ہیں کہ ایسے شخص سے میل جول اور اس کی خوراک پانی وغیرہ بند کر کے اُسے باہر نکلنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر حرم سے باہر نے جا کر اُس پہ حد جاری کی جا سکتی ہے۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص وہاں پہ بالفعل فساد کرے، تو اُس کا دفاع جائز ہے مگر اس سے بھی حتی الامکان گریز کرنا چاہیئے۔ ۱۹۷۹ء میں حرم شریف میں جو حادثہ پیش آیا، اُس کی وجہ سے حرم پاک کی بڑی بے حرمتی ہوئی۔ عام حالات میں اگر کوئی زیادتی کرتا ہے۔ تو حرم شریف کے تقدس کو ممکن حد تک بحال رکھنا چاہیئے۔ تاہم چونکہ اُن فسادیوں نے حرم کے اندر اسلحہ جمع کیا، میناروں پہ چڑھ کر گولیاں چلائیں، تو پھر حکومت کو بھی ضروری کاروائی کرنا پڑی، علمائے کرام نے فتویٰ دیا کہ حرم شریف کے اندر قتال کرنے والوں کا قلع قمع ضروری ہو گیا ہے چنانچہ حکومت سعودیہ کو مجبوراً اُن کے خلاف کاروائی کرنا پڑی جس سے حرم پاک کا تقدس بہرحال مجروح ہوا۔ کیونکہ یہ جائے امن ہے۔

امن کی دوسری صورت باطنی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص وہاں داخل ہو گیا، وہ دوزخ کی آگ سے مامون ہو گیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص مکے یا مدینے کے حرم میں فوت ہو گیا، کُنْتُ شَفِیْعًا لَّہٗ، میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا۔ بشرطیکہ ایسا شخص ایماندار ہو۔

فرضیت حج

بیت اللہ شریف کے مختصر تعارف کے بعد فرمایا وَلِلّٰہِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہر اُس شخص پہ اس گھر کا حج فرض ہے جو اُس کی طرف جانے کی استطاعت رکھتا ہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا، استطاعت سے کیا مراد ہے۔ فرمایا "الزاد والراحلۃ" یعنی سواری اور توشہ۔ اس سفر پہ جانے کے لیے سواری میسر ہو،

اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے اتنا سامان موجود ہو، جو اس سفر مقدس کے عرصہ کے لیے کافی ہو، تو ایسے شخص پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ البتہ بعض فروعات میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ جس شخص کے پاس مال موجود ہے اُس پر حج لازم ہے، خواہ وہ ذاتی طور پر معذور ہو یعنی اپاہج، اندھا یا بیمار ہے۔ اگر وہ خود چل کر حج نہیں کر سکتا۔ تو اُسے لازم ہے کہ کسی دوسرے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجے۔ امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے۔ کہ مال کے علاوہ آدمی کا تندرست ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر وہ خود سفر اختیار کرنے سے معذور ہے، تو حج ساقط ہو جائیگا۔ خواہ اُس کے پاس کتنا مال موجود ہو۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ حج کی فرضیت کے لیے مال اور جان دونوں لوازمات کا ہونا ضروری ہے۔ انسان صاحب مال بھی ہو اور تندرست و توانا بھی ہو، تب حج فرض ہوتا ہے۔ کیونکہ حج مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادات کا مرکب ہے۔ لہذا استطاعت میں دونوں چیزیں شامل ہیں۔
اسی طرح عورت کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے اگر محرم نہیں ہے تو عورت پر حج فرض نہیں رہا۔ کیونکہ محرم کا ہونا حج کی شرائط میں داخل ہے۔

حضور علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص کی بیوی حج پر چلی گئی۔ خاوند کا نام مجاہدین کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا اور وہ جہاد کی تیاری کر رہا تھا۔ نبی علیہ السلام کو خبر ہوئی تو اس شخص کو فرمایا حُجَّ مَعَ اِمْرَاَتِكَ جہاد کو ترک کر دے اور اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جا ایک دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے، وہ اپنے خاوند یا محرم کے بغیر تین دن سے زیادہ کا سفر اختیار نہیں کر سکتی، اور محرم وہ شخص ہوتا ہے جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو، جیسے، باپ، بیٹا، بھتیجا، بھانجا، ماموں، چچا، تایا، خسر وغیرہ۔

معترضین حج کے لیے وعید

فرمایا وَمَنْ كَفَرَ جو کوئی کفران کرے۔ اکثر مفسرین کرام نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ کہ جو شخص استطاعت کے باوجود حج کرنے سے کفران کریگا

فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ تو بیشک اللہ تعالیٰ جہان والوں سے بے نیاز ہے۔ کفران سے مراد مطلق کفرانِ نعمت بھی ہے۔ خدا کے کسی حکم کی نافرمانی اور انکارِ شریعت پر بھی دلالت کرتا ہے تاہم یہاں مراد یہ ہے۔ کہ حج فرض ہو چکا ہے مگر ادا نہیں کرتا، تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ایسے شخص کی عبادت کی اللہ کو ضرورت نہیں ہے۔ عبادت و ریاضت تو انسان اپنی ذات کی تکمیل کے لیے کرتا ہے۔ اللہ تو ہر حالت میں حمید ہے، تعریفوں والا ہے، وہ محمود اور غنی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہے۔ اور وہ اس کے لیے کوشش نہیں کرتا، درخواست نہیں دیتا، تو ہماری طرف سے ایسا شخص یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ایسے شخص کو کوئی حادثہ پیش آجائے، مال میں کمی ہو جائے یا کسی اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

درس سی و چہار ۳۴ آیت ۹۸ تا ۱۰۱

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ :- اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ اور اللہ گواہ ہے۔ اُن چیزوں پر جو تم کرتے ہو (۹۸) آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب! تم اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو، اُس شخص کو جو ایمان لاتا ہے۔ تم اس راستے میں کجی تلاش کرتے ہو، اور تم گواہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں سے غافل نہیں ہے، جو تم کرتے ہو (۹۹) اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں میں سے ایک فریق کی بات مانو گے جنہیں کتاب دی گئی ہے۔ تو وہ تمہیں پلٹا دیں گے تمہارے ایمانوں کے بعد، کفر کی طرف (۱۰۰) اور تم کفر کس طرح کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، اور تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑے گا، تو اُس کو سیدھے راستے کی ہدایت دی گئی (۱۰۱)

ربط آیات

گذشتہ اسباق میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے غلط ملط اعتراضات کے جوابات دیئے اور ملتِ ابراہیمی کی وضاحت فرمائی۔ اور یہ بھی واضح کیا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ہی اصل ملتِ ابراہیمی پہ قائم ہیں۔ اس کے علاوہ ملتِ ابراہیمی کے مرکزی قبلہ بیت اللہ شریف کا تذکرہ ہوا، اور اُس کے فضائل بھی بیان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیمی کے اتباع کا بطور خصوصی حکم دیا۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بطور نصیحت اور تنبیہ اہل کتاب سے خطاب فرمایا ہے۔ کہ جب حضور علیہ السلام کا ملتِ ابراہیمی پہ قائم ہونا ثابت ہو چکا، تو پھر اہل کتاب کو اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ اور انہیں جان لینا چاہیئے۔ کہ ان کا اپنا طریقہ خود ساختہ ہے۔ جسے ملتِ ابراہیمی سے کوئی واسطہ نہیں۔

تکفیر آیات

ارشاد ہوتا ہے قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ اہل کتاب سے خطاب فرمائیں۔ اور کہ دیں اے اہل کتاب! اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو اپنے آپ کو اللہ کی کتابوں تورات اور انجیل کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لغوی طور پہ تو اہل کتاب ہر وہ شخص ہے جو کسی بھی آسمانی کتاب پر ایمان لاتا ہے یا اس کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے۔ مگر حضور علیہ السلام سے پہلے نازل ہونے والی دیگر کتب و صحائف کے ماننے والوں نے اپنا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ لہذا اہل کتاب کا اطلاق ان دو گروہوں یعنی یہود و نصاریٰ پر ہوتا ہے۔ جو اپنی نسبت تورات اور انجیل کی طرف کرتے تھے۔ قرآن پاک نے اہل کتاب کا لقب صرف انہی دو اقوام کو دیا ہے۔ اور جگہ جگہ ان کو خطاب کیا ہے۔

فرمایا اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہل کتاب سے کہہ دیں لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو۔ آیات میں اللہ کی توحید اور اُس کے احکام، دلائل و براہین اور معجزات وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب یہ سب چیزیں تمہارے پاس پہنچ چکی ہیں، تو پھر تم انکار کیوں کرتے ہو، ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ یاد رکھو، وَاللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا تَعۡمَلُوۡنَ

تم جو کچھ کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ اُس پر گواہ ہے۔ یعنی سب کچھ اس کے سامنے ہو رہا ہے اور کوئی چیز اُس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد اُس پر ایمان لے آؤ اور اگر پھر بھی تم کفر پہ اڑے رہے، تو پھر یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچ نہیں سکو گے۔ خدا تعالیٰ سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ شَہِیْدٌ کا یہی معنیٰ ہے۔

صراطِ مستقیم میں رکاوٹ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب سے شکوے کے انداز میں فرمایا ہے۔ قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ اہلِ کتاب سے کہہ دیں لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ تم اہلِ ایمان کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو۔ جو لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکے ہیں، تم چاہتے ہو، کہ وہ پھر ایمان سے پھر جائیں۔ اور اپنی اِس خواہش کی تکمیل کے لیے مختلف حیلے بہانے کرتے ہو۔ منجملہ اُن کے ایک صورت یہ ہے، تَبْغُوْنَھَا عِوَجًا کہ تم صراطِ مستقیم میں عیب، نقص اور کجی تلاش کرتے ہو۔ تاکہ اس کا اظہار کر کے لوگوں میں دینِ حق کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کی جائیں اور وہ اس سیدھے راستے کو چھوڑنے پہ آمادہ ہو جائیں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو۔

مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کے لیے یہودیوں نے قبیلہ اوس اور خزرج کی پرانی دشمنی کو زندہ کرنے کی کوشش کی، مگر اُس میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ اوس اور خزرج کے قبائل مدینے میں سینکڑوں سال سے آباد تھے، کافی بڑی تعداد والے قبیلے تھے۔ ان کا اصل تعلق یمنی خاندانوں سے تھا مگر مدینے میں آکر آباد ہو گئے۔ مشہور ہے۔ کہ یہ دونوں قبیلے ایک معمولی سی بات پہ لڑائی میں ملوث ہوئے اور یہ لڑائی ایک سو بیس ۱۲۰ سال تک چلتی رہی۔ حضور علیہ السلام کے ورودِ مدینہ کے بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور اپنی تمام پرانی رنجش ترک کر کے آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ یہودی مسلمانوں کو کسی صورت پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے

تھے۔ کسی مجلس میں ان دونوں قبائل کے لوگ موجود تھے۔ وہاں شاس ابن قیس یہودی نے ایسے اشعار پڑھے یا پڑھوائے جس سے ان دو قبیلوں کی پرانی حمیت جاہلیہ پھر بیدار ہو گئی قریب تھا کہ ان میں پھر فساد کی آگ بھڑک اٹھتی کہ حضور علیہ السلام وہاں تشریف لے آئے اور فرمایا، بڑے افسوس کی بات ہے۔ کہ میں اللہ کا پیغمبر تمہارے درمیان موجود ہوں مگر تم پھر پرانی عصبیت کی باتیں کرنے لگے ہو۔ آپ نے ان لوگوں کو سخت تنبیہہ فرمائی، تو وہ تائب ہو کر لڑائی سے باز آ گئے۔ تاہم یہودیوں نے ان مسلمان قبیلوں کو لڑانے کی پوری پوری کوشش کی تاکہ یہ اسلام سے بدظن ہو کر دوبارہ کفر کا راستہ اختیار کریں۔ اللہ نے فرمایا، تم ایسا بُرا کام کیوں کرتے ہو۔

موجودہ زمانے کے یہودی بھی اسلام کے خلاف سازش کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ انہوں نے مصر سے تحریف شدہ قرآن پاک شائع کر کے پوری دنیا میں تقسیم کیا۔ آیت کریمہ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا" میں لفظ غیر اڑا کر اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ کبھی الفاظ بدلے، کبھی معانی بدلے اور کبھی قرآن پاک میں موجود پیش گوئیوں کو جھٹلانے کی کوشش کی۔ تاکہ مسلمانوں میں اشتباہ پیدا ہو جائے اور وہ اسلام سے بدظن ہو جائیں۔ اُن کا مقصد یہی ہے۔ کہ اسلام میں کجی تلاش کی جائے اور پھر اُسے خوب مشتہر کیا جائے مستشرقین نے اس ضمن میں بڑی کوشش کی ہے۔ وہ علوم شرقیہ پر عبور حاصل کر کے قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح کرتے ہیں اور پھر اُن میں نہایت ہوشیاری کیساتھ باطل نظریات داخل کر دیتے ہیں تاکہ لوگ اسلام سے بیزار ہو جائیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے ذریعے اہل کتاب سے فرمایا کہ تم اُن لوگوں کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو، جو ایمان لا چکے ہیں۔ تم اللہ کے راستے میں کجی تلاش کرتے ہو۔ وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ حالانکہ تم گواہ ہو۔ شہداء، شہید کی جمع ہے۔ جس کا عام فہم معنی گواہ ہے۔ یعنی اے اہل کتاب تم گواہ ہو امام ابوبکر جصاصؒ مفسر قرآن فرماتے ہیں۔ کہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے

کہ اہل کتاب کی گواہی مسلمان پر کیسے معتبر ہوگی، جب کہ گواہی کے لیے دو مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا قرآن پاک کی رو سے ضروری ہے اس کا جواب امام صاحب یہ فرماتے ہیں۔ کہ یہاں شہید سے مراد گواہ نہیں بلکہ اہل علم ہے۔ چنانچہ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ کا معنی اَنْتُمْ عٰلِمِیْنَ ہوگا یعنی تم جانتے ہو۔ اور جان بوجھ کر اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہو۔ فرماتے ہیں۔ کہ اس کا دوسرا معنی اَنْتُمْ عُقَلَآءُ بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی تم عقل و شعور رکھتے ہو مگر جان بوجھ کر اسلام کے راستے میں کاوٹ کھڑی کرنے کی کوشش کرتے ہو۔

موجودہ زمانے کے یہودیوں نے ایک اور حربہ استعمال کیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک اہل اسلام کے دلوں میں نبی آخر الزمان علیہ السلام کی محبت موجزن ہے ہم ان پر غالب نہیں آسکتے، لہذا اُن کی یہ کوشش ہے۔ کہ کسی طریقے سے اہل اسلام کے دل سے حضور علیہ السلام کی محبت کو نکال دیا جائے۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ آج کے زمانے میں کتنا بھی گیا گزرا مسلمان ہے۔ اس کا دل پیغمبر اسلام کی محبت سے سرشار ہے۔ اہل کتاب کی ان تمام کارستانیوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔ وہ تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔ تم یقیناً سخت ترین سزا کے مستحق ہو گے۔

اہل اسلام کو تنبیہ

اہل کتاب سے شکوہ کرنے کے بعد اب اہل ایمان سے خطاب ہے۔ اور انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے۔ کہ کہیں یہود و نصاریٰ کی سازش کا شکار نہ ہو جانا۔ اگر تم اُن کے جال میں پھنس گئے، تو وہ یقیناً تمہارے ایمان پر ڈاکہ ڈالیں گے اور تمہیں ہمیشہ کے لیے ناکام و نامراد بنا دیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اے اہل ایمان اگر تم اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے، اُن کی بات مانو گے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ یہ لوگ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں گے، اُن کے

دل میں یہ چیز بُری طرح کھٹک رہی ہے۔ کہ تم کیوں ایمان لے آئے ہو، لہٰذا اُن کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے۔ کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے بدظن کر کے دوبارہ کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیں۔ یہود و نصاریٰ کی اس خصلتِ بد کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا ہے۔ "وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ" یہود و نصاریٰ آپ سے کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ جب تک آپ اپنا دین چھوڑ کر اُن کا دین اختیار نہ کرلیں۔

تُطِيْعُوْا یعنی اطاعت میں عقیدہ اور اعمال دونوں چیزیں شامل ہیں۔ اگر تم نے اہل کتاب کی اطاعت عقیدے میں کی، تو تمہارا عقیدہ بھی ویسا ہی ہو جائیگا، جو کہ یقیناً باطل عقیدہ ہے۔ اُن کے عقیدے میں کفر و شرک شامل ہے، لہٰذا اُن کی بات مان کر بھی کفر میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم نے اعمال میں اُن کی بات تسلیم کی، تو تمہارے اعمال بھی کافروں جیسے ہو جائیں گے۔ کفر بہرحال کفر ہے۔ خواہ وہ عقیدے میں ہو یا عمل میں ہو۔ اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ کفار کے اعمال کی ایک مثال یہ ہے۔ کہ وہ آپس میں برسرپیکار رہتے ہیں۔ اور اگر مسلمان بھی ویسے ہی کام شروع کر دیں، تو دونوں میں کیا فرق رہ گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ سباب المومن فسوق وقتاله كفر یعنی مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے۔ اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے۔ کہ اہل کتاب سے ہوشیار رہو، اُن کی اطاعت نہ عقیدے میں کرو، نہ عمل میں۔ اگر ایسا کرو گے تو اُن کی خواہش کی تکمیل ہو گی اور وہ تمہیں ایمان کے نور سے نکال کر کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیں گے۔

اس کے بعد فرمایا وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ تم کس طرح کفر کرو گے۔ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ یعنی قرآن کریم نازل ہو رہا ہے۔ اور تمہارے لیے ہدایت کا سامان بہم پہنچایا جا رہا ہے۔ اِس صورت حال میں تم کیسے کفر کر سکتے ہو۔ اکثر مفسرین کرام فرماتے

ہیں کہ یہ آیت کریمہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہے جو آپؐ کے زمانہ مبارک میں موجود تھے۔ چنانچہ انہیں مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے۔ کہ نزول قرآن کے اس بابرکت ترین دور میں یہود و نصاریٰ کی اطاعت اختیار کر لو، تو یہ نہایت ہی افسوسناک بات ہوگی۔ اور اگر اس خطاب کے مخاطبین میں صحابہؓ کے بعد آنے والے مسلمان بھی سمجھے جائیں تو اس کا معنیٰ یہ ہوگا، کہ اللہ کا قرآن تمہارے پاس موجود ہے جسکی تلاوت تم ہر روز کرتے ہو، اس کے احکام کو سمجھتے ہو، تو پھر تم کس طرح کفر کرتے ہو۔

فرمایا ایک تو اللہ کی آیتیں تم پر پڑھی جاتی ہیں، اور دوسری بات یہ ہے۔ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے۔ جو تمہیں آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ اور تمام احکام سے آگاہ کرتا ہے۔ تمہیں توحید اور ایمان کا درس دیتا ہے، اور کفر و شرک سے بچاتا ہے۔ اس کے باوجود تم کیا کفر کرو گے آیت کے اس حصہ کا بھی بظاہر اطلاق تو صحابہ کرامؓ پر ہی ہوتا ہے جن کے درمیان حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے۔ تاہم اگر اس کا اطلاق بعد میں آنے والے اہل اسلام پر بھی کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم میں بذاتہٖ تو موجود نہیں ہیں مگر آپ کی سنت، احادیث، آثار، تعلیمات اور شریعت تو تمہارے درمیان موجود ہے۔ اور قیامت تک باقی رہے گی، اس کے باوجود تم یہود و نصاریٰ کی بات مان کر گمراہی کا راستہ اختیار کرو، تو کتنے افسوس کا مقام ہے۔

عقیدہ حاضر و ناظر

بعض اہل بدعت اس مقام پر سیدھے سادھے مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ کا مطلب یہ ہے۔ نبی علیہ السلام بنفس نفیس ہر زمانے اور ہر مقام پر تمہارے درمیان موجود ہیں۔ لہذا آپ حاضر و ناظر ہیں۔ حالانکہ امر مسلّم یہ ہے۔ کہ ہر وقت ہر مقام پر حاضر ناظر ہونا صرف اللہ کی صفت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی یہ صفت نہیں ہے۔ مگر یہ لوگ بھی یہودیوں سے کم نہیں ہیں، جو صحیح العقیدہ مسلمانوں کے عقیدے فاسد کرنے پر تلے

بیٹھے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے پہلے آیت گزر چکی ہے وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا" جو حرم شریف میں داخل ہو گیا، اُسے امن نصیب ہو گیا ظاہری طور پر اُسے کسی جرم کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ جب تک وہ حرم سے باہر نہ آ جائے اور باطنی طور پر دوزخ سے مامون ہو گیا۔ گویا وہاں داخل ہو جانے والے کو امن حاصل ہو جانا بیت اللہ شریف کی خاص صفت ہے مگر یار لوگوں نے یہی آیت خواجہ فریدالدین شکر گنج رحؒ کے مزار کے دروازے پر لکھ دی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو اس دروازے میں داخل ہو گیا، ظاہری اور باطنی طور پر مامون ہو گیا۔ یہ کتنی غلط بات ہے۔ جو چیز اللہ نے بیت اللہ شریف کے متعلق فرمائی ہے لوگوں نے اُسے بناوٹی دروازے پر چسپاں کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگ اس دروازے سے گزرتے ہیں، حالانکہ خواجہ صاحب نے تو اپنی زندگی میں کبھی نہ فرمایا، کہ جو اس دروازے سے گزر گیا، وہ جنتی ہو گیا، خواہ وہ کفر شرک اور بدعت میں ہی کیوں نہ ملوث ہو۔ العیاذ باللہ۔ خواجہ فریدالدین تو ماشاء اللہ شیخ الاسلام تھے۔ نہایت صالح اور نیک انسان تھے آپ کے ہاتھ پر لاکھوں افراد نے اسلام قبول کیا، بہت سے راجپوت خاندان آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اُن سے غلط بات منسوب کرنا کس قدر ناانصافی ہے۔ واقعی لوگ بدعت اور شرک میں اندھے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ عطا کرے، یہ بہت بڑی نعمت ہے جسے میسر آ جائے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ اللہ تعالیٰ جس شخص کے بارے میں بہتری کا ارادہ فرماتا ہے، اُس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا بہت بڑا انعام اور فضل ہے، اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ الغرض! وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کا نبی تمہارے درمیان فی نفسہٖ موجود ہے، بلکہ اس کی سنت اور شریعت موجود ہے۔ اس سے استفادہ کرتے رہو گے، تو گمراہ نہیں ہو گے۔

يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ جو اللہ کو مضبوطی سے پکڑیگا فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
پس بیشک ایسے شخص کو ہدایت، دی گئی سیدھے راستے کی۔ گویا ایسا شخص گمراہ نہیں ہوگا۔
اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے۔ اُس کے دین کی باتوں
پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو۔ جس نے اللہ کی ذات پہ پورا پورا بھروسہ کیا، اُس نے
اعتصام باللہ کو پالیا۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیئے۔ کہ وہ اسباب
پر بھی زیادہ انحصار نہ کرے بلکہ محض اللہ کی ذات پہ ایمان رکھے، اس پہ توکل
رکھے تو شیطان بھی دفع ہوگا۔ اور یہود و نصاریٰ بھی اپنی سازش میں ناکام ہوں گے
بدعت ختم ہو گی یہ اکسیری نسخہ ہے۔ اسلام کی تعلیم ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے
شروع ہوتی ہے۔ ہر کام اسی کے نام کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے۔ جو رحمٰن اور
رحیم ہے اُسی ذات پہ ہمارا بھروسہ ہے، وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ تمام قوتوں کا
مالک ہے یہی اعتصام باللہ ہے۔ لہٰذا جو کوئی اللہ پہ ایمان لا کر اس کے احکام
کو مضبوطی سے پکڑ لے گا، وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔ یہاں پہ اسی بات، کی تعلیم دی گئی ہے۔

درس سی و پنج ۳۵ — آیت ۱۰۲ تا ۱۰۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا کہ حق ہے اُس سے ڈرنے کا اور تم نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبرداری کرنے والے ہو ﴿۱۰۲﴾ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو سب کے سب اور تفرقہ نہ ڈالو۔ اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کی جب کہ تم آپس میں دشمن تھے، اُس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ پس تم اُس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس اللہ نے تم کو بچا لیا۔ اسی طرح اللہ کھول کر بیان کرتا ہے۔ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پا جاؤ ﴿۱۰۳﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی بات ماننے سے منع فرمایا تھا۔ اہل کتاب کی گمراہی کا ذکر کرنے کے بعد اہل ایمان کو تنبیہ فرمائی کہ اگر انہوں نے اہل کتاب کے کسی گروہ کی بات کو مان لیا، تو وہ انہیں راہِ ہدایت سے کفر کی طرف پھیر دیں گے۔ پھر وضاحت فرمائی کہ اگر عقیدے میں اُن کی بات مانی، تو کافر ہو

جاؤ گے اور اگر اعمال میں اُن کا اتباع کیا تو اللہ کی ناراضگی مول لو گے اور کفرانِ نعمت کے مرتکب ہو گے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خاص طور پر راہنمائی فرمائی ہے اور دین کے بنیادی اصولوں پر قائم رہنے اور بدعقیدگی اور معصیت سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

خوفِ خدا

ارشاد ہوتا ہے۔ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔

ظاہر ہے کہ خوفِ خدا جبھی حاصل ہو گا۔ جب کسی انسان کی دین پر استقامت ہو یعنی اُس کا عقیدہ کفر، شرک اور نفاق سے پاک ہو اور اس کے اعمال بھی بالکل درست ہوں۔ صغائر اور کبائر سے اجتناب کرتا ہو بلکہ ہر مشکوک چیز سے پرہیز کرے۔ اگر اُس میں یہ چیزیں پیدا ہو گئیں تو اس کو کمال تقویٰ حاصل ہو جائے گا اور حَقَّ تُقٰتِهٖ کا یہی مقصد ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ تقوے کے کئی درجات ہیں۔ ان میں سے سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے۔ کہ انسان کفر، شرک اور بدعقیدگی سے بچ جائے۔ شیطان اور دیگر گمراہی پھیلانے والے عوامل سے محفوظ رہ سکے، اگر کوئی شخص تقوے کا یہ ادنیٰ درجہ بھی حاصل نہ کر سکے، تو پھر اُس کی نجات کی کوئی صورت نہیں کیونکہ اس معاملہ میں کوئی رعایت ممکن نہیں۔ اور تقوے کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ انسان اعمالِ حسنہ پر بھی کاربند ہو، اور معاصی سے بچتا ہو، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں "تقویٰ محافظت بر حدودِ شرع" یعنی کمال درجے کا تقویٰ وہ ہے جو شریعت کے حدود کی پوری پوری حفاظت کرتا ہو۔ اسی بات کو اللہ تعالےٰ نے سورۃ توبہ میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی ایک صفت یہ بھی بتائی ہے وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ "یعنی مومن وہ لوگ ہیں جو حدود اللہ کی حفاظت کرتے ہیں، اُن سے آگے نہیں بڑھتے۔ کمال درجے کے متقین ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔

حق تقاتہ "جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے" اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے۔ کہ حق تقاتہ کا مطلب ہے۔ اَنْ یُطَاعَ وَلَا یُعْصیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے۔ وَیُشْکَرَ وَلَا یُکْفَرَ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے، کفرانِ نعمت نہ ہونے پائے وَیُذْکَرَ وَلَا یُنْسیٰ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد کرتا رہے، اُس کو بھلائے نہ۔

حضرت انسؓ کی روایت میں حق تقاتہ کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ لَا یَتَّقِی اللّٰہَ الْعَبْدُ حَقَّ تُقٰتِہٖ حَتّٰی یَخْزُنَ لِسَانَہٗ یعنی انسان کو اللہ سے کما حقہٗ ڈرنے کا درجہ اُس وقت حاصل ہوگا، جب وہ اپنی زبان کو محفوظ کر لے گا گویا اُس کو اپنی زبان پر اس قدر کنٹرول حاصل ہونا چاہیئے۔ کہ وہ کوئی غلط کلمہ نہ بول سکے بلکہ ہمیشہ اچھی بات کہے۔ ترمذی شریف اور بعض دیگر کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک اور روایت ہے، جسے امام ابن کثیرؒ نے بھی بیان فرمایا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ قَطْرَۃً مِّنَ الزَّقُّوْمِ قُطِرَتْ فِیْ دَارِ الدُّنْیَا اگر زقوم یعنی جہنم کے تھوہر کا ایک قطرہ زمین پر پھینک دیا جائے، تو وہ ساری دنیا کی معیشت کو اس قدر بگاڑ دے کہ کوئی انسان دنیا کی کسی چیز سے مستفید نہ ہو سکے اس تھوہر میں اتنی کڑواہٹ اور بدبو ہے۔ فرمایا پھر تم خیال کر لو فَکَیْفَ لِمَنْ لَیْسَ لَہٗ طَعَامٌ اِلَّا مِنَ الزَّقُّوْمِ اس شخص کا کیا حشر ہوگا۔ جس کا کھانا زقوم کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اُسے کتنی اذیت پہنچے گی۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ زقوم کھانے والوں میں نام درج ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اے لوگو! مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَیُدْخَلَ الْجَنَّۃَ جو شخص چاہتا ہے۔ کہ اُسے دوزخ سے نجات حاصل ہو جائے۔ اور وہ جنت میں داخل ہو جائے فَیُدْرِکُ مَنِیَّتَہٗ وَھُوَ

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ تو اُسے موت ایسی حالت میں آنی چاہیئے۔
کہ وہ اللہ کی ذات اور قیامت کے دِن پر ایمان رکھتا ہو۔ وَيَأْتِي إِلَى النَّاسِ
مَا يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَىٰ إِلَيْهِ اور اُسے چاہیئے کہ وہ لوگوں کے ساتھ وہی سلوک
کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ مقصد یہ کہ حَقَّ تُقٰتِہٖ میں یہی چیز
بیان کی گئی ہے کہ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ کہ تمہاری موت
اسلام کی حالت میں آنی چاہیئے۔ اور یہ مقام جبھی حاصل ہوگا۔ جب انسان ہمیشہ اس
کی فکر میں لگا رہے گا۔ وہ ہمیشہ اپنا محاسبہ کرتا رہے گا کہ کہیں اس کی موت اسلام کے
علاوہ کسی اور چیز پر نہ آجائے۔

دوسرے مقام پر فرمایا "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" اللہ سے ڈرو
جس قدر طاقت رکھتے ہو۔ مفسرین و محدثین کرام فرماتے ہیں۔ کہ مَا اسْتَطَعْتُمْ
کا تعلق تقوے کے اعمال والے درجے سے ہے۔ یعنی اپنی استطاعت کے
مطابق اعمال حسنہ انجام دیتے رہو۔ اس میں ہر آدمی کی طاقت کے مطابق رعایت
موجود ہے۔ بُرے اعمال سے بچتا رہے، اگر کوئی خامی رہ جائیگی تو اللہ تعالےٰ
مہربانی فرما کر معاف کر دیں گے۔ مگر تقوے کے عقیدے والے درجے میں معافی
اور رعایت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر ایمان میں نقص آئیگا، کفر، شرک یا نفاق میں سے
کوئی شائبہ واقع ہوگا تو نجات کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ عقائد میں تھوڑی
سی گمراہی بھی ناقابل برداشت ہے۔

خاتمہ بالایمان

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کسی شخص کی موت، تو غیر اختیاری چیز ہے۔ وہ خود
چاہے بھی تو موت نہیں آسکتی، پھر اس آیت کا کیا مطلب کہ "نہ مرو تم مگر اس حالت
میں کہ تم فرمانبرداری کرنے والے ہو" مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے
کہ تم پوری زندگی اعمال صالحہ میں مشغول رہو، حتیٰ کہ اسی پر تمہارا خاتمہ ہو جائے۔ اگر
ایسا ہو گیا، ایمان قائم رہا اور اسی پر خاتمہ ہو گیا، تو کامرانی یقینی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کا ارشاد گرامی ہے مَنْ مَاتَ عَلَيْهِ يُبْعَثُ عَلَيْهِ یعنی جو کوئی

جس عقیدے اور عمل پہ مریگا، اُسی پہ قیامت کو اٹھایا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوُا۔ کہ انسان اِس دنیا کی زندگی میں نیک اعمال انجام دیتا رہے حتیٰ کہ اُسے موت آجائے۔ سورۃ حجر میں یہی بات اِن الفاظ میں بیان ہوئی ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ "اپنے رب کی عبادت کرتے رہو، حتیٰ کہ یقینی چیز یعنی موت آجائے الغرض! وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ کا مطلب یہ ہُوا کہ تم زندگی بھر نیک کاموں میں لگے رہو، کیونکہ پتہ نہیں موت کس وقت آجائے۔ اور موت بہر صورت اسلام کی حالت میں آنی چاہیئے۔ تاکہ حشر کو اسلام ہی کے عقیدے اور عمل پہ دوبارہ اٹھایا جائے۔

حبل اللہ

فرمایا وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑ لو۔ حبل اللہ یعنی اللہ کی رسی سے مراد قرآن پاک ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت علیؓ سے روایت ہے، حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا لوگو! یاد رکھو اِنَّمَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اس فتنہ سے بچ نکلنے کا کیا ذریعہ ہے۔ فرمایا كِتَابُ اللّٰهِ وہ ذریعہ اللہ کی کتاب ہے، فِيْهِ نَبَاُ مَنْ قَبْلَكُمْ جس میں تم سے پہلی امتوں کے واقعات ہیں وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ اور تمہارے بعد آنے والی اطلاعات ہیں۔ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ اور اس زندگی میں پیش آنے والے معاملات کے متعلق واضح احکام موجود ہیں۔ فرمایا وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ یہ خدا کی مضبوط رسی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ سب صفات قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اس میں سابقہ اقوام کے عبرتناک واقعات موجود ہیں جس سے انسان نصیحت پکڑ سکتا ہے۔ دوسرے مقام پہ فرمایا "لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ" ان واقعات میں صاحب عقل و بصیرت لوگوں کے لیے عبرت کا سامان موجود ہے۔ اور بعد میں آنے والی اطلاعات میں موت، قبر،

برزخ، حشر، جنت، دوزخ وغیرہ کے متعلق قرآن پوری پوری اطلاعات بہم پہنچاتا ہے۔ اور تیسری چیز احکام ہیں جو پوری زندگی کے ہر گوشہ پر محیط ہیں اور انسان کی ہر مرحلہ پر راہنمائی کرتے ہیں۔ اوامر و نواہی کی پوری تفصیل موجود ہے۔ جن کے مطابق زندگی بسر کر کے انسان دائمی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ الغرض! یہ قرآن پاک ہی ہے جسے حبل اللہ کا لقب دیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کِتَابُ اللّٰہِ حبل اللّٰہ الممدود مِنَ السماء اِلی الارض قرآن پاک اللہ کی کتاب ہی حبل اللہ ہے جسے آسمان سے زمین تک دراز کیا گیا ہے۔ قرآن پاک لوح محفوظ بیت العزت سے دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا القراٰن ھو حبل اللّٰہ المتین یہ قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ والنُّورُ المُبِین یہ روشنی دینے والا نور ہے۔ قرآن پاک میں بھی آتا ہے "وَاَنزَلنَا اِلَیکُم نُورًا مُّبِینًا" ہم نے واضح طور پر بیان کرنے والا نور تمہاری طرف اتارا۔ قرآن پاک کے متعلق یہ بھی آتا ہے ھُوَ شفاء النافع یہ نفع پہنچانے والی شفا ہے۔ "فِیہِ ھُدًی وَّشِفَاءٌ" اس میں ہدایت اور تمام روحانی امراض کی شفا ہے جو کوئی قرآن پاک پر عمل پیرا ہوگا روحانی طور پر صحت یاب ہوگا۔ قرآن پاک عِصمة لمن تمسک بہ جو اس کو مضبوطی سے تھام لے گا۔ یہ اس کے لیے گمراہی اور دوزخ سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے گا۔ ونجات لِمَن تبع جو اس کا اتباع کرے گا، اس کو نجات نصیب ہوگی۔ یہ سب حبل اللہ کی تشریح ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یرضیٰ لکم ثلاثًا اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تین چیزوں کو پسند فرماتا اور تین چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔ فرمایا اللہ کی پسندیدہ چیزیں یہ ہیں۔ اَن تعبدوہُ کہ تم اس کی عبادت کرو وَلَا تشرکوا بہٖ شیئًا

اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ تیسری پسندیدہ چیز فرمایا تعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ پھر فرمایا تین ناپسندیدہ چیزوں میں قیل قال یعنی بیہودہ اور بلا مقصد بات چیت، کثرت سوال اور اضاعۃ المال ہیں۔ کثرت سوال سے مراد یہ ہے کہ لوگ مسائل دریافت کرنے میں تو بال کی کھال اتارتے ہیں، مگر عمل صفر ہے۔ اور مال کا ضیاع یہ ہے کہ فضول رسومات، بدعات اور حرام جگہوں پہ خرچ کیا جائے اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز پسند نہیں کہ اس کے دیئے ہوئے مال کو اس کی رضا کے خلاف خرچ کیا جائے۔ الغرض! حبل اللہ سے مراد قرآن پاک ہے جسے مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

تفریق بین المسلمین

ارشاد ہوتا ہے، سب کے سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ وَلَا تَفَرَّقُوا تفرقہ اور اختلاف نہ کرو۔ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس مقام پر جس اختلاف سے منع کیا گیا ہے، وہ اصول کا اختلاف ہے، کیونکہ فروعات میں اختلاف کرنا مباح ہے فروعی اختلافات کے ذریعے انسان کی عبادت درست ہوتی ہے۔ مختلف حالات میں احکام مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً حائضہ عورت اور جنبی کے لیے نماز حرام ہے، لیکن ایک عام مکلف کے لیے فرض ہے۔ مسافر اور مریض کے لیے روزہ کھانا حلال ہے مگر مقیم اور تندرست کے لیے حرام ہے۔ یہ فروعی اختلاف ہیں۔ ائمہ دین جیسے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہم کا بعض فروعات میں آپس میں اختلاف ہے یہ روا ہے بشرطیکہ تعصب سے پرہیز کیا جائے۔ اکثر لوگ تعصب سے کام لیتے ہوئے اپنے مسلہ پر اڑ جاتے ہیں۔ اُسی کو درست سمجھتے ہوئے دوسرے مسلک والے کو جہنمی قرار دے دیتے ہیں۔ یہ جہالت اور نادانی ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ البتہ اگر دین کے کسی اصول میں اختلاف کرے گا تو گمراہ ہو جائے گا۔

تذکیر احسانات الہٰی

آگے فرمایا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اللہ تعالیٰ کے ان

احسانات کو یاد کرو، جو اس نے تم پہ کئے۔ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اور تمہارے اندر عصبیت جاہلیت پائی جاتی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پہ لڑنے مارنے پہ تیار ہو جاتے تھے، تمہارے سامنے کوئی مشن نہیں تھا۔ ان حالات میں فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ اللہ تعالےٰ نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے الفت ڈال دی۔ آگے سورۃ انفال میں بھی آئے گا۔ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کی۔ وگرنہ اگر آپ پوری دنیا کے خزانے بھی خرچ کر دیتے تو ان کے درمیان پیار ومحبت کی فضا قائم نہ کر سکتے۔ یہ تو ایمان اور اسلام کی الفت ہے جو اللہ نے اپنے آخری پیغمبر علیہ السلام کو مبعوث فرما کر ان کے درمیان پیدا کی۔ اپنی آخری کتاب نازل فرمائی اسلام کے احکام سے آگاہ فرمایا چنانچہ اس کے تقاضوں کو سمجھ کر وہ لوگ اپنے اختلافات بھول گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا تم اللہ کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ تمہاری تمام عداوتیں اور پرانی عصبیت دور ہو گئی اور تم آپس میں شیر وشکر ہو گئے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے مومن تقی وفاجر شقی یعنی مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ متقی ہوتا ہے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا اتباع کرتا ہے۔ اور فاجر ان احکام کی نافرمانی کر کے گمراہی میں جا گرتا ہے۔ لہذا جب اسلام آگیا تو پھر الفت، ومحبت اسلام کی وجہ سے ہونے لگی۔ قبائل اور خاندانوں کا طلسم ٹوٹ گیا اور صدیوں سے جاہلیت کی شکار قوم تہذیب وتمدن کے بام عروج پہ پہنچ گئی۔ یہ اسلام کی وجہ سے بھائی بندی کا نتیجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جاہل قوم کی عصبیت کا تذکرہ کیا اور ان کو یاد کرایا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْهَا تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پہ کھڑے تھے۔ شفا فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی کنارہ

ہے۔ اور اگر کسرے کے ساتھ شفا ہو تو اس کا معنیٰ تندرستی ہوتا ہے۔ یہاں پر شفا سے مراد کنارہ اور حفرہ گڑھے کو کہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ تم اپنی جاہلیت اور عصبیت کی بنا پر دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے۔ موت آنے کی دیر تھی کہ اُس گڑھے میں گر جاتے۔ مگر اللہ نے تمہیں اس گڑھے سے بچا لیا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ تمہیں ایمان کی دولت نصیب ہو گئی اور تم جہنم کے گڑھے میں گرنے سے بچ گئے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

فرمایا کَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ اسی طرح اللہ تعالےٰ تمہارے سامنے احکام اور اصول بیان فرماتا ہے۔ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔ جن کے ذریعے تم فرمانبردار بن سکتے ہو۔ اور اس کا مقصد یہ ہے لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے تمام سامان مہیا کر دیے ہیں۔ اب ان سے فائدہ اٹھانا تمہارا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب چیزیں واضح فرما دی ہیں۔

درس سی شش ۳۶ — آیت ۱۰۴

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: پس چاہیئے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو خیر کی دعوت دے اور معروف کا حکم کرے اور بُرائی کے کاموں سے منع کرے۔ اور یہی لوگ کامیاب ہیں ﴿۱۰۴﴾

ربط آیات

گذشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اہل کتاب کی بات ماننے سے منع فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی اللہ کو مضبوطی سے پکڑیگا، اُس پر ایمان لاکر اس کے احکام کا اتباع کرے گا اور اسی پر بھروسہ کریگا، اُسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت نصیب ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اسطرح ڈرتے رہو، جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔ اور ساتھ ہی اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کی نصیحت فرمائی۔ اور آپس میں تفریق پیدا کرنے کی بجائے بھائی بھائی بن کر رہنے کی تلقین فرمائی۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ جو ان ہدایات پر عمل کرے گا، وہی کامیاب و کامران ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کو اُس کی ذاتی اصلاح کے لیے ایک پروگرام دیا تاکہ اُس پر عمل پیرا ہو کر فلاح حاصل کر سکے۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ذاتی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح کرنے اور اُن کو راہِ ہدایت کی طرف لانے کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے دُعا کیا کرتے تھے۔ وَاجۡعَلۡنَا هُدَاةً مُّهۡتَدِيۡنَ اے اللہ! ہم کو ہدایت دینے والے اور ہدایت پانے والے بنادے مقصد یہ کہ ہر انسان کیلئے پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے۔ اور پھر وہ دوسروں کو بھی ہدایت کی دعوت دے۔ اور اُن کی اصلاح کے لیے سامان مہیا کرے۔

آج کے درس میں اللہ نے وہ قانون بتایا ہے جس پر عمل کر کے انسان اپنی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح بھی کر سکتا ہے۔

دعوت الی الخیر

ارشاد ہوتا ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ تم میں ایک گروہ یا جماعت ایسی ہونی چاہیئے يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے نیکی اور اچھائی کی طرف بلائے۔ ظاہر ہے۔ کہ تمام کے تمام لوگ تبلیغ کے کام پر نہیں لگ سکتے لہذا فرمایا کہ ایک گروہ یا ایک جماعت کم از کم ایسی ہونی چاہیئے جو تبلیغ دین کا فرض اپنے ذمے لے۔ وَلْتَكُنْ میں لام تاکیدی ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کار خیر کے لیے کسی جماعت کا ہونا کوئی عام قسم کی نصیحت نہیں ہے، جس پر عمل کر لیا جائے یا نہ کیا جائے، ایک ہی بات ہو بلکہ تاکیداً فرمایا کہ ایسی جماعت لازماً ہونی چاہیئے۔ جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے۔ اب رہا یہ سوال کہ خیر سے کیا مراد ہے۔ تو مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ کا مطلب ہے الخیر اتباع القرآن والسنۃ یعنی قرآن وسنت کا اتباع ہی خیر ہے۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ اساسی قانون ہے۔ اور سنت رسول قرآن پاک کی شرح ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کرائی ہے۔ گویا قرآن پاک وحی جلی ہے اور سنت وحی خفی یا وحی باطنی ہے۔ امام شافعیؒ، امام ولی اللہؒ، امام ابن تیمیہؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہم فرماتے ہیں، ہر صحیح حدیث جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے، وہ قرآن کی شرح ہے، اس کی تفسیر ہے۔

تعلیم دین اور اس کے تعلّم کے لیے سورۃ توبہ میں بھی آتا ہے۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ یعنی ایسا کیوں نہ ہوتا کہ ہر بستی میں سے ایک جماعت دین کی تعلیم حاصل کرتی اور پھر وہ واپس جا کر اپنی قوم کو ڈراتی یعنی ان کو احکام الٰہی سے خبردار کر کے ان پر عمل کر نیکی تلقین کرتی آج کے

درس میں بھی اسی قسم کا حکم ہے۔ کہ تم میں سے ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے۔

اصلاح کے تین اصول

اس آیت کریمہ میں انسانی اصلاح کے تین اصول بیان کیے گئے ہیں یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ ہر وقت خیر کی دعوت دیتے رہیں تاکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی درست رہ سکے۔ اور اس جماعت کی دوسری ڈیوٹی یہ ہو کہ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وہ نیکی کا حکم کرتی رہے۔ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ اور برائی سے روکتی رہے اگر ہر قوم میں ایسی جماعت پیدا ہو جائے گی، تو تمام نظام درست ہو جائے گا اور قوم اصلاح یافتہ ہو جائے گی۔ اور اگر یہ فریضہ ادا نہیں ہو گا، تو ظاہر ہے قوم منتشر ہو کر بربادی کی طرف جائے گی۔ بنی نوع انسان کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ پہلے ہی حکم دے چکے ہیں۔ کہ تقویٰ اختیار کرو۔ قرآن پاک کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔ آپس میں اتفاق و اتحاد قائم رکھو۔ اور بھائی بھائی بن کر زندگی بسر کرو اور اپنے قول اور عمل سے کتاب اللہ اور سنتِ رسول پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور اب یہاں دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درس دے کر قوم و ملت کو بیدار رہنے اور اپنی خصوصیات کو باقی رکھنے کا اہتمام فرمایا ہے۔

ایمان کے تین درجات سے متعلق مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت موجود ہے۔ یہ یزید کی خلافت کے بعد کا واقعہ ہے۔ یزید خود تو فاسق فاجر ہی تھا۔ تاہم اس کے بعد اس کا بیٹا مسند خلافت پر متمکن ہوا۔ جو کہ نیک آدمی تھا۔ مگر وہ دو تین ماہ سے زیادہ یہ بار نہ اٹھا سکا اور فوت ہو گیا اس کے بعد ۶۵ھ میں مروان بن الحکم خلیفہ بنا۔ اِس ــــ زمانہ میں ابھی صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ تابعین میں بھی بڑے بڑے اہل علم لوگ تھے۔ ہوا یہ کہ عید کا دن تھا۔ خلیفہ وقت مروان حضرت ابوسعید خدریؓ کا ہاتھ تھامے نماز عید کے لیے جا رہے تھے عید گاہ پہنچے تو مروان اپنا ہاتھ چھڑا کر منبر پہ جانا چاہتا تھا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے ہر چند روکا کہ عید کے دن پہلے نماز اور بعد میں خطبہ ہوتا ہے۔ اس لیے آپ قبل از نماز عید کا خطبہ نہ دیں، مگر مروان نہ

مانا اور منبر پر پہنچکر خطبہ شروع کر دیا۔ اتنے میں حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور بلند آواز سے پکارا الصلوٰۃ قبل الخطبۃ یعنی خطبے سے پہلے نماز ہونی چاہیئے۔ مگر مروان پھر بھی نہ مانا اور اپنی ضد پہ اڑا رہا۔ ابوسعید خدریؓ نے کہا اما ھٰذا فقد قضٰی ما علیہ یعنی اس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر دیا، کیونکہ میں نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سُنا ہے۔ آپ فرماتے تھے۔ مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ جو کوئی برائی دیکھے تو اُسے ہاتھ سے روک دے۔ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ اگر وہ ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے ہی کہ دے۔ اور اگر زبان سے روکنے کی طاقت بھی نہ پاتا ہو فَبِقَلْبِہٖ تو کم از کم دل ہی سے اسے بُرا جانے۔ فرمایا وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانَ یہ کمزور ترین ایمان ہے مسلم شریف اور ابن ماجہ شریف کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں وَلَیْسَ وَرَآءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ یعنی اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا کوئی درجہ باقی نہیں ہے۔ کسی بُرائی کو محض دل سے بُرا جاننا ایمان کا آخری درجہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر یہ درجہ بھی کسی کو حاصل نہ ہو سکے، تو پھر اُس کا ایمان باقی نہ رہا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت حذیفہؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ تم ضرور نیکی کا کام کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے لَیُوْشِکَنَّ اللّٰہُ یَبْعَثُ عَلَیْکُمْ عِقَابًا تو منتظر رہو کہ اللہ تم پر عذاب مسلط کر دے۔ ثُمَّ لَتَدْعُنَّہٗ فَلَا یَسْتَجِیْبُ لَکُمْ پھر تم دعائیں کرتے رہو گے۔ مگر اللہ قبول نہیں کریگا۔ گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کے مستحق ٹھہرو گے۔

فرض کفایہ

مفسر قرآن امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تبلیغ دین کا کام فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ یہ کام ایک گروہ

یا جماعت کے سپرد کیا گیا ہے۔ سب کے سب مسلمانوں کو یہ حکم نہیں ہے۔ اگر یہ کام تمام اہل اسلام کے لیے ضروری ہوتا تو نماز، روزہ وغیرہ کی طرح فرض عین ہوتا۔ فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر عامۃ المسلمین میں سے کچھ لوگ بھی اس کو ادا کر لیں، تو سب کی طرف سے ادائیگی ہو جائے گی اور اگر کوئی شخص بھی اس فرض کو پورا نہ کرے، تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ جیسے جہاد کا فریضہ ہے۔ جب کوئی شخص بھی جہاد کرنے والا نہیں ہوگا تو ساری قوم قابل مؤاخذہ ہوگی اور اگر جہاد کے قابل بعض لوگ اس فرض کو ادا کرتے رہیں گے تو ساری قوم کی طرف سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی اسی طرح اسلامی تعلیم حاصل کرنے کا معاملہ ہے۔ بنیادی تعلیم کے متعلق تو حضور علیہ السلام نے فرمایا طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ کہ یہ ہر مسلمان مرد و زن پر فرض ہے۔ یہ ضروریات دین میں شامل ہے۔ اور اس کے ذریعے انسان اپنا عقیدہ اور عمل درست کرتا ہے، مگر مفصل تعلیم فرض بالکفایہ ہے۔ کچھ لوگ بھی اگر دین کی مفصل تعلیم حاصل کر لیں گے اور وہ اسے عام لوگوں تک پہنچانے کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے، تو یہ تمام لوگوں کی طرف سے کفایت کرے گا۔ اسی طرح مردے کا غسل، کفن دفن اور اس کی نماز جنازہ ہے۔ اگر بعض لوگوں نے یہ امور انجام دے دیے تو سب لوگوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہو گیا۔ اور اگر کسی نے بھی نہیں کیا، تو ساری بستی کے سارے بستی والے گنہگار ہوں گے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي جس قوم میں برائیوں کا ارتکاب ہو رہا ہو اور قوم کے لوگ قادر ہونے کے باوجود برائی کو روکنے کی کوشش نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سب کو سزا دے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا۔ کہ برائی سے منع نہ کرنے کی بیماری سب سے پہلے بنی اسرائیل میں پیدا ہوئی۔ جب اس قوم کے لوگ معاصی میں مبتلا ہوئے تو ابتدا میں بعض لوگوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی، جب وہ باز نہ آئے، تو باقی لوگ بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو گئے۔ ان کے ساتھ

اٹھنا بیٹھنا، کھانا، پینا وغیرہ جاری رکھا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو ملعون قرار دیکر سزا میں مبتلا کر دیا۔ الغرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض بالکفایہ ہے۔ اور اگر امت میں سے کچھ لوگ بھی اس کا بار اٹھالیں، تو یہ فریضہ ادا ہو جائے گا۔

اس کے مکلفین

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ کہ برائی کو بزور طاقت روکنا حکومتِ وقت کا کام ہے کیونکہ اُس کے پاس وسائل اور طاقت ہوتی ہے۔ اور زبان سے روکنا علمائے کرام کا کام ہے۔ جب کہیں برائی دیکھیں تو اُن کا فرض ہے۔ کہ وہ خاموش تماشائی نہ بنیں بلکہ اُس کے خلاف آواز اٹھائیں اور احتجاج کریں۔ فرماتے ہیں۔ کہ ایمان کے آخری درجے میں عوام الناس آتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ کم از کم دِل سے ہی بُرائی کو بُرائی سمجھیں اور نیکی کی حوصلہ افزائی کریں۔ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ جب تجھے نیکی اچھی لگے اور بُرائی بُری محسوس ہو، تو سمجھ لے کہ تیرے اندر ایمان باقی ہے اور اگر اس کے خلاف ہے۔ تو آدمی ایمان سے خالی ہو گیا ہے۔

بعض مفسرین اور علمائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ بُرائی کو طاقت سے روکنے کے لیے حکومت کے علاوہ بعض دوسرے لوگ بھی مکلف ہیں۔ انسان اپنے گھر میں یا اپنے ماحول میں جہاں بھی بُرائی کو بزور طاقت روک سکتا ہے۔ وہاں وہ ایسا کرنے کا پابند ہو جاتا ہے، کیونکہ ایسے شخص کو اپنے گھر میں یا حلقہ اثر میں اختیار حاصل ہوتا ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں موجود ہے كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ تم میں سے ہر شخص اپنے حلقہ اثر میں حاکم ہے اور تم سے اپنی رعیت کے متعلق باز پرس ہو گی۔ لہٰذا ہر شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ جہاں بھی طاقت پاتا ہے، بُرائی کو روکنے کی کوشش کرے۔ اگر اس ضمن میں غفلت کا مظاہرہ کریگا۔ تو مجرم ٹھہرے گا۔

مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ امر بالمعروف کے بھی مختلف درجات ہیں جو حکم جس درجے کا ہو گا، اُس پر عمل کرنا بھی اُسی درجے میں داخل ہو گا۔ مثلاً نماز یا روزہ

فرض ہے۔ تو وہاں نماز اور روزہ کا حکم کرنا بھی فرض ہوگا۔ اور نوافل وغیرہ جیسے مستحب امور میں ان کا حکم کرنا بھی مستحب کے درجے میں ہوگا، فرض واجب نہیں ہوگا مولانا اشرف علی تھانوی ؒ فرماتے ہیں۔ کہ کسی مسئلہ میں قدرت ہونے میں یہ شرط بھی داخل ہے کہ وہ مسائلِ دین سے واقف بھی ہو۔ اگر کوئی شخص دینی مسائل کو جانتا ہی نہیں تو عمل کیسے کرائے گا۔ اسی لیے فرماتے ہیں کہ جاہل لوگوں کا وعظ سننا بھی درست نہیں۔ ایسا شخص جھوٹی روایتیں بیان کر کے غلط مسئلے پیش کرے گا۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی عالم نہیں بلکہ جاہل ہے، لہٰذا اس کے وعظ سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی حاشیئے میں فرماتے ہیں۔ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے لیے انسان کے لیے صاحبِ علم ہونے کے ساتھ ساتھ ذی ہوش اور موقع شناس ہونا بھی ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا دے۔ یا منکرات کی اصلاح کے لیے ایسے وسائل استعمال کرے جن سے مزید منکرات پیدا ہونے کا احتمال ہو۔ بعض اوقات نرمی کی بجائے سختی یا سختی کی بجائے نرمی اختیار کرنے سے بھی اصلاح کی بجائے بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وسیع تر معنوں میں ایک آدمی کا کام نہیں ہے بلکہ اس کام کے لیے مذکورہ شرائط کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔

الغرض! فرمایا کہ تم میں سے ایک ایسا گروہ ضرور ہونا چاہیئے۔ جو ہر وقت خیر کی طرف دعوت دے، اچھے کاموں کی تلقین کرے، اور بُرے کاموں سے منع کرے۔ فرمایا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔ ایسا فریضہ ادا کرنے والے لوگ اللہ کے مقبول بندے ہوں گے اور انہیں درجہ کمال حاصل ہوگا۔ فرمایا یہ لوگ فلاح یافتہ ہو جائیں گے۔

درس سی و ہفت ۳۷ — آیت ۱۰۵ تا ۱۰۹

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿١٠٨﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿١٠٩﴾

ع ۱۱ ۸ ۲

ترجمہ :- ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا جب کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آچکیں ۔ اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے (۱۰۵) جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے، بہر حال وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (اُن سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا۔ پس عذاب چکھو۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو تم کفر کرتے تھے (۱۰۶) اور بہر حال وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (۱۰۷) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم آپ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ظلم کا ارادہ نہیں کرتا جہان والوں پر (۱۰۸) اور

اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جائیں گے ﴿۱۰۹﴾

ربط آیات

گذشتہ دروس میں اہل کتاب کی اطاعت کرنے سے منع فرمایا گیا تھا۔ پھر تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ہوا، اور اللہ کی رسی یعنی قرآن حکیم کو مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین کی گئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ امتِ مسلمہ میں سے ایک گروہ ضرور ایسا ہونا چاہیے جو نیک کاموں کی طرف دعوت دے، اچھے کاموں کا حکم کرتے رہیں اور برائی سے روکتے رہیں۔ اس طرح جماعت کا نظم بھی قائم رہے گا اور لوگ گمراہی سے بھی بچ جائیں گے اب اہل ایمان سے مزید خطاب ہو رہا ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ کی طرح تم بھی آپس میں تفرقہ کا شکار نہ ہو جانا۔ اہل کتاب نے واضح احکام آجانے کے باوجود اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے تفرقہ ڈالا۔ ان کے الگ الگ گروہ بن گئے۔ خود ساختہ عقیدے وضع ہو گئے اور اس طرح وہ گمراہی میں مبتلا ہوئے اے اہلِ ایمان! تم ایسا نہ کرنا۔

تفرقہ فی الدین

ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جو متفرق ہو گئے، گروہوں میں بٹ گئے اور انہوں نے اختلاف کیا۔ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ واضح احکام و دلائل آجانے کے بعد۔ یہ اختلاف کسی غلط فہمی کی بناء پر نہیں پیدا ہوئے۔ بلکہ انہوں نے اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کی تکمیل کے لیے دیدہ دانستہ اختلاف کا راستہ اختیار کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور ایسے لوگ خدا کے نزدیک بڑے عذاب کے مستحق ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ مفسرِ قرآن ہیں۔ آپ اولیاء اللہ میں سے تھے نقشبندی طریقہ کے بزرگ تھے۔ آپ نے شیخ جان جاناںؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور پھر انہی کے نام سے آپ نے تفسیر مظہری لکھی۔ بڑے پائے کی تفسیر ہے۔ یہ تفسیر بڑے عرصہ تک قلمی نسخہ کی شکل میں محفوظ رہی۔ اب سے تقریباً چالیس سال پہلے

دس جلدوں میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ عالمگیرؒ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ہم عصر تھے۔ اور حضرت مرزا جانِ جاناںؒ کو رافضیوں نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ امام ولی اللہؒ کے شاگرد اور حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے مرید باصفا تھے۔

اس آیت کے متعلق امام ابن کثیرؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں جس اختلاف کی ممانعت کی گئی ہے، وہ اصولِ دین کا اختلاف ہے۔ کیونکہ قطعی اصولوں میں اختلاف کرنا بالکل ناجائز ہے۔ ایسے اختلاف سے دین کا عقیدہ ہی بگڑ جاتا ہے اور انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ اصولِ دین میں توحید، رسالت اور قیامت وغیرہ کے مسائل آتے ہیں۔ فروعات میں اختلاف روا ہے۔ مگر ایسا اختلاف بھی اگر نفسانی خواہشات کے تابع کیا جائے تو جائز نہیں ہوگا۔ ایسی چیزیں جو فروعات میں شمار ہوتی ہیں، مگر امت میں متفق علیہ ہیں، ان میں بھی اختلاف کرنا اصولِ دین میں اختلاف کے مترادف ہے۔ مثال کے طور پہ فرماتے ہیں۔ کہ موزہ یا موٹی جراب پہ مسح کرنا تو جائز ہے۔ سلف صالحین اس پر متفق ہیں مگر خالی پاؤں پہ بوقت وضو مسح درست نہیں ہے۔ یہ نہ تو حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ سے۔ مگر اس متفقہ مسئلہ کے خلاف روافض ننگے پاؤں پر بھی مسح کرتے ہیں۔ جو کہ درست نہیں ہے۔ ایسے مجمع علیہ مسائل میں اختلاف کرنا بذاتِ خود گمراہی ہے۔ اہلِ بدعت بھی بعض متفقہ مسائل میں اختلاف کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ایسے ہی اختلافات سے منع کیا گیا ہے۔

صحابہ روشن ستارے ہیں

البتہ نفسانیت سے مبرا فروعی اختلافات تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی موجود تھے۔ تحقیق و تجسس کے لیے اختلاف ائمہ دین میں بھی پایا جاتا ہے انکا مقصد راجح پہلو اختیار کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس قسم کا اختلاف روا ہے۔ بعض محدثین میں بھی فروعی اختلاف رہا ہے مگر یہ اختلاف تلاشِ حقیقت کے لیے ہوتا تھا، اس کو گمراہی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ صحابہ کرامؓ کے متعلق دار قطنیؒ اور ابن عبد البرؒ وغیرہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔

کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔
یا محمد اِنَّ اصحابکَ عندی کا لنجوم آپ کے صحابہؓ میرے نزدیک
ستاروں کی مانند ہیں بعضہا اقویٰ من بعض، ایک دوسری روایت آتی ہے
بعضہا اضوء من بعض، یعنی بعض ستاروں کی روشنی بعض کی نسبت
زیادہ ہے مگر سب ہی روشن ہیں، کوئی ستارہ تاریک نہیں ہے۔ کُلٌّ نُورٌ
ان صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا فَمَنْ اَخَذَ بِشَیْءٍ مِمَّا عَلَیْہِ جس شخص نے
کسی ایک صحابی کے طریقے کو اختیار کر لیا، وہ ہدایت پر ہے۔ مقصد یہ کہ صحابہؓ کے
فروعی اختلاف کے باوجود جس نے کسی بھی طریقے کو اپنا لیا، تو وہ ہدایت پہ ہی ہوگا۔
اگر کسی دوسرے شخص نے دوسرے صحابی کی بات کو مان کر اس پر عمل شروع کر دیا، تو
وہ بھی درست ہوگا۔ اور ایسا شخص ہدایت یافتہ شمار ہوگا۔

اختلافِ رحمت

امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے۔ مَا
اُوتِیتُمْ مِنَ الْکِتٰبِ جب تمہارے پاس کتاب اللہ سے کوئی چیز
پیش کی جائے تو اس پر عمل کیا جائے لَا عُذْرَ لِاَحَدٍ فِیْ تَرْکِہٖ اس کو ترک
کرنے میں کسی کا عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ مقصد یہ کہ قرآن پاک کے حکم کو ہر حالت میں
ماننا پڑے گا، اس کے خلاف کوئی حیلہ بہانہ نہیں چل سکے گا۔ اور اگر قرآن پاک میں
کسی معاملہ کی وضاحت موجود نہ ہو، تو فرمایا فَفِیْ سُنَّتِیْ نبیؐ تو حضور علیہ السلام کی
سنت مطہرہ میں تلاش کرو، وہاں سے حکم معلوم کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور اگر
وہاں پر بھی کوئی چیز تشنہ ہے تو فرمایا، فَمَا قَالَ اصحابی میرے صحابہ کی بات
کو مان لو، یہ بھی تمہارے لیے حجت ہوگی اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ
کیونکہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں فَبِاَیِّہِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ
تم جس صحابی کی بات مان کر اس پر عمل کر لو، ہدایت پا جاؤ گے۔ اور یاد رکھو!
اِخْتِلَافُ اَصْحَابِیْ لَکُمْ رَحْمَۃٌ میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے
لیے باعث رحمت ہے۔ جس مسئلہ میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ اس میں

اللہ نے تمہارے لیے سہولت رکھ دی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے محمد کے فرزند امام قاسم ابن محمدؒ بڑے پائے کے امام تھے۔ آپ تابعین کے دور کے فقہائے سبعہ (سات بڑے فقہاء) میں سے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں اِخْتِلَافُ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ رَحْمَۃٌ لِعِبَادِ اللّٰہِ اصحاب محمد کا اختلاف اللہ کے بندوں کے لیے باعث رحمت ہے۔ لہٰذا اس قسم کا اختلاف بالکل روا بلکہ امت کے لیے سہولت کا باعث ہے۔ چاروں آئمہ دین جن کے پیروکار پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں، اُن کا آپس میں اختلاف بھی جائز ہے۔ کیونکہ نہ تو وہ اصولِ دین میں ہے اور نہ بربنائے نفسانیت ہے۔ پانچواں طبقہ محدثین ظاہریہ کا ہے۔ جو ظاہری طور پر کسی امام کی تقلید نہیں کرتے، مگر یہ سب کے سب اہل حق ہیں۔ ان کا آپس میں اختلاف تحقیق و تجسس کی بنا پر ہے نہ کہ تعصب اور ضد کی بنا پر۔

مسلک امام ابوحنیفہؒ

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک بھی وہی ہے، جو صحابہ کرامؓ کا ہے۔ امام طحاویؒ نے طحاوی شریف کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے۔ کہ وہ سب سے پہلے کتاب اللہ سے رجوع کرتے ہیں۔ اگر وہاں پر مسئلہ کا حل نہ ملے، تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کرتے ہیں، اگر وہاں بھی نہ پائیں، تو جس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہو، اُس کو بلاچون وچرا مان لیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اگر کسی معاملہ میں صحابہ کا اختلاف ہو، تو پھر امام صاحب زیادہ راجح پہلو کو اختیار کرتے ہیں۔ اگر صحابہؓ کے قول و عمل میں بھی کوئی چیز نہ ملے، تو پھر خود اجتہاد کرتے ہیں، آپ کے نزدیک اجتہاد چوتھے درجہ پہ آتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض لوگ اس معاملہ میں امام صاحبؒ کو بدنام کرتے ہیں اکہ آپ حدیث پہ قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ امام طحاویؒ لکھتے ہیں۔ کہ امام ابوحنیفہؒ تو ضعیف حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں چہ جائیکہ وہ اعلیٰ درجے کی حدیث کو نظر انداز کر دیں۔ ابن حزم ظاہریؒ نے اس کی مثال قہقہہ والی حدیث سے دی ہے۔ اس ضعیف حدیث میں آتا ہے

کہ اگر کوئی شخص نماز کی حالت میں ہنس پڑے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر امام ابو حنیفہؒ کا اسی پر عمل ہے۔ انہوں نے بلا وجہ قیاس نہیں کیا۔ اُن کا اجتہاد ایسے مسائل میں واقع ہوا ہے، جہاں روایت میں اختلاف پایا گیا ہے۔ یا صحیح روایت ثابت ہی نہیں ہو سکی۔

اختلاف زحمت

جائز فروعی اختلاف تو باعث رحمت ہے۔ مگر بعض ضدی اور متعصب قسم کے لوگ کسی معمولی اختلاف کو بنیاد بنا کر آپس میں بحث و مناظرہ کرتے ہیں۔ اور پھر جب ہٹ دھرمی کی وجہ سے کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے تو آپس میں سر پھٹول کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایسے اختلاف قتال تک پہنچ جاتے ہیں۔ تاتاریوں کے زمانہ میں حنفی اور شافعی مسلک کے لوگ ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے اور قتل و غارت گری تک نوبت پہنچی۔ اس قسم کا اختلاف یقیناً یہودیوں والا اختلاف ہے۔ یہ وہ اختلاف نہیں جسے حضور علیہ السلام اور تابعین کی زبان سے باعث رحمت کہا گیا ہے۔ بلکہ اس قسم کا اختلاف باعث زحمت ہے۔ جو مسلمانوں میں افتراق پیدا کرتا ہے۔ امیر معاویہؓ کی روایت میں ہے اِنَّ اَھْلَ الْکِتٰبَیْنِ افْتَرَقُوْا دو کتابوں یعنی تورات اور انجیل کی طرف نسبت کرنے والوں نے اپنی پارٹیاں اور گروہ بنا لیے۔ یہ لوگ ثنتین وسبعین یعنی بہتر ۷۲ فرقے بن گئے۔ نیز فرمایا وتفترق امتی علی ثلٰث وسبعین میری اس امت کے تہتر ۷۳ فرقے بن جائیں گے۔ مگر یاد رکھو کلھم فی النار اِلَّا واحدۃ ایک فرقے کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ عرض کیا حضور! وہ ناجی فرقہ کون سا ہوگا، فرمایا وہ جماعت ہوگی جس کو اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو حضور علیہ السلام کی سنت اور صحابہؓ کے طریقے پر چلیں گے اُن کا عقیدہ اور عمل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے عمل کے مطابق ہوگا یہی لوگ ناجی ہیں۔

بدعات کی کثرت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے سیخرج اقوام عنقریب میری

امت میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے تتجاری بھم تلک الاھواء ان میں خواہشات اور بدعات اس طرح سرایت کر جائیگی کما یتجاری الکلب بصاحبہ جس طرح پاگل کتے کے کاٹنے سے بیماری سارے جسم میں سرایت کر جاتی ہے۔ لا یبقی منه عرق ولا مفصل الا دخلہ کوئی رگ اور جوڑ ایسا نہیں ہوگا۔ جس میں یہ سرایت نہ کر جائے۔ بدعت ایسی بُری چیز ہے۔ کہ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول، صحابہ کرام اور بڑے بڑے فقہار کے اٹل فیصلے نظر انداز کر دیے جاتے ہیں کیونکہ وہ اُن کی خواہشات کے مطابق نہیں ہوتے۔

آج اپنے ارد گرد نظر اٹھا کر دیکھ لیں، سنت کا متلاشی کوئی خاص ہی اللہ کا بندہ نظر آئے گا۔ ورنہ ہر موقع پہ لوگ بدعات کی پیروی کر رہے ہیں۔ بیاہ شادی کا موقع ہو، یا فوتیدگی کا، کوئی خوشی کا موقع ہو یا غمی کا ہر جگہ بدعات کی بھرمار ہے بارہ ربیع الاوّل کے نام پہ عوام سے لے کر حکومتی سطح تک جو کچھ گلی کوچوں اور ایوانوں تک کیا گیا ہے، کیا یہی اسلام ہے۔ صحابہ کرامؓ اور آئمہ دینؒ کے زمانے تک تو کسی کو جلوس نکالنے، چراغاں کرنے اور جھنڈیاں لگانے کی نہ سوجھی، یہ تمام بدعات تو ساتویں صدی میں شروع ہوئیں۔ خاص طور پہ قابل غور بات یہ کہ نبی علیہ السلام کی ولادت کی تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ربیع الاوّل کی یکم، دو، چھ نو، دس اور بارہ کی مختلف روایات ہیں۔ مؤرخین کسی ایک تاریخ پہ متفق نہیں ہو سکے البتہ وفات کی تاریخ بارہ ربیع الاول متفق علیہ ہے۔ افسوس کا مقام ہے۔ کہ لوگ وفات کی تاریخ کو جشن مناتے ہیں۔ اب تو حکومت بھی ان بدعات میں حصہ دار بن گئی ہے۔ ؎ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ جب محکمہ اوقاف نے مزاروں کو اپنی تحویل میں لیا، تو توقع پیدا ہوئی کہ شاید اصلاح کی کوئی صورت نکل آئے گی۔ مگر حکومت کے خزانے میں تو صرف آمدنی کی ضرورت ہے۔ انہیں اس بات سے کچھ غرض نہیں کہ مزارات پر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ عرس ہوتے ہیں۔ چادریں چڑھتی ہیں، پھول، اور پھولوں کی چادریں اٹھائی جاتی ہیں اور پھر

غیراللہ کی نذر چلتی ہے، سب کفر، شرک اور بدعات کی قبیح رسوم ہیں۔ جس چیز کو آج دین بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، نہ اُس سے صحابہ کرامؓ واقف تھے، نہ تابعینؒ اور نہ چاروں امامؒ۔ پھر یہ بدعت نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں پہ اتفاق و اتحاد کی دعوت دی ہے۔ شرک، کفر اور بدعت پہ اتفاق کا حکم نہیں دیا۔ اس معاملہ میں لَآ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ فرمایا ہے۔ کسی صحیح چیز پر اتفاق سے بہتر نتائج برآمد ہوں گے، بدعات پر عمل پیرا ہونے سے مزید خرابیاں پیدا ہوں گی اور ملت مزید کمزور ہوگی۔

فرمایا اُن لوگوں میں نہ ہونا جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا۔ حالانکہ اُن کے پاس کھلی کھلی اور واضح نشانیاں آچکی تھیں۔ آج توحید جیسے بنیادی مسئلہ میں جھگڑا کیا جا رہا ہے۔ غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنایا جا رہا ہے۔ اُن کے نام کی دہائی دی جاتی ہے، اُن کو مصیبت میں پکارا جاتا ہے۔ قرآن و سنت کا واضح پیغام موجود ہے مگر اپنے پیٹ کی خاطر اہل اسلام میں تفرقہ پیدا کیا جا رہا ہے، گروہ اور پارٹیاں بن رہی ہیں، یہ سب کچھ خواہشات ____________

نفسانی کی پیروی میں ہو رہا ہے، اِن چیزوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسے لوگ یقیناً خدا کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

روشن اور سیاہ چہرے

فرمایا یَوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے۔ یقیناً اہل ایمان اور سنت پر عمل کرنے والوں کے چہرے قیامت کے دن سفید ہوں گے۔ وَتَسۡوَدُّ وُجُوۡہٌ البتہ کفر شرک، بدعت اور معصیت میں ملوث لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ فرمایا فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡھُھُمۡ ____________ اُس دن جن کے چہرے سیاہ ہوں گے، اُن سے کہا جائے گا اَکَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا۔ کفر اعتقاد میں بھی ہوتا ہے اور اعمال میں بھی۔ اگر عقیدہ بگڑ گیا، تو ایمان میں کفر پیدا ہوا اور اگر اعمال میں کفر کیا، تو اعمال کفار جیسے ہو گئے۔ فرمایا اس کی سزا یہ ہے

فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ اس کفر کا بدلہ چکھو، جس کا ارتکاب کرتے تھے۔

فرمایا وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ جن کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہنے والے ہوں گے۔ پھر فرمایا تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ یہ اللہ کی آیتیں ہیں۔ جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یاد رکھو! وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ جہان والوں پر ذرہ بھر بھی ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔ جو کچھ ملیگا بندوں کے اپنے اعمال کا ثمرہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ کہ بے عمل کو اچھا بدلہ دے دیا جائے، یا کم جرم کے مجرم کو زیادہ سزا دی جائے۔ ہاں! اگر کوئی شخص جرم کرکے سزا سے بچ بھی نہیں سکیگا۔ اُسے اپنے جرم کی سزا بھگتنا ہوگی۔

رجوع الی اللہ

فرمایا وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ ہر چیز پر اُسی کا تصرف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اور اس کے بنائے ہوئے آسمان کے نیچے بستے اور اس کی نعمتوں کو استعمال کرنے والا اس کے خلاف کیسے کچھ کرسکیگا۔ اگر کوئی شخص اللہ کے ساتھ شریک بنائے گا۔ سنت کو ترک کریگا، دین میں رخنہ اندازی کریگا، تو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کریگا۔ کیونکہ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ سب نے اُس کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ تمام معاملات کا فیصلہ وہیں ہوگا۔

درس سی و ہشت ۳۸ — آیت ۱۱۰ تا ۱۱۱

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ :۔ تم سب سے بہتر امت ہو جس کو ظاہر کیا گیا ہے لوگوں کے فائدے کے لیے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو، اور بری باتوں سے منع کرتے ہو، اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو البتہ یہ ان کے لیے بہتر ہوتا، ان میں سے بعض ایمان پر ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں ﴿۱۱۰﴾ وہ تم کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے مگر زبان سے ستانا۔ اور اگر وہ تم سے لڑیں گے، تو تمہاری طرف پیٹھ پھیر دیں گے، پھر انکی مدد نہ کی جائیگی ﴿۱۱۱﴾

ربط آیات اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی باتوں کو ماننے سے منع فرمایا اور اس کے نقصان کا تذکرہ بھی کیا۔ پھر اللہ سے کماحقہ ڈرنے کا حکم دیا اور قرآن پاک کو مضبوطی سے پکڑنے کی وصیت کی۔ تفرقہ بازی کی ممانعت فرمائی اور حکم دیا کہ تمہارے درمیان ہر وقت ایک ایسا گروہ ضرور ہونا چاہیئے جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دیتے رہیں، معروف کا حکم کرتے رہیں اور بری باتوں سے منع کرتے رہیں۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی حالت یاد دلا کر فرمایا کہ ان کی طرح نہ ہونا جنہوں نے تفرقہ ڈالا، اور واضح احکامات آجانے کے بعد اختلاف کیا۔ یہ لوگ ناکام ہیں اور خدا کے

عذاب کے مستحق بھی۔

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ردّ میں کئی چیزیں بیان فرمائیں۔ ابتداء میں خانہ کعبہ کا ذکر آیا۔ اہل کتاب اپنے قبلہ کو افضل قرار دیتے تھے تاہم اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی فضیلت کا تذکرہ فرمایا اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ لوگوں کی عبادت کے لیے اولین عبادت خانہ بیت اللہ شریف سب سے افضل ہے۔ اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام کا ذکر آیا، کہ تم نافرمانی کس طرح کرو گے جب کہ تمہارے درمیان اللہ کا عظیم المرتبت رسول موجود ہے۔ پھر قرآن کریم کا تذکرہ ہوا، کہ آسمانی کتابوں میں یہ سب سے افضل کتاب ہے اور تمام لوگوں کو حکم دیا کہ اللہ کی اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اب حضور علیہ السلام کی امت کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ کہ آپ کی امت بھی تمام امتوں سے افضل ہے۔ یہ چاروں چیزیں یعنی بیت اللہ شریف، پیغمبر اعظم، قرآن حکیم اور امت محمدیہ کا تذکرہ سورۃ بقرہ میں بھی ہو چکا ہے، اب پھر ان کو دُہرایا جا رہا ہے۔

بہترین امت

ارشاد ہوتا ہے۔ اے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ تم بہترین امت ہو۔ كُنْتُمْ ماضی بعید کا صیغہ ہے امام بیضاویؒ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اس بات کا تذکرہ ماضی میں کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق اور لوح محفوظ میں بھی یہ بات موجود ہے۔ کہ اللہ کے ہاں تم سب سے بہتر امت ہو، اس کا فیصلہ روزِ ازل سے ہو چکا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے نحن الاٰخرون السابقون یوم القیامۃ ہم دنیا میں تو سب سے آخر میں آنے والے ہیں مگر جنت میں سب سے پہلے جانے والے ہوں گے۔ ایک دوسری حدیث میں یوں بھی آتا ہے کہ جب تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل نہیں ہوں گے، کوئی دوسرا نبی داخل نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب تک حضور خاتم المرسلین کی امت بہشت میں نہیں جائے گی، کوئی دوسری امت

وہاں نہیں جائے گی۔ البتہ کتاب پہلی امتوں کو پہلے دی گئی اور ہم بعد میں آئے ہیں لیکن ہم سبقت کرنے والے اور آگے بڑھنے والے ہیں قیامت کے دن۔
سورۃ البقرہ میں بھی آچکا ہے وَّكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے امت محمدیہ! ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے۔ وسط کا معنیٰ درمیان ہوتا ہے۔ جو افراط و تفریط سے پاک ہو اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خیر الامور اوسطھا بہترین کام وہ ہیں جو درمیانے ہوں۔ غرضیکہ حضور علیہ السلام کی امت امت وسط ہونے کے لحاظ سے بھی باقی امتوں سے افضل ہے۔

امر بالمعروف

فرمایا یہ ایسی امت ہے اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ جس کو لوگوں کے فائدے کے لیے نکالا گیا ہے، ظاہر کیا گیا ہے۔ اور یہ تین طریقوں سے لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ کہ تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو۔ یہاں پہ مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ یعنی تم نیکی کا حکم دیتے ہو، یہ نہیں فرمایا کہ نیکی کا حکم دو، یہ گذشتہ دروس میں گذر چکا ہے۔ کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو نیکی کا حکم کرے۔ اس مقام پہ اندازِ بیان یہ ہے کہ تمہاری صفت ہی یہ ہے کہ تم اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو۔ اب رہی یہ بات کہ نیکی کیا ہے۔ تو توحید سے لے کر ادنیٰ درجے کی اچھی چیزیں سب نیکی میں آجاتی ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہنا سب سے افضل نیکی ہے۔
ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ حضور! کونسا عمل افضل ہے، فرمایا ایمان باللہ یعنی اللہ پہ ایمان لانا، توحید کو ماننا۔ اس کے بعد دوسرے اعمال نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ ہیں۔ گویا لوگوں کو ایمان اور توحید کی دعوت دینا سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس کے بعد چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہیں۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی مومن اپنے ایمان کے تقاضے سے ایک روڑا یا پتھر بھی راستے سے ہٹا دے تاکہ کسی راہ گذر کو ٹھوکر نہ لگے، تو وہ بھی

نیکی شمار ہو گی، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا نیکی کی کسی چھوٹی چیز کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ چھوٹی چھوٹی نیکیاں مل کر قیامت کے دن پہاڑ بن جائیں گی۔ اسی طرح کسی برائی کو بھی حقیر اور کم تر نہیں سمجھنا چاہیئے، کیونکہ یہ اکٹھی ہو کر بہت بڑا ذخیرہ بن جائیں گی۔ غرض فرمایا کہ اے امت محمدیہ! تمہاری صفت یہ ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو۔

نہی عن المنکر

فرمایا تمہاری دوسری صفت یہ ہے وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ تم بری باتوں سے منع کرتے ہو۔ بری چیزوں میں کفر و شرک سے لیکر بدعات رسومات قبیحہ، فسق و فجور، ہر قسم کی بداخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں۔ ان سے روکنے کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ کہ روکنا کبھی ہاتھ سے ہوتا ہے، کبھی زبان سے، کبھی قلم سے اور کبھی تلوار سے۔ ابوداؤد شریف کی روایت میں موجود ہے جَاهِدُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ یعنی کافروں اور مشرکوں کے ساتھ مال جان اور زبانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ تبلیغ کا کام زبانی جہاد ہے۔ اگر توحید، ایمان اور دیگر نیکی کی باتیں پھیلانے کے لیے کوئی مضمون لکھا جائے، رسالہ جاری کیا جائے، کوئی دستاویز تیار کی جائے یا کتاب لکھی جائے، یہ سب قلم کے ذریعے جہاد ہے

اگر صاحب استطاعت ہے تو طاقت کے ذریعے بھی برائی کو روک سکتا ہے۔ اس کی تشریح پہلی آیت میں آچکی ہے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ امر بالمعروف فرض امور میں فرض ہوتا ہے، واجب امور میں واجب، سنت امور میں سنت اور مستحب امور میں مستحب کا درجہ رکھتا ہے۔ البتہ مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اگر آدمی مایوس ہو تو زبانی جہاد کو ترک بھی کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی کو تجربہ کی بنا پر یقین ہے کہ اس کی بات کوئی نہیں سنے گا، تو زبانی جہاد کو ترک کرنے کی بھی اجازت ہے اس کے باوجود اگر وہ زبانی جہاد جاری رکھتا ہے۔ تو بہت بڑے اجر کا مستحق ہو گا۔ البتہ جو صاحب اقتدار ہے، اس کا فرض ہے۔ کہ وہ برائی کو طاقت۔۔ سے

روکے۔ اگر ایسا نہیں کرتا، تو مجرم ٹھہرے گا۔ اور قابل مواخذہ ہوگا۔

نئی برائیاں

آج کے دور میں نئی نئی برائیوں نے جنم لیا ہے۔ نئی تہذیب نے گندے انڈے دیے ہیں۔ فوٹو گرافی، مجسمہ سازی، سینما، وڈیو کیسٹ، ٹیلیویژن، وی سی آر وغیرہ موجودہ دور کی پیداوار ہیں۔ اب کھیلوں کی نئی بیماری آئی ہے، کرکٹ، ہاکی وغیرہ کا قومی اور بین الاقوامی سطح پر خوب چرچا ہے۔ حکومت سرپرستی کر رہی ہے۔ انگریزوں اور یونانیوں کے جاری کردہ کھیل آج پوری دنیا میں چھا چکے ہیں، کئی کئی دن متواتر کھیل جاری رہتا ہے۔ لوگ کام کاج چھوڑ کر میدان میں پہنچ جاتے ہیں یا پھر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے گرد بیٹھ جاتے ہیں۔ کامیابی پر مبارک بادیں دی جاتی ہیں، مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں۔ صدر اور وزیر اعظم ٹیم کو مبارک باد کے پیغام بھیجتے ہیں۔ کھیلوں پر بھاری رقوم خرچ کی جاتی ہیں، ذرا اندازہ لگائیں کہ اس سے کونسا بڑا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ یہ محض لہو ولعب اور فضول خرچی ہے۔ یہی وقت اور روپیہ مظلوم کی مدد کرنے، تکلیف زدہ کی تکلیف دور کرنے پر خرچ کرو۔ لوگوں کو قبیح رسومات اور کفر و شرک سے باہر نکالنے پر خرچ کرو۔ یہاں تو الٹے ہی ہو رہا ہے۔ قبریں پختہ بنائی جا رہی ہیں۔ ان پر بے دریغ روپیہ صرف کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد تو یہ ہے لَا تُجَصِّصُوا الْخَتم قبریں مت بناؤ، مگر سارا میٹریل سیمنٹ، بجری، اینٹ حرام کاموں میں صرف ہو رہا ہے۔ شریعت میں قبروں کو پختہ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ یہی دولت کسی نیکی کے کام میں لگتی تو امت کا فائدہ ہوتا۔ سینما، تھیٹر، ٹیلی ویژن کی جتنی بہتات ہوگی۔ اتنی ہی فحاشی پھیلے گی، قوم و ملت کو کیا فائدہ ہوگا۔ کبھی سینما دیکھ کر بھی نیکی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ سب شیطانی کام ہیں۔ جس کام کی بنیاد ہی لہو ولعب پر ہو، لوگوں کو غافل بنانے اور خدا اور رسول کے احکام سے برگشتہ کرنے پر ہو، اس سے کیا تربیت حاصل ہو سکتی ہے۔ وہاں سے چوری، زنا، ڈاکہ، عریانی اور بے حیائی کی تعلیم ہی حاصل ہو گی۔ اگر تربیت حاصل کرنا ہے تو کسی نیک مجلس میں جاؤ، کسی خدا کے بندے کی صحبت اختیار کرو۔ نیکی وہاں سے ملے گی، جس چیز کو آج ترقی کا نام دیا جا رہا ہے

وہ تو اسر منکرات میں شامل ہے جس کو روکنا صاحب اختیار کے لیے ضروری ہے۔
حضرت عمرؓ نے تو فرمایا تھا کہ اگر تم خیر الامت بننا چاہتے ہو، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جاری کرو۔ ہر شخص کا دل نورِ ایمان سے منور ہو، تب نیکی حاصل ہو گی۔ برائیوں کا ارتکاب کر کے خیر الامت کا لقب حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

ایمان باللہ

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تم بہتر امت ہو جسکو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں آ چکا ہے۔ کہ اللہ نے تمہیں امت وسط بنایا ہے لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" تاکہ تم دوسروں لوگوں پہ گواہ ہو جاؤ۔ شاہ عبد القادرؒ اس کا ترجمہ کرتے ہیں" تاکہ تم دوسرے لوگوں کے معلم بن جاؤ"۔ گویا رسول تمہارا معلم ہے، اور تم دوسرے لوگوں کے معلم ہو۔ تاکہ تم دیگر اقوام اور مذاہب کے لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھاؤ۔ اگر تم خود ہی کفر، شرک اور بدعات میں ڈوب گئے۔ تو باقی دنیا کو ہدایت کے راستے پہ کون لائے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہارے بہتر امت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ اور اللہ پہ ایمان رکھتے ہو۔ اللہ پہ ایمان لانے کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو دین اور شریعت ہمیں نبی آخر الزمان علیہ السلام کے توسط سے ملا ہے اس کی تمام جزیات پہ ہمارا ایمان ہے۔ اور اس کے تمام احکام کی بجا آوری ہم پر لازم ہے۔ جو شخص اللہ پہ ایمان لانے کا دعویدار ہے مگر قرآن وسنت کے احکام کو نہیں مانتا، وہ کیسا مومن ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو بھی فرمائی وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم
اگر اہل کتاب بھی اللہ پہ ایمان لے آتے، تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اللہ پہ ایمان لانے کا یہی مطلب ہے کہ وہ نبی آخر الزمان اور قرآن حکیم اور پوری شریعت اسلامیہ پہ ایمان لاتے۔ مگر یہ لوگ تو دانستہ کفر میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب بگاڑ لی ہے، عقیدہ خراب کر لیا ہے اور طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہیں۔ اہل ایمان سے ان کو ضد ہے۔ انہوں نے تعصب کی بنا پر کفر کا

راستہ اختیار کیا۔ اِن کی بہتری اسی میں تھی کہ اللہ پر ایمان لے آتے۔

پھر فرمایا، البتہ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ ان میں سے بعض لوگ ایماندار بھی ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں مدینے کے دس بڑے یہودی علماء میں سے صرف عبداللہ بن سلامؓ اور اُن کے بعض ساتھی ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے مگر وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ان کی اکثریت فاسقوں پر مشتمل رہی۔ یہود و نصاریٰ کی اکثریت آج بھی فسق پر ہے۔ نزولِ قرآن کو چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ مگر یہ لوگ ابھی تک کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ عیسائی مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ اور ایک کی بجائے تین خدا مانتے ہیں۔ بناوٹی انجیل پر ان کا ایمان ہے۔ یہودی اِن سے بھی زیادہ خیانت میں مبتلا ہیں۔ اِن میں مکاری اور بے ایمانی پائی جاتی ہے۔ انہیں آج تک سمجھ نہیں آئی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ لوگ قرآن پاک اور نبی آخر الزمان کی مخالفت میں ہر وقت سرگرداں رہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ اسلام کے قریب نہ آئیں۔ اِن کی اکثریت فاسق کی ہے۔ ہر زمانے میں خال خال ہی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو تعصب سے پاک ہوں۔ یہ لوگ تھوڑی سی توجہ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں ایمان کی دولت عطا فرما دیں۔

اہل ایمان کو تسلی

اہل کتاب کی خصلت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تسلی دی لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى اہل کتاب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے مگر زبانی چھیڑ چھاڑ جاری رکھیں گے۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف بڑی سازشیں کیں مگر اللہ نے ہر سازش کو ناکام بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے بھی فرما دیا اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم ایمان پہ قائم رہے، تو غالب تم ہی ہو گے۔ اہل کتاب تم پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں تم خود ایمان کو چھوڑ بیٹھو، تو پھر اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے۔ "اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ" تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے

اگر خدا تمہیں رسوا کرے تو پھر کوئی تمہارا مددگار نہیں ہوگا۔

فرمایا وَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ اگر اہل کتاب تم سے لڑائی کریں۔ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ تو تمہاری طرف پیٹھ پھیر دیں گے، تم سے لڑنے کی ہمت نہیں پائیں گے۔ سورۃ حشر میں بھی آتا ہے تم ان کی طرف سے پریشان نہ ہو، یہ تمہارے ساتھ کھلم کھلا جنگ نہیں لڑ سکتے۔ اور اگر ایسا کوئی وقت آ بھی جائے تو یہ لوگ ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ پھر ان کی ہرگز مدد نہیں کی جائے گی۔ یہ ناکام و نامراد ہوں گے۔

درس سی ونہ ٣٩ — آیت ١١٢ تا ١١٥

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿١١٢﴾ لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿١١٣﴾ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١٤﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾

ترجمہ: اُن پر ذلت مسلط کی گئی ہے، جہاں بھی وہ پائے جائیں۔ مگر اللہ کی رسی کے ساتھ اور لوگوں کی رسی کے ساتھ۔ اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے، اور مسلط کی گئی، اُن پر مسکنت، یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی، اور وہ حد سے بڑھنے والے تھے ﴿١١٢﴾ یہ سب کے سب برابر نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک امت ایسی بھی ہے، جو سیدھے راستے پر قائم ہے۔ وہ اللہ کی آیتوں کو رات کی گھڑیوں میں پڑھتے ہیں، اور وہ سجدہ کرتے

ہوتے ہیں (۱۱۳) وہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اور اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ اور وہ نیکی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں، اور یہی لوگ نیک بختوں میں ہیں (۱۱۴) اور جو بھی وہ نیکی کا کام کریں گے، اس کی ناقدری ہرگز نہیں ہوگی، اور اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہے ان لوگوں سے جو متقی ہیں (۱۱۵)

ربط آیات

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں، اسی طرح آپ کی امت بھی تمام امتوں سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں بھی یہ چیز موجود ہے۔ اور لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ اس کے بعد اہل کتاب سے شکوہ کیا گیا کہ اگر وہ بھی نبی آخر الزمان پر ایمان لے آتے، تو بہترین امت میں شامل ہو جاتے، اور یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ مگر وہ اپنے باطل عقیدے پر اڑے رہے۔ پھر فرمایا ان میں سے کچھ ایمان والے بھی ہیں مگر اکثر نافرمان ہیں۔ پھر اہل ایمان کو تسلی دی گئی کہ ان سے کوئی خطرہ محسوس نہ کرو۔ یہ لوگ تمہیں زبانی حد تک تو ستائیں گے۔ مگر تمہارا کوئی نقصان نہیں کر سکیں گے۔ اگر تمہارے مقابلے میں آئیں گے، پیٹھ دکھا کر بھاگیں گے۔ چنانچہ نزول قرآن کے زمانے میں خیبر کے یہودیوں کو شکست ہوئی، مدینے کے اطراف میں آباد یہودی قبائل بنی نضیر، بنی قریظہ اور بنی قینقاع ذلیل و خوار ہوئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں رومیوں نے شکست فاش کھائی، شام اور مصر کے علاقے ان سے پاک ہوئے۔ اور جب تک مسلمانوں میں صلاحیت اور تبلیغ کا جذبہ قائم رہا، وہ یہودیوں پر غالب رہے۔ پھر ساتویں صدی میں مسلمانوں کا انحطاط شروع ہوا، جو گذشتہ آٹھ صدیوں سے جاری ہے

یہودیوں کی ذلت

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب خصوصاً یہودیوں کے متعلق فرمایا ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا ان پر ذلت مسلط کر دی گئی، جہاں بھی وہ پائے جائیں۔ جب سے انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی ہے اور برائیوں میں ملوث ہوئے ہیں، اس وقت سے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ قرآن میں یہودیوں کی ذلت کا ذکر

بہت سے دوسرے مقامات پر بھی موجود ہے اُن کی رسوائی کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ یہودی سیاسی عروج اور اقتدار سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ گذشتہ اڑھائی ہزار سالہ تاریخ سے ظاہر ہے کہ دنیا کے کسی خطے میں انہیں اقتدار حاصل نہیں ہُوا۔ اُس سے پہلے اُن کی عظیم الشان سلطنتیں تھیں، مگر اب اُس سے محروم ہیں۔ اور محکومی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا کا یہی مطلب ہے کہ یہ لوگ جہاں کہیں بھی ہیں ذلیل و خوار ہو کر ہی گزر اوقات کر رہے ہیں۔

یہودیوں کی ذلت کی دوسری بات یہ ہے۔ کہ یہ لوگ عزتِ نفس سے محروم رہے ہیں۔ کہ وہ رئیس ہونے کے باوجود بھکاریوں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مال سے محبت، ہر کام میں سازش اور ہر قوم سے مکاری اور چالاکی ان کی خصوصیت رہی ہے۔ ان کو کہیں بھی آرام سے بیٹھنا نصیب نہیں ہُوا۔ ایک جگہ شرارت کی تو دوسری جگہ چلے گئے وہاں سازش کی تو وہاں سے نکالے گئے۔ گذشتہ تاریخ سے واضح ہے کہ دنیا کی کوئی قوم انہیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے تک نصاریٰ سے بھی ان کی ایسی ہی ان بن تھی۔ جیسے مسلمانوں کے ساتھ۔ یہودی کبھی عیسائیوں کے ماتحت رہے، کبھی مسلمانوں کے اور کبھی دیگر اقوام کے دستِ نگر رہے۔

حبل اللہ اور حبل الناس

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ جہاں بھی پائے جائیں، اِن پہ ذلت و رسوائی مسلط ہو گی اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ ہاں! اگر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں گے تو رسوائی سے بچ جائیں گے، بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کی رسی سے مراد تورات کی وہ بچی کھچی رسمیں ہیں جن پہ یہ لوگ عمل کرتے رہتے ہیں۔ گویا تورات سے کس حد تک وابستگی کی بنا پہ یہ دنیا میں جیسی کیسی زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر اتنا بھی نہ ہوتا، تو یہ لوگ صفحہ ہستی سے مکمل طور پہ مٹ چکے ہوتے، بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کی رسی سے مراد اللہ کا عہد و پیمان ہے، لہٰذا اگر یہ ایمان قبول کر لیں۔ تو عزت کی زندگی گزار سکتے ہیں۔

فرمایا یہودیوں کے دنیا میں زندہ رہنے کی دوسری صورت یہ ہے۔

وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کی ماتحتی میں رہنا قبول کر لیں، تو پھر بھی ذلت سے بچ جائیں گے۔ بعض مفسرین نے حَبۡلٍ مِّنَ اللّٰہِ کا ترجمہ اللہ کی دستاویز اور حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ کا ترجمہ لوگوں کی دستاویز کیا ہے۔ مقصد ایک ہی ہے۔ کہ یا تورات سے کسی حد تک لگاؤ کی وجہ سے یا پھر دوسری اقوام کے ساتھ عہد و پیمان کر کے گزر اوقات کر سکیں گے۔ دوسرے لوگوں کی ماتحتی قبول کرنا ہو گی اور اُن کی رعیت بن کر رہنا پڑے گا، شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ یہی تفسیر کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے حبل کا معنیٰ ذمہ کیا ہے۔ یعنی اللہ کا ذمہ اور مسلمانوں کا ذمہ۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو اپنی امان میں لے لے یا مسلمان ان کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائیں تو ذلت سے بچ سکیں گے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ناس سے مراد عام لوگ ہیں۔ اگر کوئی دوسری قوم بھی ان کی پشت پناہی کرنے لگے، تو بھی رسوائی سے بچے رہیں گے۔

محروم اقتدار

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ گذشتہ اڑھائی ہزار سال میں یہودی اقتدار سے محروم رہے ہیں، اور ہمیشہ دیگر اقوام کے ماتحت رہ کر وقت گذارا ہے۔ ان کی سابقہ تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ انہوں نے تجارت کے بہانے جہاں بھی قدم جمانے کی کوشش کی، ہمیشہ تکلیف اٹھائی، جرمن قوم نے ان کو خوب مارا، لوگ جرمنوں کو بدنام کرتے تھے۔ کہ انہوں نے یہودیوں سے اچھا سلوک نہیں کیا، مگر وہ کہتے تھے کہ تمہیں ان کی شرارتوں کا علم نہیں ہے، یہ سازشی لوگ ہیں ان کو ہر وقت شرارت ہی سوجھتی ہے۔ جہاں بھی رہتے ہیں لوگوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ یہ لوگ ترکی میں ہمیشہ رہے ہیں اور اب بھی ہیں مگر اسلامی سلطنتیں ان سے ہمیشہ تکلیف اٹھاتی رہی ہیں۔ مسلمان ان کو رعایا سمجھ کر ان سے نرمی برتتے رہے ہیں مگر یہ اپنی فطرت سے کبھی باز نہ آئے۔

اب موجودہ زمانے میں صورت حال مختلف ہے۔ تقریباً چالیس سال قبل اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی اور یہودیوں کو ٹھکانا نصیب ہوا۔ اس پر چہ میگوئیاں

ہونے لگی ہیں کہ کیا قرآن پاک کا دعویٰ معاذاللہ غلط ثابت ہوا ہے۔ کہ یہودیوں پہ ذلت مسلط کر دی گئی اور وہ اقتدار سے محروم ہیں۔ اِس ضمن میں عرض ہے۔ کہ یہودیوں کی موجودہ حکومت کی اپنی کوئی بنیاد نہیں، اُن کا موجودہ اقتدار محض حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کی بدولت ہے۔ ناس سے مراد غیر مسلم طاقتیں ہیں، جن میں کچھ عیسائی ہیں اور کچھ دہریہ ہیں۔ آج یہودی اِسی کے دستاویزے سے زندہ ہیں۔ بنظر غور دیکھا جائے تو اسرائیل کو چار عالمی طاقتوں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور روس کی پشت پناہی حاصل ہے۔ ان میں سے اول الذکر تین عیسائی ہیں اور چوتھی دہریہ ہے۔ اسرائیل اِن سب کی مشترکہ چھاؤنی ہے، جسے اِردگرد کے مسلمان ملکوں کو تنگ کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے اسرائیل کا قیام اِن چاروں عالمی طاقتوں کی مسلمانوں کے خلاف سازش کا نتیجہ ہے۔ اگر آج یہ قوتیں اسرائیل سے اپنا سایہ اٹھالیں، تو یہودی ایک دِن بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ امریکہ اس سازش میں مرکزی کردار ادا کر رہا ہے۔ اسرائیل اپنے اردگرد مسلمانوں پر ظلم کر رہا ہے تل ابیب کی بجائے بیت المقدس کو دارالخلافہ بنایا گیا ہے، جولان کی پہاڑیوں پہ غاصبانہ قبضہ کیا ہے، اور پھر انہیں اسرائیلی اسمبلی کے ذریعے اسرائیل کا حصہ قرار دے لیا ہے، حالانکہ یہ شامی علاقہ ہے، مگر اس ساری کاروائی میں امریکہ خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔ وہ اسرائیل کو زیادتی کرنے سے روک سکتا ہے مگر دانستہ اُس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ اسرائیلی حکومت قائم کرنے والے برطانیہ اور فرانس ہیں۔ امریکہ بھی اپنے مفاد میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا ہے، اُدھر روس کا مفاد بھی اسی میں ہے۔ کہ مسلمان ملکوں کے درمیان اسرائیل کا یہ شاخسانہ قائم رہے۔ پہلی تین طاقتیں عیسائی ہونے کے باوجود آپس میں بھی درپردہ ایک دوسرے کی مخالف ہیں مگر مسلمانوں کی مخالفت کے معاملہ میں سب اکٹھے ہیں، روس تو ویسے ہی دہریہ اور منکر خدا ہے، اُسے مسلمانوں سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ البتہ جہاں اُس کا اپنا مفاد وابستہ ہو، وہاں وہ ہر کاروائی کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

بہر حال اسرائیلی حکومت کے قیام اور اُس کی پشت پناہی میں سب شریک ہیں۔

مسلمانوں کی زبوں حالی

اِس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب کے لگ بھگ ہے، پچاس کے قریب خود مختار حکومتیں ہیں مگر اِن عیسائی اور اشتراکی طاقتوں نے انہیں اس قدر بے بس کر رکھا ہے۔ کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ قیام پاکستان کے وقت مسلمان ممالک مدد کر سکتے تھے، مگر نہیں کی گئی۔ آج کابل کے مجاہدین آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں، مگر ہماری اپنی حکومت ہمیں سرحد پار جا کر مجاہدین کی مدد کرنے سے روکے گی، حقیقت یہی ہے کہ یہودی حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کی وجہ سے نہ صرف خود زندہ ہیں بلکہ دوسروں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں۔ بیت المقدس کی توہین ہو رہی ہے، ہیں ۲۰ لاکھ فلسطینی مسلمانوں کو اس سرزمین سے نکال دیا گیا ہے۔ بہت سے ہلاک ہو چکے ہیں ——— کچھ اردن میں پڑے ہیں، کچھ لبنان میں ہیں، مگر وہاں بھی آئے دن اُن کے خیموں پر بمباری ہوتی رہتی ہے۔ اُن کی بچیاں جیلوں میں گل سڑ رہی ہیں، یتیم بچوں کو عیسائی مشنریاں لے گئی ہیں تاکہ انہیں عیسائی بنایا جا سکے، مگر دنیا بھر کے مسلمان بے بس ہیں۔ سپر پاورز مسلمانوں کے راستے میں حائل ہیں، مگر یہ ہیں کہ پھر بھی انہی کے گُن گاتے ہیں۔ انہی کے طور طریقے اختیار کر رکھے ہیں، وہ تو مسلمانوں کو عیش و عشرت کے راستے پہ ڈال رہے ہیں۔ نئے نئے فیشن، ٹیلی ویژن، وی سی آر، بڑی بڑی کوٹھیاں اور کاریں، کھیل اور تماشے سب کچھ مسلمانوں کو خوابِ غفلت میں سلانے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ تاکہ یہ اپنے پاؤں پہ کھڑے نہ ہو سکیں، اپنی مارکیٹ کی خاطر صنعتی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں آج تک ہم جہازوں کے معمولی پرزے تک درآمد کرنے پر مجبور ہیں۔ مسلمان عرب کا ہو یا عجم کا، سب ایک ہی ڈگر پہ چل رہے ہیں۔ غیر اقوام کے اس قدر دست نگر ہو چکے ہیں، کہ اُن کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے۔

غضب الٰہی

بہر حال ہمارا ایمان ہے۔ کہ یہودیوں پہ ذلت ہمیشہ کے لیے مسلط کی گئی ہے۔ اگرچہ اس وقت اِن کو ایک پناہ گاہ میسر آ گئی ہے مگر صحیح حدیث کے

مطابق ایک وقت آنے والا ہے، جب ان کو شجر و حجر بھی پناہ نہیں دیں گے اگر کوئی یہودی کسی درخت کے پیچھے چھپا ہو گا، تو وہ درخت پکار کر کہیگا، اے مسلمان! یہودی یہاں چھپا ہے اس کو پکڑ لو۔ مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول پہ ایسا دور ضرور آنے والا ہے۔ فرمایا ان پر ذلت اور رسوائی مسلّط کی گئی ہے۔ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے، کیونکہ نافرمانیاں کرتے کرتے ان کی ذہنیت ہی بگڑ گئی وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ اور ان پر مسکینی وارد کر دی گئی۔ اکثر یہودی اپنے آپ کو مسکین ہی ظاہر کرتے ہیں۔ ہمیشہ سے ان کا یہی وطیرہ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے۔ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کیا ہے۔ گذشتہ ادوار میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور اس زمانے کے یہودی اس کارنامے پر فخر کرتے ہیں، یہ کہتے ہیں۔ کہ ہمارے آباؤ اجداد نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے والے اور خدا کے نبیوں کے قاتل ہیں، ظاہر ہے، وہ غضب ہی لے کر لوٹیں گے۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا یہ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے رہے۔ وَكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ اور یہ حد سے بڑھنے والے لوگ تھے۔

سعید روحیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہودیوں کی اکثریت تو نافرمان ہی ہے تاہم یہ سب کے سب برابر نہیں ہیں لَيْسُوْا سَوَآءً ان میں سے کچھ فیصدی اچھے بھی ہیں ان میں نیک بخت اور سعید روحیں بھی ہیں مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ اہل کتاب میں سے ایک گروہ سیدھے راستے پر بھی قائم ہے۔ ان اچھے لوگوں کا کام یہ ہے يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وہ اللہ کی آیتوں کو رات کی گھڑیوں میں پڑھتے ہیں ایسے لوگ ایمان قبول کرتے ہیں۔ اور حضور خاتم النبیین علیہ السلام کا اتباع کرتے ہیں۔ چنانچہ نزول قرآن کے زمانے

میں نجران کے چالیس؁ عربی النسل عیسائیوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشیؒ نے اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر حضرت عثمانؓ اور حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ وہاں کے اکتیس۳۱ مزید باشندے بھی ایمان لائے۔ اسی طرح روم میں آٹھ آدمی فوراً مسلمان ہو گئے۔ مدینہ کے حقیقت پسند لوگوں نے بھی اسلام کو لبیک کہا، عبداللہ بن سلامؓ تو حضور علیہ السلام کی پہلی زیارت کرنے پر ہی اسلام سے مشرف ہو گیا۔ مدینے کی اکثریت مشرکوں کی تھی مگر بعض شرک کو بُرا سمجھتے تھے۔ مدینے کے اطراف میں یہودی آباد تھے۔ ان میں کچھ سعید روحیں ضرور موجود تھیں، ان میں براء بن معرورؓ کا نام آتا ہے۔ محمد ابن مسلمہؓ وغیرہ جنابت کا غسل کرتے تھے اور توحید کا تصور بھی رکھتے تھے۔ جب نبی آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق سُنا تو فوراً ایمان لے آئے۔ بعد کے دور میں بھی بعض یورپین عیسائیوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ ان میں برطانیہ کا سٹر کویلم ہے جس کا نام عبداللہ کویلم رکھا گیا۔ موجودہ زمانے میں محمد اسد ہے۔ یہ جرمنی کا یہودی تھا مگر اللہ نے سمجھ عطا کی۔ اَب وہ فرانس میں ہے۔ اور دین کی خدمت بھی کر رہا ہے۔ راسخ العقیدہ مسلمان ہے۔ پاکستان میں بھی رہ چکا ہے۔ اس نے کئی ایک کتابیں لکھی ہیں۔ موجودہ دور کا محمد پکھتالؒ تمہ کی میں ملازم تھا۔ اُس نے اسلام قبول کیا، اُس نے قرآن پاک کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ غرضیکہ سارے کے سارے اہل کتاب، بدبخت نہیں ہیں بلکہ ان میں کچھ سمجھدار لوگ بھی ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کے علاوہ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ یہ لوگ اللہ کے سامنے سجدہ ریز بھی ہوتے ہیں۔ فرمایا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یہ لوگ، اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ جب حضور علیہ السلام کی سچائی کا علم ہوتا ہے۔ فوراً ایمان قبول کرتے ہیں۔ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ پھر نہ صرف خود ایمان لاتے ہیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی نیکی کا حکم کرتے ہیں۔ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور برائی سے روکتے ہیں یعنی تبلیغ دین کا کام

؁ ابوسعود ص ۲۶۳ ج ۱ (فیاض)

بھی کرتے ہیں۔ اور پھر اُن کی حالت یہ ہو جاتی ہے وَيُسَارِعُوْنَ
فِي الْخَيْرٰتِ وہ نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے لگتے ہیں۔ وَاُولٰٓئِكَ
مِنَ الصّٰلِحِيْنَ یہی لوگ صالح ہیں۔ یہ اچھے لوگوں کی تعریف بھی ہو گئی۔

فرمایا وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ جو بھی نیکی کا
کام کریں گے، انکی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی نیکی کو قبول کر کے بہتر
اجر عطا فرمائیں گے، بلکہ حدیث شریف کے مطابق ایسے لوگوں کو دوہرا اجر ملے گا۔
پہلے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے تھے، ایک
اجر اُس ایمان کا ہو گا اور دوسرا اجر حضور خاتم النبیین علیہ السلام پر ایمان لانے کا ہو گا۔
اس طرح وہ دوہرے اجر کے مستحق ہوں گے۔ فرمایا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ
اللہ تعالیٰ متقیوں یعنی اُس سے ڈرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اس کے علم
میں ہے۔ کہ کون لوگ ایسے ہیں، جو کفر و شرک کی برائیوں سے بچ کر نکل جاتے ہیں

درس چہل ۴۰

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ہرگز کام نہیں آئیں گے ان کے مال اور نہ ان کی اولادیں اللہ کے سامنے کچھ بھی، اور یہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۱۶﴾ مثال اُس کی جو خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں مثل اُس ہوا کے ہے جس میں شدید سردی ہے، جو پہنچی ہے ایسی قوم کے کھیت کو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ پس اس کو ہلاک کر دیا، اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔ ﴿۱۱۷﴾

ربطِ آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عداوت کا ذکر کر کے اُن کی مذمت بیان فرمائی۔ پھر فرمایا اُن میں سے سارے کے سارے برابر نہیں ہیں، بلکہ بعض اہل کتاب منصف مزاج بھی ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کی قدر کرتا ہے اور تمام متقیوں کی نیت، ارادے اور اعمال کو بھی جانتا ہے۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں کی مذمت بیان کی ہے پہلے اہل کتاب کی مذمت بیان ہوئی اور وہ وجوہات بھی بیان ہوئیں جن کی وجہ

سے وہ بھر کشی کرتے تھے۔ پھر ان میں سے بعض کی مدح کا تذکرہ ہوا، اور اب کفر کرنے والوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔

مال و اولاد کا فتنہ

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ایسے لوگ خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے، سب کا ایک ہی معاملہ ہے تاہم اس آیت میں اہل کتاب کی بات چل رہی ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان قبول نہ کیا، توحید کو اختیار نہ کیا حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا اور ایمان کے دیگر اجزاء کی بھی تصدیق نہ کی، اُن کے متعلق فرمایا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ایسے لوگوں کے مال اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ یہ چیزیں انہیں اللہ کے غضب سے بچا نہ سکیں گی۔ دنیا میں انسان بعض اوقات مال کے زور پہ بچ جاتے ہیں اور بسا اوقات اولاد بھی بچاؤ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ مگر اللہ کی بارگاہ میں یہ دونوں چیزیں کام نہ آئیں گی۔ عام طور پر یہ مشاہدہ میں آیا ہے کہ اکثر لوگ انہی دو چیزوں یعنی مال اور اولاد کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں دوسرے مقام پر موجود ہے "اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ" بیشک تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں۔ فتنہ سے مراد آزمائش ہے۔ انسان ان چیزوں کی محبت میں مبتلا ہو کر ایمان اور آخرت کو فراموش کر جاتے ہیں، حلال و حرام کی حدود کو توڑتے ہیں، اور اس طرح مال اور اولاد ان کے لیے ذریعہ آزمائش بن جاتے ہیں۔ پھر جب اس آزمائش میں پورا نہیں اترتے تو ان پر وبال آجاتا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى "تمہارے مال اور اولاد تمہیں خدا کا قرب نہیں دلا سکتے، قربِ الٰہی تو ایمان، توحید اور اعمال صالحہ سے حاصل ہوتا ہے مگر لوگ اس چیز کو بھول کر مال و اولاد کی محبت میں جائز اور ناجائز کی تمیز نہیں رکھتے۔ لہٰذا انہیں اللہ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے یہ چیزیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد

ہے کہ اولاد انسان کے حق میں بخل اور بزدلی کا باعث ہے۔ اسی کی خاطر انسان مال خرچ نہیں کرتا اور جہاد میں شریک نہیں ہوتا کہ اولاد کی حفاظت کون کرے گا۔ اسی کی خاطر نیکی کے دوسرے کاموں سے بھی محروم رہ جاتا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةٌ ہر امت کے لیے ایک خاص فتنہ ہوتا ہے وَفِتْنَةُ اُمَّتِي الْمَالُ اور میری اُمت کا فتنہ مال ہے، اس کی محبت کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ صحیحین کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ

مجھے تم پر فقر کا خوف نہیں۔ مجھے تمہارے متعلق یہ ڈر ہے۔ کہ تم پر دنیا وسیع کر دی جائیگی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کی گئی۔ پھر تم اس میں رغبت کرنے لگو گے جس طرح ان لوگوں نے کی، پھر وہ تم کو ہلاک کر دے گی جس طرح پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔

مقصد یہ کہ دنیا کے معاملے میں تم ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرو گے اور پھر وہ تم کو ہلاک کر دیگی۔ اسی لیے فرمایا کہ میری امت کا خاص فتنہ مال ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے، کہ مال انسان کا اچھا ساتھی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس میں سے اللہ کا اُس کے بندوں کا حق ادا کرے۔ اور اگر حق ادا نہیں کرتا، تو یہی مال اُس کے لیے وبالِ جان ہے۔ مال کی جتنی بہتات ہوگی، آزمائش بھی اتنی ہی بڑی ہوگی، فتنے بھی اتنے ہی زیادہ برپا ہوں گے۔ مال کے فتنہ کی وجہ سے ہی اسلام کے نام لیوا برائی اور عیاشی میں مبتلا ہیں۔ فضول امور میں خرچ

کرنے میں دوسری اقوام سے آگے ہیں۔ دولت تو ہے مگر صحیح جگہ پر خرچ نہیں ہوتی غلط جگہ پر خرچ ہو کر فتنہ بن جاتی ہے۔

حیاداری

اخلاق کے متعلق بھی حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا ہر دین کا کوئی مخصوص اخلاق ہوتا ہے وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ اور اسلام کا خلق حیا ہے۔ جب تک لوگوں میں حیاداری موجود رہے، اخلاق موجود رہے۔ جب حیا ہی نہ رہی تو اخلاق کا جنازہ نکل گیا۔ صحیح بخاری اور موطا امام مالک وغیرہ میں پہلے انبیاء کی تعلیم سے یہ بات اخذ کی گئی ہے اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ جب حیا کا دامن چھوڑ دیا جو چاہو کرتے پھرو، کوئی پوچھنے والا نہیں۔ مصری شاعر شوقی نے کہا ہے۔

اِنَّمَا الامم بالاخلاق مابقیت

فاذا ذھب اخلاقھم ذھبوا

امتیں اخلاق کی وجہ سے زندہ رہتی ہیں۔ جب اُن میں اخلاق ختم ہو جائے تو امتیں بھی مٹ جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں کسی امت کا زندہ رہنا یا ختم ہو جانا کچھ مفید نہیں رہتا۔ نبی آخر الزمان علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کا اخلاق نہایت اعلیٰ درجے کا تھا، یہی وجہ ہے کہ انہیں دنیا پر غلبہ حاصل ہوا اور انہوں نے اس زمین پر نیکی کو رائج کیا۔

غرضیکہ اللہ نے فرمایا انسان کے حق میں مال اور اولاد دو بڑی آزمائشیں ہیں۔ لوگ انہی کی وجہ سے ایمان اور نیکی سے محروم ہوتے ہیں۔ مگر یہ دونوں چیزیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ فرمایا ان چیزوں سے حد سے زیادہ محبت کرنے والوں کا انجام یہ ہو گا وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ میں ہو گا۔ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

کفار کا مہلک انفاق

اگلی آیت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کفار اس دنیا میں جو مال خرچ کرتے ہیں، اس کی کیا حیثیت ہے۔ کیا اللہ کے ہاں اس قسم کے خرچ

کا کوئی فائدہ ہو گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعے سمجھائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مثال اُس کی جو خرچ کرتے ہیں، اہلِ ایمان تو اس دنیا میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں، وہ اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں، اور اس کا بدلہ اللہ کے ہاں یقیناً بہتر ملے گا۔ مگر کافروں کے ساتھ معاملہ کیسے ہوگا بُرے کاموں میں خرچ کرنے کے علاوہ وہ لوگ بعض اوقات اچھے کاموں پر بھی خرچ کرتے ہیں۔ غریبوں کی امداد کرتے ہیں، سکول اور ہسپتال قائم کرتے ہیں، یتیم خانے تعمیر کرتے ہیں، پُل اور سرائیں بنواتے ہیں، اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق نیکی کے دوسرے کاموں میں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ تو اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن کے خرچ کیے ہوئے مال کی مثال ایسی ہے۔ كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ جیسے ہوا ہو جس میں سخت سردی ہو۔ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یہ سرد ہوا ایسی قوم کی کھیتی پہ آئی ہو، جس نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ کھیت پک کر تیار ہو رہا ہے، اناج سے بھرا پڑا ہے۔ خوب لہلہا رہا ہے۔ اتنے میں سخت ٹھنڈی ہوا آتی ہے فَاَهْلَكَتْهُ اس کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اچھی بھلی کھیتی دیکھتے ہی دیکھتے تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور اس کے مالک منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ فرمایا کفر کرنے والوں کے خرچ کی مثال ایسی ہی ہے۔ وہ اس دنیا میں رفاہِ عامہ کے کاموں پہ خرچ کر کے خوش ہو رہے ہیں کہ اُن کا خرچ کیا ہوا مال انہیں بہت فائدہ دے گا۔ مگر حقیقت میں اللہ کے ہاں اس خرچ کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ جس طرح کھیتی کا مالک اناج کی آس لگائے بیٹھا تھا، مگر یخ ہوا نے اُسے برباد کر کے رکھ دیا، اسی طرح مال خرچ کرنے والے کافر امید کریں گے، کہ مال خرچ کرنے کے عوض اُن کو اجرِ عظیم ملیگا، مگر ان کا یہ سارا کیا کرایا یکدم ضائع ہو جائے گا۔ اور اُن کے لیے کچھ مفید نہ ہو گا۔

دنیا میں شہرت

فرمایا وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ایسے لوگوں کو اجر سے محروم کر کے اُن پہ کوئی زیادتی نہیں کی۔ بلکہ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں عمل کی مقبولیت کے

لیے ایمان، صحیح عقیدہ اور اعمال صالحہ کی شرط لگائی ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا "فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ" اجر اُس کو ملے گا۔ جو ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ انجام دے گا، جس کا ایمان ہی درست نہیں ہے جس کا عقیدہ ہی صحیح نہیں۔ جو توحید پر قائم نہیں، اُس کے نیک اعمال بھی آخرت میں کچھ کام نہ آئیں گے۔ ایسے لوگوں نے بدعقیدگی اختیار کر کے اپنے اندر مہلک مادہ پیدا کر لیا ہے، جو ان کے صحیح اعمال کو بھی ضائع کر رہا ہے۔ البتہ اُن کے دنیا میں اچھے کام اُن کے لیے دنیا میں ہی عزت، شہرت، وجاہت اور وقار کا باعث بن سکتے ہیں۔ یہ چیزیں تو اُن کو دُنیا میں ہی حاصل ہو جاتی ہیں، لہذا آخرت میں اُن کے لیے کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔ کافروں کے علاوہ منافقوں کا بھی یہی حال ہے۔ سورۃ توبہ میں موجود ہے۔ کہ منافقوں کا خرچ کردہ مال اُن کے لیے کیوں مفید نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اُس کو کیوں قبول نہیں کرتے، اس واسطے کہ اُن کے دِل و دماغ ناپاک ہیں، اُن کے دل نفاق سے بھرے ہوئے ہیں اور اُن کے اخلاق بگڑ چکے ہیں۔ یہی حال کفر کرنے والوں کا ہے۔ کہ اُن کا عقیدہ فاسد ہے۔ اس لیے اُن کے نیکی کے کام بھی آخرت میں بے سود ہونگے البتہ اِس دنیا میں اِن کا بدلہ انہیں عزت، و شہرت کی صورت میں مِل جائے گا۔

برائی کا اثر نیکی پر

کفر، شرک اور بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں، جن کا اثر انسان کی نیکیوں پر پڑتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، جو شخص ایک دفعہ شراب پی لیتا ہے، چالیس دِن تک اُس کی نیکیاں یعنی نماز وغیرہ قبول نہیں ہوتی اگرچہ اس کے ذمہ سے نماز ادا تو سمجھی جائے گی، مگر وہ بارگاہ الہیٰ میں اُس وقت تک قبول نہیں ہوگی جب تک شرابی صدق دِل سے توبہ نہ کرلے۔ ایک اور صحیح حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جو شخص حرام کا ایک لقمہ پیٹ میں ڈالتا ہے، چالیس دِن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی، حرام کا اتنا شدید اثر ہوتا ہے۔ ہاں اگر توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا ہے۔

بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے تو اُن پر احسان کیا، جسم دیا، صحت و توانائی دی، حواس ظاہرہ اور باطنہ سے نوازا، عقل و شعور جیسی نعمت دی، انبیا مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں تاکہ انسان ہدایت کا راستہ اختیار کریں۔ ان تمام اسباب کی فراہمی کے بعد بھی اگر کوئی کفر کا راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔ اللہ نے اُن پر زیادتی نہیں کی۔ کیونکہ "وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ"، اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا "وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ" اللہ تو اپنے بندوں پر زیادتی کرنے کا ارادہ بھی نہیں فرماتے۔ یہ تو خود انسان ہیں وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ جو خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اپنے ایمان اور عقیدے کو خراب کرتے ہیں برے اعمال انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ یہ برے اعمال تمہاری اپنی کمائی ہے اب اس کا بھگتان کرو۔ اگر نیکی انجام دی ہے۔ تو اللہ فرمائے گا شکر ادا کرو کہ میں نے تمہیں نیکی کی توفیق بخشی جس کا آج اچھا بدلہ مل رہا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے کافروں کے خرچ کردہ مال کی حیثیت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کرکے بات سمجھادی کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

درس چہل و یک ۴۱
آیت ۱۱۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو! نہ مخلص دوست بناؤ اپنوں کے سوا دوسروں کو۔ وہ تمہارے حق میں خرابی پیدا کرنے میں کمی نہیں کرتے۔ وہ اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو تمہیں مشقت میں مبتلا کرے۔ تحقیق دشمنی اُن کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے، اور جو کچھ اُن کے سینے چھپاتے ہیں، وہ بہت زیادہ ہے، تحقیق ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان کر دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو ﴿۱۱۸﴾

ربط آیات

اہل کتاب کی خرابی، دشمنی اور عداوت، کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اور پھر یہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ اُن کے مال اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گے، جو مال وہ اسلام دشمنی کے لیے یا نیکی سمجھ کر خرچ کرتے ہیں وہ بھی رائیگاں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مال کی حیثیت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا۔ کہ جس طرح کسی عمدہ فصل کو ٹھنڈی ہوا، تباہ کر دیتی ہے۔ اسی طرح کفر کرنیوالوں کے خرچ کردہ مال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ وجہ ظاہر ہے۔ کہ عقیدے کی خرابی اور معاصی نیکیوں کو برباد کر دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے کے طور پر اللہ تعالےٰ کسی پر زیادتی نہیں کرتے بلکہ وہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اب

آج کے درس میں اہل ایمان کو تنبیہ کی جارہی ہے۔ کہ مسلمان اہل کتاب کی اسلام دشمنی کے پیش نظر ان کو اپنا مخلص دوست نہ بنائیں

مخلص دوست

ارشاد ہوتا ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ اپنوں کے سوا دوسروں کو اپنا مخلص دوست نہ بناؤ۔ یہاں پہ بطانہ کا لفظ آیا ہے جو کہ خاص الخاص رازدان دوست کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے لیے بطانۃ الرجل بھی بولا جاتا ہے۔ عربی زبان میں بطانۃ استر یعنی کوٹ کے اندر لگائے جانے والے کپڑے کو بھی کہتے ہیں، گویا یہ ایسی چیز ہے، جو داخلی طور پہ استعمال ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار مدینہ کے متعلق فرمایا الانصار شعار" والناس دثار" یعنی انصار میرے لیے بمنزلہ شعار یعنی اندر والے کپڑے کے ہیں اور باقی لوگ دثار یعنی باہر والے کپڑے چادر، کمبل وغیرہ کی مانند ہیں۔ اس لحاظ سے شعار اور بطانۃ ہم معنی لفظ ہیں۔ اور یہ نہایت ہی مخلص دوست کے لیے بولے جاتے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ اور مولانا شیخ الہندؒ نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ مِنْ دُوْنِکُمْ میں اہل کتاب اور مشرک آتے ہیں، بعض مفسرین نے منافقین کو بھی اس زمرہ میں شامل کیا ہے۔ تو مسلمانوں کو نصیحت کی جارہی ہے کہ اہل ایمان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اپنا مخلص دوست نہ بنائیں۔ مدینے میں دو مشہور قبائل اوس اور خزرج آباد تھے۔ یہ مشرک لوگ تھے، اللہ نے ان کو ایمان لانے کی توفیق بخشی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یہ اپنی پرانی دشمنی ترک کر کے آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ ان قبائل کے مدینے کے یہودیوں سے دیرینہ تعلقات تھے، جنہیں وہ اسلام لانے کے بعد نبھاتے رہے۔ مگر یہودی چونکہ ایمان نہیں لائے تھے، اس لیے وہ مسلمانوں کے مخلص دوست نہیں ہو سکتے تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اوس اور خزرج والوں کو بھی منع فرما دیا کہ یہودیوں کے ساتھ دوستی نہ رکھیں، کیونکہ وہ اسلام اور اہل اسلام کو اچھا نہیں سمجھتے۔ گویا

یہ آیت اوس اور خزرج والوں کے حق میں نازل ہوئی۔
مفسرین کرام نے اس آیت کی شان نزول میں ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے حضرت عبادۃ بن صامت رض انصار مدینہ میں سے عظیم المرتبت صحابی ہیں، مصر کی فتح کے دوران اسلامی لشکر کے سپہ سالار عمرو بن العاص رض نے حضرت عبادۃ رض کو مقوقس سے گفتگو کرنے کے لیے نمائندہ نامزد کیا تھا۔ آپ سیاہ رنگ کے دس بالشت قد کے آدمی تھے۔ بڑے عظیم الشان تھے انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا، حضور! یہاں کے یہودیوں سے میرے مخلصانہ تعلقات ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اُن کو اپنے ساتھ جنگ میں شریک کر لوں۔ یہ واقعہ جنگِ احد یا جنگ خندق کا ہے۔ نبی علیہ السلام نے یہودیوں کی امداد لینے سے یہ کہ کر منع فرما دیا کہ ان سے خیر کی توقع عبث ہے۔ ان سے مسلمانوں کے حق میں نقصان کی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے ساتھ دوستی کرنے سے روک دیا۔ لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا مومن کے سوا کسی سے رفاقت نہ کرو۔ غیر مومن کی رفاقت سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ لہٰذا ان سے مخلصانہ دوستی نہ جوڑو۔

فساد انگیزی

فرمایا غیر مسلموں کی دوستی سے اس لیے منع کیا گیا ہے۔ کہ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وہ تمہارے درمیان فساد برپا کرنے میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ خبال عربی میں فساد کو کہا جاتا ہے۔ غیر مومنوں کی ہمیشہ یہ خواہش ہو گی۔ کہ مومنوں کو کسی نہ کسی طرح نقصان پہنچائیں، انہیں تمہاری خیر خواہی ہرگز منظور نہیں۔ اُن سے راز داری قائم کرنے کی صورت میں مسلمانوں کو دنیا اور دین دونوں جگہ نقصان ہو گا۔ اس سے پہلے سورۃ البقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ کہ اہل کتاب ہرگز پسند نہیں کرتے کہ اہل اسلام پر خدا کی جانب سے کوئی بہتری نازل ہو یا اُن کو اس دُنیا میں عزت اور ترقی نصیب ہو، وہ تو چاہتے ہیں۔ کہ مسلمان اُن سے زیادہ پستی میں چلے جائیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے علاوہ اہل ہنود اور دہریوں کا بھی یہی حال ہے۔ مسلمانوں کی

ترقی ان کو بھی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ چنانچہ اسی سورۃ میں پہلے گذر چکا ہے۔ کہ ایک مومن کی دوستی ایک غیر مومن کے ساتھ کسی حال میں نہیں ہو سکتی۔ دوستی کے لیے کم از کم نظریات تو یکساں ہونے چاہئیں، مگر ایسا ممکن نہیں۔ یہاں تو صورت حال یہ ہے "لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ بلکہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ"۔ غیر مسلم کفر کو پسند کرتے ہیں، جب کہ اہل اسلام کا منتہائے مقصود محض رضائے الٰہی ہوتی ہے۔ لہٰذا دونوں گروہوں کی آپس میں مخلص دوستی ممکن نہیں۔

اخلاقی رواداری

البتہ کسی کے ساتھ اخلاق کے ساتھ پیش آنا الگ چیز ہے۔ اس قسم کے اشارات سورۃ ہذا کے علاوہ سورۃ مائدہ اور سورۃ ممتحنہ میں بھی ملتے ہیں اسلامی ملک میں رہنے والے غیر مسلم جذیہ ادا کر کے اسلامی قوانین کے تحت زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ تاہم انہیں اپنے مذہب پر کاربند رہنے کی مکمل آزادی ہوتی ہے ایسے لوگ ذمی کہلاتے ہیں۔ ذمیوں کی مال و جان اور عزت و آبرو اسی طرح محفوظ ہوتی ہے جس طرح مسلمانوں کی ہوتی ہے۔ انہیں تمام بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں، مذہبی آزادی کے علاوہ کاروبار اور تجارت میں آزادی حاصل ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی ذمی کو تنگ کرے گا، میں قیامت کے دن ذمی کی طرف سے خدا کے ہاں جھگڑا کروں گا، اپنے ذمیوں کو اتنے حقوق دیے ہیں۔ اس کے باوجود فرمایا ان کے ساتھ دوستانہ قائم نہیں ہو سکتا۔ مخلص دوستی صرف اہل ایمان کے ساتھ ہوگی۔ کسی کافر کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً یہود و نصاریٰ کے متعلق تو خاص احتیاط کی ضرورت ہے، اس کا تذکرہ آگے اس سورۃ میں بھی اور اس کے بعد بھی آئے گا۔

کلیدی آسامیوں پر تقرری

غیر مسلموں سے دوستی اور رازداری کرنے سے اس لیے منع فرمایا گیا کہ یہ لوگ اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے لہٰذا کوئی راز کی بات ان تک نہیں پہنچنی چاہیئے۔ ایسا کرنے سے مسلمانوں کی ترقی اور تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اسی لیے امام ابوبکر جصاصؒ

فرماتے ہیں۔ کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی ملک میں کسی کلیدی عہدے پر فائز نہیں کرنا چاہیئے۔ انہیں نہ وزیر بنانا چاہیئے، نہ مشیر اور نہ ہی پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کرنا چاہیئے جمہوریت میں تو ایسا درست ہے مگر اسلامی نقطہ نظر سے ناجائز ہے، کسی عیسائی، یہودی، ہندو یا قادیانی کو وزیر یا مشیر یا افواج کا کمانڈر بنا دیا جائے، تو معاملہ بگڑ جائیگا۔ جب کارنیلیس کو وزیر قانون بنایا گیا تھا، تو ہم نے اُسی وقت کہا تھا کہ جو شخص اسلامی قانون پر ایمان ہی نہیں رکھتا اُس کو وزیر قانون کیسے بنایا گیا ہے، پارلیمنٹ کا غیر مسلم ممبر اسلامی قانون کی قانون سازی میں کیسے حصہ لے سکتا ہے۔ مگر یہ بات حکومت کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت حذیفہؓ نے اپنا کاتب ایک غیر مسلم کو مقرر کرنا چاہا تھا، مگر آپ نے انکار کر دیا تھا اور فرمایا جسے خدا نے دُور کیا تم اُسے کیوں قریب کرنا چاہتے ہو۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے۔ اور تفسیر احکام القرآن میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ کہ وثیق نامی روم کا عیسائی حضرت عمرؓ کا غلام تھا۔ بڑا ذہین اور اعلیٰ درجے کا حساب دان تھا۔ آپ نے فرمایا اگر تم ایمان لے آؤ تو میں تمہیں کوئی ذمہ داری کا کام سونپ دوں۔ مگر وہ شخص ایمان نہ لایا، اور آپ نے اُسے کوئی عہدہ نہ دیا۔ جب آپ زخمی ہو گئے تو اُسے پھر بلا کر ایمان اور عہدہ کی پیش کش کی مگر وہ رضامند نہ ہوا۔ آپ نے اُسے آزاد کر دیا مگر کوئی عہدہ نہ دیا۔ اس روایت سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں، پہلی یہ کہ اسلام میں جبر نہیں ہے۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کسی کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جا سکتا اور دوسری بات یہ کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی حکومت میں کوئی کلیدی آسامی پیش نہیں کی جا سکتی۔ اگر ایسا ہوگا، تو اہل اسلام کے لیے لازماً نقصان کا باعث ہوگا۔

مسلمانوں کے ساتھ بدخواہی

غیر مسلموں کی خصلت بیان فرماتے ہوئے فرمایا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ وہ تمہاری مشقت کو پسند کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پر ہے " وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَاَعْنَتَکُمْ " اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں مبتلا کر دیتا۔ ان کی دلی

خواہش یہ ہوتی ہے کہ مسلمان مصیبت میں گرفتار ہوں۔ اور دیکھو قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اُن کی اسلام دشمنی کی بات بعض اوقات اُن کی زبانوں پر بھی آجاتی ہے۔ وہ لاکھ کوشش کریں کہ اُن کی اسلام کے ساتھ دشمنی مخفی رہے مگر پھر بھی منہ سے کوئی نہ کوئی بات ایسی نکل جاتی ہے، جو اُن کی اندرونی خباثت کا مظہر ہوتی ہے۔ ۱۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا تو اندرا گاندھی کی زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ ہم نے ہندوستان پر مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت کا بدلہ لے لیا ہے۔ اسی طرح انگریز، عیسائی، امریکی، ہنود اور یہود ہمیشہ مسلمانوں کے بدخواہ ہی رہیں گے اور اس دشمنی کا اظہار ان کی زبانوں سے وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے یہ لوگ قرآن پاک اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے ایک انگریز نے یہ ہرزہ سرائی کی تھی کہ مسلمانوں کے آخری نبی تو بادشاہ تھے وہ تو لونڈیوں کے ساتھ کھیلتے رہتے تھے (العیاذ باللہ) ایک اور انگریز نے کوئی چالیس سال پہلے اپنے کتے کا نام احمد رکھا تھا۔ اس پر ساری دنیا میں احتجاج ہوا۔ کوئی اپنے اونٹ کا نام محمد رکھتا ہے تاکہ مسلمانوں کو ذہنی کوفت ہو۔ ایک اور خبیث نے اپنے رسالے میں حضرت علیؓ کے متعلق لنگور کا لفظ استعمال کیا تھا۔ بہرحال اس قسم کی اذیت ناک باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اسی لیے غیر مسلموں کے ساتھ دوستی سے منع فرمایا گیا ہے۔

ان لوگوں نے قرآن پاک کے متعلق بھی اپنی خباثت کا اظہار کیا ہے۔ اسے رجعت پسندانہ کتاب کا نام دیا گیا ہے ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ کا وزیر اعظم گلیڈسٹون تھا، اُس نے قرآن پاک کو ہاتھ میں لے کر کہا تھا، کہ جب تک یہ کتاب موجود ہے دنیا مہذب نہیں ہو سکتی، لہٰذا اِس کتاب کو ختم کرنا ہوگا (نعوذ باللہ) متحدہ ہندوستان کے صوبجات متحدہ کا گورنر سر ولیم میور نہ صرف عیسائی تھا بلکہ بہت بڑا پادری تھا اُس نے کہا تھا کہ انسانیت کی دشمن دو چیزیں ہیں۔ ایک محمد کا قرآن اور دوسری اس کی تلوار، جس کے ساتھ وہ جہاد کرتے ہیں۔ اسلام دشمنی کا منہ بولتا ثبوت اُسکی

کتاب (LIFE OF MOHAMMAD) (سوانح محمد) میں موجود ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں۔ جو اہل اسلام کے لیے نہایت تکلیف دہ ہیں۔ بات وہی ہے۔ کہ اسلام دشمن طاقتیں کبھی مسلمانوں کی خیر خواہ نہیں ہو سکتیں۔ ان کی اندرونی خباثت بسا اوقات ان کی زبانوں پہ تو آتی رہتی ہے۔ مگر وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ جو کچھ ان کے دلوں میں چھپی ہوئی غلاظت ہے، وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ لہذا ان سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہیئے۔ کوئی راز کی بات ان تک نہیں پہنچنی چاہیئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيٰتِ ہم نے اپنی نشانیاں اور احکام کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ اگر تم عقل و شعور رکھتے ہو تو ان پہ سختی سے عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور اگر اس کے باوجود تم غیر مسلموں پہ اعتماد کرو گے ان کو وزیر، مشیر بناؤ گے، بڑے بڑے عہدوں پہ فائز کرو گے تو پھر بہت بڑے قومی نقصان کے خود ذمہ دار ہو گے۔

درس چہل و دو ۴۲ — آیت ۱۱۹ تا ۱۲۰

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ج وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ صلے وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ط قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ز وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ط وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ط اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

ترجمہ: سنو اے لوگو! تم اُن سے محبت کرتے ہو، اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ اور تم ایمان رکھتے ہو سب کتابوں پر۔ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں۔ اور جب وہ الگ ہوتے ہیں تو غصے کی وجہ سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے تم اپنے ہی غصے سے مرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سینے کے رازوں کو جانتا ہے ﴿۱۱۹﴾ اے اہل ایمان! اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو بُری لگتی ہے۔ اور اگر تم کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو اُس کے ساتھ خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی تدبیر کچھ نقصان نہ پہنچائیگی۔ بیشک اللہ تعالیٰ احاطہ کرنے والا ہے، اس کا جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں ﴿۱۲۰﴾

ربطِ آیات: اہل کتاب کی عداوت اور دشمنی کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب

مشرکین اور منافقین سے دوستی کرنے سے منع فرما دیا۔ اور خبردار کر دیا کہ اُن کو اپنے دلی رازداں نہ بناؤ، ورنہ وہ تمہارے درمیان فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دیں گے۔ اُن کی حالت یہ ہے۔ کہ جو چیز تمہیں مشقت میں ڈالتی ہے، وہ اُس کو پسند کرتے ہیں اُن کی اسلام دشمنی لبا اوقات اُن کی زبانوں پر آجاتی ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے خلاف جو بغض عناد اُن کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تمام احکام کھول کر بیان کر دیے ہیں۔ اگر تم عقل و شعور رکھتے ہو، تو اِن کو سمجھ جاؤ اور غیر مسلموں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ، نہ ہی اُن کو راز سے آگاہ کرو، انہیں وزیر اور مشیر بھی نہ بناؤ، کہ اس طرح تمہاری اندرونی باتیں اُن تک پہنچتی ہیں، جو تمہارے نقصان کا باعث بنتی ہیں، وہ تمہاری کامیابی پر کبھی خوش نہیں ہوں گے، لہذا اُن کی ہر وقت کوشش یہ ہو گی کہ تم کسی نہ کسی طرح ناکام ہو کر مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔

اسی سورۃ میں تیسرے پارہ میں احکام بیان ہو چکے ہیں۔ کہ مومن کی دلی دوستی کسی صورت میں بھی کافر کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ البتہ ذمیوں کے ساتھ یا ایسے لوگوں کے ساتھ جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہو، اُن سے نیکی اور احسان کا سلوک روا ہے۔ جو غیر مسلمان مسلمانوں سے برسرِ پیکار نہیں، نہ وہ اپنے ہاں کے مسلمانوں کو ملک بدر کرتے ہیں، اُن کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ انکے ساتھ نیکی اور انصاف کرو تاہم دلی دوستی اور رازداری اُن کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتی۔

حاطب بن ابی بلتعہؓ بلند پایہ صحابی رسول ہیں۔ آپ جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے، مگر یہ ایک معاملہ میں لغزش کھا گئے۔ اُن کے بچے ابھی تک مکہ میں تھے قریش مکہ کی طرف سے اپنے بچوں کے لیے خیر سگالی کے جذبات حاصل کرنے کے لیے انہوں نے مسلمانوں کے مکہ پر حملہ آور ہونے کا راز مکہ والوں کو

افشائے راز

پہنچانے کی کوشش کی۔ ایک عورت کو اس غرض کے لیے خط دیکر مکہ روانہ کیا۔ حضور علیہ السلام کو اس بات کی خبر بذریعہ وحی ہوئی، تو آپ نے سوار بھیج کر اُس عورت کو راستے میں ہی جا لیا اور اُس سے خط برآمد کر لیا۔ حاطب بن ابی بلتعہؓ سے پوچھ گچھ ہوئی، انہوں نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا اللہ کے رسول نے اُس کی تصدیق کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ ممتحنہ کی آیات نازل فرمائیں "یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ" اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ اُن کو راز کی باتیں مت بتاؤ۔ اب تو معافی ہوگئی ہے۔ آئندہ ایسی حرکت نہیں ہونی چاہیئے۔ آج ہمارے گردوپیش یہی کچھ ہو رہا ہے۔ کافر، عیسائی، یہودی اور دہریہ طاقتیں مسلمانوں کے اندرونی معاملات میں دخیل ہو رہی ہیں۔ مسلمان اپنی نالائقی کی وجہ سے اپنے مشن سے ہٹ چکے ہیں، نتیجہ یہ ہے۔ کہ ہر معاملے میں اغیار کو رازداں بنایا جا رہا ہے۔ اُن سے مشورے طلب ہوتے ہیں، اور پھر وہی لوگ اندرونی راز حاصل کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اُن کی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، تاکہ وہ ہمیشہ انہی کے دام میں گرفتار رہیں۔

خلافتِ اسلامیہ

اس وقت دنیا میں پچاس کے قریب اسلامی حکومتیں ہیں مگر کوئی بھی اپنی رائے میں آزاد نہیں ہے۔ سب غیر مسلموں کے دستِ نگر ہیں۔ تمام اہم امور انہی کے مشورے سے انجام پاتے ہیں۔ جب سے خلافت ترکی کا خاتمہ ہوا ہے مسلمانوں کا وقار ختم ہو گیا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اپنے خطبہ میں لکھا ہے کہ مصر کا ایک انگریز اپنے ملازم سے کہہ رہا تھا۔ کہ ہم تمہارے خلیفہ سے بہت خائف ہیں۔ جب کوئی شکایت خلیفہ کے پیش ہوتی ہے وہ اُس کے تدارک کی فوراً کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے کفار کو ہزیمت اٹھانا پڑتی ہے۔ اگر خلافت کی طاقت نہ ہوتی، تو ہم مسلمانوں کو بہت ذلیل کرتے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب خلافتِ اسلامیہ بالکل کمزور ہو چکی

تھی۔ اور جب یہ اپنے عروج پر تھی، تو کسی کو مسلمانوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اب حالات بالکل بدل چکے ہیں اور مسلمان ہر جگہ غیر مسلموں کے تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ اب مسلمان اپنے مشن کو ترک کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب دنیا میں اُن کو عزت، کا کوئی مقام حاصل نہیں۔ اب وہ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے کی بجائے اغیار کے مشوروں کے سہارے پہ چل رہے ہیں، کوئی معاملہ ہو، سیاسیات ہوں یا اقتصادیات، زراعت ہو یا تجارت ہر چیز میں غیر مسلم دخیل ہیں، حتیٰ کہ تہذیب اور فیشن بھی اُنہی کا اپنا لیا گیا ہے، وقار تو اُن قوموں کو ہوتا ہے، جو اپنے نظریے پر قائم ہوں۔ مسلمان جب تک اپنے مشن پہ قائم رہے انہیں دنیا میں عزت، و وقار حاصل تھا، مگر اب ہم نے غیروں سے مشورے طلب کر کے خود اُن کو اپنا رازداں بنا لیا ہے۔ وہ ہمیں اچھا مشورہ کیسے دے سکتے ہیں۔ وہ تو ہمیشہ ہماری ٹانگ کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غیر اقوام کے ساتھ دلی دوستی قائم نہیں کرنی چاہیئے۔

یکطرفہ محبت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ھٰاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ اے ایمان والو! تم تو دوسروں سے محبت کرتے ہو، وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ مگر وہ تم سے محبت نہیں کرتے مطلب یہ کہ تم تو عیسائیوں، یہودیوں، انگریزوں اور امریکیوں کو اپنا رازدار بنا رہے ہو، ان کو مشیر بنا رکھا ہے، ان سے محبت بڑھا رہے ہو، مگر وہ تم سے دلی لگاؤ نہیں رکھتے۔ لہٰذا ان کے ساتھ تمہاری محبت، یکطرفہ ہے۔ محبت ہمیشہ جانبین کی طرف سے ہونی چاہیئے۔ تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے۔ لہٰذا صرف تمہاری طرف سے یکطرفہ محبت کوئی محبت نہیں، وہ تو اللہ، اُس کے رسول اور قرآن پاک کے شدید ترین دشمن ہیں لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ مسلمانوں کے حق میں سب سے زیادہ دشمن یہودی ہیں۔ اس کے بعد مشرکین اور نصاریٰ کا نمبر آتا ہے۔ اسی لیے فرمایا

کہ صرف تمہاری طرف سے دوستی اور محبت اہل اسلام کے لیے لازماً نقصان کا باعث ہو گی۔

ایمان بالکتب

فرمایا کہ اہل ایمان اور اہل کتاب میں ایک بنیادی فرق یہ ہے۔ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ تم یعنی اہل ایمان تو تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ منجانب اللہ ہونے کی حیثیت سے تمہارے نزدیک زبور، تورات، انجیل اور قرآن پاک سب برابر ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ اللہ تعالیٰ نے جو بھی کتاب، جس نبی پر نازل فرمائی ہے، خواہ وہ کسی بھی زمانے میں نازل ہوئی ہو، اہل ایمان اس کو برحق مانتے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ہیں، مگر اہل کتاب قرآن پاک کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے۔ یہودی ہمیشہ قرآن پاک کی مخالفت میں تمام اخلاقی حدود کو پامال کرتے رہے ہیں۔ فرانس کا ایک انگریز نولڈک نامی ہوا ہے، اس نے کہا کہ محمد پر مرگی کا دورہ پڑتا تھا (العیاذ باللہ) اور اس دوران بڑبڑانے سے جو کچھ ان کے منہ سے نکلتا تھا، اس کو جمع کر کے قرآن بنا دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ جوانی کے دور میں حضور علیہ السلام کی ملاقات نسطورا نامی راہب سے ہوئی تھی۔ اس نے جو باتیں آپ کو سکھائیں، وہ قرآن بنا کر پیش کر دیا گیا، کہ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اہل کتاب قرآن پاک کو انسانیت کا دشمن سمجھتے ہیں۔ جب کہ ہمارے نزدیک انسانیت کی بہتری کے لیے سب سے اعلیٰ کتاب قرآن کریم ہے۔ ان حالات میں جب، کہ اہل ایمان اور اہل کتاب کی دوستی کی بنیاد ہی نہیں ہے، تو ان کے ساتھ دوستی کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا کہ ان کو رازداری کی بات نہ بتا دینا، ورنہ وہ نقصان پہنچائیں گے۔

منافقین کا اظہارِ خفگی

آگے اللہ تعالیٰ نے یہودی منافقین کی ایک اور خصلت بیان فرمائی ہے وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا جب وہ تم سے یعنی مسلمانوں سے ملتے

ہیں تو کہتے ہیں ۔ کہ ہم ایمان لائے ہیں وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ اور جب الگ ہوتے ہیں، تو غصے کے مارے انگلیوں کو چباتے ہیں ۔ جب کسی انسان کی مرضی کے خلاف کوئی چیز واقع ہو جائے تو اُسے نہایت افسوس ہوتا ہے ۔ اور وہ اپنی بے بسی کے طور پر غصے میں دانت پیستا ہے، اور کبھی ہاتھوں کی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹتا ہے اور ہاتھ کی پشت پہ دانت نصب کر دیتا ہے ایسا نہایت غصے کی حالت میں ہوتا ہے ۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ منافق قسم کے یہودی بظاہر تو تمہارے ساتھ ایمان کے رشتے جوڑتے ہیں مگر جب تم سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں تو تمہاری ہر کامیابی اُن کو سخت گراں گزرتی ہے ۔ اور وہ غصے کے مارے دانت پیستے بلکہ انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں ۔ اے پیغمبر علیہ السلام! یہ لوگ آپ کے اور ایمان والوں کے خلاف غصے سے بھرے بیٹھے ہیں ۔ اس صورتحال میں قُلْ آپ اُن سے کہہ دیں مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ تم اپنے ہی غصے کی آگ میں جل مرو ۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں ۔ کہ جب کسی سے قطع تعلق کرنا ہو، تو اُسے کوئی چبھتی ہوئی بات کہہ دینی چاہیئے تاکہ وہ سمجھ جائے کہ اب یہ تعلقات قائم نہیں رہ سکتے، یہ الفاظ بھی اسی قسم کے ہیں ۔ جب یہ بات واضح ہو گئی ۔ کہ اہل کتاب کے ساتھ مسلمانوں کا دوستانہ نہیں رہ سکتا، ہم تمام آسمانی کتابوں کو برحق سمجھتے ہیں مگر وہ قرآن پاک کو آسمانی کتاب ماننے پہ تیار نہیں ۔ ہم تمام انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں مگر وہ نبی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان لانے کو تیار نہیں تو پھر دوستی کی بنیاد ہی ختم ہو گئی ۔ لہٰذا اُن کو یہ دل شکن بات کہہ دی گئی ۔ کہ جس غیظ و غضب کا اظہار تم مسلمانوں کے خلاف کر رہے ہو، خود اُسی غصے سے مر جاؤ ۔ فرمایا اگرچہ تم بظاہر ایمان کا اظہار کرتے ہو مگر یاد رکھو! اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں کے راز یعنی اُن میں بھری ہوئی غلاظت سے خوب واقف ہے، وہ جانتا ہے ۔ کہ پیغمبر اسلام، اہل ایمان اور اللہ کی کتاب قرآن پاک کے خلاف تمہارے دلوں میں کس قدر زہر بھرا ہوا ہے، تمہاری کچھ خباثت تو

تمہاری زبانوں سے بھی بعض اوقات ظاہر ہو جاتی ہے۔ مگر جس چیز کو تم چھپاتے ہو، اللہ سے کچھ مخفی نہیں۔ وہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ پھر اس کی گرفت سے بچ نہیں سکو گے۔

فرمایا اے ایمان والو! اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ اگر تمہیں کوئی اچھائی پہنچے تو منافقین کو ناگوار گزرتی ہے، تمہاری کامیابی دیکھ کر جل جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو، کسی جنگ میں فتح ہو تو ان پر گراں گزرتا ہے وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا اور اگر تم کو کوئی تکلیف پہنچے شکست ہو جائے، کچھ آدمی مارے جائیں۔ مالی نقصان ہو جائے، تو یہ بڑے خوش ہوتے ہیں۔ ان حالات میں ان لوگوں سے دوستی کبھی مفید نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے ہمدرد و غم خوار ہوں گے۔ المومن اخوالمومن ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے اور پھر اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا دلی دوستی اپنے بھائیوں سے رکھو۔ دشمنانِ خدا اور دشمنانِ رسول سے لاتعلقی کا اظہار کرو۔ ان سے دوستی نقصان کا باعث ہو گی۔

دفاع کا طریقہ

فرمایا اہل کتاب کی طرف سے ہر قسم کی ضرر رسانی کا دفاع دو طریقوں سے ممکن ہے۔ پہلی چیز ہے وَاِنْ تَصْبِرُوْا اگر تم صبر کرو۔ مومن کے لیے صبر ایک بہت بڑا دفاع ہے۔ صبر ملت ابراہیمی کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے۔ سورۃ البقرہ میں ملت ابراہیمی کے اصولوں کی تشریح آ چکی ہے توحید، ایمان، ذکر، شکر، صبر، شعائر اللہ کی تعظیم، نماز، طہارت وغیرہ کا بیان مختلف دروس میں آ چکا ہے۔ صبر کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اور اس کی ہر موقع پر ضرورت پڑتی ہے۔ مصیبت میں صبر، اطاعت میں صبر، خواہشات نفسانیہ پر قابو پانے میں صبر انسان کو حد اعتدال سے تجاوز کرنے سے روکتا ہے

اور پھر اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کی تعریف بھی بیان کی ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ" اللہ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اُن کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ بلکہ "اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ" اُن کو قیامت کے دن بغیر حساب کے اجر عظیم عطا کرے گا۔

فرمایا دفاع کا دوسرا طریقہ وَتَتَّقُوْا ہے۔ صبر کے ساتھ ساتھ اگر تقویٰ اختیار کیے رکھو گے۔ گناہ سے بچتے رہو گے، تو پھر تمہارا پورا پورا دفاع ہو گا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُهُمْ شَیْئًا" دشمنانِ اسلام کی کوئی مکاری اور حیلہ سازی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ نقصان وہاں ہو گا۔ جہاں صبر اور تقویٰ کا فقدان ہو گا۔ صابرین کا نمونہ دیکھنا ہے۔ تو حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ پہ ایک نظر ڈال لو۔ وہ تقویٰ کی اعلیٰ منزل پہ تھے۔ انہیں کے نقش قدم پہ چل کر تم بھی صبر اور تقویٰ کے اوزار زیب تن کر سکتے ہو جن کے ذریعے دشمن کے ہر حملے کا دفاع کیا جا سکتا ہے۔ "اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا" اگر اللہ سے ڈرتے رہو گے، تو وہ ہر مقام پہ تمہارے حق میں بہتر فیصلہ کرتا چلا جائے گا۔ اُس نے بدر میں تمہارے حق میں فیصلہ دیا، فتح مکہ میں تمہاری مدد کی۔ تبوک میں تمہیں فتح عطا کی۔ ہاں بعض اوقات نیکوکاروں کو بھی تکلیف آجاتی ہے اُس سے گھبرا کر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ مومن کے لیے ایسی تکلیف یقیناً اس کے رفع درجات اور نجات کا باعث بنتی ہے۔ اگرچہ بظاہر نقصان ہوتا ہے مگر حقیقت میں ایک مومن آدمی نفع میں ہی رہتا ہے

جنگ کے لیے تیاری

الغرض! اللہ تعالیٰ نے اصول بتا دیئے کہ اپنے علاوہ غیروں کو رازدار نہ بناؤ۔ اُن کی مکاریوں کا دفاع صبر اور تقویٰ کے ساتھ کرو، تو تم ہمیشہ مامون رہو گے۔ البتہ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ اللہ تعالیٰ اُن کے ہر عمل کا احاطہ کرنے والا ہے۔ اُن کی شرارتوں کی سزا اُن کو ضرور مل کر رہے گی، وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

درس چہل وسہ ۴۳ — آیت ۱۲۱ تا ۱۲۲

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا لا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ :- اور جب آپ صبح کے وقت نکلے اپنے گھر سے، آپ ٹھکانے مقرر کرتے تھے ایمان والوں کے لیے لڑائی کے واسطے، اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے ﴿۱۲۱﴾ جب خیال کیا تم میں سے دو گروہوں نے کہ وہ بزدل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ہی اُن کا ولی ہے۔ اور چاہیئے کہ ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں ﴿۱۲۲﴾

ربطِ آیات

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی دشمنی اور عناد کا تذکرہ کر کے اُن کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی ممانعت فرمائی اور یہ بھی بتا دیا کہ جو عناد اُن کے دلوں میں پایا جاتا ہے، وہ بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یاد دلایا کہ تم تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، مگر اہل کتاب قرآن پاک کو اللہ کا کلام تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، فرمایا ان حالات میں تمہاری اہل کتاب کے ساتھ دوستی کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ اگر ان سے قریبی تعلقات قائم کیے گئے تو وہ اہل اسلام کو نقصان پہنچائیں گے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ اے ایمان والو! اگر تم صبر اور تقوے پر قائم رہو گے، تو اہل کتاب اپنی تمام تر عداوت کے باوجود تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ اُن کے تمام اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

صبراور تقوے

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے تقویٰ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ پڑھ کر سنا دی۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ تقویٰ سے مراد کفر، شرک اور معاصی سے بچاؤ اور عدل وانصاف پر قیام ہے۔ عدل ایک بنیادی اصول ہے جس پر تمام بنی نوع انسان کا عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ عادل لوگ ہی دنیا میں اچھا نظام قائم کر سکتے ہیں۔ اسی عدل کی بدولت اچھی حکومت اور اچھی سوسائٹی معرض وجود میں آتی ہے۔ جہاں عدل نہیں ہوگا۔ وہاں نہ حکومت اچھی ہوگی، نہ سوسائٹی۔ لہٰذا مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اگر انہیں شکست ہو جائے یا کوئی نقصان اٹھانا پڑے، تو ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کے تقوے اور صبر میں خرابی پیدا ہوگئی ہے وہ ان زریں اصولوں پر قائم نہیں رہ سکے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم اِن اصولوں پہ قائم رہو گے، تو دشمن کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کامیاب نہیں ہوگی۔

اب آج کے درس میں دو واقعات کی طرف اشارہ کر کے مثال بیان کی جارہی ہے۔ کہ دیکھو! بدر کے میدان میں اہل ایمان نے اللہ کی ذات پہ مکمل بھروسہ کیا، تقوے اور صبر کا دامن تھامے رکھا، تو اللہ نے انہیں فتح عطا کی، حالانکہ تعداد کے لحاظ سے مسلمان قلیل تھے، اور سامان حرب کی بھی شدید قلت تھی۔ دوسری طرف احد کے میدان میں مسلمانوں کی تعداد بدر کی نسبت زیادہ تھی، مگر صبر اور تقوے میں کمی آنے کی وجہ سے شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ آگے جنگ احد کے واقعات تفصیلاً آرہے ہیں۔ اور اس موقع پہ مسلمانوں کی طرف سے جو غلطی سرزد ہوئی تھی، اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے، کہ آئندہ ایسی چیز کا اعادہ نہیں ہونا چاہیئے۔

جنگ اُحد کا پس منظر

رمضان ۲ھ میں جنگ بدر لڑی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسی شاندار فتح عطا کی، جسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ قریش مکہ اپنی اس شکست

سے سخت پیچ پا ہوئے اور اُن کے دِلوں میں انتقام کا جذبہ بھڑکنے لگا۔ ابوسفیان کے جس تجارتی قافلہ کی حفاظت کے نام پر یہ جنگ لڑی گئی، اُس کا سارا منافع مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے وقف کر دیا گیا۔ جنگِ بدر میں بڑے بڑے آئمہ کفر مارے گئے تھے، کسی کا باپ مارا گیا، کسی کا بیٹا قتل ہوا۔ سب غیظ و غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ لہٰذا وہ پوری تیاری کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوئے۔

صحابہؓ سے مشورہ

جب اس حملہ کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو حضور علیہ السلام نے صحابہؓ کو جمع کر کے اُن کا مشورہ طلب کیا، کہ دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کرنا چاہیے یا شہر سے باہر کھلے میدان میں۔ اس معاملہ میں واضح طور پر دو رائیں تھیں۔ نوجوان طبقہ خصوصاً وہ صحابہؓ جو جنگِ بدر میں شامل نہیں ہو سکے تھے، اُن میں جوش و ولولہ تھا، اور وہ دشمن کا مقابلہ باہر نکل کر کرنا چاہتے تھے۔ اُن کی اکثریت تھی۔ تاہم انصار کی اکثریت کی رائے یہ تھی کہ دشمن کی کثیر تعداد کے پیشِ نظر مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کرنا چاہیے۔ اُن کا خیال تھا کہ مجاہدین کے علاوہ عورتیں اور بچے بھی شہر کی جنگ میں شریک ہو سکتے ہیں۔ وہ پتھروں کی بارش کر کے بھی غنیم کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس سے پہلے تجربہ بھی یہی تھا۔ کہ شہر پہ حملہ آور ہونے والوں کو چنداں کامیابی نہیں ہوتی رہی تھی، لہٰذا ان لوگوں کا مشورہ یہ تھا کہ شہر میں رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی رائے بھی یہی تھی۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے بھی اندرونِ شہر مقابلہ کرنے کے متعلق تھی۔ چونکہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہیں آئی تھی۔ اس لیے عام اصول "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" کے مطابق آپ نے مشورہ طلب کیا اور اکثریت رائے کے مطابق شہر سے باہر جا کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یاد رہے کہ مشورہ کرنا اسلام کے اہم اصولوں میں سے ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے، جو بات مشورے سے کی جاتی ہے، اُس میں نقصان نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ مشورہ ہر کس و ناکس سے نہیں ہوتا بلکہ دانا، سمجھدار، متقی

اور صائب الرائے لوگوں سے ہوتا ہے۔ یہ ایک الگ اصول ہے جس کی تشریح اسی سورۃ میں آگے آرہی ہے۔

حضور علیہ السلام کے خواب

اس دوران حضور علیہ السلام نے خواب دیکھا، جس کی تعبیر بھی خود آپ نے بیان فرما دی۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے خواب میں ایک ذبح شدہ گائے دیکھی جس کی تعبیر یہ ہے کہ ہمیں خیر حاصل ہو گی۔ خواب کا دوسرا حصہ یہ ہے۔ کہ میں نے اپنی تلوار ذوالفقار کو حرکت دی تو وہ ٹوٹ گئی اور اس میں دندانے پڑ گئے، اس کی تعبیر یہ ہے۔ کہ ہمیں ہزیمت ہو گی۔ مؤرخ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ تلوار میں دندانے پڑنے کی تعبیر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کا ایک شخص شہید ہو گا، چنانچہ سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ اس خواب کی تعبیر بنے۔ خواب کا تیسرا جزو حضور نے یہ فرمایا کہ میں نے ایک محفوظ مقام پہ زرہ میں ہاتھ ڈالا ہے آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد مدینہ منورہ ہے۔ الغرض! نبی علیہ السلام کی ذاتی رائے مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کرنے کی تھی مگر آپ نے اکثریت کی رائے کو تسلیم کرتے ہوئے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا۔ بہر حال حضور علیہ السلام گھر تشریف لے گئے اور پھر زرہ پہن کر باہر تشریف لائے۔ بعض صحابہؓ نے اس بات پہ ندامت کا اظہار کیا۔ کہ انہوں نے آپ کی ذاتی رائے پہ عمل نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ اگر آپ کی رائے کے مطابق بہتر یہی ہے۔ تو دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر ہی کیا جائے، مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی نبی کے لائق نہیں ہے۔ کہ وہ ہتھیار پہن کر رک جائے، لہٰذا اب باہر نکل کر ہی مقابلہ کرنا ہو گا۔

شوال کی ۱۲ یا ۱۳ تاریخ اور جمعہ کا دن تھا حضور علیہ السلام نے جمعہ کی نماز مدینہ منورہ میں ادا کی اور اپنے جانثاروں کے ساتھ احد کی طرف روانہ ہوئے۔ ابتداء میں آپ کے ہمراہ ایک ہزار کا لشکر تھا، مگر جیسا کہ آگے اشارات ملتے ہیں، اس میں سے تین ۳۰۰ سو آدمی راستے میں سے واپس چلے گئے۔ واقعہ یوں ہوا کہ عبداللہ بن ابی نے بعض لوگوں کو جنگ سے بدگمان کر دیا۔ ایک تو اس کی شہر میں لڑنے کی رائے

سے اتفاق نہیں کیا گیا تھا۔ دوسرے گروہ دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں کی قلیل تعداد کے پیش نظر ان کو کمزور سمجھتا تھا، لہٰذا اُس نے بزعم خود ہلاکت سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو جنگ سے علیحدہ کر لیا۔ یہ سارے کے سارے لوگ منافق نہیں تھے مگر چونکہ عبداللہ بن ابی کے زیر اثر تھے، اس لیے اُس کے کہنے میں آ گئے۔ بہرحال ان میں سے بہت سے لوگ منافق تھے جو عبداللہ بن ابی کی طرح بظاہر تو ایمان لا چکے تھے مگر اندر سے منافق تھے۔ باقی سات سو افراد کا لشکر احد کے دامن میں صبح کے وقت پہنچا، اور آپ نے اگلے دن صبح کی نماز وہیں ادا کی۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا وَاِذْ غَدَوْتَ اس وقت کو دھیان میں لائیں جب آپ صبح کے وقت نکلے مِنْ اَهْلِكَ اپنے گھر سے۔ جس دن آپ احد کے لیے روانہ ہوئے، اُس روز آپ کا قیام ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر پر تھا اور وہیں سے آپ ہتھیار بند ہو کر نکلے تھے اسی سے مفسرین کرام یہ استدلال کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضور علیہ السلام کے اہلبیت میں شامل ہیں۔ برخلاف اس کے روافض حضرت عائشہؓ کو نہ صرف اہلبیت سے خارج کرتے ہیں بلکہ آپ کو نعوذ باللہ منافق سمجھتے ہیں۔ یہاں پر اَهْلِكَ کے لفظ نے شیعوں کے اس باطل عقیدہ کی تردید کر دی ہے۔

میدانِ احد میں پہنچ کر حضور علیہ السلام تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ لڑائی کے لیے مومنوں کے ٹھکانے مقرر کرتے تھے جگہ مقرر کرنا، ڈیوٹی لگانا، جنگ کے تقاضوں کے مطابق صف بندی کرنا وغیرہ سب چیزیں تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ میں آتی ہیں۔ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے۔ کہ جنگ بدر کی طرح جنگ احد میں بھی کمان خود حضور علیہ السلام نے کی، آپ کے علاوہ کوئی دوسرا کمانڈر نہیں تھا۔ آپ نے میدان جنگ کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ جبل احد پانچ سات میل میں پھیلا ہوا لمبا چوڑا پہاڑ ہے، آپ نے جنگی حکمت عملی کے تحت پہاڑ کے ایک درے کے اوپر عبداللہ بن جبیرؓ کی سرکردگی میں پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر

فرما دیا۔ اور حکم دیا کہ وہ خوب چوکنے رہیں، کہیں دشمن پشت پہ سے حملہ نہ کر دے۔ اگر ایسی صورت ہو، تو اُن پہ تیروں کی بارش کر دینا اور اپنی جگہ کسی صورت میں بھی نہ چھوڑنا۔ مگر اِس جماعت سے سخت غلطی ہوئی جس کا ذکر آگے آئیگا۔ فرمایا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے۔ بہر حال یہ بات اللہ تعالیٰ نے تمہید کے طور پہ بیان فرما دی، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

توکل علی اللہ

مدینے کے دو قبیلے بنو سلمہ اور بنو حارثہ تھے۔ ایک اوس خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور دوسرا خزرج سے۔ عبداللہ بن ابی اِن قبیلوں پہ بھی اثر انداز ہوا اور انہیں جنگِ احد میں شرکت سے روکنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا ذکر اس طرح کیا اِذْ ھَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا جب تم میں سے دو گروہوں نے بزدلی دکھانے کا ارادہ کیا۔ قریب تھا کہ یہ دو قبیلے عبداللہ بن ابی کے کہنے پہ مسلمانوں سے الگ ہو جاتے مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں کو مضبوط کر دیا۔ اُن کی دستگیری فرمائی اور وہ ثابت قدم ہو گئے۔ اللہ نے اُن کی تعریف فرمائی ہے وَاللّٰہُ وَلِیُّھُمَا اللہ تعالیٰ ہی اُن کا کارساز ہے۔ اُس نے عین موقع پہ اُن کی مدد فرمائی اور وہ غلطی سے بچ گئے، ورنہ منافقین کی صف میں شامل ہو جاتے۔ اللہ نے فرمایا وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اہلِ ایمان کو چاہیئے کہ اللہ پہ ہی مکمل بھروسہ رکھیں، فتح و شکست اُسی مالک الملک کے ہاتھ میں ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اُس پہ بھروسہ کرتے ہوئے حتی الامکان کوشش کرے۔ اسلحہ جمع کرے، مجاہدین تیار کر کے میدان جنگ میں اُترے اور پھر نتیجہ اللہ کی ذات پہ چھوڑ دے۔ فتح و نصرت اُسی کی طرف سے ہو گی۔

مومنوں کو ہر حال میں اللہ پہ توکل کرنا چاہیئے، کمزوروں، مجبوروں، اور بے سہارا لوگوں کو خدا کی مدد پہ بھروسہ کر کے میدان عمل میں اترنا چاہیئے۔ مسلمان جبتک اس اصول پر عمل کرتے رہے کامیاب ہوئے، جب صبر اور تقویٰ کا دامن چھوٹ گیا، تو نقصان اٹھانا پڑا۔

درسِ چہل و چہارم ۴۴ — آیت ۱۲۳ تا ۱۲۵

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

الرّبع

ترجمہ :: البتہ تحقیق اللہ نے تمہاری مدد کی ہے بدر کے مقام میں اور تم نہایت کمزور اور بے سروسامان تھے۔ پس ڈرو اللہ سے تاکہ تم شکر ادا کر سکو ﴿۱۲۳﴾ اور جب آپ ایمان والوں سے کہ رہے تھے، کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ تم کو مدد پہنچائے تمہارا پروردگار تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے ﴿۱۲۴﴾ کیوں نہیں، اگر تم صبر کرتے رہو گے اور ڈرتے رہو گے، اور تمہارے دشمن اسی وقت تمہارے پاس آجائیں، تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا، جو نشان لگانے والے ہوں گے ﴿۱۲۵﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیت میں غزوہ احد کا ذکر تھا اور آمدہ آیات بھی احد ہی سے متعلق ہیں، تاہم درمیان میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کا بطورِ مثال ذکر فرمایا ہے کہ دیکھو! بدر کے موقع پر تم بے سروسامانی کی حالت میں تھے، افرادی قوت

بھی کم تھی، رسد بھی بالکل قلیل تھی۔ مگر تمہارے صبر اور تقوے کے درجہ کمال کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے تمہیں طاقتور دشمن پر عظیم فتح نصیب فرمائی، اور اب احد کے موقع پہ تمہاری پوزیشن بہت بہتر تھی۔ مگر صبر اور تقویٰ کی کمی اور بعض غلطیوں کی وجہ سے شکست کا سامنا کرنا پڑا، اس میں مسلمانوں کی کمزوری ان کے قائد کی قیادت کے کسی نقص کی بنا پہ نہیں تھی، کیونکہ جنگ کی کمان تو خود اللہ کا رسول کر رہا تھا، بلکہ یہ نقصان دوسرے مسلمانوں کے خود اپنے پیدا کردہ اسباب کی بنا پر ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مسلمانوں کی کمزوری کے اسباب کو رفع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور آئندہ کے لیے مستعد رہنے کی تلقین کی ہے سابقہ غلطیوں کی معافی کا ذکر بھی موجود ہے۔ بہرحال اس سورۃ میں غزوہ احد کے متعلق بہت سی تفصیلات آگئی ہیں۔

غزوہ بدر

جیسا کہ پہلے عرض کیا آج کے درس میں غزوہ بدر کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مدد کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ بدر کے مقام پہ تمہاری مدد کر چکا ہے۔ بدر ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان مدینہ سے ستر یا اسی میل کے فاصلے پہ ہے۔ دراصل جاہلیت کے زمانے میں بدر بن قیس یا امام ابن کثیر کے مطابق بدر ابن نارین نامی ایک شخص نے اس مقام پہ کنواں کھودا تھا جس کے نام پہ، اس کنویں کا نام بدر مشہور ہو گیا، اور اسی نسبت سے اس جگہ کا نام بھی بدر ہی پڑ گیا۔ چار پانچ میل کا یہ ایک میدانی علاقہ ہے جس کے اردگرد پہاڑیاں ہیں، تاہم ساحل سمندر سے قریب ہی ہے۔ اس مقام پہ بروز جمعہ سترہ ماہ رمضان ۲ھ میں اہل حق اور اہل باطل کے درمیان ایک عظیم واقعہ پیش آیا، جو مسلمانوں کے لیے ہجرت کے بعد سب سے اہم لڑائی تھی اس سے پہلے چھوٹی چھوٹی دو تین جھڑپیں ہو چکی تھیں، تاہم یہ سب سے بڑا معرکہ تھا۔ اللہ تعالےٰ نے سورۃ انفال میں جنگ بدر کو یوم الفرقان سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ حق و باطل کے درمیان عظیم فیصلے کا دن تھا، جب دنیا کو پتہ چل گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ اہل حق کی کس طرح

نصرت فرماتا ہے۔ جنگ کی تفصیلات سورۃ انفال میں آتی ہیں۔ امام بخاریؒ اور مسلمؒ وغیرہ نے اپنی کتب میں مستقل باب باندھ کر مختلف جنگوں کا حال بیان کیا ہے اور وہ تمام احادیث جمع کی ہیں، جو اہل اسلام اور دشمنان اسلام کی لڑائیوں کے متعلق ہیں، امام بخاریؒ کی کتاب المغازی میں سب سے پہلے غزوہ بدر کا حال آتا ہے

فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری بدر کے میدان میں مدد کر چکا ہے۔ اس حالت میں وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ کہ تم نہایت ہی کمزور تھے۔ اذلۃ، ذلیل کی جمع ہے اور یہ لفظ عربی زبان میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا ایک معنی کمزور اور بے سروسامان ہوتا ہے۔ اور اس موقع سے یہی معنی زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف ایک یا دو گھوڑے، ستر اونٹ اور چند ایک شکستہ تلواریں تھیں، کچھ زرہیں بھی تھیں۔ مجاہدین کی تعداد ۳۱۳ یا ۳۱۹ تھی۔ برخلاف اس کے کفار کی تعداد ایک ہزار افراد پہ مشتمل تھی، ان کے پاس ایک سو زبردست گھوڑے، ماہر سوار ہر سپاہی کے پاس دو دو اونٹ اور سامان خورد و نوش کی فراوانی تھی۔ وہ سامانِ ضرب و حرب سے لیس تھے۔ ظاہر ہے۔ کہ ان کے مقابلے میں مسلمان کمزور اور بے سروسامان ہی تھے، اور یہی اذلۃ کا معنیٰ ہے۔

عربی زبان میں لفظ ذلیل نرم مزاج آدمی پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ مائدہ میں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے۔ "اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ" یعنی اہل ایمان مومنوں کے لیے نرم مزاج اور کافروں پر سخت ہوتے ہیں۔ گویا مومن آپس میں "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" کا نقشہ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے بڑے ہی نرم مزاج ہوتے ہیں۔

ذلیل کا ایک تیسرا معنی حقیر اور رسوا بھی ہوتا ہے۔ "وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ" اے باری تعالیٰ تو جسے چاہے عزت دے دے اور جسے چاہے ذلیل و رسوا کر دے۔ اس معنی کی مثال سورۃ نمل میں بھی ملتی ہے۔ ملکہ سبا نے اپنے درباریوں سے کہا تھا۔ کہ جب بادشاہ دوسرے

ملک پر حملہ آور ہوتے ہیں وَجَعَلُوٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً تو وہاں کے شرفا کو رسوا کر دیتے ہیں۔ بہر حال اس مقام پر اذلۃ کا معنی کمزور اور بے سر و سامان ہی زیادہ مناسب ہے۔

تقوے اور شکر

الغرض! اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو یاد دلایا کہ اُس نے تمہاری اس کمزوری اور بے سر و سامانی کی حالت میں عظیم الشان فتح عطا کی۔ غزوہ بدر دنیا کی تاریخ میں ناقابل فراموش جنگ کی حیثیت سے محفوظ ہے فرانسیسی اور انگریز اور بعض دیگر غیر مسلم مفکرین نے اپنی کتابوں میں تسلیم کیا ہے، کہ مشرکین مکہ کے خلاف مسلمانوں کی یہ فتح مبین تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یادگار فتح عطا فرمائی، لہٰذا اے مسلمانو! فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اللہ سے ڈر جاؤ، تاکہ تم شکر ادا کر سکو۔ تقویٰ سے مراد کفر، شرک اور معاصی سے بچنا حدود و تعزیرات کی حفاظت کرنا اور عدل و انصاف پر عمل پیرا ہونا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اس معیار پر پورا اترے گا، وہ یقیناً شکر گزار ہو گا۔ برخلاف اس کے کافر، مشرک، بدعقیدہ لوگ اس معیار پر پورے نہیں اترتے اس لیے وہ ناشکر گزار ہوتے ہیں مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے جس کی تشریح میں نے عرض کر دی ہے۔

فرشتوں کے ذریعے مدد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ جب آپ ایمان والوں سے کہہ رہے تھے اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں کے ساتھ۔ اس آیت کریمہ کا پس منظر یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی تعداد تو پہلے ہی زیادہ تھی، بعض نے یہ تعداد ایک ہزار لکھی ہے جو زیادہ مشہور ہے اور بعض نے پندرہ سو بھی لکھی ہے۔ اس کے باوجود وہاں یہ مشہور ہو گیا۔ کہ کافروں کی مدد کے لیے کرز بن جابر مزید لشکر لا رہا ہے ظاہر ہے۔ کہ اس خبر سے

مسلمانوں کے حوصلے پست ہونے کا خطرہ تھا۔ لہٰذا اس وحشت کو دور کرنے کے لیے اللہ نے اپنے نبی کو بذریعہ وحی یہ بشارت دی، کہ مسلمان دشمن کی کثرت تعداد سے خوف نہ کھائیں، اللہ تمہاری مدد کے لیے آسمان سے تین ہزار فرشتوں کو نازل فرمادے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے تین ہزار فرشتوں کا ذکر کیا، بلکہ جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے، بوقت ضرورت اللہ نے پانچہزار فرشتوں کے نزول کا بھی وعدہ فرمایا، مگر حقیقت میں صرف ایک ہزار فرشتوں سے ہی مدد دی گئی۔ اس کی تفصیل سورۃ انفال میں آئے گی۔ بہرحال چونکہ کافروں کو مزید کمک نہیں پہنچی تھی اس لیے اللہ نے صرف ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے ہی مشرکین کو شکست فاش دیدی۔

یہاں پہ فرشتوں کے متعلق مُنزَلِین کا لفظ فرمایا ہے یعنی اتارے ہوئے، ظاہر ہے۔ کہ یہ فرشتے اللہ ہی کے حکم سے اترے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کا بیان ہے۔ کہ بدر کے میدان میں میں نے حضور علیہ السلام کے دائیں بائیں سفید پگڑی والے دو آدمیوں کو دیکھا، جو کافروں کا مقابلہ کر رہے تھے وہ گھوڑی پہ سوار تھے اور گھوڑی کو کہہ رہے تھے اَقْدِمْ حَیْزُوْم اے حیزوم! آگے بڑھ۔ اتنے میں میں نے ایک کافر مرا ہوا دیکھا۔ فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایسے لوگ پہلے کبھی نہیں دیکھے یہ کون ہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ وہ جبرائیل اور میکائیل تھے۔ ان فرشتوں کے اتارنے کی حکمت کا تذکرہ اللہ نے سورۃ انفال میں بیان فرمایا ہے۔

بہرحال یہاں پہ اہل ایمان کو تسلی دی گئی کہ وہ ہمت نہ ہاریں۔ بلکہ نصرت الٰہی پہ بھروسہ رکھیں۔ نیز فرمایا بَلٰی کیوں نہیں۔ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا اگر تم صبر کرتے رہو۔ بدر کی جنگ میں واقعی مسلمانوں نے صبر کا عظیم مظاہرہ کیا۔ صبر اور بے قراری متضاد چیزیں ہیں۔ صبر روح کی صفت ہے اور بے قراری نفس کی صفت ہے۔ جب روح کی صفت نفس کی صفت پہ غالب

آجائے، تو انسان کو اطمینانِ قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ صبر بہت بڑی صفت ہے اور اس کا امتحان مصیبت کے وقت، اطاعت کرنے کے موقع پر اور معاصی کے ارتکاب کے وقت ہوتا ہے۔ یہ ملت ابراہیمی کا بہت بڑا اصول ہے۔ اسی لیے مسلمانوں سے فرمایا کہ اگر تم صبر کرتے رہو گے وَتَتَّقُوْا اور تقویٰ اختیار کرتے رہو گے۔ تقویٰ کے متعلق بھی بہت کچھ بیان ہو چکا۔ اگر انسان کو تقویٰ کی دولت حاصل ہو جائے، تو اس کے لیے شریعت کے احکام پر چلنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک عظیم صفت ہے۔ جسے حاصل ہو جائے۔ اسی لیے فرمایا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا اگر دشمن تمہارے مقابلے میں اچانک آجائیں، دشمن کو پیچھے سے مزید کمک پہنچ جائے تو پھر بھی تم جی نہ ہارنا، گھبرانا نہیں، یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ اللہ تمہاری مدد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا مطلب یہ کہ اگر دشمن کی تعداد بڑھ جائے گی، تو ان کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ فرشتوں کی فوج بھی بڑھا دیگا، اس لیے ہمت نہ ہاریں۔

آگے ان فرشتوں کی صفت بیان کی مُسَوِّمِیْنَ وہ نشان لگانے والے ہوں گے، ہر قوم کے اپنے جنگی نشان ہوتے ہیں۔ آج کل کے دور میں ٹینک، توپ، بندوق، ہوائی جہاز وغیرہ تمام آلات حرب پر مخصوص نشان ہوتے ہیں اسی طرح قدیم زمانے میں شناخت کے لیے گھوڑوں پر فوجی نشان ہوا کرتے تھے۔ اس سورۃ کے ابتداء میں بھی یہ لفظ آیا تھا وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ یعنی نشان لگے ہوئے گھوڑے۔ الغرض! مسومین سے مراد یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ایسے فرشتوں سے مدد فرمائے گا، جو دشمن پر، اس کے گھوڑوں پر اور سامان حرب پر نشان لگائیں گے تاکہ انہیں تباہ و برباد کیا جا سکے۔ مسومین سے مراد فرشتوں کی اپنی نشانیاں بھی ہو سکتا ہے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں فرشتوں کی نشانی سفید عمامے تھے۔ جب کہ احد کے میدان میں ان کی نشانی

سرخ عمامے تھے، تو اللہ نے فرمایا کہ صبر اور تقوے کا پھل یہ ہے کہ اللہ نے بدر میں فتح نصیب فرمائی۔ رہا غزوہ احد کا معاملہ، تو وہاں مجاہدین سے کچھ کوتاہی ہوگئی تھی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اب آگے فرشتوں کے اتارنے کی حکمت کا تذکرہ ہے۔

درسِ چہل و پنج ۴۵ — آیت ۱۲۶ تا ۱۲۹

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

ع ۱۳ / ۹ / ۴

ترجمہ: اور نہیں بنائی اللہ نے (تمہاری یہ امداد فرشتوں کے نزول سے) مگر تمہارے لیے خوشخبری اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں۔ اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے جو غالب ہے اور کمال حکمت کا مالک ہے ﴿۱۲۶﴾ تاکہ قطع کر دے ایک گروہ کو ان لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا یا اُن کو ذلیل کر دے، پس وہ ناکام ہو کر لوٹیں ﴿۱۲۷﴾ اے پیغمبر! نہیں ہے آپ کے لیے اس معاملہ میں کچھ اختیار، اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول کرے یا اُن کو سزا دے، کہ وہ ظلم کرنے والے ہیں ﴿۱۲۸﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ———

——— اللہ تعالیٰ بخشتا ہے جس کو چاہے، اور سزا دیتا ہے جس کو چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے ﴿۱۲۹﴾

ربط آیات

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ قرآن پاک کے اس مقام پر اصل تذکرہ تو غزوہ احد کا ہے۔ تاہم درمیان میں اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر غزوہ بدر کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ تاکہ اہل اسلام کو تسلی رہے کہ جس مالک الملک نے انہیں نہایت بے سروسامانی کی حالت میں بدر کے مقام پر عظیم فتح سے نوازا تھا، وہ اپنے بندوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیگا۔ واقعہ بدر کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ہزار فرشتوں کے نزول کی بشارت سنائی، پھر تین ہزار کا وعدہ فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر مشرکین کی جمعیت میں اچانک اضافہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ آسمانوں سے ایسے پانچ ہزار فرشتوں کو نازل فرمادے گا، جو اپنے گھوڑوں کو نشان لگانے والے ہوں گے۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے نزول ملائکہ کی حکمت بیان فرمائی ہے اور واضح کیا ہے۔ کہ فرشتوں کو اتارنے کا مقصد یہ نہیں ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے کفار کے ساتھ براہ راست جنگ میں شریک ہوں گے، بلکہ جنگ تو بہر حال مسلمانوں نے ہی لڑنی ہے۔ سورۃ انفال میں اس کا تفصیل سے ذکر ہے۔ تاہم بدر کے متعلق فرمایا "اِذۡ تَسۡتَغِيۡثُوۡنَ رَبَّكُمۡ" جب تم اپنے پروردگار کے سامنے فریاد کر رہے تھے، تو اللہ نے تمہاری مدد کے لیے فرشتے اتار دیے، اور تمہارے حق میں ایسے حالات پیدا فرما دیے کہ تمہیں فتح مبین حاصل ہوگئی۔ فرشتے اللہ کی لطیف مخلوق ہے ان میں اللہ نے طاقت بھی بہت زیادہ رکھی ہے۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے۔ بدر کے مقام پر حضور علیہ السلام کے دائیں بائیں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔ وہ براہ راست لڑائی میں شریک نہیں تھے۔ البتہ اکا دکا ایسے واقعات کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ جن میں کافروں کو کچھ اذیت بھی پہنچائی گئی۔ تاہم من حیث الجماعت لڑائی کرنا اہل ایمان ہی کا کام ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہاں پر نزول ملائکہ کا مقصد بھی بیان فرما دیا ہے۔

مقصد نزول ملائکہ

ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے نزول ملائکہ کو اِلَّا بُشۡرٰى لَـكُمۡ مگر تمہارے لیے خوشخبری۔ تاکہ تمہیں بشارت ہو کہ اللہ کے

فرشتوں کی امداد تمہارے ساتھ ہے۔ تاہم فتح تو بہر صورت اللہ کے حکم سے ہی ہوگی، مگر اطمینانِ قلب کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ مسلمانوں کو فرشتوں کی تائید بھی حاصل ہے دنیا کی اس زندگی میں اس قسم کے معاملات پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر کسی کو حاکم اعلیٰ یا کسی بڑے چودھری کی حمایت حاصل ہو، تو اُسے دل میں تسلی ہوتی ہے۔ کہ کوئی بات نہیں، فلاں بڑی ہستی میرے ساتھ ہے، مجھے کیا پرواہ ہے۔ اس پر قیاس کر کے سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ ایک عام انسان کی حمایت دوسرے کے لیے تسلی وتشفی کا باعث ہوتی ہے تو جس کا حمایتی اور طرفدار خود احکم الحاکمین ہو اُسے کس قدر سکون حاصل ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ نزول ملائکہ کا مقصد ایک تو تمہیں بشارت سنانا ہے اور دوسرے وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ تاکہ تمہارے دل اطمینان حاصل کریں۔ اور تم کسی خوف میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ جہاں تک نصرت غیبی کا تعلق ہے وہ تو منجانب اللہ ہی ہوتی ہے۔ سورۃ انفال میں موجود ہے۔ "اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ" اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر وحی نازل کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور اُن کو حکم دیا۔ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہ اہل ایمان کے دلوں کو مضبوط کریں۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے۔ کہ اللہ کے ملائکہ تو ویسے بھی مومنوں کے دلوں میں اچھے خیالات القا کرتے ہیں۔ جس طرح شیاطین وسوسہ اندازی کر کے انسان کو بُرے کاموں کی ترغیب دیتے ہیں، اسی طرح رحمت کے فرشتے اچھے کاموں کی طرف ابھارتے ہیں۔ بعض صحابہؓ نے فرشتوں کی تعریف کی کہ حضرت! ہم نے ایسی بات دیکھی ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ذٰلِكَ مَدَدٌ مِنَ السَّمَآءِ الثَّالِثِ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کے لیے یہ فرشتے تیسرے آسمان سے نازل فرمائے ہیں۔ بہر حال فرشتوں کے اتارنے کا مقصد مسلمانوں کو بشارت دینا اور اُن کے دلوں کو مطمئن کرنا تھا، نہ کہ براہِ راست جنگ میں شریک ہونا۔

غزوہ یرموک کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب نے اس جنگ کے لیے پانچ صحابہؓ کو کمانڈر مقرر فرمایا۔ اُن میں

نصرت الٰہی

ابوعبیدہ بن جراحؓ، خالد بن ولیدؓ، ابن حسنہؓ، یزید بن ابی سفیانؓ اور عیاضؓ تھے۔ آپ نے حکم دیا تھا۔ کہ بحیثیت مجموعی پوری فوج کی کمان حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس ہوگی تاہم باقی جرنیل اپنے اپنے دستوں کے سردار ہوں گے اور اپنے اپنے یونٹوں میں فوجی انتظامات کے ذمہ دار ہوں گے جب رومیوں کے ساتھ لڑائی شروع ہوئی، تو مسلمانوں نے کچھ کمزوری محسوس کی، ان کے کئی مجاہد شہید ہوگئے۔ چنانچہ انہوں نے امیرالمؤمنین کو مزید کمک کے لیے خط لکھا۔ حضرت عمرؓ نے جواباً لکھا کہ میں تمہاری راہنمائی اس ذات کی طرف کرتا ہوں جو کہ اعز نصیر ہے یعنی جس کی نصرت سب پر غالب ہے۔ اور جس کا لشکر ہر وقت حاضر ہے۔ میں تمہاری راہنمائی اس خداوند قدوس کی طرف کرتا ہوں، جس نے مقام بدر پہ اپنے نبی اور اس کے ساتھیوں کو فتح عظیم سے نوازا۔ لہٰذا تم مدد کے لیے اسی مالک الملک کی طرف رجوع کرو، دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کرو، مجھے دوبارہ خط نہ لکھنا۔ اللہ جل جلالہ نے بدر میں قلیل تعداد اور بے سروسامانی کی حالت میں تمہاری مدد کی تھی، وہ زیادہ نفری اور وافر سازوسامان کے ساتھ کیوں تمہاری مدد نہیں فرمائے گا۔ تم اسی کی طرف رجوع کرو، آئندہ میری طرف مراجعت نہ کرنا۔ اس روایت کے راوی حضرت عیاضؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ خط جب مسلمانوں کو پہنچا، تو انہوں نے نصرت الٰہی پہ مکمل بھروسہ کرتے ہوئے ایسا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کو چار کوس تک پیچھے بھگا دیا۔ ان کے پاؤں پھر نہ جم سکے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اس فتح نے شام اور فلسطین کو ہمیشہ کے لیے رومیوں سے پاک کر دیا، اور یہ علاقے مرکز اسلام میں داخل ہوگئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ مدد تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ جو کہ غالب ہے۔ اور کمال حکمت کا مالک ہے۔

یہاں پھر وہی سوال دوبارہ ابھرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں تو مسلمانوں کی بھرپور مدد فرمائی ہے لیکن اُحد کے میدان میں ایسا کیوں نہ ہوا۔ اس کا

جواب پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ جب انسان پورے عزم اور پختہ ارادے کے ساتھ جان کی بازی لگا دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل حال ہوتی ہے مگر احد کے میدان میں مسلمانوں میں کچھ کمزوری آگئی تھی۔ اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی کے ہمراہ تین سو آدمیوں کا لشکر پہلے ہی علیحدہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ بعض مجاہدین نے نبی علیہ السلام کے حکم کے خلاف اپنے مرکز کو چھوڑ دیا۔ بعض لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی بھی ہوئی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں، بہرحال اس کے بعد اللہ نے اہلِ اسلام کو مضبوط بھی کر دیا۔

کفار کی ناکامی

آگے اللہ تعالیٰ نے نصرت الٰہی کا نتیجہ بیان فرمایا کہ اللہ کی مدد اس لیے آئی لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا تاکہ کفار کی جمعیت میں سے ایک گروہ کو قطع کر دے۔ ان کی کمر توڑ کر رکھ دے اور ان کے غرور کا سر نیچا کر دے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جنگ بدر میں ستر بڑے بڑے آئمۃ الکفر مارے گئے جن میں ان کا سرغنہ ابوجہل اور امیہ بھی شامل تھے۔ ایک گروہ تو مارا گیا، فرمایا اَوْ يَكْبِتَهُمْ یا ان کو ذلیل کر دے۔ چنانچہ ستر قتل ہوئے اور اتنی ہی تعداد میں قیدی بنا لیے گئے۔ جو کہ مشرکین مکہ کے لیے نہایت ہی ذلت و رسوائی کی بات تھی، ان قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ دینا پڑا۔ اور وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔ بڑے جوش و خروش کے ساتھ مکے سے نکلے تھے۔ کہ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں گے مگر خود پس کر رہ گئے۔ جو باقی بچ گئے فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ وہ سخت ناکام ہو کر لوٹے۔ مکے والے فتح کی خوشخبری سننے کے لیے انتظار کر رہے تھے۔ کہ انہیں ذلت اور رسوا کن شکست کی خبر سننا پڑی۔

غزوہ احد میں آزمائش

غزوہ بدر کے مختصر تذکرے کے بعد روئے سخن پھر غزوہ احد کی طرف ہوتا ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی اپنی غلطی کی وجہ سے انہیں سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ ستر صحابہ کرامؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان میں سید الشہداء حضرت حمزہؓ بھی

بھی شامل تھے۔ بہت سے صحابہ کرامؓ زخمی ہوئے۔ خود حضور نبی کریم علیہ السلام زخمی ہو گئے۔ ایک کافر نے تلوار سے وار کیا۔ آپ کا خود کٹ گیا، اور سر کے نیچے پیشانی تک زخم آ گیا۔ دائیں طرف کے نچلے چار دانتوں میں سے دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ زخم اتنا گہرا تھا کہ خون بند نہیں ہوتا تھا۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ ڈھال میں پانی لاتی تھیں۔ اور حضرت علیؓ زخم کو دھوتے تھے۔ پھر چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم میں رکھی تو خون بند ہوا۔ ان حالات میں حضور علیہ السلام نے کافروں کے حق میں بددعا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلا کَیۡفَ یُفۡلِحُ قَوۡمٌ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا سر زخمی کر دیا، حالانکہ وہ انہیں اپنے رب کی طرف دعوت دیتا ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے بد دعا کرنے سے منع فرما دیا اور فرمایا لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اس معاملہ میں آپ کے لیے کوئی چیز (یعنی اختیار) نہیں ہے۔ یعنی آپ کو حکم اور حکومت میں اختیار نہیں ہے۔ کسی کو ایمان کی توفیق عطا کر دے یا کسی کو کفر پہ اڑا رہنے دے، یہ سب اختیار اللہ کے پاس ہے۔ آپ کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ آپ کا کام دعوت دینا، جہاد کرنا اور صبر کا دامن تھامنا ہے۔ کسی کو منزل مقصود تک پہنچانا آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ کا کام یہ ہے وَاِنَّکَ لَتَھۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ "آپ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کر دیں۔ کسی کی کامیابی یا ناکامی اللہ مالک الملک کے اختیار میں ہے۔ آج کل لوگوں نے غلط عقیدے بنا کر رکھے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل ہیں، نہیں بھائی! اللہ نے صراحت کے ساتھ فرما دیا ہے۔ کہ اختیار آپ کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے اِنَّکَ لَا تَھۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ "آپ اپنی خواہش کے مطابق کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ ہدایت دینا تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ اگر آپ کے بس میں ہوتا تو آپ اپنے مشفق ہمدرد اور خدمت گزار چچا ابو طالب کو دوزخ سے بچا لیتے۔ مگر اللہ نے یہ اختیار آپ کو عطا نہیں کیا۔

جزا اور سزا اللہ کے پاس ہے

یہ فیصلہ اللہ تعالےٰ نے کرنا ہے اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ یا اللہ ان کی توبہ قبول فرمالے۔ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ یا اُن کو سزا دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔ کہ اِن میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو آگے چل کر ایمان کی دولت سے مشرف ہونے والے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو اُن کے خلاف بددعا کرنے سے روک دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہی لوگ جنہوں نے آپ کو اور اہل اسلام کو سخت اذیتیں پہنچائیں، بعد میں اسلام لے آئے۔ چنانچہ ابوسفیان رضؓ، عکرمہ رضؓ بن ابوجہل، خالد بن ولید رضؓ، صفوان رضؓ بن امیہ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضؓ انہی لوگوں میں شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرداً فرداً سب کو ایمان کی دولت عطا کی، ابوسفیان رضؓ اور عکرمہ رضؓ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے۔ خالد بن ولید رضؓ اور صفوان رضؓ بن امیہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔ اور اسی طرح بعض دوسرے لوگ بھی حضور علیہ السلام کے جانثاروں میں شامل ہو گئے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت میں ہے کہ کون اس قابل ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے۔ اور کون ہے جو دائمی سزا کا مستحق ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں کو ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوئی، وہ سزا کے مستوجب ٹھہرے۔ انہی کے متعلق فرمایا فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ظلم کرنے والے وہی لوگ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بددعا کرنے سے منع فرما دیا۔ بعض دوسرے مواقع پر حضور علیہ السلام کی بددعا کا تذکرہ ملتا ہے جبکہ اُن لوگوں نے آپ پر بہت زیادتی کی، پھر جب اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا، تو آپ رُک گئے۔ کیونکہ کسی کو ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ کسی وقت بھی ہدایت دے سکتا ہے۔ لہذا آپ کو بددعا سے روک دیا گیا۔

فرمایا وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ہی ملکیت ہے۔ ہر چیز پر اسی کا تصرف ہے۔ ہر ہر مقام پر حکم اور حکومت اللہ جل شانہ کی ہے۔ آپ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے والے ہیں۔ خدا کی خوشنودی کے کام انجام دینے والے ہیں۔ آپ دوسرا

کے ذمہ دار نہیں ہیں "لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ" آپ اُن پر داروغہ نہیں ہیں
کہ آپ اُن کو ایمان لانے پر مجبور کریں بلکہ "اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ" آپ تو نصیحت
کرنے والے ہیں۔ "اِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ" آپ کے ذمہ ہماری شریعت اور
دین اُن تک پہنچا دینا ہے۔ اس کے بعد "وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ" اُن سے حساب

ہم خود لیں گے۔

فرمایا چونکہ سب کچھ خدا تعالیٰ ہی کا ہے۔ اس لیے يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ
وہ جس کو چاہے معاف فرمادے۔ توبہ کی توفیق عنایت کردے اور وہ لوگ ایمان
قبول کرلیں، تو اُن کی بخشش کا سبب بن سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ ایمان کی دولت
سے مالامال ہو کر بخشش کے مستحق بن گئے۔ اور پھر جنہوں نے ایمان قبول نہ کیا۔
اُن کے متعلق فرمایا وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وہ جس کو چاہے سزا دے۔
آپ پر اس ضمن میں کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی
دی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ دل برداشتہ ہو کر ان کے لیے بددعا
نہ کریں۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان
ہے۔ وہ جس کو چاہے گا، توبہ کی توفیق دے کر اس کے لیے بخشش
کے دروازے کھول دیگا۔

درس چہل و شش ۴۶ | آیت ۱۳۰ تا ۱۳۴

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ج (۱۳۰) وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ج (۱۳۱) وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ج (۱۳۲) وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ لا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ لا (۱۳۳) الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ج (۱۳۴)

ترجمہ :۔ اے ایمان والو ! مت کھاؤ سود دگنے پر دگنا ، اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ (۱۳۰) اور ڈرو اُس آگ سے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے (۱۳۱) اور اطاعت کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی ، تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۱۳۲) اور سبقت کرو بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے ۔ اور جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کی طرح ہے ۔ وہ تیار کی گئی ہے متقیوں کے لیے (۱۳۳) وہ جو خرچ کرتے ہیں خوشی کی حالت میں اور تکلیف کی حالت میں ، اور وہ جو غصے کو دباتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (۱۳۴)

ربط آیات — گذشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد کا ذکر فرمایا ۔ اور اس ضمن میں

اہل ایمان کی تسلی کے لیے غزوہ بدر کا تذکرہ بھی ہوا۔ کہ اس جنگ میں اللہ نے اپنی خاص مہربانی سے اہل ایمان کے اطمینان اور بشارت کے لیے فرشتوں کو نازل فرمایا۔ مگر غزوہ احد میں مسلمانوں کی طرف سے کمزوری واقع ہوگئی تھی لہذا اس میں نقصان اٹھانا پڑا۔ پھر احد کی جنگ میں شریک ہونے والے مشرکین کے حق میں بددعا کرنے سے اللہ نے منع فرما دیا۔ بدر میں کامیابی کا راز بتایا کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ کیا۔ اور صبر اور تقویٰ کو اختیار کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ کامیابی عطا فرمائی۔

ان غزوات کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے درمیان میں سود کی حرمت کا حکم نازل فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی ہے۔ سود اور انفاق فی سبیل اللہ دو متضاد چیزیں ہیں۔ اول الذکر سے اخلاق بگڑتا ہے اور ثانی الذکر سے اخلاق میں عمدگی آتی ہے۔ لہذا دونوں چیزوں کو اکٹھا بیان فرما کر ترہیب و ترغیب کا سامان پیدا فرمایا ہے

حرمت سود

ارشاد ہوتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً "مت کھاؤ سود دگنے پر دگنا۔ یہاں پر لَا تَاْکُلُوْا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا معنی کھانا ہے۔ تو کیا سود کھانا ہی حرام ہے اور اس کا لینا دینا جائز ہے؟ ہرگز نہیں۔ چونکہ کھانا ایک اہم چیز ہے اس لیے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ورنہ مراد لینا دینا ہی ہے۔ جس طرح کسی چیز کا کھانا حرام ہے اسی طرح اس کا پہننا بھی حرام ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ سود کی رقم سے خرید کردہ غلہ تو حرام ہو مگر اسی رقم سے لیا گیا کپڑا حلال ہو۔ سود خواہ کسی بھی شکل و صورت میں ہو، حرام ہی ہوگا۔ لہذا لا تاکلوا سے مراد صرف کھانا ہی حرام نہیں ہوگا بلکہ سود کا استعمال ہر صورت میں حرام ہوگا۔

دوسری خاص چیز جو اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے۔ وہ دگنے کی قید ہے۔ کہ دگنے پر دگنا سود مت کھاؤ۔ یہ اضعافاً مضعفۃ" اس لیے فرمایا کہ عربوں میں بھی ڈبل سود یعنی سود مرکب یا سود در سود کا رواج موجود تھا اور یہ سود کی بدترین صورت ہے اس لیے اس کا ذکر کیا ہے۔ وگرنہ سنگل سود یا سود مفرد بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح سود مرکب، سود کا ذکر سورۃ بقرہ میں آچکا ہے۔ "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ

وَحَرَّمَ الرِّبٰوا اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام خواہ وہ سود مفرد ہو یا مرکب۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ حقیقی سود وہ ہوتا ہے۔ جو ادھار دی گئی رقم پہ حاصل کیا جائے۔ یہ سود خواہ نقدی کی صورت میں ہو، سونا چاندی یا اجناس کی شکل میں وصول کیا جائے، بہرحال حرام ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ ایک جنس کو دوسری جنس کے بدلے میں زیادتی یا ادھار کے ساتھ بیع کرنا حرام ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ سود مرکب کیسے ہوتا ہے۔ تو اس کی صورت آج بھی ویسی ہی ہے جیسے اس زمانے میں تھی جس کا تذکرہ قرآن پاک نے کیا ہے۔ کوئی رقم کسی خاص مدت کے لیے سود پہ لی جاتی ہے۔ مقررہ مدت میں اگر اصل رقم مع سود واپس نہ کی جا سکے تو سود کو اصل زر میں شامل کر کے کل رقم کو اصل شمار کر لیا جاتا ہے اور پھر اس رقم پہ سود کی مقررہ شرح عاید کر دی جاتی ہے۔ سود کی شرح عام طور پہ سالانہ ہوتی ہے۔ ہر سال اصل رقم پہ سود کا حساب کر کے اُسے اصل زر میں شامل کر لیا جاتا ہے اور اس طرح کچھ عرصہ بعد قرض کی اصل رقم بڑھ کر کئی گنا ہو جاتی ہے۔ اسی کے متعلق فرمایا کہ اے ایمان والو! دُگنا چوگنا سود مت کھاؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈر جاؤ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

جذبہ انتقام

غزوہ احد میں مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑی جسمانی تکلیف پہنچی۔ سر مبارک زخمی ہوا، دانت مبارک شہید ہوا، ستر صحابہؓ شہید ہو گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اس واقعہ کے درمیان سود کے تذکرہ کے متعلق مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے اپنے استاد حضرت مولانا شیخ الہندؒ سے دریافت کیا کہ حضرت! غزوہ احد کے واقعہ کے درمیان حرمتِ سود کی آیت کا کیا محل ہے۔ تو فرمایا بعض اوقات ربط آیات کو سمجھنے کے لیے بڑے تدبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے۔ کہ غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہو گئی، تو ان کے دلوں میں جذبہ انتقام بھڑک اٹھا۔ چنانچہ

بعض روایات میں آتا ہے۔ کہ مسلمانوں نے عہد کیا۔ کہ اگر آئندہ ہم کفار پر غالب آئے تو ان سے دوہرا انتقام لیں گے۔ کافروں نے ہمارے شہداء کے ساتھ بڑی تذلیل کا کام کیا ہے۔ ان کے چہرے مسخ کیے، لہٰذا ہم بھی ان سے سخت انتقام لیں گے۔ تو مولانا فرماتے ہیں۔ کہ اسی جذبہ انتقام کو کم کرنے کے لیے اللہ تعالےٰ اس آیت سود کو غزوہ احد کے واقعہ میں لائے ہیں۔ جس طرح سود انسان کا اخلاق بگاڑتا ہے، اسی طرح جذبہ انتقام بھی بد اخلاقی پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان کو متنبہ فرمایا کہ وہ اپنے جذبات پر قابو رکھیں کیونکہ سود اور انتقام ایک ہی قبیل سے ہیں۔ اور ان کے سبب اصل مقصد سے توجہ ہٹ جاتی ہے اسی آج کے درس میں آگے انفاق فی سبیل اللہ کی آیت بھی آرہی ہے۔

سود خوری اور انفاق دو متضاد چیزیں ہیں۔ سود خوری سے انسانی اخلاق فاسد ہوتا ہے اور انفاق فی سبیل اللہ اخلاق عالیہ کا نمونہ ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس قوم میں زنا اور سود خوری جیسی بیماریاں پیدا ہو جائیں اس قوم پر خدا کا غضب نازل ہو گا۔ کیونکہ یہ اخلاقی بیماریاں خدا کے غضب کو دعوت دیتی رہتی ہیں۔

ڈرانے والی آیات

سود خوری سے ممانعت کے بعد فرمایا وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ اس آگ سے ڈر جاؤ، جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہنم کی آگ بالذات کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ مگر اس آیت میں ایمان والوں کو ڈرایا گیا ہے۔ کہ اس آگ سے بچ جائیں۔ اس ضمن میں تفسیر مدارک والے لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک میں سب سے زیادہ ڈرانے والی آیت یہ ہے۔ جس میں ایمان والوں کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے۔ کہ اگر اہل ایمان بھی کافروں والے کام کریں گے، کفر، شرک، بدعت اور معاصی میں مبتلا ہوں گے تو وہ بھی دوزخ کی آگ سے بچ نہیں سکیں گے۔

کامیابی کا راز

آگے اہل ایمان کو دوزخ سے بچنے اور کامیابی حاصل کرنے کا راز بتایا جا رہا ہے وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرو لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ غزوہ احد میں اسی چیز کی کمی آگئی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ آپ نے پچاس آدمیوں کے ایک دستہ کو پہاڑ کی چوٹی پر مقرر فرمایا تھا۔ اور واضح حکم دیا تھا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تمہیں ہر صورت میں اس محاذ پر قائم رہنا ہے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو رہا ہے۔ تو وہ مورچہ چھوڑ کر پہاڑ سے نیچے اتر آئے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں یہی کوتاہی ہوئی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو عظیم نقصان اٹھانا پڑا۔ لہٰذا اہل اسلام کو سمجھایا جا رہا ہے۔ کہ آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ہمیشہ مقدم رکھنا۔ یہی کامیابی کا راز ہے اور اسی کی بدولت تم پر رحم کیا جائے گا۔

نیکی میں سبقت

نیز فرمایا وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اور سبقت کرو، دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف مقصد یہ ہے۔ کہ اگر اللہ اور اس کے رسول کا اتباع کرو گے، ایمان اور تقویٰ اختیار کرو گے، صبر کا دامن تھامے رکھو گے تو خدا تعالےٰ کی طرف سے تمہارے لیے بخشش کی بشارت ہے۔ اور پھر بخشش کا نتیجہ ہو گا وَجَنَّۃٍ کہ تمہیں جنت میں داخلے کا ٹکٹ مل جائیگا۔ اور وہ جنت ایسی ہو گی جسے دنیا کے کسی بڑے سے بڑے باغ پر بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس جنت کا وعدہ فرمایا ہے عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وہ اتنی وسیع ہے کہ اُس کا عرض یعنی چوڑان ہی آسمانوں اور زمین کے برابر ہو گا۔ یہاں پر آسمان و زمین کی مثال اس لیے دی گئی ہے۔ کہ انسانی ذہن میں زمین و آسمان سے وسیع کوئی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا انہی چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے۔ کہ اللہ رب العزت کی جنت آسمانوں اور زمین سے

کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اس کے نیچے سے لے کر اوپر تک آٹھ طبقات ہیں اور سب سے بالائی طبقے کا نام جنت الفردوس ہے اس میں ہر طرح کی نعمتیں میسّر ہوں گی، ایسی نعمتیں جو اس وقت انسانی ذہن میں نہیں آسکتیں۔ اور یہ سب کچھ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ان متقیوں کے لیے ہے۔ جو اللہ کے احکام کی پابندی کرنے والے ہیں۔ لہٰذا اپنے اندر وہ صفات پیدا کرو، جو اللہ نے بیان فرمائی ہیں تاکہ تم جنت کے حقدار بن سکو۔

نیکی میں سبقت کرنے کے متعلق ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ سَادِعُوْا بِالْاَعْمَالِ سَبْعًا یعنی سات چیزیں پیش آنے سے پہلے پہلے اچھے اعمال انجام دے لو، ورنہ پھر موقع نہیں ملے گا۔ وہ سات چیزیں کونسی ہیں۔ فرمایا مَا یَنْتَظِرُ اَحَدُکُمْ اَلَّا غِنًی مُطْغِیًا ایسی دولت مندی آجائے جو انسان کو سرکشی میں ڈال دے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ کہ لوگ ناداری کی حالت میں دین دار ہوتے ہیں جب مال آجاتا ہے۔ تو بغاوت پر اُتر آتے ہیں۔ اس لیے فرمایا ایسی دولت مندی آنے سے پہلے پہلے اچھے اعمال کر لو۔ فرمایا اَوْ فَقْرًا مُنْسِیًا یا ایسا فقر لاحق ہو جائے جو سب کچھ فراموش کرا دے۔ ناداری کی حالت میں بعض اوقات انسان متفکر اور مغموم ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے نیکی کے کام بھول جاتے ہیں۔ ایسی حالت وارد ہونے سے پہلے نیکی میں سبقت حاصل کر لو۔ تیسری چیز فرمایا اَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا یا ایسی بیماری آجائے جو انسان کو فساد میں ڈال دے۔ بیماری میں بھی انسان نیکی سے محروم ہو جاتا ہے۔ چوتھی چیز فرمایا اَوْ ھَرَمًا مُفْنِدًا یا ایسا بڑھاپا آجائے جو انسان کو عقل و فہم سے عاری کر دے۔ اسی لیے ایسے بڑھاپے سے بھی پناہ مانگی گئی ہے جو انسان کے قویٰ کو کمزور کر دیتا ہے پانچویں چیز فرمایا اَوْ مَوْتًا مُجْھِزًا یا موت ہی آکر انسان کا فیصلہ کر دے۔ پھر تو اعمال کی دنیا ختم ہو گئی۔ اب مزید نیکی کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ چھٹی چیز فرمایا اَوِالدَّجَّالَ یا دجال وَالدَّجَّالُ شَرُّ غَائِبٍ یُنْتَظَرُ اور دجال

تو بڑی بری چیز ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ دجال کا ظہور ہوگا، تو بڑے فتنے برپا ہوں گے۔ لہٰذا اس کے ظہور سے پہلے نیکی کمالو۔ اور ساتویں چیز فرمایا اَوِ السَّاعَۃُ یا پھر قیامت برپا ہو جائے۔ وَالسَّاعَۃُ اَدْھٰی وَاَمَرُّ اور قیامت تو بڑی کڑوی اور تلخ ہے۔ اس کے بعد تو ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ اور پھر حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ ان سات چیزوں کے ظہور سے پہلے پہلے نیکی میں سبقت کر لو، ورنہ پھر موقع نہیں ملے گا۔

انفاق فی سبیل اللہ

آگے اللہ تعالیٰ نے متقین کی بعض صفات بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا اُن کی پہلی صفت یہ ہے اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وہ خرچ کرتے ہیں خوشی کی حالت میں بھی اور تکلیف کی حالت میں بھی۔ یہی چیز ہے۔ جو سود کی جڑ کو کاٹتی ہے۔ ایک طرف سود خور کسی غریب کی غربت سے فائدہ اٹھا کر قرضے پر سود در سود وصول کرتا ہے۔ اور دوسری طرف اہل ایمان ہیں۔ کہ وہ پیلے غربا و مساکین پر ہمیشہ خرچ کرتے ہیں۔ وہ خود خواہ آسائش میں ہوں یا تکلیف میں مبتلا ہوں، اُن کی طرف سے انفاق فی سبیل اللہ جاری رہتا ہے اور یہی وہ عالی اخلاق ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کا سبب ہے۔

متقین کی صفات

متقین کی دوسری صفت ہے وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وہ غصے پر قابو پانے والے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑی صفت ہے۔ بعض اوقات انسان غصے کی حالت میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ کچھ کر بیٹھتا ہے۔ جس پہ بعد میں ندامت اٹھانا پڑتی ہے۔ غصے کی حالت میں جوشِ انتقام میں مبتلا ہونے کی بجائے، اس پہ قابو پالینا ہی اصل مردانگی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے متقین کی صفات میں شمار کیا ہے۔ سورۃ شوریٰ میں آتا ہے۔ "وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَھُمُ الْبَغْیُ ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَ" ایمان والے وُہ ہیں۔ کہ دیگر صفات کے علاوہ ان میں ایک صفت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ جب ان پر سرکشی کی جاتی ہے۔ تو وہ انتقام پہ آمادہ ہو جاتے ہیں وہ تو انتقام کی بات ہے۔ اور یہاں غصے پہ

قابو پانے کی بات ہو رہی ہے کہ اہلِ ایمان غصے کو پی جاتے ہیں۔ یہاں پہ یہ دو باتیں متعارض معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی ایک طرف تو مومن انتقام پہ آمادہ ہو جاتے ہیں، اور دوسری طرف غصے کو دبا لیتے ہیں۔ اس ضمن میں مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ انتقام لینے والی بات کافروں اور نافرمانوں کے بارہ میں ہے۔ جب وہ کوئی غلط کام کرتے ہیں تو مسلمان بھی انتقام لینے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ سورۃ مائدہ میں بھی آچکا ہے اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ مسلمان کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں۔ جب کہ مومنوں کے لیے نرم دل ہیں۔ مفسرین ایک دوسری توجیہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ظلم اور زیادتی پہ ڈٹا ہوا ہے، اُس کو معافی کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ معاف کرنے سے مزید خرابی پیدا ہو گی۔ البتہ جو شخص تائب ہو جائے اس سے انتقام لینا جائز نہیں ہے۔

فرمایا متقین کی تیسری صفت یہ ہے۔ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ مفسرین کرام نے حضرت علی بن حسین یعنی حضرت امام حسینؓ کے فرزند امام زین العابدینؒ کا یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ کہ آپ وضو فرما رہے تھے۔ لونڈی پانی ڈال رہی تھی۔ اتفاق سے لوٹے کا پانی آپ پر گر پڑا۔ آپ کے کپڑے بھیگ گئے۔ لونڈی کی غلطی تھی۔ جب اُس نے آپ کو غصے کی حالت میں دیکھا تو اس کی زبان سے نکلا وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ یہ سن کر آپ غصے کو پی گئے اور فرمایا میں تم سے کوئی انتقام نہیں لوں گا۔ لونڈی صاحبِ علم تھی، کہنے لگی وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ یعنی مومنوں کی صفت تو یہ ہے کہ وہ نہ صرف غصے کو دبا دیتے ہیں بلکہ لوگوں کو معاف بھی کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، جاؤ میں نے تجھے معاف کیا۔ لونڈی نے مزید جرأت کر کے آیت کا اگلا ٹکڑا پڑھ دیا۔ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ اللہ اعلیٰ درجے کی نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا جا تو آزاد ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نیکی ہو سکتی ہے۔ کہ لونڈی نے غلطی

کی مگر آپ نے اس کے ساتھ انتہائی درجے کی نیکی کی۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ اپنے اندر ایسی صفات پیدا کریں جن کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے۔ اس کے برخلاف سود کی لعنت کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ جو انتہائی درجے کی بداخلاقی کا سبب ہے۔

درس چہل و ہفت ۴۷ — آیت ۱۳۵ تا ۱۳۸

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۣ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ ھٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ: اور وہ لوگ کہ جب وہ کوئی بے حیائی کی بات کر بیٹھتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں، تو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور بخشش طلب کرتے ہیں اپنے گناہوں کے لیے۔ اور کون ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور وہ اصرار نہیں کرتے اُس پر جو انہوں نے کیا۔ اور وہ جانتے ہیں ﴿۱۳۵﴾ یہی لوگ ہیں کہ اُن کا بدلہ یہ ہے۔ کہ اُن کے رب کی طرف سے بخشش ہو گی اور باغات ہوں گے جن کے سامنے نہریں بہتی ہونگی۔ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا ﴿۱۳۶﴾ تحقیق گزر چکے ہیں تم سے پہلے واقعات، پس چلو پھرو زمین میں، دیکھو کیسے ہوا جھٹلانے والوں کا انجام ﴿۱۳۷﴾ یہ لوگوں کے لیے بیان اور متقیوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے ﴿۱۳۸﴾

ربط آیات

اس سے پیشتر سود خوری کی ممانعت کا تذکرہ ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے بچاؤ کا ذکر کیا۔ اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا تاکہ لوگوں پر رحم کیا جائے پھر اللہ تعالیٰ نے بہشت، مغفرت اور بخشش طلب کرنے میں سبقت حاصل کرنے کا حکم دیا۔ یہ بہشت جن متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اُن کے اوصاف کو بیان فرمایا یعنی متقی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خوشی کی حالت میں بھی اور تکلیف کی حالت میں بھی خرچ کرتے ہیں، غصے کو دباتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔ اب ان آیات میں دوسرے درجے کے لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ ان کے لیے بھی فلاح ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو برائی کرنے کے بعد اس پر نادم ہوتے ہیں آئندہ اُس پر اصرار نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بھی معاف فرما دے گا۔

ارتکاب گناہ اور معافی

ارشاد ہوتا ہے۔ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً اور وہ لوگ جو کوئی فحش بات کر گزرتے ہیں أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ یا انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فحش بات سے مراد کبیرہ گناہ ہے اور جانوں پر ظلم کرنے سے مراد صغیرہ گناہ ہے۔ مقصد یہ کہ جن لوگوں نے خواہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہو یا صغیرہ گناہ کا، کبیرہ گناہ کی مثال زنا، چوری وغیرہ ہے اور صغیرہ کسی غیر محرم کی طرف دیکھنا، یا اس کو ہاتھ لگا دینا۔ واقعات میں آتا ہے کہ ایک شخص نے غیر عورت کا بوسہ لے لیا۔ یہ بھی صغیرہ گناہ میں شامل ہے۔ غرض ارتکاب گناہ کے بعد ذَكَرُوا اللّٰهَ وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ یاد کرنے کا مطلب اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا، اُس کی وعید سے ڈر جانا، اور اُس کے جلال اور عظمت کو یاد کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے گناہ کے ارتکاب پر سخت وعید فرمائی ہے، اُس سے ڈر کر وہ اپنے کیے پر نادم ہو جاتے ہیں فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وہ بخشش مانگتے ہیں اپنے گناہوں کے لیے۔ اور یہ اچھی

صفت ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کُلُّکُمْ خَطَّاؤُنَ تم میں سے ہر شخص خطا کار اور گنہگار ہے۔ کیونکہ کوئی نہ کوئی گناہ تو سرزد ہوتا ہی رہتا ہے۔ مگر فرمایا خَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ بہترین خطا کار وہ ہیں جو خطا کے بعد توبہ کر لیتے ہیں توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ گناہوں سے پاک کر دیتے ہیں۔ حدیث شریف[1] میں آتا ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اُس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ اچھے انسان کی یہی صفت ہے کہ وہ گناہ پر اصرار نہ کرے بلکہ معافی مانگ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرے۔ اسی میں انسان کی کامیابی ہے۔

استغفار کی برکات

حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شیطان کا قول ہے۔ اَھْلَکْتُ النَّاسَ بِالذُّنُوْبِ میں نے لوگوں کو گناہوں کی وجہ سے تباہ کر دیا ہے۔ میں اُن کے دلوں میں وسوسہ ڈال کر اُن کو گناہ پر آمادہ کرتا ہوں جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوتے ہیں۔ وَاَھْلَکُوْنِیْ بِالْاِسْتِغْفَارِ وَبِلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور مجھے لوگوں نے تباہ کر دیا استغفار کرنے سے اور کلمہ طیبہ پڑھنے سے۔ یعنی جب لوگ استغفار کرتے ہیں اور افضل ترین ذکر لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہیں تو میرا منصوبہ ناکام ہو جاتا ہے۔ میں انہیں گناہوں کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہتا ہوں مگر وہ مذکورہ دو اوصاف کی وجہ سے بچ جاتے ہیں، جس کی وجہ سے میں تباہ اور ناکام ہو جاتا ہوں۔

فرمایا وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ اور کون ہے اللہ کے سوا جو گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ وہی مالک و مختار ہے۔ اُس کی حکمت و قدرت میں کسی کو دخل نہیں۔ انسان گناہ کرتے ہیں مگر وہ بھی غفور الرحیم ہے۔ معاف کرنے کے لیے اُسے ایک بہانہ چاہیئے وہ قادر مطلق ہے اُسے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ اتنے بڑے پاپی کو کیوں معاف کر دیا ہے۔

[1] ابن ماجہ ص ۳۱۳ (فیاض)

فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے گنہگاروں کو استغفار کرنے پر اس لیے معاف فرما دیتا ہے وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا کہ وہ غلطی کر کے اُس پہ اصرار نہیں کرتے۔ گناہ کر کے سچے دل سے معافی مانگ لی، پھر اُس گناہ کے قریب نہیں جاتے۔ اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں لا کبیرۃ بالاستغفار اگر انسان معافی مانگ لے تو پھر کبیرہ گناہ بھی کچھ نہیں۔ وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ولا صغیرۃ مع الاصرار اور اگر گناہ پہ اصرار کرے گا، تو پھر صغیرہ گناہ بھی پہاڑ بن جائے گا۔ لہٰذا گناہ پہ اصرار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ہمیشہ اصلاح کے لیے آمادہ رہنا چاہیئے۔ اور ہر وقت استغفار کرتے رہنا چاہیئے۔ استغفار کی مثال صابن کی ہے جس طرح صابن کپڑوں کی میل کچیل دُور کر دیتا ہے، اسی طرح استغفار دِلوں کو صاف کر دیتا ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ استغفار کو لازم پکڑو۔ گناہ پہ اصرار کرنے سے انسان ضدی اور معاند بن جاتا ہے۔ اس میں اصلاح کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ دِل میں کدورت اور تاریکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس میں زنگ لگ جاتا ہے، اور جب وہ اصرار کی وجہ سے پختہ ہو جاتا ہے تو پھر اُس کا اُترنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا غلطی پہ اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔ وَهُمْ يَعْلَمُونَ اور وہ جانتے بھی ہیں یعنی نیکی اور برائی میں تمیز کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہر انسان اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس کے باوجود اگر غلطی پہ اصرار کرتا ہے تو اس کے لیے تباہی ہے۔ اور جو لوگ گناہ پہ اصرار نہیں کرتے بلکہ معافی مانگ کر پاک صاف ہو جاتے ہیں، فرمایا أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ایسے لوگوں کی جزا یہ ہے کہ اُن کے لیے اُن کے رب کی طرف سے مغفرت اور بخشش ہے۔ انہیں نجات کا پروانہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اُن کیلئے وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ باغات رہائش کے لیے نہایت قرینے سے سجائے گئے ہوں گے۔

ان میں ہر قسم کی آسائش اور پھلوں کی فراوانی ہوگی۔ کامیاب لوگوں کا ٹھکانا وہاں عارضی نہیں ہوگا بلکہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے، انہیں وہاں سے نکالا نہیں جائے گا۔ اور فرمایا کہ قانون خداوندی یہی ہے۔ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ نیک اعمال کرنے والوں کے لیے یہ خوب اجر ہے۔ عمل بہت بڑی چیز ہے۔ ایمان اور عقیدے کی درستگی کے بعد فلاح کا دارومدار عمل پر ہے۔ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ہر ایک کو مرتبہ اس کے عمل کے مطابق ملے گا۔ لہذا نیک اعمال کرنے والے عزت کے مقام میں پہنچیں گے، خدا تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور معافی ملے گی اور وہ ہمیشہ کے لیے معزز اور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے۔ یہ اُن کی دائمی زندگی ہوگی اور اسکی نعمتیں بھی دائمی ہونگی۔

نشاناتِ عبرت

اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں سابقہ لوگوں کے جستہ جستہ واقعات بیان فرمائے ہیں تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں کو عبرت حاصل ہو۔ اسی لیے فرمایا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ تم سے پہلے بھی واقعات گزر چکے ہیں۔ ان میں اہلِ ایمان اور اُن کو ملنے والے انعامات کا ذکر ہے۔ اور نافرمانوں کو ملنے والی سزاؤں کا بھی تذکرہ ہے۔ ان واقعات سے عبرت حاصل کرنے کے لیے فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ زمین میں چلو پھرو۔ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ قرآن پاک کے بیان کردہ واقعات کے عملی نشانات تمہیں جگہ جگہ ملیں گے، آپ کو پتہ چلے گا کہ نافرمانوں کا کیا حشر ہوا، کوئی پانی میں غرق ہوئے، کچھ آگ میں جل گئے، بعض کو آندھی نے آگھیرا اور بعض پر پتھروں کی بارش ہوئی یہ سب نشانات عبرت ہیں جو زمین میں سفر کرنے سے ملیں گے۔ لہذا عبرت کے لیے سفر اختیار کرنا اچھی بات کی علامت ہے۔

فلاح انسانیت

پرانے نشانات کے تحفظ کی آج بھی بعض صورتیں موجود ہیں۔ مگر اُن سے

مقصود عبرت حاصل کرنا نہیں بلکہ محض استعجاب ہے جو کہ پسندیدہ چیز نہیں۔ انگریزوں نے آثارِ قدیمہ کی حفاظت کا بندوبست کیا ہے۔ مگر کس مقصد کے لیے؟ محض یہ جاننے کے لیے کہ کس زمانے میں کونسا طرزِ زندگی پایا جاتا تھا۔ پرانے زمانے کی عمارات، اوزار، برتن، سکے وغیرہ اُس زمانے کی تہذیب و ثقافت کی حفاظت کے نام پہ محفوظ کیے جاتے ہیں۔ پرانی مورتیوں اور مجسموں کو بحفاظت رکھا گیا ہے۔ اس سے انسانیت کی کیا خدمت ہوتی ہے۔ اس سے تو بہتر تھا کہ انسانوں کی تعلیم و تربیت پہ توجہ دی جاتی، اُن کے اذہان و قلوب کو زندہ کیا جاتا، مگر ایسا تو مقصود ہی نہیں ہے۔ سائنس کی ترویج و ترقی کے لیے بیشمار دولت صرف کی جارہی ہے مگر انسانیت کی حقیقی فلاح کے لیے اس کا عشرِ عشیر بھی خرچ نہیں کیا جاتا۔ سائنس نے جہاں بہت سی سہولتیں فراہم کی ہیں وہاں بہت سی تباہی کے سامان بھی پیدا کیے ہیں۔ ایک طرف آسمانوں تک پرواز کی جارہی ہے اور دوسری طرف انسانوں کی تباہی کے لیے جدید ترین ہتھیار بھی ایجاد کیے جارہے ہیں۔

بہرحال زمین میں عبرت کے لیے سفر کرنا چاہیئے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ اللہ کے احکام کو جھٹلانے والوں کا کیا حشر ہوا۔ اور اگر ہم بھی اُن کے نقشِ قدم پر چلیں گے، تو ہمارا حشر بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ یہ عام لوگوں کے لیے بیان، وضاحت یا سٹیٹمنٹ (STATEMENT) ہے۔ اُن کو قانونِ قدرت بتلایا گیا ہے۔ کہ فلاح و تقویٰ کا راستہ یہ ہے۔ اور تکذیب کا راستہ وہ ہے۔ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ اللہ کی یہ آیات متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت کا ذریعہ ہیں۔ اور متقین وہ ہیں جو کفر، شرک اور معاصی سے بچتے ہیں۔ خدا کی عظمت اور جلال ہمیشہ اُن کے سامنے ہوتا ہے۔ وہ حدودِ شرع کی حفاظت کرتے ہیں، قرآن پاک سے یہی لوگ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

درسِ چہل و ہشت ۴۸ | آیت ۱۳۹ تا ۱۴۳

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ
قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ
وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ
وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ
وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ
الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۪ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ
وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع ۱۴/۱۴/۵

ترجمہ: اور نہ سست ہو اور نہ غم کھاؤ، اور تم ہی بلند رہو گے اگر تم ایماندار ہوئے ﴿۱۳۹﴾
اگر پہنچا ہے تم کو زخم پس بیشک پہنچا ہے۔ اُن لوگوں کو بھی زخم اس جیسا۔ اور یہ زمانے
کے دِن ہیں۔ جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے ہیں۔ اور تاکہ اللہ تعالےٰ
ممتاز کر دے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور تاکہ بنائے تم میں سے شہید۔ اور اللہ
ظلم کرنے والوں کے ساتھ محبت نہیں کرتا ﴿۱۴۰﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ پاک کر دے
اُن لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اور مٹا دے اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو ﴿۱۴۱﴾
کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اور ابھی تک اللہ نے
ظاہر نہیں کیا ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا۔ اور ظاہر نہیں کیا اُن

لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا (۱۴۲) اور البتہ تحقیق تم تمنا کرتے تھے موت کی قبل اس کے کہ تم اُس سے ملتے۔ پس بیشک تم نے دیکھ لیا اُس کو، اور تم آنکھوں کے سامنے اس کو تک رہے ہو (۱۴۳)

ربطِ آیات

غزوہ اُحد کے موقع پر مسلمانوں میں جو کمزوری واقع ہوگئی تھی اس کے ازالے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بعض احکام نازل فرمائے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سود خوری سے منع فرمایا۔ غلطیوں اور کوتاہیوں سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ غصے کو دبانے اور لوگوں کو معاف کرنے کی تعلیم دی۔ ہر خوشی اور تکلیف میں راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دلائی۔ اور پھر اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے تائب ہونے کا طریقہ بتلایا۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اس کی وعید کو یاد کر کے اس سے بخشش طلب کرے، گناہ کی معافی مانگے اور آئندہ کے لیے ایسی بُرائی سے رُک جائے، اُس پر اصرار نہ کرے۔ جو کوئی ان احکام پر عمل پیرا ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کی بخشش نصیب ہوگی اور اللہ کی ہر نعمت اس کے شاملِ حال ہوگی۔

مسلمانوں کی حوصلہ افزائی

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ کہ اگر کسی وقت کوئی کمزوری واقع ہو جائے، کوئی غلطی سرزد ہو جائے، تو انسان کو دل نہیں ہار دینا چاہیئے، کہ جہاد سے ہی منہ موڑ لے۔ بلکہ اُسے نئے ولولے اور نئے جوش و خروش کے ساتھ جہاد کی تیاری کرنی چاہیئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تَهِنُوا اور سست نہ ہو جاؤ۔ عربی زبان میں وھن سستی اور کمزوری کو کہا جاتا ہے۔ اور دین کے معاملہ میں یعنی جہاد کرنے یا کسی دوسری نیکی کرنے کے سلسلے میں وہن کو اختیار کرنا اچھی صفت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں وہن کی مذمت آئی ہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا، جب تمہارے اندر وہن پیدا ہو جائے گا، تو تمہاری حالت تنزل اور پستی میں چلی جائے گی۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا، حضور! وھن کیا چیز ہے۔ فرمایا حب الدنیا وکراھیۃ الموت یعنی جب لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبت، اور موت سے کراہت پیدا

ہو جائے گی، تو تم نہایت پستی میں چلے جاؤ گے۔ مقصد یہ کہ وہن کو اختیار نہ کرو دین کے معاملہ میں کمزوری اور سستی کا مظاہرہ نہ کرو۔

فرمایا وَلَا تَحْزَنُوْا اور جو نقصان ہو چکا ہے۔ اس پر غمگین نہ ہو۔ جو زخم غزوہ احد میں لگ چکا ہے۔ بڑے بڑے اکابر صحابہؓ شہید ہوئے ہیں۔ خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف پہنچی ہے۔ اس پر غمگین نہ ہو۔ اور نہ سستی دکھاؤ۔ یہ درست ہے کہ اس موقع پر بڑی تکلیف پہنچی ہے۔ مگر اس وقتی شکست میں بھی اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں جو تمہاری بالآخر کامیابی پر منتج ہوگی۔ لہذا یاد رکھو! وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم ایمان پر قائم رہے تو دشمن کے مقابلے میں تم ہی بلند رہو گے۔ اللہ تعالیٰ کا تمہارے ساتھ وعدہ ہے۔ کہ ایمان کے تقاضوں کو تم پورا کرتے رہو اور وہ تمہیں دشمن پر غالب کر دیگا۔

جنگ قادسیہ

اصول کے طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہیئے۔ کہ اہل اسلام کو جب کبھی کوئی پریشانی لاحق ہو جائے، تو انہیں فوراً اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے کہ ایمان کے تقاضے میں کہاں کمزوری واقع ہوئی ہے۔ لازماً کوئی نہ کوئی غلطی سرزد ہوئی ہوگی۔ قادسیہ کی جنگ کے سالار حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ دوران جنگ جب بعض موریچوں پر مسلمانوں کو کچھ پریشانی لاحق ہوئی تو آپ نے مجاہدین کو جمع فرمایا اور کہا، اے لوگو! میں سمجھتا ہوں کہ ہماری یہ کمزوری کسی گناہ کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ ضرور ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے۔ جس کی ہمیں تلافی کرنی چاہیئے۔ آؤ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تین دن رات تک متواتر جنگ ہوئی۔ آخر اللہ نے فتح عظیم عطا فرمائی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم ایمان پر قائم رہے۔ تو تم ہی غالب رہو گے۔

حالات میں تغیر و تبدل

اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ دیکھو اِنْ يَّمْسَسْكُمْ

قَرْحٌ اگر تمہیں غزوہ احد میں زخم پہنچا ہے۔ بڑے بڑے عظیم المرتبت ستر صحابہ کرام رض شہید ہوئے اور بہت سے زخمی بھی ہوئے ہیں۔ تو یہ کوئی ایسی تکلیف نہیں جو صرف تمہیں پہنچی ہے۔ اس قسم کا زخم کافروں کو تو پہلے ہی لگ چکا ہے۔ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ جنگ بدر میں ان کے بھی ستر سرکردہ آدمی مارے گئے تھے اور اتنے ہی قیدی بنے۔ پھر ان کو فدیہ دینا پڑا اور بڑی ذلت اٹھانا پڑی۔ یاد رکھو! انسان کبھی ایک حالت پر قائم نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مصلحت کے مطابق حالات میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رض سے روایت ہے۔ کہ جب ہرقل نے ابوسفیان رض سے پوچھا کہ تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان معاملات کیسے رہتے ہیں، ان کے ساتھ کبھی مٹھ بھیڑ بھی ہوئی ہے۔ اور اس کا کیا نتیجہ نکلا ہے۔ تو ابوسفیان رض نے جواب دیا الحرب سجال بیننا وبینھم یعنی ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی کا معاملہ پانی کے ڈول کی مانند ہوتا ہے۔ کبھی کسی نے ڈول کنوئیں میں ڈال کر پانی نکال لیا اور کبھی کسی نے۔ یعنی لڑائی کی صورت میں کبھی ہم غالب آتے ہیں اور کبھی مسلمان غالب آتے ہیں۔ ہرقل نے کہا کہ اللہ کے رسولوں کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ انہیں دشمن کے مقابلے میں کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست مگر بالآخر اللہ اپنے رسولوں کو غلبہ عطا کرتا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسلمانو احد کی عارضی شکست سے گھبراؤ نہیں وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ یہ دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ ایک سی حالت نہیں رہتی کہ ہمیشہ فتح ہو یا ہمیشہ شکست ہو، بلکہ یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اگر اب تکلیف پہنچی ہے۔ تو اس کا اچھا بدلہ ملیگا

آزمائش اور اسکی حکمت

تکلیف پہنچنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت رکھی ہے کہ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ امام بیضاوی رح اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ یہاں پر نَعْلَمَ سے مراد

محض جاننا نہیں، کیونکہ خدا تعالیٰ کا علم تو ازلی ابدی ہے۔ اس مقام پر یہ لفظ علم ظہور کا معنیٰ دیتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے، اُن لوگوں کو جو ایمان لائے لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اہل ایمان تکلیفیں اٹھا کر بھی ایمان پر قائم رہتے ہیں اور حق کے راستے کو ترک نہیں کرتے۔

غزوہ احد کی وقتی شکست کی دوسری حکمت یہ ہے وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ اور تاکہ تم میں شہید بنائے جو لوگ بوجہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اُن کی انتہائی خواہش بھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں راہ حق میں جہاد کی سعادت نصیب کرے اور وہ بھی اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر کے مرتبہ شہادت پر فائز ہوں۔ چنانچہ اُن کی اس خواہش کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت بھی عطا فرمائی۔ یہ بھی سراسر نفع کا سودا تھا۔ فرمایا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ محبوبِ خدا بننے کے لیے ایمان اور نیکی کی ضرورت ہے۔ شرک اور کفر کرنے والے اللہ کی نگاہ میں کبھی محبوب نہیں بن سکتے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے۔ کہ اگر کسی وقت اہل اسلام کو شکست ہو جائے، اُن پر غیر مسلم غالب آجائیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا۔ کہ مسلمان اللہ کی نگاہ میں گر گئے ہیں۔ اور کافر محبوب بن گئے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ انسانیت کے تقاضے کے مطابق کمی بیشی ہو سکتی ہے مسلمان آزمائش میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ مگر خدا کا دشمن کافر اور مشرک اس کا محبوب ہرگز نہیں بن سکتا۔ وقتی طور پر اس دنیا میں کافر خوشحال ہو سکتا ہے اُسے کامیابی بھی حاصل ہو سکتی ہے، اسے استدراج کہتے ہیں، مگر آخرت میں کافر لازماً پکڑا جائے گا۔ اور اُسے کفر کا بدلہ چکانا ہوگا۔ اسی لیے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔ محبت کے لائق اس کے وہ بندے ہیں۔ جو اُس پر ایمان لائے۔ اور اعمال صالحہ انجام دیئے۔

مومنوں کا تزکیہ نفس

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی وقتی آزمائش کی تیسری حکمت یہ بیان فرمائی

ہے۔ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تاکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو پاک کر دے ان کا تزکیہ نفس کر دے۔ اصل پاکی تو روح اور جان کی پاکی ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اس کو نسمہ کہتے ہیں۔ شاہ اسماعیلؒ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب عبقات میں لکھا ہے کہ انسان کے نسمے کا پاک ہونا ضروری ہے۔ عبادت، ریاضت، ذکر و اذکار اسی مقصد کے لیے کیے جاتے۔ خصوصاً عبادات میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ نسمہ کی پاکیزگی کا سبب بنتے ہیں۔ جہاد ایک اتنا بڑا عمل ہے جس کے ذریعے انسان اپنے جسم و جان تک کو راہِ خدا میں لگا دیتا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ جہاد میں مومن کو لگنے والی ایک ٹھوکر یا اس کے جسم پر آنیوالی ایک ضرب اس کے نسمہ کو پاک کر کے اُسے حظیرۃ القدس کا اہل بنا دیتی ہے دشمن کی تلوار کا ایک وار حقوق العباد کے سوا اس کے تمام گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ مقصد یہ کہ اہل ایمان کو تکلیف پہنچنے میں بھی اُس کے لیے بہت سی فائدے کی چیزیں ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں۔ کہ برصغیر میں مسلمانوں پر جب زوال آیا، تو وہ دل برداشتہ نہیں ہوئے، بلکہ انگریز جیسی جابر طاقت کے سامنے ڈٹ گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہر طریقے سے تنگ کیا، وہ طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا ہوئے۔ مگر دین کا دامن تھامے رہے اور ایمان کی حقانیت پر حرف نہیں آنے دیا۔ یہی وہ صفت ہے جس کے ذریعے انسان کا نسمہ پاک ہوتا ہے۔ اور وہ بارگاہِ خداوندی میں پہنچکر اس کے فیضان سے مستفید ہوتا ہے۔

فرمایا کفر و اسلام کے درمیان جنگ و جدال کا ایک مقصد تو مومنوں کا تزکیہ ہے اور دوسرا وَیَمْحَقَ الْکٰفِرِیْنَ اس کے ذریعے وہ کافروں کو مٹاتا ہے۔

کفر و اسلام کی بڑی جنگیں ہوئیں۔ کبھی مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کبھی کفار کا پلہ بھاری رہا۔ مگر حتمی نتیجہ کیا نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے کفر کو ایسا مٹایا کہ پورے عرب کو کافروں سے پاک کر دیا۔ اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ مراکز اسلام بن گئے۔ فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام

نے فرمایا کہ آج کے بعد مکہ پر چڑھائی نہیں کی جائیگی۔ بلکہ مکے والے دیگر ممالک پر چڑھائی کریں گے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آدھی دنیا پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جہاد کے ذریعے کفر کو ملیامیٹ کر دیا۔

جہاد اور صبر

اہل ایمان کی کامیابی کے لیے جہاد اور صبر بہترین ہتھیار ہیں۔ جب تک انسان میں جذبہ قربانی پیدا نہ ہو، اس کے ایمان کی تکمیل ممکن نہیں۔ اور پھر اگر تکلیف پہنچنے پر صبر کا دامن چھوڑ دے تو یہ بھی اس کے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کی اہمیت تنبیہ کے انداز میں بیان فرمائی ہے کہ اے اہل اسلام! اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ کیا تم گمان رکھتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے وَلَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدین کو ظاہر نہیں کیا۔ جان کی بازی لگانے والوں کا پتہ تو جب چلے گا، جب جہاد کا موقع آئے گا۔ جہاد کرنے والے لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے، جب وہ دشمن کے مقابلے میں آئیں گے۔ محض زبان سے کلمہ پڑھ لینے سے جنت کا ٹکٹ نہیں مل جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جہاد کا موقع فراہم کر کے تمہیں آزمائیں گے، کہ وہ کون لوگ ہیں، جو جان کی بازی بھی لگا سکتے ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ یعنی ہم تمہیں مختلف الانواع آزمائشوں میں ڈال کر دیکھیں گے کہ تم میں سے کون ہیں جو ان آزمائشوں پر پورا اترتے ہیں۔ خوف اور بھوک برداشت کرنا پڑے گا اور اس کے ساتھ ساتھ مال و جان کی قربانی بھی دینا ہو گا۔

فرمایا پہلی آزمائش تو یہ ہوگی۔ کہ جہاد کے لیے کون تلوار لے کر میدان میں اترتا ہے۔ اور پھر جب میدان جنگ میں تکلیف پہنچتی ہے۔ تو یہ بھی دیکھنا ہے وَیَعۡلَمَ الصّٰبِرِیۡنَ کہ صبر کون کرتا ہے۔ تکالیف و مصائب کو برداشت کرنے کی ہمت کس میں ہے۔ اسی لیے فرمایا۔ کہ تمہیں جنت میں داخلہ یونہی

نہیں مل جائے گا۔ ابھی تو ہم نے مجاہدین اور صبر کرنے والوں کو ظاہر ہی نہیں کیا۔

موت کی تمنا

آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یاد دلایا وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ تم موت آنے سے پہلے اس کی تمنا کیا کرتے تھے۔ جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان کے جذبات بڑے تیز تھے۔ وہ دشمن سے دوبارہ ٹکر لینے کے لیے بیتاب رہتے تھے۔ اور خواہش کرتے تھے۔ کہ جہاد کا موقع آئے تو انہیں بھی شہادت جیسا بلند مقام نصیب ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہوئے عرض کیا تھا۔ حضور! ہم دین حق کی خدمت کرتے رہیں گے وَلَمْ نَفِرَّ اور بھاگیں گے نہیں یہاں تک کہ ہمیں موت آجائے۔ صحابہ کرامؓ نے اللہ کے رسول سے جو وعدہ کیا تھا، اُسے نبھا کر دکھایا۔ انہوں نے جہاد کے میدانوں میں وہ معرکے دکھائے جو ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ اُن کی فتوحات کا راز اس بات میں مضمر تھا، کہ انہوں نے موت کا چیلنج قبول کر لیا تھا۔ حضرت زبیرؓ معرکہ مصر میں شریک تھے۔ جب قلعہ کا محاصرہ طول پکڑ گیا۔ تو فرمایا اے لوگو! آؤ سب سے پہلے میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہوں۔ مجھے ٹوکری میں ڈال کر رسی کے ذریعے قلعہ کے اندر اتار دو۔ جب اندر پہنچ کر میں نعرۂ تکبیر بلند کروں، تو تم بھی باہر سے جواب دینا۔ اللہ کو منظور ہوا تو ہم کامیاب ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت زبیرؓ کو اندر اتار دیا گیا، کچھ اور لوگ بھی دیوار پر چڑھ گئے۔ آپ نے قلعہ میں داخل ہو کر تلوار چلانی شروع کر دی اور اندر سے دروازہ کھول دیا۔ اسلامی فوج اندر داخل ہو گئی معرکے کا رن پڑا اور قلعہ فتح ہو گیا۔ یہ ہیں وہ قربانیاں جن کے ذریعے مسلمانوں نے شجر اسلام کی آبیاری کی۔

حضرت زبیرؓ یرموک کی لڑائی میں دشمن کی دو لاکھ کی تعداد کی فوج میں اکیلے گھس گئے تھے۔ صفوں کو چیرتے ہوئے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے گئے۔ بہادری کے خوب خوب جوہر دکھائے جسم کا کوئی حصہ زخموں سے

خالی نہیں تھا۔ کندھے پر اتنا بڑا زخم کا نشان تھا کہ اس کا گڑھا بن گیا تھا جس میں بچے ہاتھ ڈال کر کھیلتے رہتے تھے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یاد دلایا کہ تم جہاد اور شہادت کی تمنا کرتے تھے۔ تو اب یہ موقع تمہیں فراہم کیا جا رہا ہے فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ جسے تم نے دیکھ لیا ہے۔ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اور تم اسے اپنی آنکھوں کے سامنے تک رہے ہو۔ لہٰذا اب جان کی بازی لگانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور ہر قسم کی مشکلات کو سینے سے لگا لو۔ آخر کار کامیابی تمہاری ہی ہو گی۔

درس چہل ونہ ۴۹ — آیت ۱۴۴ تا ۱۴۵

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡــئًا ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ؕ وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ :- اور نہیں ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر اللہ کے رسول تحقیق گزر چکے ہیں اُن سے پہلے بھی رسول۔ اگر وہ مر جائیں یا شہید کر دیے جائیں، تو کیا تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے۔ اور جو شخص الٹے گا، اپنی ایڑیوں پر، پس ہرگز وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچائیگا۔ اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو بدلہ دیتا ہے (۱۴۴) اور نہیں ہے کسی جان کے لیے کہ وہ مرے مگر اللہ کے حکم سے۔ ایک مقرر کیا ہوا نوشتہ ہے اور جو شخص دنیا کا ارادہ کرتا ہے۔ ہم اس کو بدلہ دیتے ہیں اُس میں سے۔ اور جو آخرت کا ارادہ کرتا ہے۔ ہم اس کو اس میں سے بدلہ دیتے ہیں۔ اور ہم شکر ادا کرنے والوں کا بدلہ دیں گے (۱۴۵)

ربط آیات

سلسلہ کلام غزوہ احد کے متعلق ہی چل رہا ہے۔ اس سے پہلے ارشاد ہو چکا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں سستی نہ دکھاؤ۔ اور کوئی تکلیف پہنچنے پر غمگین بھی نہ ہو۔ اگر تم ایمان کے تقاضوں پر پورا اترو گے، تو غلبہ تمہیں ہی حاصل ہو گا تاہم احد میں تکلیف پہنچنے پر رنجیدہ خاطر ہو، تو اس قسم کی تکلیف تو دشمنوں کو بھی پہنچ

چکی ہے۔ فرمایا کہ ہم زمانے کے دنوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ کبھی کسی گروہ کا پلہ بھاری ہوتا ہے، کبھی کسی کا۔ اللہ تعالیٰ نے اذیت پہنچنے میں بھی حکمت رکھی ہے۔ اس میں بھی بہت سی مصلحتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ممتاز کرنا چاہتا ہے۔ اور بعض کو شہادت کے درجے پر فائز کرنا چاہتا ہے یہ نہ سمجھو کہ اس میں کافروں کو بڑائی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ ان سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی مصلحت ہے کہ آزمائش میں ڈال کر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو، اُن کی جانوں اور نفسوں کو پاک کرنا چاہتا ہے۔ اور کافروں کو مٹانا چاہتا ہے۔ ایسی آزمائشوں کے ذریعے اللہ تعالےٰ جہاد اور صبر کرنے والے لوگوں کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ تم دشمن کے ساتھ ٹکر لینے کے لیے بیتاب تھے۔ اب اللہ نے موقع فراہم کیا ہے۔ تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ثابت قدمی سے مقابلے پر آؤ۔

سانحۂ اُحد

آج کی اس آیت میں بھی اُس خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو غزوہ احد میں پیش آیا۔ جنگ کی حکمت عملی کے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیر اندازوں کی ایک جماعت کو پہاڑ کے درّے پر مقرر فرمایا تھا اور حکم دیا تھا۔ کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم نے اس درے کو نہیں چھوڑنا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں کا پلّہ بھاری تھا۔ دشمن بھاگ نکلا، اس دوران کچھ مجاہدین نے کفار کا تعاقب کیا۔ اور بعض دوسرے مالِ غنیمت اکٹھا کرنے لگے۔ اس موقع پر درّے پہ مامور تیر اندازوں نے غلطی کی۔ حضور علیہ السلام کے حکم کے برخلاف ان کی اکثریت پہاڑ سے نیچے اُتر کر مال غنیمت پر متوجہ ہو گئی؛ صرف دس آدمی مقررہ مقام پہ باقی رہ گئے۔ اُس وقت دشمن کی کمان خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھی۔ جب انہوں نے جنگی اہمیت کے حامل اُس درے کو خالی پایا تو گھڑ سواروں کی جماعت کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا۔ بھاگنے والے مشرکین نے جب دیکھا کہ اُن کی فوج مسلمانوں کے عقب میں پہنچ گئی ہے۔ تو وہ بھی پلٹ آئے۔ اور اس طرح اہل اسلام کفار کے دو لشکروں کے درمیان

آ گئے۔ درے پر موجود دس آدمی پہلے ہی شہید ہو چکے تھے۔ بہت سے دوسرے مسلمان بھی شہید ہوئے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے حضور علیہ السلام پر پتھر پھینکا جس سے خود میں لگی ہوئی دو کڑیاں حضور علیہ السلام کے رخسار مبارک میں دھنس گئیں۔ آپ شدید زخمی ہوئے۔ ابن قمیہ نے نبی علیہ السلام پر حملہ کیا جس سے آپ کے دانت مبارک شہید ہو گئے۔ آپ کے جسم اطہر سے کافی مقدار میں خون بہہ گیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ حضور کا دفاع کر رہے تھے۔ پرچم اسلام بھی اُن کے ہاتھ میں تھا انہوں نے بھی اپنی جان حضور پر قربان کر دی۔ ابن قمیہ نے شور مچا دیا کہ اُس نے خود حضور علیہ السلام کو شہید کر دیا ہے۔

یہ سُن کر مسلمانوں میں بد دلی پھیل گئی۔ بہت سے ہمت ہار بیٹھے۔ بعض نے تجویز کیا کہ عبداللہ بن ابی کو کہہ کر ابو سفیان سے امان حاصل کر لینی چاہیئے۔ مگر بعض دوسرے جانثاروں نے کہا۔ کہ جب حضور علیہ السلام ہی ہم میں موجود نہ رہے۔ تو ہماری زندگیاں کس کام کی ہیں۔ ہمیں بھی دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو جانا چاہیئے۔ حضرت انس بن مالکؓ کے چچا انس بن نضرؓ بنی نجار میں سے تھے کہنے لگے۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں تو رب محمد تو زندہ ہے ہمیں اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے پر اپنا سفر جاری رکھنا چاہیئے۔ یہ کہہ کر دشمنوں پر حملہ آور ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔

اس موقع پر پورے لشکر اسلام میں افراتفری پھیل گئی سب لوگ اِدھر اُدھر بھاگ گئے، صرف ستره ۱۷ یا پچیس ۲۵ آدمی ثابت قدم رہے۔ اُن میں حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، طلحہؓ، ابو طلحہؓ، ابو دجانہؓ، سعدؓ وغیرہ شامل تھے۔ ایک صحابی نے حضور علیہ السلام کو زخمی حالت میں پہچانا اور لوگوں کو آواز دی کہ حضور علیہ السلام زندہ سلامت ہیں۔

آپ نے اُسے آواز پست رکھنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اللہ کے بندو! تم کدھر بھاگ گئے ہو۔ آپ کے ارشاد پر لوگ پھر اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے دشمن کا مقابلہ کیا اور دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

ازلی ابدی صرف ذاتِ خداوندی ہے

آج کی آیت میں حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ پھیلنے سے جو بد دلی پیدا ہو گئی تھی، اس کی طرف اشارہ ہے۔ اور مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے۔ کہ اس قسم کے واقعات سے بد دل نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ یہ ایک فطری عمل ہے جو ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ نہیں ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر اللہ کے رسول۔ آپ رسول ہیں۔ خود خدا تو نہیں جو ازلی ابدی ہستی ہے۔ بحیثیت رسول آپ کو بھی وہ آزمائشیں آسکتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں پر آئیں۔ اللہ کے بہت سے رسول طبعی موت کے ذریعے اپنے رب کی بارگاہ میں پہنچے اور ان میں سے بہت سے کافروں کے ہاتھوں شہید بھی ہوئے۔ لہذا رسول کی موت کے بعد مسلمانوں کا دین سے پلٹ جانا ہرگز روا نہیں۔ نبی اور رسول کی زندگی بھی ایک نہ ایک دن ختم ہونے والی ہے۔ اور وہ صرف خدا کی ذات ہے جو ازلی ابدی، حی اور قیوم ہے لہذا کسی ایسی متوقع صورت میں اہل ایمان کو بد دِل نہیں ہونا چاہیئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور علیہ السلام کی ذات اقدس اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ بعض اوقات انسان اپنی جان دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں مگر اپنے پیر و مرشد یا برگزیدہ ہستی کے متعلق بہت زیادہ حساس ہوتے ہیں لہذا ان کی تکلیف کے مقابلے میں اپنی جان کی بازی لگا دینے سے بھی گریز نہیں کرتے، جو لوگ راسخ العقیدہ اور ثابت قدم تھے، ان میں کسی قسم کی بد دلی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ اگر حضور علیہ السلام ہم میں موجود نہ بھی رہیں، دین تو تب بھی قائم رہیگا۔ اور اس دین کے لیے محنت اور کوشش کرنا اولین فرض ہوگا۔ دین تو منجانب اللہ ہی ہے۔ جو ازلی ابدی ذات ہے۔ لہذا اس دین کی حفاظت لازم ہے۔ لہذا راسخ العقیدہ مسلمان پھر اپنے پاؤں پہ کھڑے ہو گئے۔

فرمایا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ آپ سے پہلے بہت

سے رسول گزر چکے ہیں اَفَاِنْ مَّاتَ وہ اپنی طبعی موت سے وفات پاکر اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں اَوْقُتِلَ یا شہید کر دیئے جائیں اِنْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ تو اے ایمان والو کیا تم اپنے الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے کیا اپنے دین کو چھوڑ دو گے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ رسول کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد دین تو ختم نہیں ہو جائے گا۔ اس لیے تمہیں اپنے دین پہ قائم رہنا ہوگا۔ یہ خیال دل سے نکال دو کہ جب حضور علیہ السلام تم میں موجود نہیں رہیں گے۔ تو تم دین اسلام ترک کر کے پھر اپنے پرانے دین کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ فرمایا وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں پہ پلٹے گا۔ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْئًا پس وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دین سے مرتد ہو کر وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور یاد رکھو! وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰكِرِیْنَ اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنے والوں کو بدلہ اور ثواب عطا کریگا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے مرزائیوں نے غلط استدلال کیا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام سے پہلے سب کے سب رسول گزر چکے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ اس سے وہ آپ کی موت ثابت کر کے اپنے جعلی مسیح مرزا قادیانی کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔ حالانکہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق الرسل سے مراد سارے رسول نہیں بلکہ کچھ رسول گزر چکے ہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔ کہ اگر الرسل سے سارے رسول بھی مراد لیے جائیں تو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ آسمان پہ اٹھایا جانا بھی گزر جانے کے مترادف ہے۔ اس دنیا سے تو وہ ایک دفعہ گذر کر ہی آسمان پہ گئے ہیں جہاں وہ زندہ ہیں اور قرب قیامت میں دوبارہ نزول فرمائیں گے۔ مرزائیوں کا عقیدہ محض دجل، الحاد اور کفر ہے۔

اس آیت سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں ہوتی۔

دین پہ ثابت قدمی

اس مقام پہ اللہ تعالیٰ نے شکر کرنے والوں کا تذکرہ کیا ہے کہ انہیں

اچھا بدلہ دیا جائے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ کہ یہاں شکر ادا کرنے سے مراد دین پہ ثابت قدم رہنا ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ امیر الشاکرین تھے کیونکہ وہ جنگ احد کے موقع پہ ثابت قدم رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر جب صحابہ کرامؓ سخت پریشانی کے عالم میں تھے۔ تو صدیق اکبرؓ نے یہی آیت تلاوت کی تھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ...الآیۃ سب کو تسلی ہوگئی کہ حضور علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ اسلام کی نعمت پر ثابت قدم رہنا ہی شکر گذاری کی علامت ہے اور سب سے بڑی نعمت ایمان ہے، جسے نصیب ہو جائے۔ جو شخص ایمان پہ ثابت قدم رہے گا۔ اس کے پاؤں میں لغزش نہیں آئیگی۔ یقیناً وہ شکر گذار ہوگا۔ احد کے میدان میں جب مسلمان کفار کے دو گروہوں کے درمیان گھر گئے، حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ اڑ گئی تو کئی صحابہؓ تتر بتر ہو گئے۔ پھر جب آپ کو زندہ سلامت پایا گیا تو صحابہ کرامؓ دوبارہ آپکے گرد جمع ہو گئے۔ وہ اپنی لغزش پہ نادم ہوئے اور پھر ثابت قدم ہو گئے۔ آگے آئیگا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اِس لغزش کو معاف فرما دیا۔ الغرض یہاں پہ شکر گذاری سے مراد ایمان پر ثابت قدمی ہے۔

ابن قمیہ کا حشر

ابن قمیہ نے حضور علیہ السلام کا دفاع کرنے والے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو شہید کر کے حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ اڑا دی تھی۔ آپ نے اُس بدبخت کے متعلق فرمایا تھا۔ خدا تیری جڑ اکھاڑ دے۔ اُس شخص کی سزا کے متعلق دو روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے۔ کہ اس لڑائی میں حضرت ابو دجانہؓ نے اُس کا سر قلم کر دیا تھا۔ اور دوسری روایت یہ ہے۔ کہ یہ شخص کہیں پہاڑوں کے درمیان سفر کر رہا تھا۔ اچانک ایک جنگلی بکرا جسے عربی میں وعل کہتے ہیں نمودار ہوا، اور اس نے ابن قمیہ پہ حملہ کر کے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اُس وقت اسلام کے اور بھی بڑے بڑے دشمن تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید اور ابوسفیانؓ اور بعض دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔ جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ نے ہندہؓ کے بیٹے کو قتل کیا تھا،

اُسے آپ سے سخت عداوت تھی۔ چنانچہ آپ کی شہادت پر ہندہ رضؓ نے حضرت حمزہ رضؓ کا کلیجہ چبایا۔ اور آپ کا مثلہ بنایا ، مگر وہ بھی ابوسفیان رضؓ کے ساتھ ایمان لے آئی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ثابت قدم رہنے والوں کو اچھا بدلہ دیگا۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو کسی حالت میں بھی بددل نہیں ہونا چاہیئے۔ کسی بڑی سے بڑی ہستی کے فوت ہونے پر بھی جزع فزع نہیں کرنا چاہیئے ، کیونکہ وہ بہر حال خدا کی مخلوق ہے اور اُسے ایک نہ ایک وقت پر فوت ہونا ہے۔ دنیا میں کسی ہستی کو دوام نہیں۔ صرف ذات خداوندی ہمیشہ قائم و دائم ہے۔

موت کا وقت مقرر ہے

فرمایا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کسی نفس کے لیے یہ بات نہیں ہے۔ کہ وہ مرے مگر اللہ کے حکم سے۔ ہر شخص کی موت اللہ کے حکم سے ہی واقع ہو گی۔ اور موت کیا ہے كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ط ایک مقرر نوشتہ ہے۔ موت اپنے مقررہ وقت سے ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور لوح محفوظ میں یہ چیز لکھی ہوئی ہے کہ فلاں شخص اتنی عمر پائیگا اور فلاں وقت میں فلاں بیماری یا فلاں حادثہ میں اس کی موت واقع ہوگی۔ مقصد یہ کہ جس طرح ایک عام امتی کی موت کا وقت مقرر ہے اسی طرح اللہ کے برگزیدہ انبیاء بھی اپنے اپنے وقت پہ داعی اجل کو لبیک کہتے رہے ہیں۔ مگر اُن کا لایا ہوا دین قائم رہا ہے۔ لہٰذا نبی کے بعد بھی اُس کے دین پر ثابت قدم رہنا ضروری ہے۔ اہل اسلام کو سمجھایا جا رہا ہے۔ کہ دین کا دامن کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑنا۔

طلب دنیا یا طلب آخرت

فرمایا ہر شخص کے لیے اجر و ثواب اسکی نیت اور ارادے کے مطابق ملتا ہے وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا جو شخص دنیا کا ارادہ کرتا ہے نُؤْتِهٖ مِنْهَا ہم اُس کو دنیا میں سے ہی بدلہ دیتے ہیں۔ ہاں یہ بات ہے۔ کہ ہر مطلوبہ چیز مہیا نہیں کرتے بلکہ جتنا چاہتے ہیں اتنا دیتے ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں آتا

ہے عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ" دنیا کی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشاء ہے، جتنا چاہے عطا کر دے۔ برخلاف اس کے وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ جو کوئی آخرت کے ثواب کا طلبگار ہے نُؤْتِهٖ مِنْهَا ہم اُسے آخرت میں سے بدلہ دیں گے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص دنیا کی خواہش کرتا ہے وہ غرض فانی کے لیے کرتا ہے، جو چند روز بعد ختم ہو جانے والی ہے اور جو کوئی آخرت کی خواہش کرتا ہے۔ تو اس سے مراد خدا تعالیٰ کی رضا ہے، جو دائمی ہے آخرت کی خواہش کے ذریعہ سے ہی انسان اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ جس سے دین قائم ہوتا ہے۔ اسلام کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی چیز روحانی ترقی کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و کامیابی کی دلیل ہے۔ اس خواہش کا مقصد وحید یہ ہے کہ انسان حظیرۃ القدس کا ممبر بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جائے۔

فرمایا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ہم شکر ادا کرنے والوں کو پورا پورا بدلہ دیتے ہیں۔ اور شکر گزاری یہ ہے۔ کہ انسان ایمان، توحید، اطاعت اور فرمانبرداری کے کاموں پر ثابت قدم رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ سب سے پہلی ثابت قدمی حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوئی، جو براہ راست حضور کے فیض یافتہ تھے۔ جو تھوڑی بہت کمزوریاں رہ گئیں تھیں، وہ بھی رفع ہو گئیں۔ اُن کی غلطیاں معاف ہو گئیں اور وہ لوگ مجموعی طور پر شکر گزار بن گئے، یہی لوگ ایمان کی دولت کے محافظ تھے ایمان ہی اُن کی سب سے قیمتی متاع تھی جسے انہوں نے آئندہ نسلوں کو منتقل کیا۔ ایمان کے علاوہ باقی سب چیزیں فانی اور بے حقیقت ہیں۔

درس پنجاہ ۵۰ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ آیت ۱۴۶ تا ۱۴۸

وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىھُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع ۱۵/۵/۶

ترجمہ :۔ اور بہت سے نبی ایسے گزرے ہیں کہ اُن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی۔ پس وہ ہمت نہیں ہارے اس پر جو بھی اُن کو اللہ کے راستے میں تکلیف پہنچی اور نہ وہ ضعیف یا سست ہوئے اور نہ وہ (دشمن کے سامنے) دبے۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۴۶﴾ اور نہیں تھی اُن کی بات مگر یہ کہ انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے معاملے میں ہماری زیادتی کو (بھی بخش دے) اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ۔ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما ﴿۱۴۷﴾ پس اللہ تعالیٰ نے اُن کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کا اچھا بدلہ بھی عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۴۸﴾

ربطِ آیات

غزوہ احد میں اہلِ اسلام کو نقصان اٹھانا پڑا حتیٰ کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر اڑ گئی اور مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو گئی تھی۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی۔ کہ ایسے مواقع پر ایمان پر مضبوط رہیں اور کمزوری کا احساس

پیدا نہ ہونے دیں ۔ بات سمجھائی کہ اللہ کا رسول خدا نہیں ہے، جو ازلی ابدی ہو ۔ بلکہ عام انسانوں کی طرح رسول نے بھی موت کا ذائقہ چکھنا ہے ۔ اگر اللہ کا رسول تم میں موجود نہ رہے، تو کیا تم دین کو چھوڑ جاؤ گے دین تو اللہ کا ہے ۔ جو حی اور قیوم ہے، قائم و دائم ہے، لہذا اس کے دین کی جدوجہد ہمیشہ جاری رہنی چاہیئے ۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ انبیاء اور ان کے ساتھ شریک جہاد لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے ۔ کہ وہ لوگ قربانیاں دیے کر دین کی تقویت کا باعث بنتے رہے لہذا وہ لوگ مسلمانوں کے لیے اچھا نمونہ ہیں ان کی اقتدا کرنی چاہیئے سورۃ بقرہ میں اسرائیلی پیغمبر حزقیل علیہ السلام کا ذکر آچکا ہے ۔ آپ کے پیروکاروں کی ایک جماعت حضرت طالوت کی سرکردگی میں دشمن سے نبرد آزما ہوئی ۔

جہاد سنت انبیاء ہے

ایسے ہی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ اور اللہ کے کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں، جنہوں نے جنگ کی، اس حالت میں مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ کہ ان کے ساتھ کثیر تعداد میں رب والے یا اللہ والے بھی شامل تھے ۔ مسلمانوں کو بتلانا یہ مقصود ہے ۔ کہ جہاد کا حکم صرف آخری امت کے لیے ہی مخصوص نہیں ۔ بلکہ سابقہ انبیاء کے لیے بھی جہاد کا حکم اسی طرح تھا جس طرح نبی آخرالزماں اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے لیے ہے ۔ حق اور باطل کی کشمکش ہمیشہ سے ہے ۔ لہذا ہر امت کے لیے جہاد کرنا ضروری رہا ہے ۔ اے مسلمانو تسلی رکھو کہ جہاد ہی میں تمہاری اور تمہارے دین کی بقا ہے ۔ جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے وہ صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے

رَبّٰنِيّٖنَ کا لفظ اسی سورۃ کے آٹھویں رکوع میں بھی آچکا ہے وہاں بھی عرض کیا تھا کہ رِبّی یا ربّانی سے مراد رب والے یا اللہ والے ہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے انبیاء پر ایمان رکھنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہیں ۔ سچے دین کی تعلیم پر عمل کرتے، اخلاص اور صداقت سے معمور ہیں یہی لوگ ربانی ہیں جن کی نسبت اپنے رب کی طرف ہے، چونکہ یہ لوگ اپنے انبیاء

کے بھی متبع ہیں اس لیے یہ اُن کے صحابہ میں شمار ہو گئے۔ اور ایسے لوگ ہمیشہ سچائی کے راستے پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ اور بزدلی یا بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ ان میں کسی قسم کی گھبراہٹ پیدا نہیں ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ربیون میں علماء فقہاء اور دین میں سمجھ رکھنے والے لوگ بھی شامل ہیں کیونکہ انبیاء کے متبع ہمیشہ ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ جیسے فرمایا "عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ" یعنی میں بھی بصیرت پر ہوں اور میرے متبع بھی بصیرت پر ہیں۔ انہیں دین کے کسی معاملہ میں اشتباہ نہیں۔ حقیقت حال ان پر آشکارا ہے۔ اور وہ اسی کا اتباع کرتے ہیں

مومن ثابت قدم رہتا ہے

فرمایا جن اللہ والوں نے نبیوں کے ساتھ مل کر جہاد کیا فَمَا وَھَنُوْا لِمَآ اَصَابَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ کے راستے میں انہیں جو بھی تکلیف پہنچی اس پر انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی۔ اُن لوگوں پر بڑی بڑی آزمائشیں آئیں، مال ضائع ہوا، گھر بار چھوڑنا پڑا، آدمی شہید ہوئے مگر اُن کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی۔ دوسرے پارے میں ذکر آچکا ہے۔ کہ انہوں نے یوں کہا۔ "وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا" ہم اللہ کے راستے میں کیوں جہاد نہ کریں جب کہ ہمیں ملک بدر کیا گیا۔ اور ہماری اولاد ہم سے چھین لی گئی۔ ہمارے بچوں کو غلام بنایا گیا اور ہماری بچیوں کو لونڈیاں بنا لیا گیا، لہٰذا ہم ضرور دشمن کے ساتھ جہاد کریں گے جب اس عزم بالجزم کے ساتھ میدان جہاد میں اترے تو پھر کسی مشکل سے مشکل وقت میں بھی انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وَمَا ضَعُفُوْا اور نہ وہ ضعیف یا سست ہوئے وَمَا اسْتَکَانُوْا اور نہ وہ دشمن کے سامنے مغلوب ہوئے۔ استکانت کا معنی پست ہو جانا، دب جانا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ استکانت میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ انہوں نے زبان سے بھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے ان کی کمزوری یا پستی ظاہر ہوتی ہے۔

صبر بہترین حربہ ہے

فرمایا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اہل اسلام کو سمجھایا جا رہا ہے کہ جس طرح اُن لوگوں نے صبر کیا۔ اسی طرح تم بھی مشکلات پہ صبر کے ذریعے قابو پاؤ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کی خبر پہ دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے تھا بلکہ ثابت قدمی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیئے تھا۔ ملت ابراہیمی میں صبر کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے عبادات کی ادائیگی۔ اور مصائب و مشکلات اور نفسانی خواہشات کے مقابلہ کے لیے صبر ہی بہترین ذریعہ ہے۔ دوسرے پارہ میں گزر چکا ہے اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ صبر اور نماز کے ذریعے مشکلات کا مقابلہ کرو۔ جس قدر تعلق باللہ قائم ہوگا۔ اسی قدر مصائب کم ہو جائیں گے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے سابقہ لوگوں کی مشکلات کا ذکر فرما کر اہل ایمان کو ثابت قدمی کی ترغیب دلائی۔ اور نصیحت کی کہ ایسے اوقات میں کمزوری اور سستی دکھانے کی بجائے تعلق باللہ کو مضبوط بنانا چاہیئے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔ لا تتمنوا لقاء العدو اے ایمان والو! دشمن سے ٹکر لینے کی تمنا نہ کرو۔ البتہ اذا لقیتم فاصبروا اور جب مڈھ بھیڑ ہو ہی جائے، تو پھر صبر کا دامن نہ چھوڑو واعلموا ان الجنۃ تحت ظلال السیوف یاد رکھو! جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ کمزوری دکھانے کی بجائے صبر کا دامن تھامے رکھو۔ کیونکہ جنت کا راستہ تلواروں کے سائے میں سے گزر کر جاتا ہے۔ محدثین فرماتے ہیں۔ کہ بیماری کا بھی یہی حکم ہے۔ کسی مومن کے لیے لائق نہیں کہ وہ بیماری کی خواہش کرے۔ ہاں اگر بیماری آجائے، تو پھر واویلا کرنے کی بجائے صبر کرنا چاہیئے۔ اسی میں خدا تعالیٰ کی رضا ہے۔

مجاہدین کی دعا

فرمایا صبر کے علاوہ مجاہدین کا دوسرا حربہ اُن کی دعا ہے۔ جب وہ میدان جہاد میں اُترتے ہیں وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا تو اُن کی زبان پہ

اس کے سوا کوئی اور بات نہیں ہوتی۔ وہ یوں کہتے ہیں ربّنا اغفر لنا ذنوبنا اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرما دے دوسرے پارے میں گزر چکا ہے حضرت طالوت رح کے ساتھیوں نے بھی یہی دعا کی تھی۔ کہ اے اللہ! ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ یہاں پر بھی یہی الفاظ ہیں اللہ والوں کا ہمیشہ سے یہ شیوہ رہا ہے کہ جب میدان جنگ میں دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے۔ تو وہ اپنے پروردگار سے دعائیں کرتے ہیں۔ دعا اللہ تعالیٰ سے تعلق کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس کو مومن کسی وقت ترک نہیں کر سکتا۔ دعا عبادت کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ خود حضور علیہ السلام انیس ۱۹ غزوات میں بنفس نفیس شریک ہوئے جن میں سے آٹھ غزوات میں بالفعل لڑائی ہوئی۔ حضور نے مسلمانوں کو یہی دعا سکھائی اللهم منزل الكتب مجرى السحاب۔ هازم الاحزاب اهزمهم وانصرنا عليهم اے مالک الملک جو کتاب کو نازل فرماتا ہے اور بادلوں کو اٹھاتا ہے، دشمنوں کے قدموں کو اکھاڑ دے اور ہماری مدد فرما۔ فتح مکہ کے دن آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اس خداوند قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور دشمنوں کو شکست دی، وہی اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے سوا کوئی مددگار نہیں۔ آپ نے مجاہدین کو سکھایا کہ میدان جنگ میں جا کر یوں دعا کیا کرو اَللّٰهُمَّ اٰمِنْ رَوْعَاتِنَا اے اللہ! خوف کی حالت میں ہمیں امن نصیب فرما۔ وَاسْتُرْ عَوْرَاتِنَا اور ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرما۔

جنگ کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف دعائیں صحابہ رض کو سکھائیں تاہم جو دعا یہاں قرآن پاک نے بیان کی ہے، وہ بڑی اہم دعا ہے۔ فرمایا کہ مجاہدین کی زبان پر یہ دعا ہوتی ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اے اللہ ہمارے گناہ بخش دے۔ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، جنگ احد میں تھوڑی

سی کوتاہی ہو گئی تھی، اُسی لغزش کی معافی مانگی جا رہی ہے۔ وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا ہمارے معاملات میں جو زیادتیاں ہوئی ہیں۔ حدودِ اعتدال سے جو تجاوز ہوا ہے، ہم اُن کی بھی معافی مانگتے ہیں وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اور ہمارے قدموں کو مضبوط فرما۔ ان میں لغزش نہ آنے پائے۔ اور ہم تیرے دین کی سربلندی کے لیے ڈٹے رہیں۔

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح اہلِ ایمان کے قدموں کو مضبوط کیا اُس کا ذکر سورۃ انفال میں آتا ہے "وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ"۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان کی کیفیت طاری کر دی۔ تمہارے لیے آسمان کی طرف سے پانی اتارا تاکہ تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی نجاست (شیطان کی وسوسہ اندازی) کو دور کرے۔ تمہاری ہمت بندھائے۔ اور اس کے ذریعے تمہارے قدم جمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر فرشتوں سے بھی کہا اَنِّیْ مَعَكُمْ میں تمہارے ساتھ ہوں "فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" پس تم اہلِ ایمان کے قدم مضبوط کرو۔ مقصد یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے قدم مضبوط کر دے تو پھر کامیابی یقینی ہے۔ اور اگر خدا کسی قوم کے قدم اکھاڑ دے۔ تو کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔

مجاہدین کی دُعا کا چوتھا جزو ہے وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اے اللہ! کافروں کی قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ کیونکہ ہم تو تیرے دین کی خاطر جنگ لڑ رہے ہیں۔ اور کافر تیرے دین کی نافرمانی کا پیغام دنیا میں پہنچا رہے ہیں۔ ہم تیری اطاعت اور فرمانبرداری کو دنیا میں غالب کرنا چاہتے ہیں، ہم مدد کے مستحق ہیں، لہٰذا ہماری مدد فرما۔ مجاہدین کی اس دُعا میں ہمارے لیے بھی تعلیم ہے۔ کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ایسی ہی دُعا کرنی چاہیئے۔ جب بھی میدانِ جہاد میں اتریں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کی دُعائیں کریں۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء اور ان کے مجاہدین کا تذکرہ کر کے ہمارے لیے مشعلِ راہ قائم کر دی۔

دنیا و آخرت کا ثواب

فرمایا جو لوگ اپنے انبیاء کی معیت میں جہاد کرنے والے تھے، اور اُس کے حضور دعائیں مانگنے والے تھے فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا اُن کو اللہ تعالےٰ نے دنیا کا ثواب عطا کیا۔ یعنی انہیں دنیا میں فتح عطا کی جیسے سورۃ صف میں فرمایا وَّاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ" جب دشمن سے مڈھ بھیڑ ہو، تو مسلمان کی خواہش یہ ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اُسے فتح نصیب فرمائے۔ تاکہ خدا کا دین غالب ہو۔ "كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا" تاکہ اللہ کی بات بلند ہو جائے۔ اور اس کے دین کے دشمنوں کے ارادے ناکام ہو جائیں۔ چنانچہ دنیا کے ثواب سے مراد فتح و نصرت اور بالتبع مالِ غنیمت ہے مگر سب سے بڑی کامیابی اللہ کے کلمے کی بلندی ہے۔ باقی سب چیزیں اس کے تابع ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف دنیا کا ثواب عطا کیا بلکہ وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ یعنی آخرت کا بہتر اجر بھی دیا اور یہ بہتر اجر اخروی کامیابی، نجات اور جنت میں داخلہ ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ "فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً" اللہ تعالیٰ نے بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں جہاد کرنے والوں کو فضیلت بخشی ہے۔ فرمایا جنت کے سو درجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجاہدین کو بلند سے بلند درجہ عطا فرمائے گا۔ وہ مجاہدین جو دین کی اشاعت اور کفر کو مغلوب کرنے کے لیے اپنی جان ہتھیلی پہ رکھ کر میدان جہاد کی طرف چلتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی عمل نہیں ہے۔ بہت بڑی بات ہے جس کی تفصیلات قرآن پاک اور احادیث میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

محبوبانِ خدا

فرمایا یاد رکھو! وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اُن سے محبت رکھتا ہے۔ نیکی کے کاموں میں جہاد، دین کی اقامت، صبر، خدا کی فرمانبرداری، اطاعتِ رسول۔ دنیا میں حدود اللہ کا اجرا، مصائب پہ صبر، بلند ہمتی، اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہر وقت تیاری یہ سب باتیں شامل ہیں۔ اگر کبھی وقتی طور پہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا اور

کافروں کو عارضی کامیابی بھی حاصل ہو گئی تو اس سے کافر اللہ کے محبوب نہیں بن سکتے بلکہ خدا کے محبوب ہمیشہ نیکی کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ دنیا کا اتار چڑھاؤ محض آزمائش کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس میں کچھ بہت سی مصلحتیں ہیں جن میں سے چار کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو ہی محبوب بناتا ہے۔

درس پنجاہ یک ۵۱ | آیت ۱۴۹ تا ۱۵۱

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خٰسِرِينَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِينَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۖ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِينَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو! اگر تم اُن لوگوں کی بات مانو گے جنہوں نے کفر کیا، تو وہ تم کو پلٹا دیں گے تمہاری ایڑھیوں پہ، پھر تم پلٹ جاؤ گے نقصان اٹھانے والے ہو کر ﴿۱۴۹﴾ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ بہتر مدد کرنے والا ہے ﴿۱۵۰﴾ عنقریب ہم اُن لوگوں کے دلوں میں رُعب ڈال دیں گے جنہوں نے کفر کیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا ہے ایسی چیزوں کو جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظلم کرنے والوں کا بہت بُرا ٹھکانا ہے ﴿۱۵۱﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیا اور اُن کے پیروکاروں کا نمونہ بیان فرمایا اور اہلِ ایمان کو ترغیب دی کہ وہ بھی انہی لوگوں کا طریقہ اختیار کریں جو سابقہ انبیاء کے متبعین نے اختیار کیا انہوں نے دشمن کے ساتھ جہاد کیا اور ثابت قدم رہے ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو کامیابی عطا کی اور دنیا و آخرت کا ثواب عطا کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں

اور صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے۔ کہ اللہ کے نبیوں اور اُن کے ماننے والوں کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ بر خلاف اس کے نافرمانوں اور منافقین کے اقوال و افعال سے بچنا بھی ضروری ہے۔ دشمن کے غلط پراپیگنڈا سے اہل ایمان میں بد دلی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ لہٰذا دشمن کی چالوں سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیئے۔ جنگ احد کے واقعہ میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ جب حضور علیہ السلام زخمی ہو کر گر گئے، تو مشرک حملہ آور نے مشہور کہہ دیا کہ نعوذ باللہ آنحضرت علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس غلط پراپیگنڈہ کی بنا پر مسلمانوں میں بد دلی پیدا ہو گئی ہمنافقین کو موقع مل گیا۔ وہ کہنے لگے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمارے درمیان موجود نہیں رہے۔ تو پھر ہمیں اُن کا دین چھوڑ کر اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جانا چاہیئے۔ بعض نے کہا کہ ابوسفیان سے امان حاصل کر لینی چاہیے یہ سب پراپیگنڈا تھا، تاکہ مسلمان اپنے دین سے پھر جائیں۔ اللہ تعالےٰ نے ایسی باتوں کا ردّ فرمایا ہے۔ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ اللہ نے فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ یعنی حضور نبی کریم علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں۔ وہ خود خدا نہیں جو ازلی ابدی ہے۔ بلکہ وہ تو فانی ہیں۔ اگر موت یا شہادت کی بنا پر وہ اس دار فانی سے رخصت ہو جائیں تو کیا تم آپ کے لاتے ہوئے دین کو ترک کر دو گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا لایا ہوا دین قیامت تک قائم رہے گا۔ مسلمانوں کو منافقین کے پراپیگنڈا سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے۔

عظیم نقصان

ارشاد ہوتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اگر تم کافروں کی بات مانو گے اور منافق بھی کافروں میں شامل ہیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ یَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ کہ وہ تمہیں پلٹا دیں گے تمہاری ایڑیوں پر۔ مراد یہ کہ اُن کی کوشش یہ ہو گی۔ کہ وہ تمہیں دین حق سے دوبارہ جاہلیت کی طرف لے جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ کہ تم سخت نقصان اٹھانے والے بن کر پلٹ جاؤ گے۔ مقصد یہ

کہ اپنے دین پہ قائم رہو۔ ہر حالت میں دین کی حفاظت کرو۔ تمہیں وقتی طور پہ فتح ہو یا شکست اپنے دین پہ ہر صورت میں قائم رہو۔ اگر تم نے دین کے پاکیزہ نظریات کو ترک کر دیا، تو پھر کفر اور جہالت کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ اور یہ سب سے بڑا نقصان ہو گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے۔ کہ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں ورنہ وہ تمہیں دوبارہ جاہلیت کی طرف پھر دیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس مومن کے دل میں ایمان راسخ ہو گیا ہے، اس کو اگر آگ کے شعلوں میں بھی ڈال دیا جائے تو وہ کفر کی طرف پلٹنا پسند نہیں کریگا۔ وہ ہر قسم کی مشکلات برداشت کر لے گا مگر ایمان کو ترک کرنے پہ آمادہ نہیں ہو گا۔ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اے ایمان والو! "لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ" یعنی ایمان والوں کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ۔ کافروں کو اپنے معاملات میں دخیل نہ ہونے دو۔ ورنہ وہ تمہیں کفر کی طرف لے جائیں گے۔ یہود و نصاریٰ ان سے بھی بدتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى" آپ سے یہود و نصاریٰ کبھی راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کا دین اختیار نہ کر لو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ثابت قدمی اور دشمن کی سازشوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی ہے۔

مسلمانوں کے تنزل کی وجہ

اس وقت دنیا میں مسلمان جس تنزل کا شکار ہیں اسکی اسی ۸۰ فیصد وجہ کفار کی مداخلت ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے قوانین، سیاست، تجارت، تعلیم، ٹیکس وغیرہ میں دخیل ہیں۔ غیر مسلم کافر ہوں یا مشرک، یہودی ہوں یا نصرانی، کمیونسٹ ہوں یا دہریے وہ ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی تدابیر کرتے ہیں۔ اپنے ملکوں میں تعلیم کے نام پہ ایسے شاگرد بنا کر بھیجتے ہیں جو مسلمانوں کے نظریات کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر رکھ دیں۔ ڈاکٹر فضل الرحمن ایک صالح آدمی مولوی شہاب الدین کا بیٹا تھا جو کہ شیخ الہند کا شاگرد تھا مگر یہ یہودیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اسمتھ کا شاگرد

تھا جس نے اُس کے ذہن کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ صدر ایوب کے زمانے میں اُس نے کتاب
لکھی تھی جس میں قرآن پاک کے وحی الٰہی ہونے کا انکار کر دیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ پورے
کا پورا قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ اس میں آدھا یا کچھ کلام حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ
وسلم کا ہے۔ مقصد یہ کہ غیر مسلم لوگ مسلمانوں کو اپنے ہاں تعلیم دے کر اُن کے بنیادی نظریات
پر اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر انہی کے ہاتھوں ان کی قوم کو نقصان پہنچاتے ہیں۔
روس کیا کر رہا ہے۔ افغانستان اور ایران وغیرہ میں اپنے نظریات پھیلا رہا ہے
مگر مسلمانوں کی آج زبوں حالی یہ ہے کہ اُن کی مرکزیت ختم ہو چکی ہے۔ رسوخ
عقیدہ مفقود ہے۔ قرآن پر غور و تدبر کرنا چھوڑ دیا ہے۔ حضور علیہ السلام کی تعلیمات
سے دلچسپی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا دین اور اخلاق دونوں بگڑ چکے ہیں
کفار ہمارے تمام معاملات میں دخیل ہیں۔ ترکی کے معاملات میں امریکہ دخل انداز
کر رہا ہے۔ عرب اُس کے مشورہ کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکتے، ترقی پذیر
ممالک میں ایڈوائزر وہاں سے آتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان ترقی کی بجائے تنزل کی
طرف جا رہے ہیں۔ اللہ نے اس لیے خبردار کیا ہے کہ اگر اُن کی بات مانو
گے تو وہ تمہیں دوبارہ کفر کی طرف لے جائیں گے عیسائی مشنریاں اس پر
مستزاد ہیں۔ مسلمان ممالک میں خاص طور پر کام کر رہی ہیں۔ تیس تیس سال تک
کام کرنے کے بعد رپورٹ دیتی ہیں کہ اگرچہ مسلمانوں کو عیسائی تو نہیں بنایا جا
سکا۔ مگر اُن کے نظریات اس قدر بگاڑ دیئے گئے ہیں۔ کہ وہ مسلمان بھی باقی
نہیں رہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ان خطرات کو محسوس کریں۔ اپنے کام خود
انجام دیں اور غیر مسلم اقوام کی مداخلت بند کریں ورنہ وہ کفار کے چنگل سے
کبھی آزاد نہ ہو سکیں گے۔

فرمایا اغیار سے منہ موڑ کر صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے بَلِ اللّٰہُ
مَوْلٰىكُمْ بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے۔ مولا کے بہت سے معنی آتے ہیں
جیسے آقا، سید، ناصر، معین، ساتھی۔ آزاد کیا ہوا غلام، چچازاد بھائی وغیرہ

تقریباً پچیس معنی ہیں۔ مگر یہاں پر مولا سے مراد مددگار ہے۔ خود اللہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا اَنْتَ مَوْلٰنَا یہ لفظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ سیدنا اور مولانا۔ یعنی حضور ہمارے آقا، سردار اور راہنما ہیں تاہم اس مقام پر اہل اسلام کو تسلی دی کہ اغیار کی تمام تر سازشوں کے خلاف تمہارا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ یقیناً تمہاری مدد کرے گا وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ وہ بہتر مدد کرنے والا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے۔ کہ تم اس کی وحدانیت پر صدقِ دل سے ایمان لاؤ۔ اُس نے ہمیشہ اہل ایمان کی مدد فرمائی ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ اس نے تمہاری غزوہ بدر میں مدد فرمائی حالانکہ تم اس موقع پر بہت کمزور تھے۔ اُس نے حنین کے موقع پر بھی تمہاری مدد فرمائی اس کی مدد ایسے طریقے سے شامل حال ہو جاتی ہے کہ انسان اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اسلام کا رعب

اہل اسلام کی مزید تسلی کے لیے فرمایا سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ہم کافروں کے دلوں میں عنقریب رعب ڈال دیں گے جنگ احد کے موقع پر ایسا ہی ہوا۔ بظاہر کافروں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ بہت سے اکابر مسلمان شہید ہوئے۔ مگر پھر کافر وہاں ٹھہر نہ سکے۔ انہیں واپس ہی جانا پڑا۔ ایک موقع پر ابوسفیان کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ مسلمان تعداد میں تھوڑے سے تو تھے۔ ان میں سے شہید اور زخمی بھی ہوئے۔ مگر ہم پھر بھی واپس پلٹ رہے ہیں۔ واپس جا کر اُن کا کام تمام کر دینا چاہیئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ انہیں دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور واپس مکے لوٹ گئے۔ البتہ نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے زخمی صحابہؓ نے آٹھ میل تک کفار کا تعاقب کیا۔

فرمایا اُن پر رعب اس لئے مسلط کر دیا بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنائے ہیں۔ اور شرک سے ضعف پیدا ہوتا ہے۔ اور حمیت

بھی ہو تو وہ حمیتِ جاہلیہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات وہ تعصب اور عناد کی وجہ سے بہادری کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں مگر عقل اور بصیرت سے خالی ہوتے ہیں برخلاف اس کے اگر مومن کو وقتی طور پر تکلیف بھی پہنچے تو وہ بصیرت اور سمجھ پر ہوتا ہے۔ کافر اندھے ہوتے ہیں۔ ان میں وہن اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ توہمات کے پرستار ہوتے ہیں۔ مشرکین کا حال دیکھ لیں۔ ذرا ذرا سی بات پر شگون لیتے ہیں۔ وہ خود اعتمادی سے عاری ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ ضعف کا شکار ہو جاتے ہیں۔

بلا دلیل شرک

فرمایا یہ لوگ جس شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ ایسا ہے مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا جسکی اللہ نے کوئی سند یا دلیل نہیں اتاری، سلطان کا معنی غلبہ برہان، دلیل وغیرہ ہے۔ صاحبِ اقتدار کو بھی سلطان کہتے ہیں یعنی طاقت اور قوت والا۔ بہرحال یہاں سلطان کا معنی دلیل ہے کہ مشرکین کے پاس شرک کی کوئی دلیل نہیں بلکہ محض اپنے دادا یا باپ یا قوم کی اندھی تقلید ہے جس پر یہ لوگ مصر ہیں اس کے برخلاف کفر کی تردید میں ہزاروں دلائل موجود ہیں۔ ان میں عقلی، نقلی، کتابی سمعی، بصری ہر قسم کے دلائل موجود ہیں۔ انسان ذرا سا غور کرے تو اس کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ ایک پتہ ہی لے لیں یا گھاس کے ایک تنکے کی تخلیق پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آجائے گی اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر قطعی طور پر فرما دیا "لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ" ان کے پاس شرک کی کوئی دلیل نہیں محض سنی سنائی باتوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے۔ اور یاد رکھو! وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ظالموں کا ٹھکانا بہت برا ہے۔ کفر شرک کرنے والے سب سے بڑھ کر ظالم ہیں "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" شرک ظلم عظیم ہے۔ یہ اول درجے کا ظلم ہے۔ اس کے بعد حقوق ضائع کرنے والے۔ اور لوگوں کی جان و مال کے تلف کنندہ دوسرے

درجے کے مجرم ہوں گے، اللہ تعالےٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے سب
سے بڑے مجرم ہیں۔ اُن کا اعتقاد فاسد ہے۔

درسِ پنجاہ و دو ۵۲ — آیت ۱۵۲ تا ۱۵۳

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق اللہ نے تمہارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا تھا۔ جب کہ تم اُن (دشمنوں) کو کاٹ رہے تھے اللہ کے حکم سے۔ یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور تم نے معاملہ میں جھگڑا کیا۔ اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھائی، جسے تم پسند کرتے ہو، تم میں سے بعض وہ ہیں جو دنیا کا ارادہ کرتے ہیں ـــــــ اور بعض وہ ہیں جو آخرت کا ارادہ کرتے ہیں۔ پھر پھیر دیا تم کو اُن سے تاکہ تم کو آزمائش

میں ڈالے۔ اور البتہ تحقیق اللہ نے تم کو معاف کر دیا ہے۔ اور اللہ فضل والا ہے اہل ایمان پر (۱۵۲) جب کہ تم اُوپر جا رہے تھے اور کسی کی طرف نہیں پلٹتے تھے۔ اور اللہ کا رسول تم کو پکارتا تھا پیچھے سے، پس پہنچایا اللہ تعالیٰ نے تم کو غم پر غم۔ تاکہ تم اُس چیز پر غم نہ کرو۔ جو تم سے فوت ہوگئی ہے۔ اور نہ اس پر جو تم کو پہنچی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں کی خبر رکھنے والا ہے، جو تم کرتے ہو (۱۵۳)

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور منافقین کی بات ماننے سے منع فرمایا۔ اور اس سے پہلے سابقہ انبیاء کرام اور اُن کے متبعین کا اسوہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا کہ اگر کافروں اور منافقوں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں الٹا جاہلیت کی طرف لے جائیں گے۔ اور تمہیں تمہارے پاکیزہ نظریات سے برگشتہ کر دیں گے جو کہ تمہارے لیے سخت نقصان کا باعث ہوگا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ تمہیں مخالفین کے پراپیگنڈا سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیئے۔ وہی تمہارا آقا اور مددگار ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ کفار و مشرکین کے نظریات باطل ہیں وہ وہم میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دے گا۔ وہ جہنم کے مستحق ہیں، لہٰذا اُن کی بات کو کسی طور تسلیم نہیں کرنا۔

غزوہ احد سرسری جائزہ

گذشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بیان ہو چکا ہے۔ کہ اے اہل ایمان! اگر تم تقویٰ اور صبر کی راہ پر مستقیم رہو گے، تو یقیناً تم کو بلندی حاصل ہوگی۔ چنانچہ جنگ احد کے ابتدائی حصہ میں حالات مسلمانوں کے حق میں تھے۔ کافر تعداد میں بھی زیادہ تھے، اور اُدھر مسلمانوں کے ایک ہزار مجاہدین میں سے تین سو کا لشکر عبداللہ بن ابی منافق کی معیت میں پہلے ہی علیحدہ ہوگیا۔ کافروں کے پاس سامان حرب کی بھی فراوانی تھی مگر مسلمانوں کے پاس محض واجبی سا سامان تھا۔ اس کے باوجود ابتدائے جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور اللہ نے غلبہ

عطا فرمایا۔ بیس کے قریب کافر واصل بجہنم ہوئے۔ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ دور تک بھاگتے چلے گئے۔ مگر مسلمانوں کی ایک کوتاہی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور اہل اسلام کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک پہاڑی پر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی قیادت میں پچاس ۵۰ تیر اندازوں کی ایک جماعت مقرر کی تھی اور انہیں حکم دیا تھا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم اپنے مورچے کو مت چھوڑنا۔ جب تیر اندازوں نے دیکھا کہ نیچے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگئی ہے دشمن بھاگ نکلا ہے، تو ان میں اختلاف رائے پیدا ہوا کہ آیا انہیں اپنے مورچے کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق وہیں ڈٹے رہنا چاہیئے۔ ان کے قائد کی رائے یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق انہیں یہیں موجود رہنا چاہیئے۔ تاہم اکثریت کی رائے تھی کہ حضور کا موجود رہنے کا حکم مسلمانوں کی فتح تک کے لیئے تھا۔ اب جب کہ فتح حاصل ہوگئی ہے تو اب وہاں ٹھہرنا کچھ ضروری نہیں رہا۔ چنانچہ تیر اندازوں کی اکثریت پہاڑ سے نیچے اتر کر مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہوگئی۔ اور پہاڑی پر حضرت عبداللہؓ کے ہمراہ صرف دس آدمی باقی رہ گئے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے الحرب خدعة یعنی لڑائی داؤ پیچ سے ہوتی ہے۔ اس ہتھیار کو کفار کے رسالہ کے کمانڈر حضرت خالد بن ولیدؓ نے آزمایا، جو ابھی تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ وہ اپنے دستہ کے تین سو گھوڑ سواروں کے ہمراہ اس پہاڑی پر حملہ آور ہوئے جسے مسلمان تیر انداز چھوڑ چکے تھے۔ پہاڑی پر موجود دس گیارہ مجاہدین کی جماعت حملہ کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہوگئی۔ کفار کے بھاگتے ہوئے سپاہیوں نے جب دیکھا کہ ان کا رسالہ مسلمانوں کے عقب میں پہنچ گیا ہے، تو وہ بھی واپس لوٹے اور اس طرح مسلمان جو پہلے ہی قلیل تعداد میں تھے کفار کے دو لشکروں کے درمیان گھر گئے۔ ان میں ایسی افراتفری پھیلی کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہونے لگے۔

حضرت حذیفہؓ کے والد حضرت یمانؓ اسی افراتفری میں شبہ میں شہید ہو گئے، خود حضور علیہ السلام کا رخسار مبارک زخمی ہوا۔ ہونٹ پھٹ گیا۔ اور نیچے کا ایک دانت مبارک شہید ہوا۔ خود کی کڑیاں ٹوٹ کر سر مبارک میں داخل ہو گئیں۔ خون بہنے لگا۔ آپ علیہ السلام پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور آپ زمین پر گر گئے۔ آپ کا دفاع کرنے والے دس میں سے نو مسلمان شہید ہو گئے۔ بعض مجاہدین نے زبردست جرأت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت طلحہؓ کے ہاتھ پر نیزے اور تیر کے زخم آئے جس سے ہاتھ شل ہو گیا۔ ابو دجانہؓ نے اپنی پشت کو ڈھال بنا کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔

مسلمانوں کو تنبیہ

ان حالات کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان کی غلطی پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اور ساتھ تسلی بھی دی ہے۔ کہ یہ واقعہ تمہارے لیے آزمائش تھی۔ اس ابتلا سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ جب تم اللہ کے حکم سے کافروں کو کاٹ رہے تھے ان کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ اور وہ وعدہ یہی تھا۔ کہ اگر تم تقویٰ اور صبر سے کام لو گے تو تمہاری مدد کی جائیگی۔ چنانچہ ابتدائے جنگ میں اللہ نے تمہاری مدد فرمائی تم ان پر غالب آئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے حس کا معنی محسوس کرنا، پشت پہ مالش کرنا، کاٹنا، استیصال کرنا وغیرہ آتا ہے۔ یہاں پہ کاٹنا یا استیصال کرنا زیادہ مناسب حال ہے۔ مقصد یہ کہ ابتدائے جنگ میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفار پہ غلبہ عطا کیا حَتّٰٓی اِذَا فَشِلْتُمْ حتیٰ کہ جب تم بزدل ہو گئے۔ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ اور تم نے آپس کے معاملہ میں جھگڑا کیا یعنی بعض نے کہا کہ ہمیں اس پہاڑی پہ قائم رہنا چاہیئے۔ جب کہ دوسروں نے کہا کہ اب اس کی ضرورت نہیں ہے لہذا انہوں نے مورچہ چھوڑ دیا۔ جنگ کے موقع پہ اختلاف رائے ہی نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ پوری فوج کو

یک جان ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ آگے سورۃ انفال میں آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپس میں تنازعہ نہ کیا کرو۔ اس سے تفرقہ پڑ کر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے فوج بزدل ہو جاتی ہے۔ اس کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ دشمن پر اُس کا رعب ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جنگ کے دوران مکمل یکجہتی کی فضا برقرار رہنی چاہیئے۔

غزوہ احد کے موقع پر یہ حالت برقرار نہ رہ سکی تین سو افراد کا گروہ مدینے سے روانگی کے وقت ہی علیحدہ ہو گیا تھا اس کے علاوہ مقام جنگ کے متعلق بھی مسلمانوں میں اختلاف رائے پیدا ہوا۔ کچھ لوگ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے اور بعض دوسرے شہر کے اندر مورچہ بندی کرنا چاہتے تھے اور پھر آخری اختلاف یہ ہوا۔ کہ حضور علیہ السلام کی مقرر کردہ پچاس تیر اندازوں کی جماعت اپنے مورچے پر قائم نہ رہی۔ درحقیقت یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی تھی۔ چنانچہ اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَعَصَيْتُمْ اور تم نے نافرمانی کی مِّنۢ بَعْدِ مَآ أَرَىٰكُم مَّا تُحِبُّونَ بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھا دی جو تم پسند کرتے تھے، تمہاری پسندیدہ چیز تو فتح تھی جو تم نے دیکھ لی۔ دشمن بھاگ رہا تھا اور تم مال غنیمت اکٹھا کر رہے تھے۔ اس کے بعد تم نے نافرمانی کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فوج میں ابتری پھیل گئی۔ اور تمہاری فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

طلب دنیا اور طلب آخرت

فرمایا یہ صورت حال اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا تم میں سے بعض لوگ ایسے تھے جو دنیا کے طالب تھے یہ انہی تیر اندازوں کی طرف اشارہ ہے، جو مورچہ کو چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے، مال غنیمت کے اسی تعاقب کو حصولِ دنیا سے تعبیر کیا گیا ہے وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ اور تم میں سے بعض دوسرے تھے جو آخرت کے طالب تھے۔ پچاس میں سے صرف دس گیارہ آدمی رہ گئے تھے جو حضور علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں مورچے پر قائم رہے اور شہید ہو گئے۔ بلاشبہ انہوں نے دنیا کے مقابلے میں آخرت

کو ترجیح دی۔ یہی لوگ آخرت کا ارادہ کرنے والے تھے۔ فرمایا ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ پھر تم کو ان سے پھیر دیا۔ ابتداء میں تم کافروں پر غالب آچکے تھے مگر اُس نافرمانی کی وجہ سے تم کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ کافروں کے ایک لشکر نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور دوسرے لشکر نے واپس پلٹ کر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ فرمایا یہ سب کچھ اس لیے ہوا۔ لِيَبْتَلِيَكُمْ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائش میں ڈال دے۔ مقصد یہ کہ میدان احد میں کفار کا جو پلہ بھاری ہو گیا تھا۔ یہ مسلمانوں کی آزمائش تھی کہ وہ اس قسم کے نامساعد حالات میں بھی کس حد تک ثابت قدم رہتے ہیں۔ انسانوں کو اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑتا ہے۔

اس مقام پر بعض حضرات نے غلطی کھائی ہے کہ کیا بعض صحابہؓ کرام واقعی دنیا کے طالب تھے۔ سچی بات یہ ہے۔ کہ تمام صحابہؓ سچے اور مخلص اہل ایمان تھے ان میں محض دنیا کا طالب کوئی بھی نہیں تھا۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے وہ اپنے مقربین کی معمولی سی لغزش کا بھی نوٹس لیتا ہے۔ صحابہ کرامؓ بڑے پائے کے ربّی لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس معمولی سی غلطی پر بھی انہیں آزمائش میں ڈال دیا۔ اس موقع پر انکا مال غنیمت کا تعاقب بھی محض دنیا کے لیے نہیں بلکہ آخرت ہی کے لیے تھا۔ شرعی قانون کے مطابق مال غنیمت میں سے ہر مجاہد کو حصہ ملتا ہے، خواہ وہ خود اُسے جمع کرے یا کوئی دوسرا یہ فرض انجام دیتا رہے۔ لہذا اُن صحابہؓ کا مورچہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنا اس وجہ سے نہیں تھا۔ کہ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو حصہ سے محروم ہو جائیں گے، بلکہ یہ فریضہ بھی وہ تمام مسلمانوں کے مشترکہ مقصد کی خاطر ہی ادا کر رہے تھے۔ لہذا مال غنیمت کے تعاقب کو طلب دنیا سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے۔ اُن کے دوسرے ساتھی جو مورچے پر قائم رہے اور غنیمت کا کچھ خیال نہ کیا، وہ دنیا کی طلب کے بغیر محض آخرت کے طالب تھے۔ گویا دونوں گروہ درحقیقت آخرت ہی کے طلبگار تھے۔ ایک گروہ دنیا کے راستے

آخرت کا طالب تھا اور دوسرا براہِ راست آخرت چاہتا تھا۔ دنیا سے رغبت کسی کو نہ تھی چونکہ اس وقت مال غنیمت سامنے موجود تھا، اس لیے اسے طلب دنیا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بایں ہمہ صحابہ کرامؓ کی دنیاداری سے مراد وہ دنیا طلبی نہیں ہے جو ہماری اور بعد میں آنے والے لوگوں کی ہے۔ ہم لوگ دنیا کے خواہشمند بالذات ہیں جب کہ صحابہ کرامؓ طالب دنیا بالذات نہیں تھے۔ بلکہ طالب بالعرض تھے یعنی آخرت کی خاطر دنیا کے طالب تھے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی تنبیہ فرمادی۔ یہ ایک آزمائش تھی۔

غلطی معاف ہوگئی

اس آزمائش کے بعد فرمایا وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہاری غلطیوں کو معاف فرمادیا۔ ظاہر ہے۔ کہ جسے اللہ معاف فرمادے، وہ پاک ہوگیا۔ یہ غلطی کوئی قصداً یا عمداً نہیں ہوئی۔ بلکہ اجتہادی غلطی تھی جسے اللہ نے معاف کردیا۔ صحابہؓ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو ڈرانا بھی ضروری ہے اور مال غنیمت اکٹھا کرنا بھی لازم ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل ہو۔ چنانچہ اس بات پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی اور ساتھ تسلی بھی دے دی کہ اللہ نے تمہاری غلطی معاف کردی ہے کیونکہ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر فضل کرنے والا ہے

مسلمانوں کو زبوں حالی

آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس زبوں حالی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جب کہ وہ سخت افراتفری کے عالم میں مبتلا ہوگئے تھے ارشاد ہے اِذْ تُصْعِدُوْنَ جب تم اوپر جارہے تھے۔ صعود کا معنیٰ اوپر چڑھنا بھی ہے اور دور چلے جانا بھی۔ مقصد یہ ہے کہ جب کفار نے تم پر دو طرف سے حملہ کردیا، تو تم دباؤ میں آگئے اور ان کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ تم دور تک چلے گئے حتیٰ کہ پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ کسی کی طرف توجہ نہیں کررہے تھے۔ حالانکہ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ اللہ کا رسول تمہیں پیچھے سے پکار رہا تھا۔ آپ فرمارہے تھے اِلَیَّ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، میں تو یہاں ہوں۔ حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ نے لوگوں میں

سخت بددلی پیدا کر دی تھی۔ کافروں کا دباؤ پڑا۔ تو مسلمان بھاگ نکلے اور ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا فَاَثَابَکُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ تمہیں غم پر غم دیا۔ ایک شکست کا غم، دوسرے حضور علیہ السلام کی شہادت کا غم تھا فرمایا یہ آزمائش اس لیے ڈالی گئی تھی لِّکَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ تاکہ تم اس چیز پر غم نہ کرو، جو تم سے فوت ہو گئی ہے۔ یہ تو ابتلا تھی۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی استاذ اپنے شاگرد کی اصلاح کے لیے اُسے سزا دیتا ہے مقصد تمہاری اصلاح تھا تاکہ آئندہ اس قسم کی غلطی سے بچ جاؤ۔ نیز فرمایا ایسی چیز پر بھی غمگین نہ ہو وَلَا مَآ اَصَابَکُمْ جو تم کو پہنچی ہے۔ یعنی جو تکلیف اور پریشانیاں تمہیں آئی ہیں۔ نہ ان پر زیادہ فکر مند ہو اور نہ اُس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ یعنی اگر فتح حاصل نہیں ہو سکی۔ تو کوئی بات نہیں، فکر مت کرو، اللہ تعالےٰ آئندہ بہتر فتوحات عطا کرے گا۔ وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں سے باخبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات موجود ہے۔ کہ تمہاری غلطی محض اجتہادی غلطی تھی، لہٰذا اللہ نے اُس غلطی کو معاف کر دیا آئندہ محتاط رہو۔

اہل اسلام اور کفار میں مکالمہ

مسلمانوں پر عقب سے حملہ ہونے کی وجہ سے جب یہ افواہ اڑ گئی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں اور لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تو اللہ کے رسول نے آواز دی کہ بھئی! میں تو یہاں ہوں۔ پہلے تو کسی نے آپ کو پہچانا ہی نہیں۔ مگر بعد میں آپ کے صحابی حضرت کعبؓ نے آپ کو پہچان لیا اور مسلمانوں کو آواز دی کہ اللہ کے رسول یہاں زندہ سلامت موجود ہیں۔ اس پر لوگ پھر آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ اُس موقع پر ابوسفیان نے پکار کر کہا ابن ابی کبشہ کہاں ہے۔ قریش مکہ حضور علیہ السلام کو خاندان رضاعت کی بنا پر یہ لقب دیتے تھے۔ اور اس سے آپ کی (نعوذ باللہ) تحقیر مقصود ہوتی تھی۔ پھر ابوسفیان نے کہا ابن ابی قحافہ کہاں

ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی کنیت تھی۔ وہ سمجھا کہ سب شہید ہو گئے ہیں آگے سے کوئی جواب نہیں آرہا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے جواب دیا، اللہ کے دشمن! ہم سب یہاں موجود ہیں۔ اللہ کا رسول بھی ہے۔ ابوبکرؓ بھی ہے اور میں عمرؓ بھی ہوں۔ ابوسفیان نے نعرہ مارا اُعل ھبل یعنی ھبل کی جے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے جوابی نعرہ لگایا اللّٰہ اعلیٰ واجل اللہ ہی سب سے بڑا اور بزرگ ہے۔ ابوسفیان نے پھر کہا لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم ہمارا حامی عزیٰ ہے۔ اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم یوں کہو اللّٰہ مولانا ولا مولیٰ لکم ہمارا مولا اللہ ہے۔ اور تمہارا کوئی مولا نہیں۔ اُس نے پھر کہا۔ کہ ہم نے تمہارے شہیدوں کے ناک کان کاٹ ڈالے ہیں۔ نہ میں نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ میں اس پر ناراض ہوں۔ غرض میدان جنگ میں اس قسم کے مکالمے کا تبادلہ ہوا مسلمانوں نے ان پر دوبارہ حملہ کیا اور وہ واپس لوٹ گئے۔

باقی تفصیلات اگلی آیات میں دو تین رکوع تک آئیں گی۔

درس پنجاہ و سہ ۵۳ | آیت ۱۵۴ تا ۱۵۵

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

ترجمہ: پھر اتارا اللہ نے تمہارے اُوپر غم کے بعد امن اونگھ جو ڈھانپ رہی تھی ایک گروہ کو تم میں سے۔ اور ایک گروہ ایسا تھا کہ اُن کو فکرمند کیا تھا اُن کی جانوں نے۔ وہ گمان کرتے تھے اللہ کے بارے میں ناحق خیال، جاہلیت کا خیال۔ وہ کہتے تھے کیا معاملے میں ہمارے لیے بھی کچھ ہے؟ آپ کہہ دیجیے معاملہ سب کا سب اللہ

کے ہاتھ میں ہے۔ یہ اپنے نفسوں میں اُن باتوں کو چھپاتے ہیں، جن کو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اگر معاملے میں ہمارے لیے کچھ ہوتا، تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ آپ کہہ دیجیے، اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو وہ لوگ نکلتے جن پر قتل کیا جانا لکھ دیا گیا ہے اپنی قتل گاہوں کی طرف تاکہ اللہ تعالےٰ آزمائے اُس چیز کو جو تمہارے باطن میں ہے۔ اور تاکہ صاف کر دے اللہ تعالیٰ اُس چیز کو جو تمہارے دِلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے (۱۵۴) بیشک تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے پُشت پھیری جس دن دو جماعتوں کی آپس میں ٹکر ہوئی۔ بیشک اُن کو پھسلایا شیطان نے اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے۔ اور البتہ تحقیق اللہ نے اُن کو معاف کر دیا ہے بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور بردبار ہے (۱۵۵)

ربطِ آیات

اِن آیات کا تعلق بھی غزوہ احد ہی سے ہے۔ اس جنگ کی تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔ گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ اس جنگ کے دوران مسلمانوں کی کوتاہی کی بنا پر اُن پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ابتدائی فتح حاصل ہونے کے بعد مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ بہت سے اکابر صحابہؓ شہید ہوئے خود حضور علیہ السلام زخمی ہو گئے حتیٰ کہ آپ کی شہادت کی خبر بھی مشہور ہو گئی۔ تاہم اللہ تعالےٰ نے اہلِ اسلام کی غلطی کو معاف فرما دیا۔ کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ فتح حاصل کرنے کے باوجود وہاں ٹھہر نہ سکے بلکہ واپس بھاگ گئے۔ آج کے درس میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مہربانی فرما کر کس طرح اُن کے غم و اندوہ کو اطمینان میں بدل دیا۔

دورانِ جنگ نیند

ارشاد ہوتا ہے۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً پھر اللہ تعالیٰ نے غم کے بعد تم پر امن کی حالت نازل فرمائی۔ اور وہ امن کیا تھا نُّعَاسًا اونگھ تھی، جو تم پر طاری ہو گئی۔ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں۔ کہ دورانِ جنگ نیند یا اونگھ کا وارد ہو جانا حضور علیہ السلام کی نبوّت و صداقت کی عظیم دلیل

اور معجزہ ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ بہت سے مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔ بہت سے زخمی حالت میں تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود زخمی تھے۔ یہ تو سخت پریشانی کا عالم تھا۔ انسان کو نیند تو کجا ذرا سا چین بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں نیند کا آجانا اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی۔ اور عام قانون بھی یہی ہے۔ کہ اگر لڑائی کی حالت میں نیند طاری ہو جائے تو فتح و کامیابی کی علامت ہوتی ہے۔ یہ ایک نیک فال ہوتا ہے۔ کیونکہ تھکے ماندے پریشان حال شخص کو کچھ دیر کے لیے نیند آجائے، تو اُسے سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ پریشانی دُور ہو جاتی ہے۔ اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ نیند کی حالت صرف خالص ایمان والوں پر طاری ہوئی تھی۔ منافق اس نعمت سے محروم رہے۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں۔ کہ نیند یا اونگھ بھی ایسی طاری ہوئی کہ ہاتھ سے تلوار گر پڑتی تھی جسے پھر اُٹھانا پڑتا تھا، غرض اللہ تعالےٰ نے نیند کے ذریعے اہل ایمان کا غم دُور کر دیا، اُن کا بوجھ ہلکا کر دیا اور وہ پھر سے تازہ دم ہو گئے۔ سورۃ نبا میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا" اور ہم نے تمہاری نیند کو باعث سکون بنایا ہے۔ اور یہ سکون اہل ایمان کو عین جنگ کی حالت میں حاصل ہوا۔ يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ یہ اونگھ ڈھانپ رہی تھی تم میں سے ایک گروہ کو جو پکے سچے مسلمان تھے۔ منافقوں کو یہ چیز نصیب نہیں ہوئی۔

منافقوں کے شبہات

فرمایا منافقوں کی حالت اُس وقت یہ تھی وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ کہ اُس گروہ کو اُن کی جانیں فکر مند کر رہی تھیں اُن کو چین نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ وہ تو خوفزدہ ہو رہے تھے۔ کہ اب پتہ نہیں کیا ہوگا۔ ہم اس مشکل سے نکل سکیں گے یا نہیں۔ اُن کے دِلوں میں طرح طرح کے باطل خیالات آ رہے تھے يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق گمان کرتے تھے۔ غلط خیال قائم کرتے تھے۔ کہ شاید اللہ اُن کی مدد نہیں کرے گا۔ اور انہیں فتح حاصل نہیں ہوگی۔ اور یہ گمان ایسے ہیں ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ جاہلیت والے گمان ہیں۔ اور ساتھ ساتھ عقیدہ تقدیر کی تکذیب بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ ہو

رہا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے وہ مشیت الٰہی کے مطابق ہے جو کچھ اللہ کی تقدیر میں موجود ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ تقدیر ٹل نہیں سکتی۔ مومن تو اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو بھی خیر و شر آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت، ارادے اور مشیت سے آتا ہے مگر منافقین زمانہ جاہلیت کے گندے عقائد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ کیا معاملے میں ہمارے لیے بھی کچھ ہے؟ یعنی ہمیں تو غم پہ غم پڑ رہا ہے کیا ہمارے لیے اچھائی میں بھی کچھ حصہ ہے؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ اے نبی علیہ السلام آپ کہہ دیجیے کہ سارے کا سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اُسکے ارادے اور مشیت میں کسی کو مجال دخل نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اللہ تعالیٰ بتلا رہے ہیں کہ ان منافقوں کی حالت یہ ہے کہ یُخْفُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَكَ یہ لوگ اپنے نفسوں میں منافقانہ سازشوں اور گندے خیالات کو چھپاتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔

موت کا وقت مقرر ہے

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں۔ کہ یہ بدبخت اپنی منافقت کا انداز ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ یَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا کہتے ہیں۔ کہ اگر معاملے میں ہمارے لیے بھی کچھ ہوتا، تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کو ہماری بھلائی منظور ہوتی تو ہمارے اپنے آدمی شہید نہ ہوتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اِن کا یہ خیال باطل محض ہے۔ کہ اگر جنگ میں شریک نہ ہوتے تو بچ جاتے۔ بلکہ فرمایا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ اگر تم اپنے گھروں میں بھی پڑے ہوتے لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ تو جن لوگوں کی تقدیر میں موت لکھی جا چکی ہے وہ اپنے قتل گاہ کی طرف ضرور نکل آتے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کے علم میں ہے کہ فلاں شخص کی موت کس مقام اور کس وقت پر واقع ہوگی۔ لہٰذا یہ اُن کی خام خیالی ہے کہ اگر گھروں میں بیٹھ رہتے تو قتل نہ ہوتے جس خداوند کریم نے اُن کے قتل کا مقام مقرر فرما دیا وہ اُنکے اُس مقام پہ پہنچ جانے کا انتظام بھی فرما دیتا۔ لہٰذا اِس قسم کے باطل خیالات دِل میں نہیں لانے چاہییں بلکہ تقدیر خداوندی پر راضی ہو جانا چاہیے۔

مومن کی آزمائش

تقدیر پہ ایمان لانا ایک مومن کا جزو ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے بغیر کوئی چیز واقع نہیں ہوتی۔ جو انسان پیدا کیے گئے ہیں۔ اُن کے حوادثات بھی اُن کے ساتھ مقدر ہیں۔ غزوہ احد میں جو تکلیف پہنچی وہ مسلمانوں کے مقدر میں لکھی جا چکی تھی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت یوں بیان فرمائی وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے اُس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے ایسی ہی مشکل صورت حال میں کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے۔ یہ مقصد یہ تھا کہ آزما کر دیکھا جائے کہ ان میں سے کون سچے مومن ہیں اور کن کے دلوں میں کھوٹ موجود ہے۔ چنانچہ منافقین کا ایک گروہ تو احد کی طرف آتے ہوئے راستے سے ہی واپس ہو گیا۔ اور جو میدان جنگ میں پہنچ گئے، اُن میں سے بعض کے دلوں میں مختلف وسوسے پیدا ہونے لگے۔ کہ ہمیں فتح کیوں نہیں حاصل ہو رہی ہے، اور یہ کہ اگر ہم اس جنگ کے لیے باہر نہ نکلتے تو شاید قتل ہونے سے بچ جاتے وغیرہ وغیرہ، اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے کھرے اور کھوٹے کی آزمائش فرمائی۔ کیونکہ جو راسخ العقیدہ مسلمان تھے وہ ہر حالت میں ثابت قدم رہے۔

اس آزمائش کی دوسری حکمت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ اور تاکہ اللہ تعالیٰ اُس چیز کو صاف کر دے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ مطلب یہ کہ دلوں میں جو مختلف وسوسے اور شبہات پیدا ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو دور کر کے اہل ایمان کے دلوں کو ایسی اشیا سے پاک صاف کر دیا۔

اس مقام پہ آزمائش کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے صدور کا لفظ فرمایا کہ تمہارے سینوں میں جو بات پوشیدہ ہے اس کو آزمائے۔ اور آگے جہاں پاک صاف کرنے کا ذکر ہے وہاں قلوب کا لفظ آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ عقیدہ، ایمان اور اخلاص کا مرکز دل ہے لہٰذا اس کی پاکیزگی کی ضرورت ہے تاکہ انسان کا عقیدہ اور ایمان درست ہو جائے اور اس میں دین کے لیے اخلاص پیدا ہو جائے۔

یہی وجہ ہے۔ کہ مومن لوگ امتحان میں بالکل پاک صاف ہو کر نکلتے ہیں۔ جب کہ روگی دِل والے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اس آزمائش کے ذریعے ہم نے تمہارے دلوں میں موجود میل کچیل کو صاف فرما دیا۔ تمہیں احساس ہو گیا کہ فلاں غلطی کی وجہ سے ہم پر یہ سختی آئی ہے۔ لہٰذا آئندہ کے لیے خبردار اور مستعد ہو گئے۔ اسی لیے علامہ اقبال کہتے ہیں "مرد را روزِ بلا روزِ صفا است" یعنی مردِ مومن کے لیے مصائب و مشکلات کا دن اس کے لیے باطنی صفائی کا دِن ہوتا ہے۔ اسی طرح پرانے شعراء بھی کہتے ہیں
حوادثات اور مصائب کی خوبی اللہ ہی کے لیے ہے کیونکہ یہ مصائب کمینوں کے لیے زنگ آلودگی اور شریف لوگوں کے لیے دلوں کی صیقل کا باعث ہوتے ہیں۔ اسی طرح لوہے کی زبان سے کہلوایا۔
میں تو فقط ایک ٹکڑا تھا۔ پھر تو نے مجھے مصائب میں ڈال کر تلوار بنا دیا۔ اور حوادثات کی گردش نے میری دھار کو تیز کر دیا۔ مطلب یہ کہ انسان مصائب کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتا ہے۔ جب آزمائش آئے تو اس پر جزع فزع کرنے کی بجائے اُسے خوش دلی سے قبول کرنا چاہیئے۔ اور اپنے عقیدے پر ثابت قدم رہنا چاہیئے۔
اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ ریاضت و عبادت کا مقصد انسان کے نسمہ کی پاکیزگی ہے۔ نسمہ سے مراد روح ہے۔ جو مصائب و مشکلات میں پاک صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے نسموں کو پاک کر دیا۔ اُن کے دلوں کی کجیاں دُور ہو گئیں۔ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ اللہ تعالیٰ تمہارے دِلوں کے رازوں کو جاننے والا ہے۔ اس سے تمہاری کوئی چیز پوشیدہ نہیں، خواہ وہ زبان پر ہو یا سینے میں ہو۔ لہٰذا اپنے نسمہ کو پاک صاف رکھو۔ اس میں بُرے خیالات کو جگہ نہ دو۔ ہر اچھائی اور تکلیف اللہ کی مقرر کردہ تقدیر کے مطابق واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطابق وقتاً فوقتاً تمہارا امتحان

میدان رہتا ہے۔ اور مبارک باد کے مستحق ہیں وہ لوگ جو اس امتحان میں پورا اترتے ہیں

شیطان کا پھسلاوا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسرے گروہ کا ذکر فرمایا جو اس امتحان میں پورا نہ اتر سکے۔ اور پھر اس لغزش کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے پشت پھیری اس دن، جس روز دو جماعتوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ اور یہ جنگ اہل اسلام اور کفار کے درمیان تھی۔ اس جنگ میں مسلمان سخت افراتفری کے عالم میں مبتلا ہو گئے اور ان کی اکثریت میدانِ جنگ سے بھاگ نکلی۔ صرف قلیل تعداد میں مخلص لوگ ثابت قدم رہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ تھی۔ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ان کے بعض اعمال یعنی کوتاہیوں کے سبب شیطان نے انہیں پھسلا دیا۔ تمام مسلمان بد دل نہیں ہوئے تھے بلکہ ان میں سے بعض نے کمزوری دکھائی حالانکہ اس سے پہلے اسلام کے لیے ان کی بڑی بڑی قربانیاں موجود تھیں۔ ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل ہیں جو سابقین الاولین اور پہلی ہجرت یعنی حبشہ کی ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں۔ مگر اس موقع پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔ بعض بزرگانِ دین فرماتے ہیں۔ کہ اس موقع پر آپ کے دل میں کچھ کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ بہت سے اکابر صحابہؓ شہید ہوئے، خود حضور علیہ السلام کو زخم آئے بلکہ شہادت کی خبر مشہور ہوئی۔ افراتفری کے عالم میں حضرت عثمانؓ کے پائے ثبات میں لغزش آگئی، جسکی وجہ سے شیطان مخل ہوا۔ اس نے وسوسہ ڈالا اور پھر آپ ٹک نہ سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ مگر جلد ہی دل کی وہ میل کچیل صاف ہو گئی۔ حضور علیہ السلام کے زندہ ہونے کی خبر ملی اور آپ واپس آگئے۔ اس کے بعد پھر گھمسان کی لڑائی ہوئی اور کافروں کو بھاگتے بنی۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پھر راست قدم کر دیا۔

اللہ کی طرف سے معافی

بہر حال صحابہ کرامؓ کی یہ لغزش تھی کہ وہ ثابت قدم نہ رہ سکے، اللہ کا نبی زخمی حالت میں موجود ہے، وہ پکار رہا ہے۔ کہ اللہ کے بندو! کدھر جا رہے ہو،

اس طرف آؤ، یہ یقیناً غلطی تھی، جو بعض کوتاہیوں کی وجہ سے واقع ہوئی۔ شیطان نے وسوسہ اندازی کی۔ مگر اس کے باوجود وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھُمْ اللہ نے اُن کو معاف فرمادیا۔ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ "وَلَقَدْ عَفَا عَنْکُمْ"۔ اب پھر دہرایا جارہا ہے کہ اللہ نے اُن غلطیوں سے درگزر فرمایا۔ لَقَدْ تاکید کے لیے ہوتا ہے۔ البتہ تحقیق اللہ اُن کو معاف فرما چکا ہے۔ صحابہؓ کی اس عام معافی کے بعد اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اُن پہ نکتہ چینی کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیا۔ کہ آپ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ واقعہ ایسا ہی ہے مگر اُس کی وجہ کیا تھی۔ وہ تو بخوشی شریک جہاد ہونا چاہتے تھے۔ مگر حضور علیہ السلام نے منع فرمادیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور آپ کی زوجہ بیمار تھیں۔ اللہ کے رسول نے حضرت عثمانؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں ٹھہر جائیں آپ نے اُن کی تسلی کے لیے فرمایا۔ کہ آپ کی اس جنگ میں عدم شرکت کے باوجود اللہ تعالیٰ آپ کو شریک ہونے والوں جیسا اجر عطا کریگا۔ اور اللہ کا رسول غنیمت میں ویسا ہی حصہ عطا کریگا، جیسا کہ جہاد میں شرکت کرنے والوں کو ملیگا۔ بات واضح ہوگئی۔ کہ جنگ بدر میں حضرت عثمانؓ کی عدم شرکت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کی وجہ سے تھی۔ حضور علیہ السلام کی لخت جگر اسی دوران فوت ہوگئیں۔ اور حضور علیہ السلام نے حضرت عثمانؓ کو مالِ غنیمت سے برابر کا حصہ دیا۔ چنانچہ حدیث میں حضرت عثمانؓ کا نام بدری صحابہؓ میں موجود ہے۔

آپ پہ یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ بیعت رضوان حدیبیہ میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کو حضور علیہ السلام نے کفار مکہ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ اس وقت اس کام کے لیے آپ سے بہتر کوئی شخص نہیں تھا۔ اور بیعت رضوان کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر مشہور ہوگئی۔ بیعت رضوان

تو اُن کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کے لیے ہوئی تھی لہذا اس واقعہ میں اُن کی شرکت کیونکر ممکن تھی۔ غرضیکہ لوگوں کا یہ اعتراض بھی قابل قبول نہیں۔

حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کی ان لغزشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کا اعلان فرما دیا۔ لہذا جو شخص اس کے بعد بھی صحابہ کبارؓ پہ طعن تشنیع کا مرتکب ہوگا، اس کے اپنے ایمان میں فتور ہوگا۔ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ کے متعلق تو خود قرآن پاک میں ارشاد فرمایا "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔ صحابہ کرامؓ کو رضائے الٰہی کی ڈگری حاصل ہوچکی ہے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ بیشک اللہ تعالےٰ بخشش کرنے والا اور بردبار ہے۔ وہ فوراً گرفت نہیں کرتا۔ بلکہ اہل ایمان کو موقع دیتا ہے۔ کہ اس قسم کی لغزشوں سے پرہیز کریں۔

درس پنجاہ وچہار ۵۴

آیت ۱۵۶ تا ۱۵۸

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَقَالُوا۟ لِإِخْوَٰنِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ أَوْ كَانُوا۟ غُزًّى لَّوْ كَانُوا۟ عِندَنَا مَا مَاتُوا۟ وَمَا قُتِلُوا۟ لِيَجْعَلَ ٱللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِى قُلُوبِهِمْ ۗ وَٱللَّهُ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ ۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى ٱللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾

نفس ترجمہ

اے ایمان والو! تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائی بندوں سے کہا جب کہ انہوں نے زمین میں سفر کیا یا وہ مجاہد تھے۔ کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے یا نہ مارے جاتے، تاکہ کر دے اللہ اس بات کو حسرت اُن کے دلوں میں۔ اور اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کام کرتے ہو (۱۵۶) اور اگر تم اللہ کے راستے میں مارے گئے یا مر گئے البتہ بخشش اللہ کی جانب سے اور مہربانی، بہتر ہے اس چیز سے جس کو یہ جمع کرتے ہیں (۱۵۷) اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف تم سب اکٹھے کئے جاؤ گے (۱۵۸)

ربط آیات

گذشتہ دروس میں گذر چکا ہے اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کی خاص طور پر تلقین فرمائی ہے۔ ایک بات یہ کہ اے مسلمانو! صبر و استقلال سے کام لینا اور اللہ کے فرستادہ

انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متبعین کا اسوہ اختیار کرنا۔ اور دوسری بات یہ کہ کافروں کا کہنا نہ ماننا۔ اب اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور خاص طور پر منافقین کے غلط پراپیگنڈا سے متاثر نہ ہونے کی تلقین کی ہے۔ غزوہ احد میں تین سو منافق ابتداء ہی میں لشکر اسلام سے علیحدہ ہو گئے جو کہ صریح غداری تھی۔ پھر ان میں سے جو لوگ شریک جنگ بھی ہوئے، وہ بھی دل شکستگی کے ساتھ، گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ کس طرح انہوں ـــــ نے بزدلی کا مظاہرہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی وقتی شکست کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند کی صورت میں امن نازل فرمایا جب کہ منافق اس نعمت سے محروم رہے۔ انہیں اپنی جانوں کی فکر لاحق ہو رہی تھی۔ وہ ایسا محسوس کر رہے تھے کہ شاید وہ اب زندہ سلامت واپس نہیں جا سکیں گے۔ بہرحال آج کے درس کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی توجہ منافقین کی ایک اور سازش کی طرف دلا کر اُس سے بچنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

منافقین کی تدبیر

ارشاد ہوتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا اے ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ ان کفار میں منافقین کا گروہ بھی شامل ہے۔ خاص طور پر اعتقادی منافق اس جماعت کے بدترین لوگ ہوتے ہیں، جن کے متعلق خود قرآن پاک کا فیصلہ ہے "اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" یعنی ایسے منافقین کا ٹھکانا جہنم کے سب سے نیچے والے خطرناک گڑھے میں ہو گا۔ ان کی سازش اب یہ ہے۔ وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ کہ انہوں نے اپنے بھائی بندوں کے بارے میں کہا تھا۔ اور بھائی بندوں سے مراد مسلمان ہیں۔ اور یہ بات انہوں نے اُس وقت کہی اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ جب انہوں نے یعنی مسلمانوں نے زمین میں سفر کیا اَوْ كَانُوْا غُزًّى یا جب وہ جہاد میں شریک ہوئے مطلب یہ کہ جب کبھی مسلمان تجارتی یا دیگر سفر پر گئے اور وہاں موت آگئی۔ یا پھر کسی جہاد میں شریک ہوئے تو شہادت نصیب ہو گئی۔ ایسی صورت حال میں منافقین کہنے

لگے لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا اگر یہ مسلمان ہمارے پاس ہوتے یعنی مذکورہ سفر پر نہ جاتے یا جنگ میں شریک نہ ہوتے تو کیا ہوتا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا نہ وہ مرتے اور نہ مارے جاتے یعنی اُن کی جان بچ جاتی۔ دراصل منافق مسلمانوں کو سفر اور جہاد سے بدظن کرنا چاہتے تھے۔ کہ یہی چیزیں ان کی موت کا سبب بن رہی ہیں، لہٰذا اُن کو نہ کسی سفر پہ جانا چاہیئے۔ اور نہ کبھی جہاد میں شریک ہونا چاہیے۔

اِس آیت کریمہ میں اِخْوَانِهِمْ کا لفظ توجہ طلب ہے۔ منافقین اور مسلمانوں کو بھائی بند کہا گیا ہے۔ اور یہ اس اعتبار سے کہ مدینے میں رہنے والے سارے قومی بھائی تھے۔ مختلف خاندانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود بحیثیت قوم یہ لوگ بھائی بھائی تھے۔ ایسا بھی تھا کہ ایک ہی خاندان کے افراد ہونے کے باوجود بعض لوگ مسلمان ہو گئے، بعض منافق اور کافر رہے اور اُنمیں سے بعض یہودی تھے۔ لہٰذا یہ سب لوگ آپس میں ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اور پھر ان میں رشتہ داری اور قرابت بھی تھی، اس واسطے اخوان کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ منافق کافروں نے اپنے مسلمان بھائی بندوں سے کہا کہ تم خواہ مخواہ دور دراز کا سفر اختیار کرتے ہو اور جہاد میں شریک ہو کہ اپنی موت کو دعوت دیتے ہو۔ ہماری طرح گھر میں بیٹھے رہتے تو تمہاری جان بچ جاتی۔

حسرت والی

ایسی بات کرنے سے منافقین کا مقصود یہ ہے۔ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ تاکہ اللہ تعالیٰ اُن (مسلمانوں) کے دِلوں میں حسرت پیدا کر دے۔ اُن کے دِل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ منافقین بات تو صحیح کہتے ہیں۔ واقعی اگر جہاد میں شریک نہ ہوتے تو ہمارے آدمیوں کی جان بچ جاتی۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہے۔ کہ منافقین کی ایسی مایوس کن باتوں میں نہ آئیں۔ بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق جہاد میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوں کیونکہ دینِ اسلام اور مسلمانوں کی بقا اسی راز میں مضمر ہے۔

حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

منافقین کے دلوں میں حسرت پیدا کر دے۔ اگر مسلمان کفار و منافقین کی اس چال میں نہ آئیں اور وہ سفر اور جہاد میں برابر شریک ہوتے رہیں تو یہ چیز خود منافقین کے لیے باعثِ حسرت ہو گی کہ اُن کی تمام تر سعی کے باوجود مسلمان اُن کے بہکاوے میں نہیں آئے، لہٰذا اُن کے دلوں میں حسرت و یاس پیدا ہو گی اور وہ خود اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں جلتے رہیں گے۔

موت و حیات کا سررشتہ

گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ موت و حیات کا سررشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کوئی شخص اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں مرتا۔ جس شخص کی جس وقت موت مقدر ہو چکی ہے، لامحالہ اس میں سرمو فرق نہیں آسکتا، کوئی گھر میں بیٹھا ہے یا سفر و جہاد میں شامل ہو موت کا وقت بہر حال معین ہے۔ کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔ لہٰذا کفار و منافقین کا یہ کہنا کہ مسلمان جہاد میں شریک ہو کر خود موت کے منہ میں جاتے ہیں۔ ناقابلِ فہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بات سمجھا دی کہ اگر اس قسم کا عقیدہ مسلمانوں میں بھی پیدا ہو جائے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ انہیں اپنے عقیدۂ موت و حیات پر ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ کیونکہ وَاللّٰهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ زندہ کرنا اور موت دینا تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ موت و حیات کا مالک تو وہ ہے جب تک چاہے کسی کو زندہ رکھے اور جب چاہے اُسے اپنے پاس بلالے۔ اس کی حکمت کو وہی مالک الملک جانتا ہے۔ محض جہاد میں شرکت موت کو دعوت دینے والی بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ دیکھیے حضرت خالد بن ولیدؓ اسلام کے عظیم سپاہی اور قابل جرنیل تھے۔ انہوں نے یرموک اور موتہ جیسے عظیم معرکے سر کیے۔ اُن کے جسم کا ایک بالشت مقام بھی ایسا نہیں تھا۔ جہاں پر تیر، تلوار، یا نیزہ کا زخم نہ آیا ہو، مگر میدانِ جہاد میں شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ زندگی کے آخری حصہ میں افسوس کا اظہار کیا کرتے تھے، کہ بے شمار جنگوں میں حصہ لیا، مگر تمام تر خواہشات کے باوجود شہادت نصیب نہیں ہوئی اور موت بستر پر آرہی ہے فرماتے تھے فَلَا قَرَّتْ اَعْيُنُ الْجُبَنَاءِ خدا اس بزدل کی آنکھیں ٹھنڈی نہ کرے

جو موت کے ڈر سے جہاد میں شریک نہیں ہوتا۔ اسے میری حالت سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے میں نے کتنے جہاد کیے بسا اوقات دشمن کے نرغہ میں رہا ہوں مگر انکے ہاتھوں موت نہیں آئی۔ لہٰذا جہاد سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ موت کا خوف دلانا منافقین کی چال ہے اس سے خبردار رہنا چاہیئے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کام کرتے ہو۔

شہداء کے لیے انعام

آگے ارشاد ہوتا ہے وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اگر تم اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے اَوْ مُتُّمْ یا طبعی موت مرے تو اس کا ماحصل یہ ہو گا۔ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری بخشش کا اعلان ہو جائے گا۔ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ غلطیاں قلم زد کر دی جائیں گی۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی عبادت کے پس منظر میں تین نظریات ہوتے ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی عبادت کرتا ہے۔ وہ مامورات اور منہیات کو اس لیے انجام دیتا ہے کہ کہیں خدا کی گرفت میں نہ آجائے۔ اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہوتا ہے "فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ" کہ جس شخص کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر لیا گیا، وہی کامیاب و کامران ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر عبادت گزار کو خدا کی جانب سے مغفرت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کہتا ہے جاؤ تمہاری غلطیاں معاف کر دی گئی ہیں۔ غزوہ احد میں مسلمانوں سے غلطی ہوئی۔ مگر وہ خالص خدا پرست لوگ تھے۔ جونہی غلطی کا احساس ہوا، پھر اکٹھے ہو گئے اور جانبازی کا ثبوت دیا۔ انہوں نے بلاشبہ اللہ کی مغفرت حاصل کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا "وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ"۔ اللہ نے ان کو معاف فرما دیا۔

مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ عبادت کرتے وقت کسی شخص کے پیش نظر جو دوسری چیز ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتیں حاصل ہوں، اس کی خوشنودی اور تقرب حاصل ہو اور اس کے صلہ میں اسے بلند درجہ نصیب ہو۔ فرمایا ایسے شخص

کا مقام رحمت ہے۔ اسی لیے فرمایا اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کا صلہ مغفرت اور رحمۃ ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ سمجھا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ اُن چیزوں سے بہتر ہے جن کو یہ دنیا میں اکٹھا کرتے ہیں۔ یہ چند روزہ دنیا ہے۔ اس کا مال و اسباب اور روپیہ پیسہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے مقابلے میں صفر ہے۔ اصل چیز ایمان اور نیکی ہے۔ لہٰذا اس کو اختیار کرنا چاہیئے۔ اور منافقوں کی چال میں نہیں آنا چاہیئے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔ کہ کسی عبادت گزار کے پیش نظر تیسرا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے وہ یہی دعا کرتا ہے اَسْئَلُكَ رِضَاكَ اے مولا کریم! میں تیری رضا چاہتا ہوں۔ اور یہ سب سے بلند مقام ہے

اللہ کے حضور پیشی

آگے ارشاد ہوتا ہے وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ اگر تم طبعی موت مر و یا شہید ہو جاؤ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ تو لامحالہ تم سب خدا تعالیٰ کی طرف ہی اکٹھے کیے جاؤ گے۔ مومن کا یہ ایمان ہے کہ مرنے کے بعد اُسے براہ راست خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے بعث بعد الموت پہ اُس کا یقین ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ زندہ رہنے میں ہی تمہارا فائدہ ہے، مرنے کے بعد محروم ہو جاؤ گے۔ بلکہ یاد رکھو! تمہیں بہر حال اللہ کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ اور وہ باز پرس بھی کر سکتا ہے۔ لہٰذا موت کے ڈر سے جہاد سے اجتناب نہ کرو۔ مجرم اور گنہگار بن کر رب العزت کے حضور پیش نہ ہونا بلکہ ایسے اعمال لے کر حاضر ہونا جن کی وجہ سے تمہیں اللہ کی مغفرت اور مہربانی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منع فرما دیا کہ کافروں اور منافقوں کی مشابہت اختیار نہ کریں۔ اُن کی سازش کا شکار نہ ہوں اور اپنے دین پر قائم رہیں۔

لن تنالوا ۴

آل عمران ۳

درس پنجاہ و پنج ۵۵

آیت ۱۵۹ تا ۱۶۰

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۱۵۹﴾ إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۶۰﴾

ترجمہ: پس اللہ کی رحمت سے آپ اِن کے لیے نرم خو ہیں۔ اور اگر آپ سخت مزاج اور تنگ دِل ہوتے، تو یہ لوگ آپ کے ارد گرد سے پراگندہ ہو جاتے پس اِن کو معاف کر دیں اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگیں اور معاملے میں ان سے مشورہ کریں۔ پس جب آپ نے پختہ ارادہ کر لیا، تو اللہ پر بھروسہ کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (۱۵۹) اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریگا، پس تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اور اگر وہ تمہیں رسوا کر دے تو کون ہے۔ جو اس کے سوا تمہاری مدد کرے۔ اور چاہیئے کہ ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں (۱۶۰)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو خبردار کیا کہ کافروں کے ساتھ مشابہت نہ کریں۔ وہ تمہیں بزدل بنا کر دین اسلام سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جہاد میں شریک ہونے والا لازماً ہی

شہید نہیں ہوگا، بلکہ اگر اس کی زندگی باقی ہے، تو وہ میدانِ جنگ سے بھی زندہ سلامت واپس آئے گا۔ اور جس شخص کی موت لکھی جا چکی ہے وہ اگر اپنے گھر میں بھی بیٹھا ہوگا تو عین موقع پر اپنی قتل گاہ پر پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بھی یاد دلایا کہ اگر وہ راہِ خداوندی میں شہید ہو گئے تو اللہ کی مہربانی اُن کے شاملِ حال ہوگی۔ اور دُنیا کے اُس مال و متاع سے بہتر ہوگی جسے لوگ زندگی بھر اکٹھا کرتے رہتے ہیں۔
فرمایا کوئی طبعی موت مرے یا راہِ حق میں شہید ہو جائے، سب کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اکٹھا ہونا ہے، جہاں تمہاری بہتری کے وافر سامان موجود ہیں، لہٰذا موت سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔

اب آج کے درس کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کی تعریف فرمائی ہے۔ کہ اللہ کے فضل سے آپ نہایت ہی نرم دل، شفیق اور مہربان ہیں۔ اپنے صحابہ کے ساتھ حسن سلوک فرماتے ہیں۔ غزوہ احد کے موقع پر انہوں نے غلطی ضرور کی۔ جس کی وجہ سے بہت سی تکلیف اٹھانا پڑی۔ مگر بہرحال یہ لوگ مخلص تھے۔ آپ ان کی غلطیوں کی اصلاح فرمائیں اور آپ تنگ دل ہو کر اِن پر ناراض نہ ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو دین کی ترقی رُک جائے گی اور مسلمانوں کی جو تھوڑی سی جماعت قائم ہوگئی ہے۔ اس کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہے

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے اخلاقِ حمیدہ اور اپنی خصوصی عنایت کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب لِنْتَ لَهُمْ آپ اُن کے لیے نرم ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے۔ کہ آپ کو اپنے صحابہ کے لیے نرم بنایا۔ یہاں پر فَبِمَا میں مَا زاید ہے۔ عربی زبان میں یہ تاکید کے لیے آتا ہے اور اس کی مثالیں قرآنِ پاک میں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ جیسے فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ پس بہ سبب بنی اسرائیل کے عہد و پیمان توڑنے کے ہم نے اُن پر سختیاں کیں اور اُن کو گرفت میں لیا۔ عربی کا مشہور شاعر اعشیٰ بھی اپنے کلام میں مَا کا لفظ اسی

معنوں میں استعمال کرتا ہے۔

اذهبي ما اليك ادركني الحلم
عداني عن هيجكم اشفاقي

جاؤ اب میرے اندر بردباری آگئی ہے۔ تم جس شوق و محبت سے مجھے ابھارتی تھی وہ اب مجھ سے دور ہوگئی۔ مجھے خود بھی خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔

بہر حال یہ ما تاکیدی ہے۔ اگر اس کو درمیان سے ہٹا بھی دیا جائے تو معنی میں خاص فرق نہیں آئے گا جیسے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ اللہ کی مہربانی سے لِنْتَ لَهُمْ آپ اُن کے لیے نرم ہیں۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا اور اگر آپ تند خو ہوتے یا سخت مزاج ہوتے، یا پھر غَلِيْظَ الْقَلْبِ تنگ دل ہوتے لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ تو یہ لوگ آپ کے ارد گرد سے پراگندہ ہو جاتے۔ یہ اللہ کا فضل عظیم ہے کہ آپ عالی اخلاق اور نرم مزاج ہیں۔ آپ کی رحم دلی کا یہ عالم ہے۔ کہ غزوہ احد میں جلیل القدر صحابہؓ کے تتر بتر ہو جانے کے باوجود آپ نے اُن کو ملامت نہیں کی اور نہ اُن سے سختی سے پیش آئے۔ آپ نے ہر ممکن حد تک صحابہ کی اصلاح فرمائی ہے۔ اگر آپ دنیوی سلاطین کی طرح صاحب اقتدار ہوتے تو صحابہؓ کی اس غلطی کا سختی سے نوٹس لیتے اور اُن کو سرزنش کرتے۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں ہوئی، کیونکہ آپ نرم دل اور شائستہ مزاج تھے۔ اگر آپ میں یہ عالی ظرفی نہ ہوتی، تو لوگ آپ کے گرد جمع نہ ہوتے۔

بخشش معافی اور مشورہ

اس بات کا امکان تھا کہ حضور علیہ السلام کے دل میں کچھ رنجش باقی رہتی کہ صحابہ کرامؓ نے خلاف توقع عمل کیوں کیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سفارش کردی فَاعْفُ عَنْهُمْ اے نبی کریم اپنے صحابہ کی یہ لغزش معاف کردیں دل میں اُن کے متعلق کسی قسم کا رنج نہ رکھیں بلکہ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں۔ ظاہر ہے۔ کہ جس شخص کے لیے اللہ کا رسول بخشش طلب کریگا۔ وہ ضرور فائز المرام ہوگا۔

اس بات کا بھی امکان تھا کہ حضور علیہ السلام کے دل میں کوئی رنج تو باقی نہ رہے مگر ان کی لغزش کی وجہ سے آئندہ آپ صحابہ سے مشورہ ہی نہ کیا کریں۔ جیسے غزوہ احد کے موقع پر کیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں بھی صاف فرما دیا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور معاملات میں ان سے مشورہ فرمالیا کریں۔ حضور علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ جنگ یا دیگر معاملات میں صحابہ سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔

ہاں مشورہ کی ضرورت ان امور میں پیش آتی تھی جن میں وحی الٰہی کے ذریعے واضح حکم موجود نہیں ہوتا ہے کیونکہ جہاں اللہ کا حکم موجود ہو۔ وہاں اس کا اتباع لازم ہے، جیسا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ جیسے فرائض میں احکام الٰہی کا اتباع ضروری ہوتا ہے۔ اور اگر وحی نہ آئے تو پھر پیغمبر علیہ السلام اجتہاد بھی کرتے ہیں اور مشورہ بھی افک کے معاملہ میں مہینہ بھر وحی نہ آنے کی وجہ سے آپ پریشان تھے۔ آپ منبر پر کھڑے ہو کر فرماتے تھے يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَشِيرُوا عَلَيَّ لوگو! مجھے مشورہ دو کہ اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیئے، میں نے تو اپنی بیوی میں کوئی برائی نہیں دیکھی مگر بعض لوگ برائی کا خیال ظاہر کرتے ہیں۔ پھر جب وحی نازل ہوگئی تو سارے اتہام اور بہتان ختم ہو گئے، آپ کی تسلی ہوگئی اور مجرموں کو سزا دی گئی۔ منافقوں کو ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار دے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کے متعلق دو رکوع نازل فرمائے۔

مشاورت کی مثالیں

حضور علیہ السلام نے بہت سے معاملات میں اپنے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ غزوہ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کا مشورہ سلمان فارسیؓ نے دیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا حضور! میں نے اپنے ملک میں دیکھا ہے کہ جب دشمن ہجوم کرتا ہے۔ تو بسا اوقات اپنے شہروں اور بستیوں کے ارد گرد خندق کھود کر دفاع کیا جاتا ہے۔ آپ نے اس مشورہ کو شرفِ قبولیت بخشا اور خندق کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مدینہ کی تین اطراف میں خندق کھود دیا گیا۔ اور ایک طرف خود دشمن کا دفاع کیا۔ مجاہدین صرف تین چار ہزار تھے۔ جب کہ مقابلے میں پچیس ہزار کا جم غفیر تھا۔ مشرکین نے بڑی تیاری اور ساز و سامان کے ساتھ حملہ کیا مگر ناکام ہے

آپ نے فرمایا، مشرکوں کا یہ آخری حملہ تھا، آئندہ وہ حملہ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے
بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے ہم ہی اُن پر حملہ آور ہوں گے۔
اسی جنگ کے دوران جب دشمن کا دباؤ زیادہ بڑھ گیا تو حضور علیہ السلام کا خیال ہوا کہ قبیلہ غطفان کے بعض سرداروں سے معاہدہ کر لیا جائے۔ آپ کا خیال تھا۔ کہ مدینے کے درختوں کی آمدنی یا پھل کا کچھ حصہ اس قبیلہ کو پیش کر دیا جائے اور اس کے بدلے میں اُن سے عہد لیا جائے کہ وہ مشرکوں کا ساتھ نہ دیں۔ معاملہ بڑا ہی نازک تھا۔ خطرے کی وجہ سے مسلمانوں کے دل اچھل کر گلے تک آ رہے تھے۔ اس منظر کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب یوں بیان فرمایا "بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ" اس تمام تر دباؤ کے باوجود مدینے کے انصار صحابہ حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے حضور علیہ السلام کی رائے سے اتفاق نہ کیا بلکہ عرض کیا حضور! ہم اپنے دفاع کی سر توڑ کوشش کریں، ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے بہتری کا سامان پیدا کرے گا، مگر مدینے کی آمدنی کا کچھ حصہ قبیلہ غطفان کو دینا منظور نہیں ہے حضور علیہ السلام نے ان صحابہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ آپ نے مجوزہ معاہدہ نہ کیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کی مدد فرمائی اور مشرک ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے۔
اسی طرح غزوہ بدر کے موقع پر حباب بن منذر نے مشورہ دیا تھا کہ اگر ہم فلاں مقام پر پڑاؤ کریں تو ہمیں پانی اور دیگر ضروریات کے حصول میں سہولت رہے گی آپ نے اس رائے کو قبول فرماتے ہوئے اسی مقام پر ڈیرا جمایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی مسلمانوں کی مدد فرمائی اور انہیں فتح عظیم سے نوازا۔ غرضیکہ اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن میں نبی کریم علیہ السلام نے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ کا واضح حکم بذریعہ وحی نہیں ملتا تھا تو آپ مشورہ بھی کرتے تھے اور اجتہاد بھی فرماتے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مشورہ کا قانون بھی سمجھا دیا۔

شوریٰ کی فقہی حیثیت

مشورے کی فقہی حیثیت کے متعلق بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ نبی علیہ السلام کے لیے مستحب تھا، مگر بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ

شاوِرھُم امر کا صیغہ ہے۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کا صحابہ سے مشورہ فرمانا وجوب کا درجہ رکھتا ہے۔ جو حضرات مستحب ہونے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں، کہ آپ کے لیے مشورہ کرنا ضروری نہیں تھا، بلکہ صحابہ کرام کی طیبِ خاطر کے لیے تھا۔ امام ابُوبکر جصاص بہت بڑے مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ انہوں نے قرآن کے احکام پہ عظیم کتاب لکھی جس میں صرف احکام پہ بحث کی گئی ہے۔ آپ حنفی امام تھے رئی کے رہنے والے تھے۔ یہ علاقہ بڑا مردم خیز خطہ ہوا جس میں امام عبدالقادر رازی عبداللہ بن مبارک، امام فخر الدین رازی وغیرہ ہوئے ہیں۔ امام ابُوبکر جصاص فرماتے ہیں۔ کہ شاوِرھُم کا حکم وجوبی ہے جس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل نہ ہو اُس معاملہ میں حضور کا صحابہ سے مشورہ کرنا واجب تھا۔ البتہ یہ بات قابلِ غور ہے کہ مشورہ کن صحابہ سے کیا جائے۔ ہر شخص تو مشورہ دینے کا اہل نہیں ہوتا۔ اس کا الگ قانون موجود ہے۔ تاہم حضور علیہ السلام اکثر معاملات میں کبار صحابہؓ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے کو تسلیم کیا اگرچہ حضرت عمرؓ کی رائے مختلف تھی۔ مسند احمد کی حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ سے فرمایا لو جتمعتما ما خالفتکما اگر تم دونوں کسی معاملہ میں متفق ہو جاؤ۔ تو میں تمہارے خلاف نہیں کروں گا۔ یعنی تمہاری رائے کو اختیار کر لوں گا۔ شیخانؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نہایت ثقہ لوگ تھے، صاحب فہم، موقع شناس اور سمجھدار تھے۔ لہٰذا آپ ایسے ہی لوگوں سے مشورہ فرمایا کرتے۔ غرضیکہ اکثریت کی رائے یہ ہے۔ کہ مشورہ کا حکم وجوبی ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ بھی فرماتے ہیں کہ مشاورت واجب ہے اور یہ صائب الرائے لوگوں سے ہونی چاہیئے۔ مگر آج کے مسلمان امرا، ملوک اور سلاطین صحیح لوگوں سے مشورہ کرنا ترک کر چکے ہیں۔ برخلاف اس کے من مانی کارروائیاں کر رہے ہیں جس کی وجہ سے قوم و ملت کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔ جب خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مشورہ کرنے کے پابند تھے۔ تو کسی حاکم کو یہ حق نہیں پہنچتا وہ اصحاب حل وعقد سے مشورہ کیے بغیر اپنی خواہشات نفسانیہ کے پیچھے چلتا رہے۔ ہماری تاریخ میں بنو عباس کے زمانے سے یہ مصیبت چلی آرہی ہے۔ کہ ملوک مشورہ سے معاملہ سلجھانے کی بجائے من مانی کرتے ہیں۔ اور اگر مشیر رکھے ہوئے ہیں تو ایسے جو محض اُن کی ہاں میں ہاں ملانے والے ہوں، جو کچھ صاحب اقتدار نے کر دیا انہوں نے اُس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ یہی چیز قوم کو تباہی کی طرف لے جانے والی ہے۔

حضرت علیؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضور! جو بات ہمیں قرآن وسنت میں نہ مل سکے اُس کے متعلق کیا طریقہ اختیار کیا جائے آپ نے فرمایا شاوروا الفقہاء العابدین یعنی دین میں سمجھ رکھنے والے اور نیک لوگوں سے مشورہ کیا کرو ولا تمضوا رایة الخاصة اور کسی خاص لڑکے ڈُکے کی بات کو نہ مانو کسی فاجر فاسق کو اپنا مشیر نہ بناؤ بلکہ نیک اور صالح لوگوں سے مشورہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں میں برکت ڈالے گا۔

نانی کی وراثت کا مسئلہ پیدا ہوا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا اس کا حل میں قرآن وسنت میں تو نہیں پاتا لہٰذا لوگوں سے مشورہ کروں گا۔ آپ نے اس کے لیے اعلان فرمایا۔ پھر جس کے پاس علم تھا اُس نے آکر گواہی دی تو معاملہ طے ہوا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ بھی اہل لوگوں سے مشورہ کیا کرتے تھے حتیٰ کہ بعض معاملات میں عورتوں کی رائے بھی لے لیتے تھے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم رؤف الرحیم سے فرمایا کہ آپ اپنے معاملات میں مشورہ کر لیا کریں فاذا عزمت پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں۔ آپ معاملہ کے متعلق کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں مشورہ کے ذریعے کوئی بات طے ہو جائے فتوکل علی اللہ تو اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اُس معاملہ میں عمل پیرا ہو جائیں اور کوئی حکم ہو تو اُس کو جاری کر دیں۔ اس سے مفسرین کرام نے قانون اخذ کیا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں آراء مختلف ہوں تو پھر امیر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اکثریت کے

فیصلہ کو قبول کرے یا اقلیت کی رائے کو تسلیم کرتے ہوئے اپنا آخری فیصلہ جاری کرے۔ عام دنیوی امور میں کثرت رائے کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے مگر اسلام کا اصول یہ ہے۔ کہ اگر کوئی معاملہ اتفاق رائے سے طے ہوتا ہے تو اسے بعینہٖ تسلیم کر لیا جائے اور اگر اس میں اختلاف رائے واقع ہو جائے تو پھر امیر اپنی صوابدید سے اکثریت یا اقلیت میں سے کوئی بھی رائے تسلیم کر کے فیصلہ دے سکتا ہے وہ کثرت رائے کو تسلیم کرنے کا پابند نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا۔ کہ اے نبی کریم! جب آپ کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیں، تو پھر اللہ تعالیٰ پہ بھروسہ کرتے ہوئے۔ اس کو پایۂ تکمیل پہ پہنچا دیں۔ کیونکہ معاملہ جنگ کا ہو یا کوئی اور ہو اس کا بناؤ یا بگاڑ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ مسبب الاسباب ہے۔ آپ اس کے بھروسہ پہ کام شروع کر دیں کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ، بیشک اللہ تعالیٰ انہی کو پسند فرماتا ہے جو اس پہ بھروسہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ متوکل علی اللہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو اپنے معبود حقیقی کو پہچانتے ہیں۔

اس مقام پہ اللہ تعالیٰ نے دوسرا قانون یہ بیان فرمایا اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا تو کوئی دوسرا تم پہ غالب نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ نیکی کے کاموں میں مدد کرے گا۔ فسق و فجور، عیاشی، فحاشی اور فیشن کے کاموں میں مدد نہیں کرے گا اور نہ وہ ایسے لوگوں کو غالب کرے گا۔ اور دوسری بات یہ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ اور اگر وہ تم کو رسوا کر دے۔ اور وہ برائی، بیحیائی، ظلم اور کفر کرنے والوں کو ذلیل و خوار بھی کر دیتا ہے اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے تو فرمایا یاد رکھو! فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِہٖ پھر اس کے سوا تمہاری کون مدد کرے گا۔ کوئی بڑے سے بڑا حاکم بادشاہ یا ڈکٹیٹر کوئی بھی ہو تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ احکم الحاکمین نے تمہاری مدد روک لی ہے اور اس سے بڑی سپر پاور اور کوئی نہیں جو اس کے حکم اور ارادے کو بھی چیلنج کر سکے، لہٰذا تمہیں اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہوگا، اس کی مشیت کے

خلاف کوئی بھی تمہاری مدد کو نہیں پہنچے گا۔ فرمایا جب یہ اصول اٹل ہے تو پھر یہ بھی حقیقت ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ کہ جن لوگوں کے دل نورِ ایمان سے منور ہیں وہ اللہ ہی پہ بھروسہ کرتے ہیں۔ وہ اِدھر اُدھر اندھیرے میں ٹکریں نہیں مارتے۔ غیر اللہ کے دروازوں پہ نہیں جاتے بلکہ فقط اسی ذات وحدہٗ لاشریک پہ بھروسہ کرتے ہوئے اپنے معاملات اسی کے سپرد کر دیتے ہیں۔

درس پنجاہ وشش ۵۶ | آیت ۱۶۱ تا ۱۶۳

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۱﴾ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَأْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

ترجمہ: اور نہیں لائق نبی کے یہ بات کہ وہ خیانت کرے۔ اور جو شخص خیانت کریگا، تو وہ لائیگا اُس چیز کو جو اُس نے خیانت کی قیامت کے دن۔ پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اُس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۱۶۱﴾ بھلا جس شخص نے اللہ کی رضامندی کی تابعداری کی، کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کی ناراضگی اور غصہ لے کر لوٹا ہے۔ اور اُس کا ٹھکانا جہنم میں ہے اور وہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بُری جگہ ہے ﴿۱۶۲﴾ اللہ کے نزدیک یہ مختلف درجات ہیں۔ اور اللہ نگاہ میں رکھتا ہے اُن کاموں کو جن کو یہ لوگ کرتے ہیں۔ ﴿۱۶۳﴾

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق عالیہ کا تذکرہ فرمایا تھا۔ کہ آپ کا حسن اخلاق کامیابی کی دلیل ہے۔ اسلام کی تبلیغ کے سلسلہ میں بھی اللہ کا عام قانون یہی ہے "اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ" کہ تبلیغ اسلام کا فریضہ اچھے طریقے سے اور خوش اخلاقی سے

انجام دو۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف روانہ کرتے وقت فرمایا تھا کہ تم ایک اکھڑ مزاج اور ظالم قوم کے پاس جا رہے ہو۔ "فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى" لہٰذا فرعون کے ساتھ نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ نصیحت حاصل کر جائے۔ غرضیکہ اسلام نے ہمیشہ خوش خلقی کی تعلیم دی ہے۔

حضور علیہ السلام کے صحابہ سے احد کے موقع پر جب لغزش ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ ان کو معاف کر دیں، ان کے لیے بخشش کی دعا کریں اور ان سے مشورہ بھی کرتے رہیں۔ کہیں دل برداشتہ ہو کر آپ صحابہ سے مشورہ کرنا ترک نہ کر دیں بلکہ انہیں ہمیشہ اعتماد میں لیا کریں کیونکہ مشورہ بڑی اہم چیز ہے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ بھی فرمایا کہ مشورہ کے بعد جب آپ کسی معاملہ کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ کر لیں تو پھر اللہ کے بھروسہ پر اسے انجام دے دیں۔ کیونکہ متوکلین اللہ کے محبوب ہیں۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالی کو ایک اور پہلو سے بیان فرمایا ہے۔ اللہ کا نبی جس طرح نرم مزاج اور رحم دل ہوتا ہے، اسی طرح وہ امین اور دیانت دار بھی ہوتا ہے۔ کسی نبی کے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ (نعوذ باللہ) خیانت کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے، نبی کے منصب کے خلاف ہے۔ اللہ کا نبی معصوم عن الخطایا ہوتا ہے۔ وہ امت کے لیے بہترین نمونہ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ کسی غیر اخلاقی فعل کا ارتکاب نہیں کرتا۔

شانِ نزول

ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ یہ بات کسی نبی کے لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے یا کسی چیز کو چھپائے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق غزوہ بدر سے متعلق ایک واقعہ کے ساتھ ہے۔ جنگ بدر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا، اس میں سے ایک کمبل یا چادر گم پائی گئی۔ اس کے متعلق لوگوں نے مختلف خیالات کا اظہار کیا۔ بعض نے کہا کہ شاید یہ چادر حضور علیہ السلام نے خود لے لی ہو۔ اس قسم کی بات اگر منافق کرے تو اس سے

کچھ بعید نہیں کیونکہ انہیں تو بات کرنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ چاہیئے۔ البتہ اگر کسی مسلمان نے یہ بات کی ہو گی تو یہ سمجھ کر کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی بھی چیز حاصل کرنے کا مکمل حق حاصل ہے۔ لہذا اسی حق کی بنا پر آپ نے یہ چادر لے لی ہو گی۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی طرف سے ایسے فعل کے ارتکاب کی سختی سے تردید فرمائی۔ اور لوگوں کو خبردار کیا کہ تمہارا نبی اخلاق کے عالی مرتبے پہ فائز ہے۔ لہذا یہ گمان بھی نہ کرنا کہ مسلمانوں کی اطلاع کے بغیر خود بخود بھی کوئی چیز اپنے لیے رکھ لے گا۔

غلول کا مفہوم

غلول اصل میں مال غنیمت میں سے کسی چیز کے چھپا لینے کو کہتے ہیں اس کے علاوہ غلول کا اطلاق مطلقاً خیانت پہ بھی ہوتا ہے۔ یہ لفظ کسی دوسرے کے حق کے ضیاع پر بھی بولا جاتا ہے۔

ترمذی شریف میں حضور علیہ السلام کی حدیث مبارکہ ہے ان اللہ لا یقبل صلوٰۃ بغیر طھور ولا صدقۃ من غلول یعنی اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا اور خیانت کے مال میں سے صدقہ قبول نہیں کرتا۔ مقصد یہ کہ غلول مطلقاً خیانت پر بھی بولا جاتا ہے اور مال غنیمت میں سے کسی چیز کے چھپا لینے کو بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی جملہ مسلمانوں کے ساتھ خیانت کا ارتکاب ہوتا ہے اسلام نے اس ضمن میں بڑی واضح ہدایات دی ہیں۔

خیانت کبیرہ

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے لا یحل لامرءٍ مسلم مال اخیہ الا بطیب نفسہ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے۔ کہ کسی دوسرے مسلمان کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر قبضہ میں لے۔ اگر اپنی خوشی سے ایک مسلمان دوسرے کو کوئی چیز دیتا ہے، تو وہ جائز ہے اور چوری، خیانت، دغابازی یا فراڈ سے کوئی چیز حاصل کرنا دوسرے بھائی کا حق ضائع کرنا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں تو یہ بھی آتا ہے۔ کہ اگر کچھ آدمی اکٹھے کھجوریں کھا رہے ہوں۔ تو کسی کے لیے روا نہیں کہ وہ ایک کی بجائے دو دو کھجوروں کا لقمہ بنائے البتہ اگر اس کے

شریکِ طعام اُس کو اجازت دیں، تو پھر جائز ہے۔ غرضیکہ کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی دوسرے بھائی کا حق بغیر اُس کی اجازت کے حاصل کرے چہ جائیکہ اللہ کا نبی ایسا کام کرے۔

ترمذی شریف میں غزوہ خیبر یا کسی اور جنگ سے متعلق واقعہ آتا ہے حضور علیہ السلام کا کرکرہ نامی ایک غلام تھا۔ وہ جنگ میں مارا گیا۔ لوگوں نے کہا کہ اُس کے لیے شہادت مبارک ہو۔ اس پہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کلّا ہرگز نہیں، وہ تو جہنمی ہے۔ اُس غلام نے غنیمت کے مال میں سے ایک چادر غصب کی تھی، وہ اس پر شعلے بن کر چمٹ رہی ہے۔ یہ سن کر لوگ سخت خوفزدہ ہوئے۔ اور جس کسی نے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مال غنیمت میں سے تقسیم کے بغیر حاصل کی ہوئی تھی سب واپس کر دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر کسی شخص نے جوتے کا ایک تسمہ یا دو تسمے بھی ناحق وصول کئے ہیں۔ تو وہ بھی دوزخ میں لے جانے کا باعث ہیں۔ آپ نے فرمایا شراکا فی النار وشراکان فی النار ایک شخص نے مشترکہ مال میں سے ایک معمولی دھاگا رکھ لیا تھا۔ جب حضور علیہ السلام کی وعید سُنی تو وہ دھاگا لے کر حاضر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا، اب تو وہ مال تقسیم ہو چکا ہے۔ اس دھاگے کو میں اب باقی مسلمانوں میں کیسے تقسیم کروں۔ تم نے غلط کام کیا ہے۔ غرضیکہ آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ گویا خیانت کبیرہ گناہ ہے۔

تکبر، غلول اور قرض

ترمذی شریف میں حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا من خرج روحه الجسد وهو بری من ثلاث دخل الجنة الکبر والغلول والدّین یعنی جس شخص کی روح اس حالت میں اُس کے جسم سے جدا ہوئی کہ وہ تین چیزوں سے پاک ہے یعنی تکبر، خیانت اور قرض، تو وہ شخص جنت کا حقدار ہے۔

تکبر صرف ذات باری تعالیٰ کو ہی سزاوار ہے۔ کسی انسان کے لیے یہ بہت ہی بُری خصلت ہے۔ تکبر کا عام معنیٰ ہے بطر الحق وغمط الناس

یعنی سچی بات کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر جاننا۔ طاقت، دولت، اقتدار، قومیت وغیرہ کی بنا پہ دوسرے کو حقیر جاننا اور سچی بات کو ٹھکرا دینا تکبر کی نشانی ہے۔ یہ وہی بیماری ہے۔ جو ابلیس کو لاحق ہوئی اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ" ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا جس کی وجہ سے وہ جہنمی ٹھہرا۔ اُس نے کہا کہ میں ناری ہو کر خاکی کے سامنے کیسے جھک سکتا ہوں، میں آدم کی تعظیم نہیں کر سکتا، کیونکہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ میں اُس سے اعلیٰ ہوں۔ تکبر بہت بُری بیماری ہے۔ اور اس کا علاج اس سے زیادہ مشکل ہے، بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ ایک پہاڑ کو سوئی کے ساتھ اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کرنا آسان ہے مگر تکبر کو کسی کی طبیعت سے نکالنا بہت مشکل ہے، بزرگانِ دین لوگوں کی تربیت کرتے وقت سب سے آخر میں تکبر کو ان کے دل و دماغ سے نکالتے ہیں۔ یہ ایسی بیماری ہے۔ جس کا علاج بڑا مشکل ہے

فرمایا دوسری چیز غلول یعنی خیانت ہے جس کی وجہ سے لوگ جنت سے محروم ہو کر دوزخ میں چلے جائیں گے۔ خیانت خواہ مال غنیمت سے ہو یا مطلق خیانت، یہ بہرحال بہت بری خصلت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت میں داخلے کے لیے اس سے بریت ضروری ہے تیسری اہم چیز قرضہ ہے۔ فرمایا کسی شخص کے ذمہ قرضہ نہیں ہونا چاہیئے جب کہ وہ زندگی کی آخری سانس لے رہا ہو۔ قرض دوسرے کا حق ہوتا ہے جسے لازماً واپس لوٹانا چاہیئے اُسے ادا کیے بغیر جان نہیں بچ سکتی، آخرت میں پکڑا جائے گا۔ عورتوں کا مہر بھی انسان کے ذمہ قرضہ ہوتا ہے۔ جو لوگ ادا نہیں کرتے وہ مجرم ہیں۔ اگر معاف بھی کرانا ہے تو عورت خوشی سے معاف کر دے۔ اگر محض رواجی طور پہ معافی کا لفظ ادا کر دیا، تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ بڑے بڑے مالدار لوگ مہر ادا نہیں کرتے اور معافی کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ قرض کو خدا بھی معاف نہیں کرتا جب تک حقدار اُسے معاف نہ کر دے۔ اُسے معمولی بات سمجھ کر اس سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ بہتر ہے کہ ہر مسلمان

حتی الامکان قرضہ لینے سے اجتناب کرے۔ اسکی بجائے تکالیف برداشت کرے صبر کرے مگر قرض نہ لے کیونکہ اس کی ادائیگی میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔ جب قرض ادا نہیں کرتا اور ٹال مٹول اور جھوٹے وعدے کرتا ہے تو مزید جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو ان تین چیزوں یعنی تکبر، خیانت اور قرضہ سے بچ کر آگیا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

خائن کی سزا

الغرض! فرمایا کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ وہ غیانت کرے وَمَنْ يَّغْلُلْ اور جو کوئی خیانت کا ارتکاب کرے گا يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تو وہ خیانت شدہ چیز کو قیامت کے دن اپنے ساتھ لے کر آئے گا۔ اور پھر اس کی رسوائی ہوگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے۔ اے لوگو! میں نے تم کو خبردار کر دیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا اونٹ چوری کرے گا، تو قیامت کے دن اُسے اپنی گردن پر اٹھا کر لائے گا۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے کسی دوسرے کی زمین پر ناجائز قبضہ کیا ہے۔ تو زمین کا وہ ٹکڑا ساتوں زمین نیچے تک اُس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ جو اُسے کھینچتا ہوا لائے گا۔ اسی طرح فرمایا۔ اگر کسی نے سو اونٹ چوری کیے ہیں، تو سب کے سب اپنی گردن پر اٹھا کر لائے گا۔ بعض لوگوں نے اس اشکال کا اظہار کیا ہے۔ کہ زمین جیسی بڑی چیز یا سو اونٹ ایک آدمی کیسے اٹھا کر لائے گا۔ اس ضمن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایسی باتیں مغربی ذہن کے انگریزی دان لوگ کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ یہی سوال کسی صحابی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز کفار کے جسم اتنے بڑے بڑے ہو جائیں گے کہ اُن کی ایک داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور ان کے بیٹھنے کی جگہ مدینہ سے ربذہ تک یعنی چھتیس ۳۶ میل لمبی چوڑی ہوگی۔ تو اتنے بڑے جسم کے لیے سو اونٹ یا کوئی اور بڑی چیز اٹھانا کیسے مشکل ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اٹھائی جانے والی چیز حقیقی نہ ہو بلکہ مثالی ہو۔ اونٹ سو ہوں یا ہزار مثالی رنگ میں پیش کرنا کونسا مشکل ہے۔ اور اگر کپڑے کا ایک گٹھا ہے تو بھی گھسیٹ

کر لانا ہو گا مقصد یہ ہے۔ کہ اُس دِن ہر بُرا فعل ظاہر کر دیا جائے گا۔ انسان جس چیز کو زندگی بھر چھپائے پھرتا رہا، قیامت کے دِن سب کے سامنے ہو گی، بہرحال حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ بچ جاؤ! میں نے تم کو خبردار کر دیا ہے۔ جو کوئی خیانت سے کسی چیز پر قبضہ کرے گا۔ وہ سب قیامت کو ظاہر ہو جائے گا۔

جزائے عمل

فرمایا قیامت کے دِن تمام پوشیدہ اعمال ظاہر کر دینے کے بعد ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ہر نفس کو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کہ یہ تمہارے خود کردہ اعمال ہیں، میں نے اِن کو شمار کر رکھا ہے اب اِس کا بھگتان کرو۔ ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہو گا۔ کسی کا عمل کسی دوسرے کے ذمے نہیں لگایا جائیگا۔ اور ہر جرم کی سزا جرم کی سنگینی کے مطابق دی جائے گی۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہو گی۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں بے حد و بیشمار ہونگی اس کی رحمت کے دروازے کھُلے ہوں گے۔ نیکی کا اجر کم از کم دس گنا ہو گا۔ جو بڑھ کر سات سو تک یا لاکھوں گنا تک بھی ہو سکتا ہے۔

نیک و بد برابر نہیں

آگے ارشاد ہوتا ہے۔ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ کیا وہ شخص جو اللہ کی رضا چاہتا ہے اُس شخص کی مانند ہے جو اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے۔ کفر، شرک، نافرمانی، حق تلفی، چوری، خیانت وغیرہ خدا کی ناراضگی کے کام ہیں۔ جو شخص عمر بھر ان کاموں میں لگا رہا وہ اُس شخص کی طرح کیسے ہو سکتا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرتا ہے، اُس کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ اور مخلوقِ خدا کی خدمت کرتا ہے۔ اللہ کی ناراضگی مول لینے والے کے متعلق فرمایا وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ایسے شخص کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور یہ لوٹ کر جانے کی نہایت ہی بُری جگہ ہے۔

نیکی اور بدی کے درجات

ہر نیک و بد کے متعلق فرمایا هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے ہاں اُن سب کے درجات ہیں۔ نیکی کے بھی درجات ہیں اور بُرائی کے بھی درجات

ہیں۔ جس قسم کا عمل ہو گا، اُسی قسم کی جزا ہو گی۔ مجرمین میں سے چور، ڈاکو اور خائن وغیرہ کا درجہ الگ ہو گا۔ کافر الگ ہوں گے، مشرک اور بدعتی اپنے درجے میں ہوں گے عیاشی، فحاشی اور شراب نوشی کرنے والے اس درجہ میں ہوں گے۔ اور ان سے ایک ایک جرم کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔ اور درجہ بدرجہ سزا دی جائیگی۔ اسی طرح نیکی کے بھی درجات ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ہر شخص کے درجات اُس کے عمل کے مطابق ہوں گے۔ جس طرح دنیا میں اونچ نیچ ہے اسی طرح آخرت میں بھی تفاوت ہو گا۔ بعض لوگ نہایت بلند درجوں میں ہوں گے اور بعض نہایت ہی پستی میں ہوں گے۔ فرمایا وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اس کا علم ہر چیز پہ محیط ہے۔ لہٰذا وہ اعمال کے مطابق ہی جزا اور سزا کا فیصلہ کریگا۔

درس پنجاہ وہفت ۵۷ — آیت ۱۶۴

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ:۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے اندر انہی میں سے ایک رسُول بھیجا ہے۔ وہ ان کو اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تذکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بیشک اس سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے ﴿۱۶۴﴾

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی وضاحت فرمائی تھی۔ کہ نبی کی شان کے شایاں نہیں کہ وہ مالِ غنیمت میں سے کوئی چیز از خود اپنے پاس رکھ لے۔ وہ تو جماعت کا سربراہ ہے۔ اس کو اللہ نے اجازت دی ہے کہ جو چیز چاہے سرعام اپنی تحویل میں لے۔ لہٰذا اُسے کیا ضرورت ہے کہ کوئی چیز خفیہ طور پہ لے لے۔ اللہ کا پیغمبر ایسا نہیں کر سکتا۔ اللہ نے اُن لوگوں کی تردید فرمائی جو اس قسم کا گمان کر رہے تھے۔ آج کے درس میں اللہ جل جلالہ نے اپنے رسول کو اہل ایمان کے لیے بطور نعمت پیش کیا ہے۔ آپ کے اوصاف حمیدہ اور آپ کے فرائض کا تذکرہ کیا ہے۔

احسان خداوندی

ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پہ بڑا احسان کیا ہے۔ مَنَّ کا عام فہم معنیٰ احسان کرنا ہے۔ جب کہ اس کا اصل معنیٰ قطع کرنا ہے۔ عربی محاورے کے مطابق جس شخص کو نعمت حاصل ہو جائے اس کی تکلیف قطع ہو جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہوتا ہے۔ چنانچہ

جزائے عمل کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ"۔ اُن کے لیے ایسا اجر ہو گا جو منقطع نہیں ہو گا۔ کبھی زائل نہیں ہو گا بلکہ ابدی ہو گا۔ اونٹوں کے چلنے سے جو گرد و غبار اٹھتا ہے اُسے منین کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی آہستہ آہستہ منقطع ہوتا رہتا ہے غرضیکہ مَنّ کا لفظی معنی قطع کرنا اور اصطلاحی معنی احسان کرنا آتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کے لیے عموماً اور متقین اور مومنین کے لیے خصوصاً ذریعہ ہدایت فرمایا ہے۔ جیسے "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" یہ متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔ "هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ" مومنوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔ نیز "هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ" عام لوگوں کے لیے منبع ہدایت ہے اس طرح حضور علیہ السلام کی یہ دو حیثیتیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ جیسے آپ کی زبان سے کہلوایا "قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا" اے نبی علیہ السلام! آپ فرما دیں کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ سب کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت و راہنمائی سے سب سے زیادہ مستفید تو متقین اور مومنین ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کی رسالت کا زیادہ احسان بھی انہی پر ہے اور وہ احسان یہ ہے "إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا" کہ ان میں ایک رسول بھیجا اور رسول بھی وہ جو عظیم الشان، عالی مرتبت اور کمال عظمت والا ہے

اللہ تعالیٰ کی دو عظیم نعمتوں میں سے پہلی نعمت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود مبارک ہے۔ جو تمام انسانیت کے لیے بالعموم اور اہل ایمان کے لیے بالخصوص بہت بڑی نعمت ہے۔ کسی انسان کو جس قدر کمالات حاصل ہو سکتے ہیں، وہ صرف پیغمبر علیہ السلام کے واسطے سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبر کی ذات ایک مومن کے لیے حصول کمال کا ذریعہ بھی ہے اور تقرب الی اللہ کا بھی اور پھر بالآخر نجات کا ذریعہ بھی یہی ہے۔ لہٰذا اعظم ترین نعمت یہی ہے

مفسرین کرام امام جعفرؒ کا قول بیان کرتے ہیں۔ کہ دنیا کی مادی نعمتیں تو عام ہیں۔ کوئی انسان ان سے خالی نہیں۔ "اَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً" اللہ نے تمہیں ظاہر و باطن کی تمام نعمتیں عطا کی ہیں۔ اور ان کی تعداد اس قدر ہے کہ تمہارے احاطہ شمار سے باہر ہے۔ اسی لیے فرمایا "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو، تو ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں۔ انسان کے اپنے وجود اور اس کی باطنی قوتوں سے لے کر ظاہری جسم کے تمام متعلقات اور اس کے ارد گرد اللہ کی اتنی نعمتیں موجود ہیں۔ کہ وہ ان سے ہر وقت استفادہ کرتا رہتا ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اتنی کثیر تعداد میں نعمتیں موجود ہونے کے علاوہ دو نعمتیں ایسی ہیں جو ان سب سے بڑھ کر ہیں۔ فرمایا ایک نعمت پیغمبر خدا کا وجود ہے اور دوسری اللہ کا کلام قرآن پاک ہے اور یہ دونوں نعمتیں صرف ایمان والوں کو حاصل ہیں۔ مادی نعمتیں تو بعض اوقات ایمان سے محروم لوگوں کو اہل ایمان سے بھی زیادہ حاصل ہوتی ہیں۔ مگر عظیم ترین نعمتیں یعنی پیغمبر خدا اور قرآن پاک صرف اہل ایمان کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو نسل انسانی میں پیدا کر کے ان کے عروج، ترقی اور اعلیٰ مراتب کا بندوبست کر دیا ہے اور قرآن پاک جو اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے، اُسے نازل کر کے انسانیت کی عظمت کو مزید بلند کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے متعلق اس کا عام قانون یہ ہے "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ" اگر حصول نعمت پر میرا شکر ادا کرو گے تو میں انعامات میں اضافہ کروں گا "وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ" اگر کفران نعمت کرو گے تو میرا عذاب بھی بڑا شدید ہے۔

پیغمبر اور ان کے

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا کہ ان میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا مِنْ اَنْفُسِهِمْ انہی میں سے یعنی انسانوں میں سے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ملائکہ یا جنات میں سے نہیں بنایا بلکہ اہل ایمان کی جنس انسانی میں سے اٹھایا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے۔

کہ عرب وعجم میں سے اللہ نے آپ کو عربوں میں پیدا فرمایا۔ اور پھر عربوں کے قبائل میں سے بہتر قبیلے میں پیدا کیا، یعنی اللہ نے آپ کو عرب کے سب سے اشرف قبیلے میں اٹھایا گویا اس لفظ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء انسان اور بشر ہیں بلکہ سید البشر ہیں یعنی آپ تمام انسانوں کے سردار ہیں اور اسی نسل انسانی میں سے ہیں کسی دوسری جنس سے نہیں ہیں۔

سید محمود آلوسی بغدادیؒ متوفی ۱۲۷۰ھ آخری دور کے عظیم مفسر گزرے ہیں۔ آپ نے روح المعانی جیسی عظیم تفسیر تیس ۳۰ جلدوں میں قلمبند کی ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ یہ تفسیر انہوں نے جوانی کے عالم میں لکھی ہے۔ آپ شاہ عبدالعزیزؒ کے ہمعصر تھے۔ شاہ صاحب تو ۱۲۳۹ھ میں ہی وفات پا گئے، تاہم آپ کا زمانہ ۱۲۷۰ھ تک جاتا ہے۔ علم تفسیر کے ساتھ ساتھ آپ کو فقہ اور علم حدیث پر بھی عبور حاصل تھا۔ آپ نے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ کہ کسی نے امام عراقیؒ سے دریافت کیا کہ حضرت! ایمان کے صحیح ہونے کے لیے کیا یہ شرط ہے کہ اللہ کا رسول بشر ہے، عربوں میں سے ہے اور عجمی نہیں ہے؟ آپ نے جواب دیا بیشک شرط ہے۔ جو شخص حضور علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ نہ رکھے اس کا ایمان صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اس پر نصوصِ قرآنی کا انکار لازم آئیگا۔ اور آدمی کافر ہو جائے گا۔ تو گویا مِنْ اَنْفُسِهِمْ میں یہ تمام متعلقات شامل ہیں۔ اگر اس معاملہ میں کوئی ناواقف ہے۔ مسئلے کا پوری طرح علم نہیں تو اسے بتانا پڑے گا کہ بھائی اچھی طرح سمجھ لو کہ ہمارے نبی انسان تھے اور عربوں میں سے تھے اور عجمی نہیں تھے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص آپ کی بشریت یا عربی ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ دائرہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

عقیدہ نور من نور اللہ

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اس زمانے میں لوگوں نے عیسائیوں کی طرز پر نورٌ من نور اللہ، کا عقیدہ وضع کر لیا ہے۔ گویا انہوں نے وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا اللہ کے رسول کو اس کا جزو بنا دیا ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ جو بیٹا ہوتا ہے وہ باپ کا جزو ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس چیز سے پاک ہے۔ انہوں نے بیٹا بنا کر خدا کا جزو بنایا، ہم نے اللہ کے نور میں سے نور کہہ کر جزو

ہونے کی تصدیق کر دی۔ فرق کیا رہ گیا؟ ہاں بھئی! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہدایت یقیناً ہیں۔ آپ کے نور ہدایت کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیلی۔ مگر آپ انسان اور بشر ہیں اور بڑے بڑے عالی مرتبے والے ہیں۔ حضور علیہ السلام کی بشریت کا اقرار قطعاً باعثِ توہین نہیں بلکہ اشرف المخلوقات میں سے ہونے کی بناء پر آپ کی عظمت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر اللہ نے بطور انعام اس بات کا اعلان فرمایا کہ دیکھو میں نے مٹی سے کس قدر باکمال ہستی کو پیدا کیا ہے۔ میر تقی میر نے اس بات کی ترجمانی یوں کی ہے ؎

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاکِ ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا

لہٰذا بشر ہونا کمال کی علامت ہے نہ کہ توہین کی۔ صحابہ کرام ؓ بھی حضور علیہ السلام کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ اُن کے زمانہ میں نور من نور اللہ کا کوئی عقیدہ موجود نہیں تھا۔ آپ نور ہدایت ہیں مگر انسان ہیں۔ عائشہ صدیقہ ؓ سے بالکل بالوضاحت مروی ہے کان رسول اللہ بشراً من البشر حضور علیہ السلام انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ مسلم کی روایت میں موجود ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے خود فرمایا میں بھی انسان ہوں۔ میں بھی کبھی کبھی بھول جاتا ہوں۔ اگر نماز میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔ وہاں پر ذکّرونی کے الفاظ موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ خطا اور نسیان انسان سے ہی سرزد ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کے تمام لوازمات کھانا پینا، قضائے حاجت بیوی بچے، صحت، بیماری، زندگی اور موت وغیرہ تمام انبیاء کے ساتھ بھی یکساں ہیں۔ امور طبعیہ رونا ہنسنا وغیرہ انبیاء کے ساتھ بھی لازم ہے۔ البتہ یہ ہے کہ انبیاء کا ایمان، اعتقاد، اور اخلاق غایت درجے کا ہوتا ہے اور وہ حد کمال تک پہنچے ہوئے ہیں، مگر ہیں بہر حال انسان۔

تلاوت قرآن

آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے اپنے نبی کے وہ کام بیان فرمائے ہیں جو وہ انجام دیتا ہے۔ پیغمبر خدا علیہ السلام کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ یتلوا علیھم ایتہٖ

وہ لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ وہ لوگوں کو اللہ کے کلام اور اُس کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ تلاوت پاک ہے اور اس لحاظ سے حضور علیہ السلام اولین مبلغ اسلام ہیں۔ تلاوتِ قرآن عموماً دو مقاصد کے لیے ہوتی ہے۔ پہلا مقصد "اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ" میں ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اس کی تلاوت کریں تاکہ لوگوں کو اللہ کے احکام و فرامین کا علم ہو سکے۔ اس کو تلاوت برائے تبلیغ بھی کہہ سکتے ہیں۔ تلاوت کا دوسرا مقصد یہ ہے۔ کہ انسان خود تلاوت کر کے قربِ الٰہی حاصل کر سکے۔ نماز کے دوران تلاوت کلام پاک بہترین عمل ہے۔ اور اس کا اجر کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اُس وقت انسان اللہ کی صفت کے ساتھ متلبس ہوتا ہے اور اُسے درجہ کمال حاصل ہوتا ہے۔

با اعتبار ورد تلاوتِ قرآن سب سے اعلیٰ ورد ہے حضور علیہ السلام نے تلاوت قرآن کو افضل الاوراد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص ایمان کی حالت میں نیک نیتی کے ساتھ تلاوتِ قرآن کرے گا۔ میں اُسے مانگنے والوں سے زیادہ دونگا۔ اگرچہ وہ مجھ سے کوئی سوال نہ کرے۔ تلاوتِ کلام پاک کا اجر اس قدر زیادہ ہے۔ کہ ایک ایک حرف کے بدلے اللہ تعالیٰ دس دس نیکیاں عطا فرمائیگا۔ یہ شرف صرف قرآنِ پاک کو ہی حاصل ہے کہ کوئی اُسے سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھے۔ اجر سے محروم نہیں رہیگا۔ یہ ہے وہ قرآنِ مجید جس کے متعلق فرمایا کہ اللہ کا نبی اس کی آئتیں پڑھ کر سناتا ہے۔

مرشد کامل

فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا فریضہ یہ ہے "وَيُزَكِّيهِمْ" اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لحاظ سے امت کے لیے مرشد ہیں کیونکہ تذکیہ نفس کرنا مرشد کا کام ہے تزکیہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ سب سے پہلے انسان کی باطنی گندگی دور ہو جائے۔ اس عمل کو بزرگانِ دین تخلیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کہ انسان کی تمام رذیل خصلتیں دُور ہو جائیں، کفر، شرک، نفاق اور بد اخلاقی وغیرہ سے پاک ہو جائے۔ اور اس کے بجائے انسان اوصاف حمیدہ سے متصف

ہو جائے۔ شرک کی جگہ توحید آجائے، کفر کی بجائے ایمان حاصل ہو۔ اور بد اخلاقی خوش اخلاقی میں بدل جائے۔ یہ ہے وہ تزکیہ جسے مرشد برحق انجام دیتا ہے۔ جب یہ عمل پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے تو معصیت کی بجائے عبادت کی صفت آجاتی ہے۔ اور تمام کدورتیں دور ہو کر انسان کا عقیدہ اور دل و دماغ بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام تمام کائنات کے لیے بالعموم اور اہل ایمان کے لیے بالخصوص مرشد کامل ہیں۔ آپ نے اپنے صحابہؓ کی تربیت اسی طریقہ پر فرمائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاقِ حمیدہ اور تربیتِ خاصہ سے متعلق بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ حضرت معاویہ سلمیؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نماز میں کلام کرتا ہوا داخل ہوا۔ کچھ لوگوں نے اشارے کنائے سے مجھے ڈانٹا۔ مجھے بھی غصہ آیا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو حضور علیہ السلام نے نہایت شفقت سے اپنے پاس بلا کر فرمایا دیکھو! نماز میں انسانی کلام کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نماز تو اللہ کے ذکر کے لیے ہے۔ اس میں تسبیح و تہلیل قرآن کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ کے سامنے مناجات ہوتی ہے۔ لہٰذا نماز میں کوئی دوسرا کلام نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ نے نہ مجھے سرزنش کی اور نہ بُرا بھلا کہا بلکہ نہایت مشفقانہ انداز میں بات سمجھا دی۔ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم مَارَأَيْتُ مُعَلِّمًا میں نے کبھی ایسا شفیق معلم نہیں دیکھا۔[1]

اسی طرح ایک آدمی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگوں نے اس شخص کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] اسے کچھ نہ کہو، یہ اِدھر اُدھر بھاگے گا تو باقی مسجد کو بھی آلودہ کرے گا۔ جب وہ شخص پیشاب کر چکا تو آپ نے فرمایا یہاں پانی بہا کر جگہ کو صاف کر دو۔ ابو داؤد شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے وہاں سے تھوڑی سی مٹی بھی نکلوا دی اس کے بعد آپ نے اس آدمی کو نرمی سے سمجھایا کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔ یہاں تلاوت قرآن پاک، نماز اور دیگر عبادات ہوتی ہیں۔ یہاں گندگی پھیلانا مناسب نہیں۔

ایک شخص نے آکر عرض کیا حضور! میں ایمان قبول کرنے کے لیے تیار ہوں

---

[1] مسلم ص ۲۰۳ ج ۱، [2] مسلم ص ۱۳۸ ج ۱ (فیاض)

مگر مجھے زنا کی لت پڑ چکی ہے جو مجھ سے چھوٹتی نہیں۔ حضور علیہ السلام نے اُسے اپنے قریب بلایا۔ اُس پہ اپنا دست شفقت رکھا اور دُعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو ہدایت نصیب فرما۔ پھر آپ نے اُس شخص کو سمجھایا کہ دیکھو اگر کوئی دوسرا شخص تمہاری ماں یا بہن یا بیٹی کے ساتھ ایسی حرکت کرے، تو کیا تم پسند کرو گے۔ عرض کیا۔ حضور! ہرگز نہیں، آپ نے فرمایا کہ جن کے ساتھ تم زیادتی کرتے ہو، وہ بھی کسی کی ماں، بہن یا بیٹی ہوتی ہے۔ یہ سُن کر وہ شخص سخت نادم ہوُا اور اس قبیح فعل سے ہمیشہ کے لیے تائب ہو گیا۔ اسی چیز کا نام تزکیہ ہے۔ کہ انسان سے بُری خصلتوں کو نکالا جائے اور اس میں اچھی خصلتیں پیدا کی جائیں۔ یہی وہ فریضہ ہے۔ جو نبی علیہ السلام انجام دیتے رہے ہے۔

قرآنی تعلیمات

فرمایا اللہ کا نبی تیسرا کام یہ کرتا ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وہ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔ کتاب سے مراد قرآن پاک ہے قرآن پاک اگرچہ عربی زبان میں نازل ہوُا اور اس کے اولین مخاطبین بھی عرب ہی تھے، اس کے باوجود اس کے رموز و نکات کی وضاحت کی ضرورت پیش آتی تھی۔ بعض اوقات بعض امور کو سمجھنے میں اہل زبان بھی دقت محسوس کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی نبی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ امت کو منزل من اللہ کتاب کی تعلیم دے۔ قرآن پاک کی یہ آیت جب نازل ہوئی "حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ" یعنی جب سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے سے ظاہر ہو جائے۔ تو سحری کھانا بند کرو۔ تو بعض اہل زبان نے بھی سفید اور سیاہ دھاگے پاس رکھ لیے، تاکہ اختتام سحری کا تعین کر سکیں۔ جب یہ بات حضور علیہ السلام کے پاس بیان کی گئی تو آپ مسکرائے اور فرمایا تمہارا تکیہ بڑا لمبا چوڑا ہے جس میں تم نے رات اور دن کو لپیٹ کر رکھ لیا ہے۔ فرمایا سیاہ اور سفید دھاگے سے مراد رات اور دن ہیں۔ یہ عام دھاگے مراد نہیں ہیں۔ چنانچہ اس اشتباہ کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالےٰ نے "مِنَ الْفَجْرِ" کے الفاظ کا اضافہ فرما دیا۔

امن اور ہدایت پانے والے لوگوں کی یہ صفت بیان ہوئی "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَلَمْ يَلْبِسُوٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں ظلم کی ملاوٹ نہیں کی ہے اس پر بھی صحابہؓ کو اشتباہ پیدا ہوا۔ کہ ایسا کونسا آدمی ہے جس نے اپنے نفس پر کوئی زیادتی نہ کی ہو۔ وہ متفکر ہو گئے کہ اس طرح تو نجات بہت مشکل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہؓ کی اس تشویش کا علم ہوا تو فرمایا کہ یہاں پر ظلم سے مراد عام گناہ نہیں ہے، معمولی لغزشیں تو لوگوں سے ہر وقت سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ بلکہ بعض کبیرہ گناہ بھی سرزد ہو جاتے ہیں، جو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں تاہم یہاں پر ظلم سے مراد شرک ہے جسکی کوئی معافی نہیں۔ لہذا جو کوئی شرک سے محفوظ رہا، اس کی نجات ممکن ہے۔ اسی لیے تو حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی۔ "یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" اے بیٹے! اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ شرک گناہ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ ہر خطا معاف فرما دوں گا، سوائے شرک کے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کا نبی لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتا ہے۔

تعلیم حکمت

چوتھی چیز فرمایا وَالْحِكْمَةَ پیغمبر خدا لوگوں کو حکمت کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ حکمت کا عام فہم مطلب دانائی، دانشمندی یا گہری سمجھ کی باتیں ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جاہل قوم کی تربیت اس طریقے سے کی کہ انہیں دنیا کی متمدن قوموں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ یہ لوگ علم و حکمت اور اخلاق سے عاری تھے مگر یہ حضور علیہ السلام کی تعلیم حکمت کا نتیجہ تھا کہ انہیں علم و حکمت کے بام عروج تک پہنچا دیا۔ اور اُمّی کہلانے والے لوگ دنیا کے معلم بن کر اُبھرے۔

حکمت سے مراد حضور علیہ السلام کی سنت مبارکہ بھی ہے۔ مولانا گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ہر صحیح حدیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہ قرآن کی شرح ہے۔ جو چیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل یا تقریر سے ثابت ہو وہ سراپا ہدایت ہے۔ حکمت کی تشریح پہلے اور دوسرے پارے میں بھی تفصیل کے ساتھ آچکی ہے۔

فرمایا وَاِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ بیشک حضور کی بعثت سے قبل یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے یعنی اس قدر بھٹکی ہوئی قوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن و حکمت، تزکیہ نفس اور تلاوت قرآن کے ذریعے ایک باخلاق اور متمدن قوم بنا دیا۔ اُس زمانے میں جگہ جگہ بت رکھے ہوئے تھے حتیٰ کہ خود بیت اللہ شریف میں ۳۶۰ بت تھے، پوری کی پوری قوم شرک کی لعنت میں گرفتار تھی توحید کا تصور رکھنے والا کوئی اکّا دُکّا آدمی ہی ملتا تھا۔ انہوں نے ملّتِ ابراہیمہ کے اصولوں کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ گزشتہ چار پانچ صدیوں سے پوری دنیا شرک کی لپیٹ میں آچکی تھی۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص احسان فرمایا کہ ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرما کر ایمان اور نیکی کی دولت عطا فرمائی۔ قرآن و سنت جیسی عظیم نعمتیں عطا کیں۔ اس سے زیادہ اللہ کا کیا احسان ہو سکتا ہے۔

درس پنجاہ وہشت ۵۸

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾

ترجمہ: کیا جس وقت پہنچی تم کو مصیبت، تو تم نے پہنچائی تھی اس سے دُوگنی۔ تم نے کہا یہ کہاں سے آئی ہے۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، وہ تمہارے نفسوں کی طرف سے آئی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے (۱۶۵) اور جو کچھ تم کو اس دن پہنچا جس دن دو جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں، پس اللہ کے حکم سے اور تاکہ اللہ تعالیٰ ممتاز کر دے ایمان والوں کو (۱۶۶) اور تاکہ ممتاز کر دے ان لوگوں کو جنہوں نے منافقت اختیار کی۔ اور اُن سے کہا گیا آؤ لڑو اللہ کے راستے میں یا دشمن کا دفاع

کرو تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم جانتے کوئی لڑائی تو ضرور تمہارا اتباع کرتے۔ وہ لوگ کفر کی طرف اس دن زیادہ قریب تھے بہ نسبت ایمان کے۔ اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اُس چیز کو جس کو وہ چھپاتے ہیں (۱۶۷) وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائی بندوں کے بارے میں کہا اور خود بیٹھ گئے، اگر یہ ہماری بات مان لیتے تو نہ مارے جاتے۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے پس ہٹاؤ تم اپنے نفسوں سے موت کو اگر تم سچے ہو (۱۶۸)

ربطِ آیات

اس درس کی آیات بھی واقعہ احد کے سلسلہ ہی کی کڑیاں ہیں۔ پہلی آیات میں گزر چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں یا کافروں کی بات ماننے سے منع فرما دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ جن لوگوں سے غلطی سرزد ہو گئی تھی اُن کے ساتھ نرمی اختیار کریں اور اُن کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی اللہ رب العزت سے معافی طلب کریں اور آئندہ اس کے ساتھ مشورہ کیا کریں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت میں خیانت کے مسئلہ کو بیان فرمایا۔ پھر خداوند کریم نے اپنے اُس عظیم احسان کا تذکرہ فرمایا جو اُس نے بنی نوع انسان پہ بالعموم اور اہل ایمان پہ بالخصوص کیا۔ اور وہ احسان یہ ہے۔ کہ انہی کی نسل اور خاندان میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا، جو اللہ کا پیغام اُن تک پہنچاتا ہے۔ اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

آج کے درس کی آیات بھی غزوہ احد کے ضمن میں ہی ہیں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی کوتاہی کی وجہ سے فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ ستر مسلمان شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پہ چوٹیں آئیں۔ ان تمام عوامل کا مسلمانوں کو بہت صدمہ تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف طریقوں اور مختلف الفاظ سے تسلی دی اور

آئندہ کے لیے محتاط رہنے کی تعلیم دی۔ ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ اگرچہ اس واقعہ میں اہل ایمان کو تکلیف پہنچی ہے۔ مگر اس تکلیف میں بھی بہت سی حکمتیں ہیں جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

مسلمانوں کے لیے تسلی

اس مقام پر اللہ جل شانہ نے اہل ایمان کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ غزوہ احد میں بلاشبہ تمہیں تکلیف پہنچی۔ مگر تمہیں یاد ہونا چاہیے قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا تم اس سے پہلے دشمن کو دگنی تکلیف پہنچا چکے ہو۔ احد کے مقام پر تو مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے ہیں۔ مگر بدر کی جنگ میں کفار کے نہ صرف ستر اکابر مارے گئے تھے بلکہ اتنی ہی تعداد میں وہ قیدی بھی بنے تھے۔ گویا تم ان کو دگنا نقصان پہنچا چکے ہو۔ لہٰذا احد کی شکست سے دل برداشتہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی شکست کے باوجود اُن پر یہ احسان فرمایا کہ کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ وہ نہ تو مسلمانوں کو قیدی بنا سکے اور نہ خود وہاں زیادہ دیر ٹھہر سکے بلکہ اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ مکے واپس پلٹ جائیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اُس وقت کی کیفیت بیان فرمائی ہے کہ جب شکست ہوئی، تکلیف پہنچی قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا تم پکار اُٹھے۔ یہ کیا ہو گیا ہمیں شکست کیسے ہو گئی۔ ہم تو حق پر تھے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہمیں کیوں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ فرمائیے هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ یہ تکلیف تمہیں خاص تمہارے ہی نفسوں کی طرف سے پہنچی ہے۔ تم نے اللہ کے رسول کی حکم عدولی کی، اُس کے مقرر کردہ مورچہ کو چھوڑ دیا۔ جس کی وجہ سے شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ لہٰذا یہ تکلیف تمہاری اپنی ہی غلطی کا نتیجہ ہے۔

دنیا کے جنگی ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا جنگی پلان بالکل درست تھا۔ اور اس میں کوئی خامی نہیں تھی۔ انگریز اور یہودی مؤرخین بھی تسلیم

کرتے ہیں کہ غزوہ احد کے موقع پر سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملی نہایت اعلیٰ درجے کی تھی۔ مگر یہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی غلطی تھی۔ کہ وہ پہاڑی درہ پہ قائم نہ رہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اس درّے کو کسی صورت میں بھی ترک نہیں کرنا۔ مگر اُن کی اکثریت نہ صرف پہاڑ سے نیچے اُتر آئی بلکہ آپس میں جھگڑا بھی کیا جس کی وجہ سے اہلِ ایمان کو مجموعی طور پہ نقصان اٹھانا پڑا۔ بہر حال اسمیں مسلمانوں کی غلطی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ تکلیف تمہارے ہی نفسوں کی طرف سے پہنچی تھی اس میں تمہارا اپنا ہی قصور تھا۔ اور یہ بھی یاد رکھو۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پہ قدرت رکھتا ہے۔ جو مالک الملک فتح سے ہمکنار کر سکتا ہے، وہ فتح کو شکست میں تبدیل کرنے پہ بھی قادر ہے۔ اور وہ تمہیں تمہاری غلطیوں پہ تنبیہ بھی کر سکتا ہے۔

شکست کی حکمت

آگے اللہ تعالیٰ نے اس شکست کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے وَمَآ اَصَابَکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ دونوں جماعتوں یعنی اہل کفر و اہل اسلام کے اکٹھا ہونے کے دِن یعنی غزوہ احد کے موقع پہ جو تکلیف تمہیں پہنچی ہے اس میں کفار نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ بلکہ فَبِاِذْنِ اللّٰہِ اللہ کے حکم سے ہی ایسا ہوا ہے۔ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر، اس کی مشیت اور ارادے کے بغیر واقع نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اس پہ افسوس کا زیادہ اظہار نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا۔ اور اس میں حکمت یہ تھی وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرے کہ مومن کون لوگ ہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ہر چیز ہر وقت موجود ہے اُسے تکلیف میں مبتلا کرکے اہل ایمان کا ایمان جانچنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ یہاں پر علم کا معنی ممتاز کرنا ہے اور مطلب یہ ہے۔ کہ اس موقع پہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو باقی لوگوں سے ممتاز کرنا چاہتا تھا جب اس قسم کی آزمائش آئی تو سب لوگوں کو علم ہوگیا۔ کہ پکے سچے مومن کون ہیں اللہ

نے انہیں کمزور ایمان والوں سے علحدہ کر دیا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کا اس واقعہ سے یہ منشا بھی تھا وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا تاکہ منافقوں کو بھی ممتاز کر دے، اہل ایمان سے علحدہ کر دے کہ یہ ہیں وہ لوگ جو مومن نہیں بلکہ کافر ہیں اور آئندہ اہل ایمان ان کے دھوکے میں نہ آئیں۔ منافقین نے اپنے نفاق کا اظہار تو ابتدائے غزوہ میں ہی کر دیا تھا جب کہ ان کا ایک جتھہ راستے ہی سے واپس لوٹ گیا تھا۔ اور ———— میدان احد تک پہنچا ہی نہیں۔ ان میں سے جو میدان جنگ میں پہنچ گئے وہ بڑے فکر مند تھے۔ انہوں نے طرح طرح کی باتیں بنائیں جن سے ان کی بزدلی کا اظہار ہوتا تھا مسلمانوں کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ میں ان پر نیند طاری کر دی جس کی وجہ سے وہ تازہ دم ہو گئے اور ان کے تمام تفکرات رفع ہو گئے۔ مگر منافقوں کو یہ سعادت بھی نصیب نہ ہوئی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے مختلف مواقع پر واضح کر دیا کہ اہل ایمان کون ہیں اور منافق کون۔ تو یہاں پر بھی ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے گروہ کو تکلیف پہنچنے میں ایک حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور منافقوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دے۔

جارحانہ یا مدافعانہ جنگ

آگے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے تعلق سے جنگی حکمت عملی کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَقِیْلَ لَهُمْ اور ان منافقوں سے کہا گیا تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ آؤ اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ اَوِ ادْفَعُوْا یا دفاع کرو۔ جنگ دو ہی طریقوں سے لڑائی جاتی ہے اقدامی جنگ (OFFENSIVE WAR) ہوتی ہے یا دفاعی جنگ (DEFENSIVE WAR) ہوتی ہے۔ اسلام میں دونوں قسم کے جہاد روا ہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ اسلام نے جنگ میں پہل کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اگر کسی علاقے میں دشمن نے ظلم وستم اور فتنہ وفساد کا بازار گرم کر رکھا ہو، شرفا کی عزت ومال محفوظ نہ ہو۔ اسلام کے خلاف سازش کا گڑھ بنا ہوا ہو، تو ایسی صورت میں گندے عنصر کا قلع قمع ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اسلام جنگ

یہ اقدام کی اجازت دیتا ہے۔ دوسری صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب دشمن خود چڑھائی کر دے جیسا کہ جنگ خندق کے موقع پر ہوا تھا۔ تو ایسی حالت میں دفاعی جنگ لڑی جاتی ہے۔ ایسے موقع پر مرد، عورت، جوان، بوڑھا سب پر فرض عاید ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنا دفاع کرے عام حالات میں تو جہاد فرض کفایہ ہے۔ مسلمانوں کی فوج موجود رہے جو دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہو، باقی لوگوں کو میدانِ جنگ میں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر جب دشمن اہل اسلام پر چڑھ دوڑے تو یہ جنگ فرض عین بن جاتی ہے۔ اس میں ہر مرد و زن کی شرکت لازم ہوتی ہے۔ تو یہاں پر منافقوں سے کہا جا رہا ہے کہ آؤ اللہ کے راستے میں جارحانہ جنگ لڑو یا کم از کم دفاع میں ہی شریک ہو جاؤ۔ بعض اوقات بھرپور دفاعی طاقت دیکھ کر بھی دشمن مرعوب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اے گروہِ منافقین اگر تم حملہ کرنے کے لیے باہر نہیں نکل سکتے تو کم از کم دشمن کے حملہ کو روکنے کے لیے تو مسلمانوں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہو جاؤ۔

منافقوں کی حیلہ سازی

فرمایا اس کے جواب میں منافقین اپنے نفاق کا اظہار یوں کرتے ہیں قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ اگر ہم یہ کسی ڈھب کی لڑائی جانتے تو ضرور تمہارا اتباع کرتے یعنی تمہارے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاتے مگر یہ تو کسی ڈھب کی لڑائی ہی نہیں۔ دشمن کی تعداد زیادہ ہے اور ہم قلیل تعداد میں ہیں۔ یہ تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے لہٰذا ہم اس لڑائی میں تمہارے ساتھ شامل ہونے کو تیار نہیں۔ اس طرح منافقین جنگ سے بچنے کے لیے حیلہ سازی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دن ان کے نفاق کا پول کھل گیا۔ اور ان کی حالت یہ ہو گئی۔ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ وہ لوگ اس دن ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب ہو گئے۔ پہلے تو یہ لوگ صرف دل سے منافق تھے اور زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے مگر اس دن انہوں نے زبان سے بھی ایسی بات کہ دی جس کی وجہ سے ظاہری طور پر بھی کفر کے قریب تر ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان کی خصلت یہ ہے یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ اپنے موہنوں سے ایسی بات کہتے ہیں مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ زبان سے تو مسلمانوں کی حمایت کا دم بھرتے ہیں مگر دل میں نفاق بھرا ہوا ہے۔ کہ کسی طرح جنگ میں شریک ہونے سے بچ جائیں۔ دل و زبان کا یہی تضاد منافقت کی نشانی ہے۔ عبداللہ بن ابی نے بھی یہی بات کی تھی۔ کہ ہماری تو بات ہی نہیں مانی گئی۔ ہم کہتے تھے شہر میں رہ کر دفاع کریں گے مگر یہ باہر نکل گئے لہذا ہم ایسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی منافقت کا پردہ یہ کہہ کر فاش کر دیا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس چیز کو جو وہ چھپاتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں چھپے ہوئے رازوں سے بھی واقف ہے۔ لہذا اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتے بلکہ خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک اور خصلت کا تذکرہ کیا ہے اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائی بندوں یعنی مسلمانوں کے متعلق یوں کہا اور خود بیٹھ رہے لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا اگر یہ ہماری بات مان لیتے، تو قتل نہ ہوتے۔ یعنی ہم تو شہر میں رہ کر دفاع کے حق میں تھے۔ مگر انہوں نے ہماری بات نہیں مانی لہذا باہر میدان میں جا کر مارے گئے۔ غرضیکہ طرح طرح کے حیلے بہانے کیے کہ مسلمانوں کو اس وجہ سے شکست ہوئی ہے ان کی جنگی حکمتِ عملی درست نہیں تھی یا انکی صف بندی اور مورچہ بندی کمزور تھی اللہ نے فرمایا کہ یہ سب ان کی بہانہ سازی ہے۔ اصل میں یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں اور اسے پھلتا پھولتا دیکھنا نہیں چاہتے۔

موت سے فرار ممکن نہیں

اللہ تعالیٰ نے ایسے بد باطن لوگوں کو منہ توڑ جواب دیا

قُلْ اے نبی علیہ السلام، ان سے کہ دیں فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ پس روک لو اپنے آپ سے موت کو۔ انہوں نے کہا تھا۔ کہ اگر مسلمان باہر نکل کر

لڑتے تو شہید نہ ہوتے، ہم جنگ میں عدم شرکت کی بنا پر بچ گئے۔ اللہ نے فرمایا! اگر تم موت کو وارد ہونے سے اس طرح روک سکتے ہو، تو روک کر دکھا دو۔ تم خواہ گھر میں بیٹھے رہو یا کہیں چلے جاؤ، موت بہرصورت اپنے وقت پہ آ کر رہے گی تم اُسے ٹال نہیں سکتے، کیونکہ موت و حیات قبضہ قدرت میں ہے۔ اُس کا پروگرام یقیناً اٹل ہے۔ "اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ" جب کسی کی موت کا معین وقت آ جاتا ہے تو پھر ـــــ ایک سکینڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ کہ تم گھر میں بیٹھ رہنے سے موت کو ٹال سکتے ہو۔ بسا اوقات جنگ میں شریک لوگ بخیر و عافیت واپس آتے ہیں۔ اور پیچھے رہ جانے والے مر جاتے ہیں شیخ سعدیؒ نے ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے۔ کہ ساری رات بیمار کے پاس بیٹھا روتا رہا کہ بیچارہ بہت جلد مر جائیگا۔ مگر جب صبح ہوئی تو خود لقمہ اجل بن گیا جب کہ مریض ابھی زندہ تھا۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو یعنی گھر بیٹھ کر موت کو وارد ہونے سے روک سکتے ہو، تو اُسے روک کر دکھا دو۔ مگر تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے۔

الغرض! غزوہ احد میں مسلمانوں کی شکست میں جو حکمتیں پوشیدہ تھیں اللہ نے اُن کو بیان فرما دیا۔ منجملہ اُن کے ایک حکمت یہ بھی تھی کہ منافقوں کا طرزِ عمل واضح ہو جائے۔ اس طرح اللہ جل جلالہ نے اس ایک واقعہ کے ذریعے ہزاروں اصول سمجھا دیے۔ اور آئندہ کے لیے مسلمانوں کو مستعد رہنے کی تعلیم دی۔

درس پنجاہ و نہ ۵۹ — آیت ۱۶۹ تا ۱۷۱

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

وقف لازم

ترجمہ: اور نہ خیال کریں آپ اُن لوگوں کے بارے میں جو مارے گئے اللہ تعالےٰ کی راہ میں مردے، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس، اُن کو روزی دی جاتی ہے ﴿۱۶۹﴾ وہ خوش ہونے والے ہیں اس پر جو اللہ نے ان کو دیا ہے اپنے فضل سے۔ اور وہ بشارت حاصل کرتے ہیں اُن لوگوں کے بارے میں جو ابھی تک اُن سے نہیں ملے اُن کے پیچھے سے۔ یہ کہ نہیں ہوگا اُن پر کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۷۰﴾ وہ خوشخبری حاصل کرتے ہیں اللہ کی نعمت اور اس کے فضل سے اور یہ کہ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا ایمان والوں کے اجر کو ﴿۱۷۱﴾

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تنبیہ فرمائی۔ کہ وہ منافقوں، یہود اور اور نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کریں۔ جو روش انہوں نے غزوہ احد کے موقع پر اختیار کی تھی اس سے منع فرمایا۔ نیز منافقین نے شہدائے احد کے متعلق کہا تھا لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا یعنی اگر یہ لوگ جنگ میں شریک ہونے کی بجائے ہمارے ساتھ بیٹھے رہتے تو نہ مارے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس دعوے کی بھی تردید فرمائی۔ دوسری بات اللہ نے یہ بھی بیان فرمائی کہ جب منافقین سے کہا گیا

تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوِ ادْفَعُوْا آؤ اللہ کے راستے میں جہاد کرو یا کم ازکم دشمن سے دفاع ہی کرو۔ تو انہوں نے یوں حیلہ سازی کی کہ یہ تو کوئی ڈھب کی لڑائی نہیں ہے جسمیں ہم شریک ہوں۔ یہ تو خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔ اگر کسی ڈھب سے جنگ کی منصوبہ بندی کی جاتی تو ہم ضرور اس میں شامل ہوتے۔ بلکہ شہدائے احد کے متعلق انہوں نے کہا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا اگر یہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے اللہ تعالیٰ نے اِن تمام باتوں کی تردید فرمائی۔

جہاد فی سبیل اللہ

آج کے درس میں اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے لوگوں کی فضیلت اور اُن کا درجہ بیان فرمایا ہے۔ اور اُن کو مردہ کہنے سے منع فرمایا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی زندگی جیسی قیمتی متاع کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ اپنیں حقیقی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ بلند ترین مراتب پر فائز ہو جاتے ہیں۔ لہذا فرمایا۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے انہیں مردہ مت گمان کرو۔ اللہ کی راہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ، دین کی اقامت اور اللہ اور اس کے رسُول کے مشن کا قیام ہے۔ نیکی کے تمام امور فی سبیل اللہ ہی تصور ہوتے ہیں تاہم اِن سب میں جہاد کا مرتبہ بلند ترین ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عام نیکی کا معیار یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں خلوص نیت کے ساتھ ایک پیسہ خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دس گنا اجر عطا فرماتا ہے۔ سورۃ انعام کے آخری رکوع میں موجود ہے "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" جو کوئی ایک نیکی لے کر آیا اس کا بدلہ کم ازکم دس گنا ہے۔ اور مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنے کا ثواب کم ازکم سات سو گنا ہے اسکے بعد "وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ" اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہیگا دُگنا کر دیگا۔ یہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق ہوگا۔ ایک دوسری صحیح حدیث میں نماز کے متعلق فرمایا کہ یہ عِمَادُ الدِّیْنِ یعنی دین کا ستون ہے اور جہاد کے متعلق فرمایا کہ اسلام کی کوہان کی بلندی جہاد ہے

[1] مظہری ص ۲۰۵ ج ۲ و کنز العمال ص ۲۰۳ ج ۷ (فیاض)

دین، اہلِ دین اور ملت کو جہاد کی وجہ سے عزت نصیب ہوتی ہے۔ جہاد کریں گے تو کامیابی ہوگی، غلبہ حاصل ہوگا۔ اور جہاد ترک کر دیں گے تو ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے۔ دوسروں کے محکوم ہو جائیں گے۔ مذہب، ملت اور خود بھی ادبار کا شکار ہو جائیں گے۔

شہدار کی زندگی

اس سے پہلے سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ "وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ" یعنی اللہ کے راستے میں جان دینے والوں کو مردہ مت کہو۔ اُن کو تو حقیقی حیات نصیب ہو چکی ہے جو اس دنیا کی زندگی سے لاکھوں کروڑوں درجے اعلیٰ و ارفع ہے۔ یہاں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ مت گمان کرو۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ بالکل ختم ہو چکے ہیں۔ بَلْ اَحْيَاءٌ بلکہ وہ تو زندہ ہیں ان کو ایسی زندگی ملی ہے جو اس زندگی سے بہت فائق ہے اور وہ زندگی ہے کہاں، فرمایا عِنْدَ رَبِّهِمْ اپنے پروردگار کے پاس سورۃ بقرہ میں شہدار کی زندگی کے متعلق فرمایا "وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" تم کو اس زندگی کا شعور نہیں ہے۔ شہدار جس جہاں اور جس مقام پر موجود ہیں، وہ چیز تمہاری عقل میں نہیں آسکتی اور نہ ہی تمہاری نگاہ اُسے دیکھ سکتی ہے۔ وہ دوسرا جہان ہے۔ جہاں کے احکامات مختلف ہیں۔ تمہیں اس کا شعور حاصل نہیں ہے۔

اس مقام پر فرمایا، وہ اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور يُرْزَقُوْنَ اُن کو روزی دی جا رہی ہے۔ یہ شہدار کی خصوصیت ہے۔ کہ مرنے کے بعد وہ عالیشان مقام اور نعمتوں میں رہتے ہیں۔ جس قسم کی اُن کی خواہش ہوتی ہے اُسی قسم کی اُن کو روزی دی جاتی ہے۔ گویا شہدار کو فی الوقت باعزت روزی مل رہی ہے۔

شہدار کے مناقب

شہدار کے فضائل کے متعلق حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ شہید کا پہلا قطرۂ خون زمین پر گرتے ہی اللہ تعالیٰ اُس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ البتہ حقوق العباد اور دَین (قرض) پھر بھی اُس کے ذمہ واجب الادا رہتے ہیں۔ کسی کا حق تلف کیا ہے۔ قرض لے کر واپس نہیں کیا، تو جب تک صاحبِ حق

معاف نہیں کرے گا۔ اس سے خلاصی نہیں ہوگی۔ مؤطا امام مالک کی روایت میں آتا ہے کہ شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے جسموں میں سوار ہوکر تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ يَشَاءُ جہاں چاہتے ہیں سیر و تفریح کرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور پھر ان قندیلوں کی طرف آجاتے ہیں جو عرش الٰہی کے ساتھ لٹک رہی ہیں۔ روایات میں آیا ہے۔ کہ جنت الفردوس جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور عرش الٰہی اس کے اوپر ہے۔ جس کے ساتھ قندیلیں ہیں جن میں شہداء بسیرا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا اعلیٰ مقام عطا کیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنے وقت کے فقیہہ، محدث اور نہایت صالح آدمی تھے ساری عمر علم اور مخلوقِ خدا کی خدمت میں گزاری۔ آپ شاہ ولی اللہؒ کے شاگرد ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے آپ کے متعلق فرمایا کہ آپ وقت کے بیہقی ہیں۔ امام بیہقیؒ چوتھی صدی میں گزرے ہیں۔ آپ امام شافعیؒ کے مقلد تھے۔ آپ نے حدیث کی بہت کتابیں جمع کی ہیں، جن میں سنن کبریٰ آپ کی بڑی مشہور کتاب ہے۔ قاضی ثناء اللہؒ کے پیر مظہر جان جاناںؒ تھے جو عالمگیرؒ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کے ہمعصر تھے شاہ صاحب نے اُنکی بڑی تعریف کی ہے۔ انہوں نے بھی شاہ صاحب کے متعلق بڑے تعریفی کلمات کہے ہیں۔ آپ بڑے کامل درجے کے مردِ مومن تھے۔ آپ رفض کے بڑے خلاف تھے۔ اس لیے رافضیوں نے آپ کو گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔ اُس زمانے میں رافضیوں کا بڑا دور دورا تھا۔ دسویں صدی ہجری کے بعد جب صفوی خاندان ایران میں آیا، اُس وقت سے اس لعنت کو بڑا عروج حاصل ہوا اب رفض کے ساتھ ساتھ غارجیت بھی پھیل رہی ہے۔ ہمارے ملک میں ایسے ہی حالات ہیں۔ ہر روز کوئی نہ کوئی نیا فتنہ کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان فتنوں سے محفوظ رکھے۔ اب تو عقیدے کی حفاظت بڑا مشکل کام ہوگیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ بہت سی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ فارسی زبان میں آپ کی کتاب مالا بد منہ درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہے۔ یہ فقہ کی مستند

کتاب مانی جاتی ہے۔ آپ کی سب سے زیادہ معروف تالیف تفسیر مظہری ہے۔ جو آپ نے اپنے پیر و مرشد مرزا مظہر جانجاناںؒ کی طرف منسوب کی۔ قاضی صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ میرے مرشد نے فرمایا کہ میں کشفی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں کہ شہدار پہ اللہ کی ذاتی تجلیات پڑ رہی ہیں۔ انہیں یہ انعام اس لیے حاصل ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنی سب سے قیمتی متاع یعنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔ یہ عنایت صرف شہدا تک ہی محدود ہے۔ کیونکہ مقربین فرشتوں پہ بھی خداوند تعالیٰ کی ذاتی تجلیات نہیں پڑتیں، اُن پر صفاتی تجلیات ہی پڑتی ہیں۔ ذاتی تجلیات صرف انسانوں کے لیے خاص ہیں۔ شہیدوں کے بعد صدیقوں کا درجہ اُن سے بھی بلند ہے۔ اور پھر انبیار کا درجہ سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ بہرحال قاضی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اُن کے مرشد نے بیان کیا کہ میں کشفی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں کہ شہدار پہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلیات پڑ رہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ شہدار کی زندگی عام مومنین کی نسبت بہت اعلیٰ درجے کی زندگی ہے۔

برزخ کی زندگی

جہاں تک برزخی زندگی کا تعلق ہے، وہاں تو ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں زندہ ہوتا ہے۔ انبیار علیہم السلام، صدیقین اور شہدار کا درجہ تو بلند ہے، عام مومنین کو بھی برزخ میں زندگی حاصل ہوتی ہے، جس میں انہیں راحت کا احساس بھی ہوتا ہے اسی طرح کافروں اور منافقوں کی ارواح بھی برزخ میں زندہ ہوتی ہیں جبھی تو انہیں عذاب کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شہدار کے متعلق خاص طور پہ فرمایا کہ انہیں مردہ گمان نہ کرو، بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور وہاں انہیں روزی دی جاتی ہے۔ صرف معتزلہ فرقہ ایسا ہے جو برزخی زندگی کا قائل نہیں، ان کے نزدیک اس دنیا کی زندگی کے بعد بس آخرت کی زندگی ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ شہدار کو اس زندگی کے منقطع ہونے کے فوراً بعد برزخ کی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ جہاں انہیں روزی ملتی ہے اور دیگر خوشیاں بھی حاصل ہوتی ہیں، تاہم اہل ایمان کو حقیقی انعامات حشر کے بعد حاصل ہوں گے برزخ میں اس کا

کچھ نمونہ حاصل ہوتا ہے۔ وہاں جو کچھ بھی انہیں حاصل ہوتا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا
فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اللہ نے جو کچھ انہیں اپنے فضل سے
عطا کیا ہے، اُس پر خوش ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ انعامات پر وہ
خوش ہو رہے ہیں۔

پچھلوں کے متعلق بشارت

آگے اللہ تعالیٰ نے دو بشارتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جو شہداء کو عالم برزخ میں
حاصل ہوتی ہیں۔ پہلی بشارت کے متعلق فرمایا وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ
مِّنْ خَلْفِهِمْ وہ بشارت حاصل کرتے ہیں اُن لوگوں کے بارے میں جو اُن سے
نہیں ملے۔ یعنی شہداء کے عزیز و اقارب، رشتہ دار، احباب وغیرہ جو ایماندار
ہیں اور ابھی تک دُنیوی زندگی بسر کر رہے ہیں، اُن کے متعلق انہیں یہ خوشخبری ملتی
ہے اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کہ ان پر بھی خوف نہیں
ہوگا اور وہ بھی غمگین نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں خوشخبری دی
جاتی ہے کہ تمہارے فلاں فلاں اعزہ و اقارب بھی تمہاری طرح دنیا میں نیکی کے
راستے پر چل رہے ہیں۔ اور اسی صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے وہ بھی تمہاری طرح راحت
کے مقام میں پہنچیں گے۔ چنانچہ یہ خوشخبری شہداء کے لیے مزید خوشی کا باعث
ہوتی ہے۔ فرمایا دوسری بشارت یہ ہے يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت اور احسان حاصل ہے
اور اللہ تعالیٰ کا فضل بھی اُن کے شاملِ حال ہے۔ قیامت کے بعد تو سب
لوگوں کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا مگر شہداء کو یہ نعمتیں فی الوقت مل رہی
ہیں۔ اور اب انہیں یہ یقین حاصل ہو گیا ہے وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُؤْمِنِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔
اہل ایمان اپنے اور اچھے عقیدے کے ساتھ جو نیک عمل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ
اس کا ضرور بدلہ دیگا۔ یہ تو عام مومنین کے متعلق ہے مگر شہداء کو تو نہایت اعلیٰ مقام
حاصل ہے۔ انہوں نے اپنی عزیز ترین متاع اللہ کی راہ میں قربان کر دی، اللہ کے

دین کے قیام کے لیے سر دھڑ کی بازی لگادی، لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو بہترین اجر عطا فرمایا۔

شہدا کا غسل اور جنازہ

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ کافروں کے ہاتھوں شہادت پانے والے شہیدوں کو غسل دینے کا حکم نہیں ہے۔ اُن کو اُسی طرح خون میں لت پت قبر میں اتار دیا جائے۔ شہدائے احد کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا ان کے ہتھیار زرہ وغیرہ زاید لباس میں آتے ہیں یہ اِن کے جسم سے اُتار دو اور اُن کے اصل لباس کرتہ، قمیض، تہبند پاجامہ وغیرہ سمیت دفن کر دو۔ فرمایا شہداء کا خون قیامت کے دِن دوبارہ ترو تازہ ہو جائے گا۔ جس سے کستوری جیسی خوشبو آئےگی اور یہ ایسی حالت میں خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ البتہ فقہائے کرام، محدثین، مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص جنابت کی حالت میں شہید ہو جائے تو اس کے غسل کے مسئلہ میں اختلاف رائے ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ ایسی حالت میں بھی شہید کو غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ امام ابُو حنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جنبی شہید کے لیے غسل ضروری ہے۔ دلیل کے طور پہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت حنظلہؓ جنابت کی حالت میں شہید ہوئے تھے، انہوں نے اپنی بیوی سے ہم بستری کی جنگ زوروں پہ تھی۔ انہیں غسل کا موقع نہ ملا۔ اسی حالت میں میدانِ جنگ میں کود گئے اور شہید ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے اُن کے بارے میں فرمایا تھا۔ کہ میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے بارش کے پاکیزہ پانی سے چاندی کے برتن میں زمین و آسمان کے درمیان حضرت حنظلہ کو غسل دے رہے تھے، لہذا ثابت ہُوا کہ جنبی شہید کا غسل ضروری ہے۔

شہدا کا جنازہ پڑھنے کے متعلق امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اُن کا جنازہ پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی مغفرت تو ہو چکی ہے۔ تاہم امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی رائے ہے کہ جنازہ پڑھا جائے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ جنازہ صرف گناہوں کی معافی کے لیے ہی نہیں بلکہ درجات کی بلندی کے لیے بھی پڑھا جاتا ہے۔ شہدا کا جنازہ پڑھنے کا مقصد یہ ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے

شہداء بیر معونہ

بیر معونہ کے مقام پہ ستر صحابہ کرامؓ جو قرار، فضلا اور منتخب بزرگوار تھے، شہید

کر دیے گئے۔ یہ کفار کی سازش تھی۔ ابو براء عامر نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہ ملک نجد میں تعلیم اسلام کے لیے مبلغین کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ نے ستر صحابہ کرامؓ ان کے ساتھ بھیج دیے۔ جب یہ قافلہ بیر معونہ کے مقام پر پہنچا، تو انہیں دھوکے سے شہید کر دیا گیا۔ ان شہداء اور شہدائے اُحد کے متعلق بخاری شریف میں روایت ہے کہ انہوں نے عالم برزخ میں اپنی اچھی حالت اور اللہ کی طرف سے انعام واکرام کے متعلق تمنا کی تھی کہ اُن کی اس حالت کا علم دنیا میں رہنے والے اُن کے بھائیوں کو ہو جائے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری حالت کو تمہارے بھائیوں تک پہنچاتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی زبان سے وحی نازل فرمائی بلغوا عنا قومنا انا لقینا ربنا فرضی عنا ورضینا عنہ ہماری قوم تک یہ بات پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے ہیں۔ وہ ہم سے راضی ہو گیا اور ہم اس سے راضی ہو گئے ہیں یہ قرآن پاک کی آیت تھی جو کافی عرصہ پڑھی جاتی رہی، بعد میں منسوخ ہو گئی۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر شہداء کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور خوشخبری سنائی ہے۔ کہ وہ مومنوں کے نیک اعمال کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کا بہتر اجر عطا کرتا ہے۔

درس شصت ۶۰ — آیت ۱۷۲ تا ۱۷۵

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے کہ اُن کو زخم پہنچا۔ اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے نیکی کی ہے اور ڈرتے رہے ہیں بہت بڑا اجر ہے ﴿۱۷۲﴾ وہ لوگ جن کے لیے لوگوں (یعنی کافروں) نے کہا کہ بیشک لوگوں (یعنی مکے والوں) نے تمہارے لیے اکٹھا کیا ہے (لشکر) پس اُن سے ڈرو۔ پس (اس بات نے) اُن کے ایمان کو زیادہ کیا۔ اور انہوں نے کہا، کافی ہے ہم کو اللہ اور وہ بہتر کارساز ہے ﴿۱۷۳﴾ پس وہ لوٹے اللہ کی نعمت اور فضل سے کہ کہ نہ پہنچی اُن کو کوئی برائی۔ اور انہوں نے اللہ کی خوشنودی کی پیروی کی۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ﴿۱۷۴﴾ بیشک یہ بات کہ یہ شیطان ہے جو ڈراتا ہے اپنے دوستوں کو۔ پس اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو ﴿۱۷۵﴾

ربط آیات

یہ آیات بھی غزوہ احد ہی کے ضمن میں ہیں۔ سابقہ درس میں اللہ تعالیٰ نے شہدار کی فضیلت بیان فرمائی اور اُن منافقوں کی مذمت کی جو کہتے تھے کہ اگر مسلمان ہماری بات مانتے، لڑائی کے لیے باہر نہ نکلتے، تو نہ مارے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے شہدار کو مردہ کہنے سے منع فرمایا، بلکہ ان کی حیاتِ جاوداں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں روزی دی جارہی ہے اور وہ صدق اور قرب کے مقام پر فائز ہیں۔ اپنے پس ماندگان کے متعلق انہیں بشارت ملتی ہے کہ اگر وہ بھی صراطِ مستقیم پر گامزن رہے، تو شہدار کے ساتھ آملیں گے۔ اللہ نے واضح فرمادیا کہ وہ ایمان والوں کے اجر کسی صورت میں ضائع نہیں کرتا۔

یہ بات گزشتہ درس میں بیان ہو چکی ہے۔ کہ غزوہ احد میں مشرکین کے سالار لشکر ابوسفیانؓ تھے۔ بڑے بڑے ائمہ کفر تو جنگ بدر میں ہی مارے گئے تھے اور اب سیادت ابوسفیانؓ کو حاصل تھی۔ اگرچہ مسلمانوں کو ابتدائی طور پر فتح حاصل ہوئی مگر بعض صحابہ کی غلطی کی وجہ سے یہ فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔ مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے پھر مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی، کافروں کے دلوں میں رعب ڈالا اور وہ فتح حاصل کرنے کے باوجود پسپا ہونے پر مجبور ہوگئے۔ تاہم ابوسفیانؓ نے لوٹتے وقت اعلان کیا۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ اگلے سال پھر بدر کے مقام پر معرکہ ہوگا۔ گویا اہل اسلام کو چیلنج کیا۔ کہ اگلے سال بدر کے مقام پر پھر مقابلہ کے لیے تیار ہو کر آئیں۔

شانِ نزول

آج کے درس کی پہلی آیات دو مختلف واقعات سے متعلق ہیں اور اس لحاظ سے ان کے شانِ نزول بھی مختلف ہیں۔ پہلی آیت میں اُن صادقین کا ذکر ہے جنہوں نے تکلیف کے باوجود اللہ اور اسکے رسول کی آواز پر لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف بیان کی ہے۔ مفسرین کرام اس آیت کا پس منظر غزوہ احد ہی بیان کرتے ہیں۔ مشرکین اہل اسلام کو کاری ضرب لگانے کے بعد جب واپس ہوئے تو راستے میں ابوسفیانؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کہ مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنے کے باوجود نہ انہوں نے کوئی قیدی بنائے ہیں اور نہ ہی کوئی اور مفاد حاصل کر سکے ہیں۔ مٹھی بھر مسلمان ہیں۔ اب بھی پلٹ کر اُن کا صفایا کر دینا چاہیئے۔ اہل مکہ کے اس

بُرے ارادے کی خبر جب حضور علیہ السلام کو پہنچی۔ تو آپ نے بچے کھچے زخمی صحابہؓ کو جمع فرمایا اور اس خبر سے مطلع فرمایا، اس کے ساتھ ہی یہ مشورہ بھی کیا کہ پیشتر اس کے کہ مشرکین پلٹ کر ہم پر حملہ کریں، کیوں نہ ہم خود اُن کا تعاقب کر کے اُن کے ناپاک ارادے کو خاک میں ملا دیں۔ صحابہ کرامؓ اگرچہ تھکے ماندے اور زخم خوردہ تھے مگر وہ حضور علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مشرکین کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ مسلمان مدینہ طیبہ سے آٹھ میل دُور حمراءالاسد کے مقام تک کفار کے پیچھے گئے، جب مشرکین کو علم ہوا، تو انہوں نے پسپائی میں ہی اپنی خیر منائی اور اسطرح دونوں لشکروں کی دوبارہ مڈبھیڑ نہ ہو سکی۔ حضور علیہ السلام کا لشکر وہاں تین دن تک ٹھہرا رہا، وہاں پر تجارتی لین دین میں منافع بھی حاصل کیا اور پھر باعزت مدینہ لوٹ آئے۔ تو پہلی آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ زخم خوردہ اہل ایمان نے نبی علیہ السلام کے حکم کو بسر و چشم تسلیم کیا اور اس کی تعمیل کی۔

آج کے درس کی دوسری آیت کا پس منظر ۴ھ کا واقعہ ہے۔ احد کے موقع پر ابو سفیانؓ مسلمانوں کو چیلنج کر گیا تھا کہ آئندہ سال پھر ہمارا تمہارا بدر کے مقام پر مقابلہ ہوگا۔ اس پلان کے تحت ابُو سفیانؓ دو ہزار کا لشکر لے کر جس میں پچاس کے قریب گھوڑ سوار بھی تھے مکہ سے نکلا۔ مسلمانوں کا رعب تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اُن کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔ جب یہ لشکر روحا کے مقام پر پہنچا، تو انہوں نے مسلمانوں کو بددل کرنے کے لیے ایک اور منصوبہ بنایا۔ اور وہ یہ تھا کہ کسی طرح مدینہ میں یہ خبر بڑھا چڑھا کر پہنچائی جائے کہ اہل مکہ بہت بڑے لشکر اور ساز و سامان کے ساتھ مقابلہ کے لیے آرہے ہیں۔ اب مسلمان اُن سے بچ نہیں سکتے۔ کفار کا خیال تھا۔ کہ اس قسم کے پراپیگنڈہ سے مسلمان مرعوب ہو کر خود ہی ہتھیار ڈال دیں گے۔ اور مقابلے کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ اس مقام پر مشرکین کو معبد خزاعی نامی ایک شخص ملا جو مدینہ کی طرف جا رہا تھا۔ انہوں نے پراپیگنڈا کا کام اس سے لینا چاہا۔ وہ شخص اگرچہ اُس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا۔ مگر دل سے حضور علیہ السلام کا طرفدار تھا۔ اُس شخص نے مشرکین کو بتایا کہ وہ مسلمانوں کی

طاقت اور جذبہ ایمانی سے واقف ہے، تم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ یہیں سے واپس چلے جاؤ، ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ اس سے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا مزید رعب داخل ہو گیا۔ مگر وہ جس قبیح مقصد کے لیے آئے تھے اُس سے دستبردار ہونے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے مطلوبہ پراپیگنڈہ کے لیے دوسرے لوگوں کی خدمات حاصل کیں۔ قبیلہ عبدالقیس کا ایک قافلہ مدینے کی طرف رواں تھا، اُس کے قائدین کی کچھ منت سماجت کی، کچھ لالچ دیا اور انہیں اپنے حق میں پراپیگنڈا کرنے پہ آمادہ کر لیا۔ چنانچہ جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا اور انہوں نے لشکر کفار کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ تو اہل اسلام پر اس پراپیگنڈہ کا اثر یہ ہوا۔ کہ جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر اُن کی قوت ایمانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ آج کی دوسری آیت کریمہ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

پراپیگنڈا بطور مؤثر ہتھیار

پراپیگنڈا کو ہمیشہ سے ایک مؤثر ہتھیار کے طور پہ استعمال کیا جاتا رہا ہے معاملہ مذہبی ہو یا سیاسی معاشی ہو یا معاشرتی ہر صورت میں پراپیگنڈہ کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے میں پراپیگنڈا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ خاص طور پہ جنگ کے دوران اپنی قوم کی حوصلہ افزائی اور دشمن کی اعصاب شکنی کے لیے پراپیگنڈا بہترین ہتھیار ثابت ہوا ہے۔ اس زمانے میں پراپیگنڈا کی ابتدا تو انگریزوں نے کی تھی۔ اس کا اصول یہ تھا کہ اگر کتے کو بھی مارنا مقصود ہو تو پہلے سخت پراپیگنڈہ کر کہ یہ باولا ہے، اس کے بعد اُس کو گولی مار دو۔ آجکل اس ہتھیار کا سب سے زیادہ استعمال اشتراکی ممالک خصوصاً روس کے ہاں ہوتا ہے۔ اس پراپیگنڈا کی ابتدا غریب کی حمایت سے ہوتی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں کو سرمایہ داری کے خلاف تیار کیا جاتا ہے۔ جب لوگوں کے دلوں میں اشتراکیت کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو جاتا ہے، تو پھر ہمسایہ ملک پہ حملہ کر دیا جاتا ہے اور اُسے ہمیشہ کے لیے اشتراکیت کے جہنم میں جھونک دیا جاتا ہے۔ بہرحال کفار مکہ نے بھی اسی ہتھیار کو آزمایا مگر اہل ایمان کے ناقابل شکست ایمان پہ اس کا کوئی منفی اثر

مرتب نہ ہوا، بلکہ اُن کے ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہو گئے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ کرامؓ کے ایمان کی پختگی کا ذکر فرمایا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ بعد اس کے کہ وہ زخم خوردہ تھے انہیں احد کے مقام پر سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا ستر صحابہ کرامؓ شہید ہو چکے تھے باقیوں میں سے بیشتر زخمی تھے مگر جب اللہ کے رسول نے منشائے ایزدی کے مطابق دشمن کے

تعاقب کا حکم دیا، تو بچے کھچے زخمی صحابہؓ نے اس حکم پر دل و جان سے لبیک کہا اور دشمن کے تعاقب میں آٹھ میل چلے گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر صحابہؓ کی مدح بیان فرما کر تمام اہلِ اسلام کو ترغیب دی ہے۔ کہ وہ بھی اسلام کے اولین جانثاروں کی تقلید میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کے لیے ہمیشہ تیار رہیں۔ اللہ نے فرمایا لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ ان میں سے جن لوگوں نے نیکی کا راستہ اختیار کیا وَاتَّقَوْا اور پرہیزگاری اختیار کی اَجْرٌ عَظِیْمٌ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح پہلے نیک لوگوں کو انعامات سے نوازا ہے آئندہ بھی نیکی کرنے والوں کو بلند درجات عطا فرمائے گا۔

ایمان میں اضافہ

اب اگلی آیت میں دوسرے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ وہ لوگ کہ جن کو لوگوں نے کہا یہاں پر الناس سے مراد وہی تاجر لوگ جن کا تعلق قبیلہ عبدالقیس سے تھا اور وہ مدینہ کی طرف جا رہے تھے اور انہوں نے مشرکین کے کہنے پر مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈا کیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس ناس سے مراد جماعت بھی ہو سکتی ہے اور فردِ واحد بھی۔ کیونکہ عربی زبان میں اس لفظ کا اطلاق دونوں معانی پر ہوتا ہے۔ چنانچہ فقہائے احناف بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے لا اکلم الناس واللہ یعنی اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے کلام نہیں کروں گا۔ اور اس کے بعد وہ شخص اگر کسی ایک آدمی سے بھی کلام کر لے گا تو

اُس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ ناس کا لفظ جماعت اور فرد واحد پہ یکساں بولا جاتا ہے چونکہ مدینہ کی طرف پورا قافلہ جارہا تھا اور اُن سب کو مشرکین نے پراپیگنڈا پہ آمادہ کیا تھا، اس لیے اس ناس سے جماعت مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مشرکین نے صرف ایک آدمی کو اس کام پہ مامور کیا تھا۔ اگر ایسا ہے تو پھر ناس سے مراد وہ فرد واحد ہو گا۔ بہر حال یہاں پہ اَلَّذِیْنَ سے مراد مدینہ والے اہلِ ایمان ہیں اور الناس سے مراد وہ ایک یا زیادہ تجار ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈا کیا۔ تو معنیٰ یہ ہوا کہ جب قافلے والوں نے مدینہ طیبہ کے مسلمانوں سے یوں کہا۔ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ بیشک لوگوں نے تمہارے لیے اکٹھا کیا ہے۔ یہاں پہ ناس سے مراد مشرکین مکہ ہیں جنہوں نے تجارتی قافلے کو اپنے حق میں پراپیگنڈا کے لیے بھیجا تھا۔ مطلب یہ کہ قافلے والوں نے اہل مدینہ سے جاکر کہا کہ مکے والوں نے تمہارے مقابلے کے لیے کثیر فوج اور وافر اسلحہ اکٹھا کر رکھا ہے۔ اور وہ تم پہ عنقریب حملہ آور ہونے والے ہیں لہذا فَاخْشَوْهُمْ اُن سے ڈر جاؤ۔ مقصد یہ تھا کہ تم اہل مکہ کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ لہذا جنگ کیے بغیر ان کی اطاعت قبول کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین کے اس جھوٹے پراپیگنڈا سے مسلمان خوفزدہ نہ ہوئے فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا بلکہ اُن کے ایمان میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ اسلام پہ مزید جم گئے۔ مشرکین سے ڈرنے کی بجائے اُن کے جذبہ جہاد میں مزید اضافہ ہوا۔ اور انہوں نے کہا وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ہمارے لیے ہمارا اللہ کافی ہے۔ وہ بہترین کارساز ہے۔ ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔

یہ کلمہ بہترین ورد بھی ہے۔ یہ اس بات کا اقرار ہے۔ کہ خالق، مالک اور مسبب الاسباب ذات واحد ہے، فتح و شکست اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی نے ہمارا کام بنانا ہے جب تک کسی چیز میں اللہ اثر نہ ڈالے اُس وقت تک کوئی چیز مفید نہیں ہو سکتی۔ لہذا اسی پہ ہمارا بھروسہ ہے۔ حضرت ابوالحسن شاذلیؒ نے اس ورد کے فضائل اور مختلف مقاصد کے لیے اسے پڑھنے کے متعلق ایک رسالہ القول الجلیل لکھا ہے۔ بہر حال

حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ حصول مقصد کے لیے بڑا اچھا وظیفہ ہے۔

صحابہ کرامؓ کی فضیلت

امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اور عام اہل ایمان کو یہ بات سمجھائی ہے کہ تم بھی انہی کا طریقہ اختیار کرو۔ اِن مجاہدوں کو تکلیف بھی آتی ہے تو جزع فزع نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اللہ کے دین پر مزید جم جاتے تھے۔ احد کے موقع پہ ذراسی اجتہادی غلطی ہوئی تھی، تو فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔ انہوں نے اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ سمجھا اور پھر جان فروشی پہ مستعد ہو گئے۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر زخم خوردہ صحابہؓ نے دشمن کا آٹھ میل تک تعاقب کیا اور تین دن تک وہاں ٹھہرے۔ اگلے سال ۴ھ میں جب ابوسفیانؓ کے لشکر کی خبر ملی تو حضور علیہ السلام پندرہ سو جان نثاروں کے ساتھ بدر کے مقام پہ پہنچے وہاں پہ آٹھ دن تک انتظار کیا مگر ابوسفیانؓ کو سامنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ غزوہ بدر صغریٰ کہلاتا ہے۔ وہاں پر جنگ تو نہ ہوئی۔ البتہ صحابہؓ نے وہاں کی منڈی میں تجارت کی جس سے کافی نفع حاصل ہُوا۔ جسے تمام مجاہدین میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا۔ اسی مالی فائدے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ پس وہ اللہ کا انعام اور فضل لے کر واپس لوٹے۔ اس انعام سے تجارتی منافع اور آخروی ثواب دونوں مراد ہیں۔ اور فضل سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ خاص مہربانی ہے جو اُن کے شامل حال تھی۔ اس کے علاوہ وہ بالکل صحیح سلامت واپس آئے لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ اور اہل ایمان کو کوئی تکلیف بھی نہ پہنچی اور اُن کی خصوصی شان یہ ہے وَاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی پیروی کی۔ اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ جب انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے تابع کر لیا تو پھر وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ اللہ تعالیٰ بھی بہت بڑے فضل والا ہے۔ اُس نے دنیا میں بھی اُن کو غالب کیا۔ اور آخرت میں بھی اُن کو وافر حصہ عطا کرے گا۔

شیطانی فعل

مشرکین کی اس سازش کے متعلق آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا ذٰلِكُمُ

الشَّیطٰنُ یُخَوِّفُ اَولِیَآءَہٗ شیطان ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے یعنی اس جھوٹے پراپیگنڈا سے شیطان کے اپنے دوست (یعنی کمزور ایمان والے اور منافق قسم کے لوگ) تو ڈر سکتے ہیں مگر اہل اسلام پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا (امام شاہ ولی اللہؒ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، دیکھو فتح الرحمان اور امام بیضاویؒ نے دونوں تفسیروں کو اختیار کیا ہے) اس کا دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان نے اپنے حواریوں کے ذریعے جھوٹا پراپیگنڈا کروایا تاکہ مسلمان ڈر جائیں۔ اور مشرکین کی اطاعت قبول کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا فَلَا تَخَافُوھُم تم اُن سے مت ڈرو، اُن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ اس کے بجائے وَخَافُونِ اِن کُنتُم مُّؤمِنِینَ اگر تم پکے سچے مومن ہو تو مجھ سے ڈرو کہ کہیں میرے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو جائے

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں صحابہ کرامؓ کا نمونہ بیان فرما کر اُن کے بعد آنے والے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے۔ کہ تم کو بھی صحابہؓ کی طرح تکلیف کے باوجود دین کی خاطر ہمہ تن تیار رہنا چاہیئے اور تمہاری زبان پر بھی حَسبُنَا اللّٰہُ وَنِعمَ الوَکِیلُ کے الفاظ ہونے چاہئیں۔ اگر اللہ کی ذات پر بھروسہ کر کے دشمن کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ گے تو فتح و نصرت تمہارا استقبال کرے گی، جب کوئی انسان اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ کے سپرد کر دیتا ہے تو پھر فَانقَلَبُوا کا مصداق بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے انعام اور فضل اس کے شامل حال ہو جاتے ہیں گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ گزر چکا ہے۔ کہ اگر تم ایمان اور اخلاص پر قائم رہو گے تو ہم کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیں گے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب باقی نہیں رہا، کیونکہ مسلمان اپنے مرکز کو ترک کر چکے ہیں۔ آج ہم امریکہ اور روس کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ ہم اُن کی مادی مدد کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہمارا رعب اُن پر کیسے وارد ہو سکتا ہے۔ آج مسلمانوں میں صحابہ کرامؓ والی جانفشانی کا کروڑاں حصہ بھی باقی نہیں رہا۔ کیونکہ ہمارا ایمان کمزور ہو چکا ہے۔ اور دنیا صرف ایمان سے ڈرتی ہے! الغرض! اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کا نمونہ بیان فرما کر آئندہ آنے والے مسلمانوں کے لیے راہ عمل متعین کر دی ہے۔

درس شصت و یک ۶۱

آیت ۱۷۶ تا ۱۷۸

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

ترجمہ :۔ اور آپ کو وہ لوگ غم میں نہ ڈالیں جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں۔ بیشک یہ لوگ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے۔ کہ ان کے لیے آخرت میں حصہ نہ بنائے اور اُن لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے ﴿۱۷۶﴾ بیشک وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر کو خریدا، اللہ تعالیٰ کو ہرگز کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۱۷۷﴾ اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ بیشک جو مہلت ہم اُن کو دے رہے ہیں، وہ اُن کے نفسوں کے لیے بہتر ہے۔ بیشک ہم مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ مزید گناہ کریں۔ اور اُن کے لیے ذلت ناک عذاب ہے ﴿۱۷۸﴾

ربطِ آیات

شہداء کے فضائل بیان کرنے کے بعد گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی فضیلت بیان فرمائی تھی۔ غزوہ احد کے اختتام پر صحابہؓ کے زخموں کے ابھی خون بھی بند نہیں ہوئے تھے کہ وہ اللہ اور رسول کے حکم کی تعمیل میں کفار کے تعاقب میں نکل

کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے اجرِ عظیم کی بشارت سنائی۔ پھر مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے جو پراپیگنڈا کا ہتھیار استعمال کیا تھا، اہلِ ایمان نے اُس کا بھی کوئی اثر قبول نہ کیا، بلکہ اُن کے ایمان مزید مضبوط ہو گئے۔ اُن کی زبان پہ "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" کے الفاظ تھے، گویا انہوں نے دشمن سے خوفزدہ ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات پہ بھروسے کا عملی نمونہ پیش کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیوی انعام سے بھی مالامال کیا اور آخرت میں اُن کے لیے وافر حصہ مقرر کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے پراپیگنڈا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا "اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ" یہ شیطانی فعل ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنے دوستوں کو توڑ ڈرا سکتا ہے، مگر اہل ایمان پہ اُس کا کوئی بس نہیں چلتا۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے "یہ جو ہے سو شیطان ہے، کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے" یعنی اپنے حواریوں کے ذریعے اہل ایمان کو ڈراتا ہے۔ موجودہ زمانے میں بھی دشمن کو مغلوب کرنے کے لیے اِس قسم کے ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ آج کی سرد جنگ (COLD WAR) اور اعصابی جنگ (NEYOUS WAR) اسی قبیل سے ہیں۔ مگر جن لوگوں کو خدا کی ذات پہ بھروسہ ہے وہ مادی اسباب کو بھی جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے بھی واقف ہیں۔ انہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر چیز پہ حاوی ہے۔ مومن اللہ کے حکم کے مطابق اسباب کو اختیار کرتے ہیں مگر وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے بھی کامیابی عطا کر سکتا ہے۔ بہر حال مخالفین کا پراپیگنڈا شیطانی فعل ہے، جس کے ذریعے وہ اہل ایمان کو خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اہل ایمان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ نے فرمایا کہ شیطانی تدابیر سے نہ ڈرو بلکہ محض میری نافرمانی سے ڈرو۔

منافقین کی مذمت

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اُن منافقین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جو مشرکین کے غلط پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر کفر کی طرف دوڑتے ہیں تاکہ اُن کے ساتھ تعلقات

استوار کر کے کسی آئندہ مصیبت سے مامون رہیں۔ اللہ نے ایسے لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ اے پیغمبر علیہ السلام! وہ لوگ آپ کو غم میں نہ ڈالیں جو کافروں کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں تاکہ اُن کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کر سکیں۔ فرمایا آپ دین کے معاملہ میں فکرمند نہ ہوں اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا یہ لوگ اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہاں پر اللہ کو نقصان پہنچانے سے مراد اللہ کے دین کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس قسم کا طرزِ کلام قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں آتا ہے۔ جیسے سورۃ حج میں آتا ہے وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ "اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا، جو اُسکی مدد کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی کیا ضرورت ہے، وہ تو خود مدد کرنے والا ہے اور ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ مگر مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرے گا۔

لفظ لَن مستقبل کے لیے نفی تاکیدی کا معنی دیتا ہے۔ یعنی یہ لوگ آئندہ زمانہ میں بھی اللہ کے دین اور اہلِ ایمان کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے بشرطیکہ اہل ایمان اپنے ایمان پر پوری طرح قائم رہیں۔ اس مقام پر تو منافقین کی بات ہو رہی ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے یہ اصول تبلا دیا کہ سچے مومنوں کے خلاف یہود، نصاریٰ، مشرکین یا کسی بھی دشمنِ دین کی سازش کامیاب نہیں ہو سکیگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لیکر آج تک غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ سازشیں کرتے رہے ہیں۔ خصوصاً گزشتہ چار صدیوں میں تو اہل اسلام کے خلاف اس قدر طوفان برپا کیا گیا ہے کہ بیچارے اجتماعی طور پر مغلوب ہو گئے ہیں۔ تاہم دین اور اہل اسلام کو جس قدر بھی نقصان پہنچا ہے یہ ہماری اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہے۔ اگر مسلمان صراطِ مستقیم پر قائم رہیں تو اللہ کا وعدہ آج بھی موجود ہے کہ تمام حربے استعمال کرنے کے باوجود یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

فرمایا اِن کی سازشوں کے صلے میں يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ

حَظًّا فِی الْاٰخِرَۃِ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ اُن کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔ ظاہر ہے۔ کہ جو لوگ اہل ایمان کے خلاف کافروں کے ساتھ ساز باز کریں گے، خدا تعالیٰ کے احکام کو پسِ پشت ڈالیں گے، اُس کے ماننے والوں کا کچھ خیال نہ کریں گے اُن کا آخرت میں کیا حصہ ہو سکتا ہے، البتہ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ اُن کے لیے بہت بڑا عذاب ضرور ہو گا۔

ایمان اور کفر

آگے اللہ تعالیٰ نے ایمان اور کفر کا تقابل بیان فرمایا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ وہ لوگ جنھوں نے ایمان کے بدلے میں کفر خریدا۔ فرمایا یاد رکھو لَنْ یَّضُرُّوا اللہَ شَیْئًا وہ نہ خدا کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ اس کے دین کو۔ اللہ کا دین صداقت اور حقانیت پر مبنی ہے، اس کو اختیار کرنے والے لوگ ہمیشہ قائم رہیں گے، حتیٰ کہ مسیح علیہ السلام نازل ہو جائیں یعنی قیامت برپا ہو جائے یہ ایمان اور کفر کا تقابل ہے۔ سورۃ بقرہ میں بھی آچکا ہے فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ منافقین نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی کو خریدا ہے۔ لہٰذا اس تجارت نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ یہاں بھی معاملہ ایسا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل، حواس، ظاہری اور باطنی قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ انسانی زندگی ایک پونجی ہے جو اللہ نے اسے وجود کے ساتھ عطا کی ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ اس زندگی کی پونجی کو ایسی تجارت میں لگاؤ جو تمہارے لیے نفع بخش ہو۔ اس پونجی سے ایمان اور نیکی کا سامان خریدو جو تمہیں جنت تک لے جائے گا۔ ترمذی شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ جو خوف کھاتا ہے وہ جلدی چل پڑتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ میں جلدی چل کر وقت پر منزل مقصود تک پہنچ جاؤں۔ اور جو جلدی پہنچ گیا وہ یقیناً کامیاب ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا اَلَا اِنَّ سِلْعَۃَ اللہِ غَالِیَۃٌ اللہ تعالیٰ کا سودا بڑا مہنگا ہے اللہ کے ساتھ جنت کا سودا مطلوب ہے تو اس کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا ہو گی۔ اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں کی ہے۔ اِنَّ اللہَ اشْتَرٰی

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ اللہ تعالےٰ نے ایمان والوں کے ساتھ سودا کیا ہے کہ اُن کی جان اور مال خرید کر اُس کے بدلے میں جنت عطا فرمائی ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی اور مال جیسی قیمتی پونجی عطا کر کے فرمایا کہ اس کے بدلے میں مہنگا سودا یعنی جنت خرید لو۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو عقل و فکر کی قوت بخشی، حواس عطا کیے اور بقول امام بیضاویؒ انسان کی ہدایت کے لیے تمام اندرونی اور بیرونی ذرائع مہیا کیے۔ اپنے رسول بھیجے، معلم اور مبلغ مقرر کیے تاکہ انسان نیکی کو اختیار کرے۔ اور پھر اس قیمتی پونجی کے بدلے میں جنت جیسی اعلیٰ چیز خریدے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ کہ انسانی زندگی ہے تو بڑی قیمتی پونجی مگر جلد ختم ہو جانے والی ہے۔ فرماتے ہیں۔

عمر برف ست و آفتاب تموز

اندکے ماند و خواجہ غرہ ہنوز

انسان کی عمر کی مثال برف کی ڈلی جیسی ہے اور اُدھر بھادوں کا سورج بھی نکلا ہوا ہے جب کہ سورج کی تپش اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں برف جلدی جلدی پگھل جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ برف یعنی عمر تھوڑی رہ گئی ہے۔ اور صاحب دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس پونجی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔ اس قیمتی پونجی کے بدلے ایمان خرید و جو کہ تمہارے لیے فلاح دوام کا سامان ہوگا۔

مسند احمد، ترمذی اور دارمی میں حضرت صدیق اکبرؓ سے مروی ہے۔ کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کونسا آدمی بہتر ہے۔ فرمایا مَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ جس کی عمر دراز ہو اور اعمال اچھے ہوں۔ آپ سے پھر پوچھا گیا، حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) بُرا انسان کون ہے۔ فرمایا مَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَسَاءَ عَمَلُهٗ جس کی عمر زیادہ ہو مگر اعمال بُرے ہوں۔ انسان کی عمر، حواس، تندرستی قیمتی پونجی تھی مگر اُس نے اس سے برائی خریدی فرمایا اس برائی کا وبال انہی پہ ہوگا۔ وہ ان قبیح حرکات سے لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا

اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اور ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔

آخری امت کی عمریں

حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی کہ سابقہ امتوں کی لمبی لمبی عمریں ہوا کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ چار سو، پانچ سو اور ہزار سال تک کی عمریں بھی پائی گئیں، مگر فرمایا[۱] اعمار امتی مابین ستین الی سبعین میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہونگی۔ فرمایا وَقَلَّ مَنْ یَّجُوْزُ ذٰلِکَ بہت کم لوگ ہوں گے جو اس سے آگے جائیں گے۔ بیہقی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے دنیا میں ساٹھ سال کی عمر عطا کی ان کے لیے قیامت کے روز اعلان ہو گا۔ اَیْنَ ابناء الستین یعنی ساٹھ سال کی عمر والے لوگ کہاں ہیں۔ وہ لوگ فوراً حاضر ہو جائینگے۔ فرمایا یہ اس لیے ہو گا کہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ "اَوَلَمْ نُعَمِّرْکُمْ مَّا یَتَذَکَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَکَّرَ وَجَآءَکُمُ النَّذِیْرُ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی کہ انسان نصیحت پکڑ لے، نیکی حاصل کر لے اور ایمان اور تقویٰ کی دولت حاصل کر لے فرمایا یہ ساٹھ سال کی عمر کے متعلق ہے۔ جب کوئی انسان اس عمر کو پہنچ جاتا ہے۔ تو پھر اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں رہتا۔ انسان یہ نہیں کہ سکتا کہ نیکی کمانے کے لیے مجھے دنیا میں مہلت نہیں ملی بعض مفسرین فرماتے ہیں اَوَلَمْ نُعَمِّرْکُمْ سے مراد بالوں کی سفیدی ہے۔ یہ انسان کو ڈرا رہی ہے۔ کہ تمہاری عمر ختم ہونے کے قریب ہے، اب ہوشیار ہو جاؤ۔ اور جس قدر نیکی کما سکتے ہو، کما لو۔

کفار کے لیے مہلت

اس کے بعد فرمایا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِھِمْ کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہماری عطا کردہ مہلت ان کے حق میں بہتر ہے۔ ہم انہیں مہلت اس لیے دے رہے ہیں تاکہ وہ مزید گناہ کا ارتکاب کریں اور پھر یکبارگی ہماری گرفت میں آجائیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شاگرد استاذ کے بار بار کہنے پر تعلیم کی طرف توجہ نہ دے، تو استاذ آخر اُسے کہنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ اور کہتا ہے اچھا! جب

---

[۱] ترمذی صـ۳۳۸ (فیاض)

امتحان کا وقت آئیگا تو پھر تم سے نمٹ لوں گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں۔ کہ تمہیں جو ڈھیل دی جارہی ہے یہ تمہارے فائدے کے لیے نہیں اِنَّمَا نُمْلِی لَھُمْ لِیَزْدَادُوْآ اِثْمًا بلکہ اس واسطے کہ تم مزید گناہ میں مبتلا ہو جاؤ۔ اور پھر جب میری پکڑ آئیگی تو تم ذلیل و خوار ہو کر رہ جاؤ گے۔ سورۃ الرحمٰن میں جنوں اور انسانوں سب کو مخاطب کر کے فرمایا سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ "ہم تمہاری خبر لینے کے لیے عنقریب فارغ ہوا چاہتے ہیں۔ تمہارے کئے کی سزا تمہیں مل کہ رہیگی۔ یہاں بھی یہی چیز سمجھائی جارہی ہے۔ کہ زندگی کی قیمتی پونجی کو اچھی تجارت میں لگا کر اس سے آخرت کا سامان خرید لو۔ اس عمر کو غنیمت جانو صحت سے فائدہ اٹھاؤ مال کو اچھے مصرف میں لگاؤ۔ اگر اس پونجی سے فائدہ نہ اٹھایا تو یاد رکھو! وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ ایسے لوگوں کے لیے ذلّت ناک عذاب بھی تیار ہے۔ وہ بچ نہیں سکیں گے۔

درس شصت و دو ۶۲ — آیت ۱۷۹

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو اس حالت میں چھوڑ دے جس پر تم ہو، یہاں تک کہ جدا کر دے خبیث کو پاک سے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے۔ کہ تم کو غیب پر مطلع کر دے۔ مگر اللہ منتخب فرماتا ہے جس کو چاہے اپنے رسولوں میں سے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور بچتے رہو گے، پس تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے ﴿۱۷۹﴾

گذشتہ درس میں نافرمان لوگوں کی مالی آسودگی اور اُن کو اللہ کی طرف سے مہلت دینے کا تذکرہ تھا۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ اگر ایسے لوگوں کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہو جائیں، لمبی عمر مل جائے اور وہ کفر، شرک اور بُرائی کا ارتکاب کرتے رہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اللہ کے محبوب بن گئے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ اس لیے مہلت دیتا ہے تاکہ وہ معصیت میں دُور تک چلے جائیں، اور پھر اس کی انتہا یہ ہو گی کہ وہ عذاب مہین کا شکار ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے متعلق فرمایا کہ اگر انہیں کسی وقت تکلیف آ جائے وہ مصیبت کا شکار ہو جائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ کے مقبول بندے نہیں ہیں، بلکہ خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں اُن کی بڑی قدر و منزلت ہے اور وقتی

تکلیف محض اُن کا امتحان ہے۔

شکست کی تکوینی حکمت

پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کی شکست کی وجہ اللہ تعالےٰ کی ناراضگی نہیں تھی، بلکہ اس کی بہت سی حکمتیں تھیں، جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں کا امتحان لینا چاہتا تھا اور اُن کے اخلاص کو ظاہر کرنا چاہتا تھا "وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ" کے الفاظ پہلے آچکے ہیں۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کی تکوینی حکمت بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلص مومنوں اور منافقوں کے درمیان واضح امتیاز پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ کون خالص مومن ہیں اور کون منافق، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ پکے سچے مسلمان منافقین کی سازشوں سے اپنا دفاع کر سکیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے۔ کہ مومنوں کو اُس حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو۔ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے علیحدہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں ہے۔ کہ خالص مومن اور منافق آپس میں ملے جلے بلا امتیاز چلتے رہیں۔ جو لوگ ایماندار ہیں اور اپنی فکر، ذہن اور عمل کے لحاظ سے پاک ہیں۔ وہ فکری، ذہنی اور عملی لحاظ سے ناپاک لوگوں کے ساتھ کیسے اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ انہیں تو بہر حال ممیز ہونا چاہیئے۔ بدعقیدگی، کفر اور شرک گندگی ہے۔ قرآن پاک نے صاف فرمایا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ مشرک بلاشبہ پلید ہیں۔ اللہ نے منافق کو بھی ناپاک فرمایا ہے۔ مگر مومن کی شان یہ ہے۔ کہ وہ جنابت میں بھی ناپاک نہیں ہوتا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اَلْمُؤْمِنُ لَا یَنْجُسُ مومن کبھی نجس نہیں ہوتا، اُسکی روح ہمیشہ پاک رہتی ہے وقتی طور پر اُس کا جسم ناپاک ہو جاتا ہے، اُس کے لیے غسل فرض ہو جاتا ہے، مگر ایسی حالت میں بھی وہ دوسرے شخص کو سلام کر سکتا ہے۔ اس سے مصافحہ کر سکتا ہے۔ لوگوں سے میل ملاپ کر سکتا ہے، اللہ کا ذکر کر سکتا ہے جس

روح میں ایمان اور توحید بھری ہوئی ہے، وہ ناپاک نہیں ہوتی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی یہ تکوینی حکمت ہے کہ وہ مخلصین کو منافقین سے الگ کر دے۔

یہاں پہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا یہ ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شکست دے کر ہی منافقوں کو ممتاز کرے، وہ مالک الملک ہے۔ وحی کے ذریعے بھی منافقوں کی نشاندہی کرنے پہ قادر تھا۔ بعض دیگر مواقع پہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ہی بتلایا کہ فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ سورۃ توبہ میں اس کی مثال موجود ہے اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّۃً اَوْمَرَّتَیْنِ سال میں ایک دو مرتبہ منافقوں کی ضرور رسوائی ہوتی ہے۔ جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ کون کون منافق ہے۔ بعض منافقین کے متعلق صریح آیات بھی نازل ہوئی ہیں۔ مگر یہ لوگ پھر بھی نہ اپنے نفاق کا اقرار کرتے ہیں اور نہ توبہ کرتے ہیں۔ اگر غزوہ احد کے موقع پر ان کو محض وحی کے ذریعے علٰحدہ کیا جاتا تو یہ لوگ اعتراض کر سکتے تھے کہ ہم تو پکے مسلمان ہیں، ہمیں کیوں جدا کیا گیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وحی کی بجائے مومنوں کو بالفعل مشاہدہ کرا دیا۔ کہ دیکھ لو یہ لوگ منافق ہیں۔ ان میں سے تین سو کے قریب تو راستے ہی سے عبداللہ بن ابی کی معیت میں واپس چلے گئے، اور جو جنگ میں شریک بھی ہوئے انہوں نے بزدلی کی بعض ایسی باتیں کیں جس سے اُن کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اب عذر نہیں کر سکیں گے کہ انہیں بلاوجہ جدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو اہلِ ایمان سے جدا کرنے کی تکوینی حکمت بیان فرما دی۔

غیب کی خبریں

آگے دوسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ اللہ تعالیٰ ایسا بھی نہیں ہے کہ ہر ایماندار کو غیب پہ مطلع کر دے۔ یعنی اللہ پہ یہ لازم نہیں کہ ہر ایک کو دوسرے کے حال سے واقف کرائے۔ کہ فلاں مومن یا فلاں منافق ہے۔ فلاں توحید پرست ہے اور فلاں مشرک ہے اس کے بجائے وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ کے

منتخب لوگ ہوتے ہیں "اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ" یہ چنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں جن کے اندر اللہ تعالیٰ خاص صلاحیت اور استعداد رکھتا ہے اور پھر اُن کو غیب کی بات بتلاتا ہے۔ اور اس میں کسی دوسرے کو دخیل نہیں ہونے دیتا۔ جب وحی آتی ہے تو فرشتوں کا پہرا لگ جاتا ہے۔ سورۃ جن میں موجود ہے "فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا" نزول وحی کے وقت اللہ تعالیٰ آگے پیچھے پہریدار لگا دیتا ہے۔ اور مطلوبہ چیز براہ راست نبی کے قلب پر وارد ہوتی ہے۔ اور یہ وحی انبارِ غیب یعنی غیب کی خبر بن جاتی ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا "ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ" یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر وحی کی اور اُن کو نبوت عطا کی مگر اے پیغمبر! آپ خود تو وہاں موجود نہیں تھے۔ یہ سب خبریں ہم نے آپ کو وحی کے ذریعے بتائیں۔ یہ چیزیں اخبارِ غیب کہلاتی ہیں

غیب کا مفہوم

غیب کا معنیٰ مخفی اور پوشیدہ ہے۔ عربی زبان میں پست جگہ کو بھی غیب کہتے ہیں۔ گھڑے کے اندر جو دبا ہوا حصہ ہوتا ہے اس کو بھی غیب کہتے ہیں۔

علامہ بیضاویؒ نے غیب کا مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے مَالَا يُدْرِكُهُ الْحِسُّ ایسی چیز جسے حواس کے ذریعے معلوم نہ کیا جاسکے، حواس ظاہرہ ہوں یا باطنہ لا تقتضیہ بداھۃ العقل وہاں تک عقل کی رسائی نہ ہو سکے۔ جو چیز عقل اور حواس کے ذریعے معلوم ہوگی، وہ غیب نہیں ہوگی بلکہ اخبارِ غیب بن جائیگی۔ غرض غیب وہ چیز ہے جو نہ حواس سے معلوم ہو سکے اور نہ عقل کا وہاں تک ادراک ہو۔

غیب خاصہ خداوندی ہے

غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا یہ کہ غیب لِذَاتِہٖ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ذاتی ہے۔ کسی کا عطا کردہ نہیں۔ اس کے علاوہ مخلوق کے پاس جس قدر علم ہے وہ سب اللہ کا دیا ہوا

ہے کسی فرد کے پاس ذاتی علم غیب نہیں ہے۔ یہ تو سیدھا سا مسئلہ ہے۔ کہ مخلوق میں سے کسی کی ذات اور ہستی بھی اس کی ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے تو علم جو صفت ہے وہ کیسے ذاتی ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہر صفت بشمول علم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ علم محیط بھی اللہ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ اس کے سوا کسی کا علم، علم محیط نہیں۔ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے۔ "وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ" یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ نیز "وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ" ازل سے لے کر ابد تک کے ذرہ ذرہ کا احاطہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ اس کے علاوہ نہ کسی کو ذاتی علم ہے اور نہ وہ ہر چیز پہ محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ علم انبیاء علیہم السلام کو عطا کرتا ہے۔ اور پھر تمام انبیاء میں سے سب سے زیادہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے۔ لیکن آپ کا علم بھی نہ ذاتی ہے اور نہ محیط ہے۔ آج کے دور میں تو کہا جاتا ہے۔ کہ نبی علیہ السلام ذرے ذرے کا علم جانتے ہیں۔ اہل بدعت نے اس آیت کو غلط معنی پہنائے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نبی کو علم غیب عطا کر دیتا ہے۔ یہ عقیدہ کتاب، سنت اور اجماع امت کے خلاف ہے لہذا باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلی علم کسی کو نہیں دیا۔ قرآن پاک میں بیسیوں آیات ہیں جو اس مسئلہ کو واضح کرتی ہیں۔ قرآن پاک نے تو صاف کہہ دیا ہے "وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ" ہم نے اپنے نبی کو نہ شعر و شاعری سکھائی ہے اور نہ یہ اس کی شان کے شایان ہے شاعری کتنا بڑا فن ہے۔ دنیا میں اس کی لاکھوں کتابیں موجود ہیں مگر یہ چیز نبی کو نہیں سکھائی گئی۔ دنیا میں کتنے علوم ہیں جن سے شریعت نے منع فرمایا ہے جیسے جادو، کہانت، شعر وغیرہ۔ کیا ہم ہر علم کو نبی کی ذات میں جمع کریں گے۔ نبی علیہ السلام نے تو خود دعا کی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ اے اللہ! میں غیر نفع بخش یعنی مضر علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں، وہ مجھے نہ دیا جائے۔ تو ایسی صورت میں نبی علیہ السلام کے لیے علم محیط کیسے تسلیم کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ انبیاء کو وہ علم دیتا ہے جس سے اس کے دین، شریعت اور انسانوں کی تکمیل مقصود ہوتی ہے۔ ہر ہر بات کا علم نہ نبی کے لیے ضروری ہے اور نہ اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نبی اکرم صابن بنانا نہیں جانتے تھے یا وہ مشین فٹ نہیں کر سکتے تھے تو یہ بیہودہ اعتراض ہوگا۔ جس علم کی نبی کو ضرورت تھی اللہ نے پورا پورا دے دیا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ "آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اہلِ بدعت نے انبیاء کے لیے علم غیب اور علمِ محیط ثابت کرنے میں لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ وہ بھی مجبور ہیں جب تک انبیاء کے لیے علمِ غیب ثابت نہیں ہوگا، یہ سلسلہ اولیا اور پیروں تک کیسے پہنچے گا۔ یہ عیسائیوں والا عقیدہ ہے جو مسلمانوں میں بھی عود کر آیا ہے قرآن نے تو صاف فرما دیا "قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ" اللہ کے سوا ارض و سما میں کوئی ذات نہیں جو غیب جانتی ہو تفسیر مدارک والے امام عبداللہ نسفی ساتویں صدی ہجری میں حنفی امام ہے ہیں۔ آپ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ قرآن کریم کی یہ آیت فرقہ باطنیہ کے خلاف نص ہے۔ جو واضح کرتی ہے۔ کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور نبی کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ فرقہ باطنیہ والے حسن ابن صباح کے پیروکاروں میں سے ہیں۔ آغا خانی بھی انہی کی ایک شاخ ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے رافضیوں اور شیعوں کے اڑتالیس اقسام بیان کیے ہیں جن میں سے بعض گمراہ ہیں اور بعض قطعی طور پہ کافر۔ ان باطنیہ فرقے والوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے امام معصوم بھی ہوتے ہیں اور غیب دان بھی۔ تو امام عبداللہ نسفیؒ نے اسی بات کی تردید کی ہے۔ ان کا دوسرا عقیدہ یہ بھی ہے کہ وھم یحلون مایشاءون ویحرمون مایشاءون ان کے امام جس چیز کو چاہیں حلال قرار دے دیں اور جس کو چاہیں حرام کر دیں۔ یہ بھی باطل عقیدہ ہے۔ کسی چیز کی حلت و حرمت صرف

اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ۔ یہ اختیار نبی کو بھی حاصل نہیں ۔ وہ بھی اللہ کے حکم کے مطابق حلال و حرام اشیاء کی وضاحت کرتا ہے ، نہ کہ حلت و حرمت کا اختیار خود رکھتا ہے جب نبی کو یہ اختیار حاصل نہیں تو اماموں کو کیسے حاصل ہو گیا۔

بہر حال امام بیضاویؒ آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے منتخب رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے بعض الغیوب یعنی غیب کی بعض باتیں بتلا دیتا ہے ۔ اور یہ بعض ہوتا ہے ۔ کل نہیں ہوتا ۔ تقریباً یہی جملہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کی بعض خبریں اپنے انبیاء کو وحی کے ذریعے بتا دیتا ہے ۔ جتنی ضرورت ہوتی ہے ، اس سے مطلع کر دیتا ہے مگر ذاتی علم یا علم محیط صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی ہے ،

اجر عظیم

فرمایا فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ تمہارا فرض ہے ۔ کہ اللہ اور اس کے رسولوں پہ ایمان لاؤ ۔ کیونکہ اسی میں تمہاری فلاح ہے وَاِنْ تُؤْمِنُوْا اور اگر کماحقہ ، ایمان لاؤ گے وَتَتَّقُوْا اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو گے ۔ کفر ، شرک ، بدعت ، معاصی اور ذنوب سے بچتے رہو گے ۔ اللہ کی مقرر کردہ حدوں کی حفاظت کرو گے فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب الطاف القدس میں فرماتے ہیں کہ تقویٰ "محافظت بہ حدود شرع" کا نام ہے ۔ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے حلال و حرام کا امتیاز کرنا ، صحیح اور غلط میں فرق کرنا ہی تقویٰ کہلاتا ہے ۔ جو شخص تقویٰ کے معیار پہ پورا اترا ، اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے بہت بڑے انعام کا وعدہ فرمایا ہے ۔

درس شصت وسہ ۶۳ — آیت ۱۸۰

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع

۱۸ ع ۹ ۹

ترجمہ :- اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اُس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے، کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ وہ اُن کے لیے بُری ہے اُن کے گلے میں وہ چیز طوق بنا کر ڈالی جائیگی جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے وراثت آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور جو کچھ وہ کام کرتے ہیں اللہ اسکی خبر رکھتا ہے ﴿۱۸۰﴾

ربط آیات

اس سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کا ذکر فرمایا، اور ان کے فاسد عقیدے کو بیان کیا۔ یہاں پہ زیادہ تر تذکرہ نصاریٰ کا ہے۔ مگر مختصراً یہودیوں کا بھی کچھ بیان آیا ہے۔ اُس کے بعد جنگ احد سے متعلق بہت کچھ آچکا ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی باتیں سمجھائی ہیں اور آخر میں خبیث اور طیب کے امتیاز کا ذکر کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اچھے اور بُرے عقیدے میں امتیاز پیدا کرکے چھوڑے گا اور واضح ہو جائیگا کہ سچے مومن کون ہیں، اور گندے عقیدے والے منافق کون ہیں۔ اس طرح مالک ذوالجلال نے غزوہ احد میں شکست کی تکوینی حکمت بھی بیان فرما دی۔

جہاد بالمال

اللہ تعالیٰ کے دین کی تقویت کے لیے جہاد بہت بڑا عمل ہے جس

کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو انسان بذاتِ خود جہاد میں شریک ہو کر جسم و جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ یا پھر مال خرچ کر کے مجاہدین کے لیے سامان پیدا کرتا ہے۔ گزشتہ دروس میں اُن منافقین کا ذکر آچکا ہے۔ جنہوں نے اپنی جان بچانے کی خاطر مختلف حیلوں بہانوں سے جہاد میں حصہ لینے سے اعراض کیا۔ اب آج کے درس میں اُن بخیل لوگوں کا تذکرہ ہے، جو ضرورت کے وقت خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم سورۃ بقرہ میں بھی آچکا ہے۔ "وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ" اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بخل کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بخیل لوگ بخل کر کے یہ نہ گمان کریں کہ جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے، وہ اُن کے لیے بہتر ہے۔ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ بلکہ وہ تو اُن کے لیے بُرا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ کے الفاظ خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ اللہ کریم انسان کو یہ جتلانا چاہتے ہیں کہ جس مال کے خرچ کا اُس سے تقاضا کیا جا رہا ہے۔ وہ اُس کا ذاتی نہیں بلکہ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے۔ انسان کا تو جسم اور قویٰ بھی ذاتی نہیں ہیں چہ جائیکہ مال ذاتی ہو۔ اللہ تعالیٰ مختلف لوگوں کو مختلف ذرائع سے مال مہیا کر دیتا ہے اور انسان یہ سمجھتا ہے۔ کہ یہ اُس کے عقل و ہنر کا مرہونِ منت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اسباب پیدا کر کے مال دیا ہے۔ اور پھر اس میں سے اپنے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دی مگر کنجوس آدمی سمجھتا ہے۔ کہ کنجوسی اس کے حق میں بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ بخل اُن کے حق میں بہت بُری چیز ہے۔

بخل کی بیماری

بخل کی بیماری ایسی مہلک بیماری ہے جس کی وجہ سے انسان نہ صرف نیکیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کر کے ہلاکت میں پڑ جاتا

ہے۔ بخل کی وجہ سے انسان فرائض بھی ادا نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر جو شخص اپنے مال سے اللہ کی فرض کردہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ وہ مسنون اور مستحب صدقہ و خیرات کب کرے گا۔ اسی لیے بخل کو بدترین اخلاقی بیماری کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" جس شخص کو اس کے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا، یقین جانو وہ کامیاب ہو گیا۔ انسان کا مزاج تو ویسے ہی مال کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے "اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ" تو انسان مال کی شدید محبت میں گرفتار ہے وہ ہر طریقے سے مال حاصل کرنا چاہتا ہے اور پھر خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو صلح کے باب میں بھی فرمایا ہے "وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ" یعنی مال خرچ کر کے بھی صلح کر لینی چاہیے نفسوں کے پاس بخل حاضر ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ خرچ کرنے سے رک جاتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے سامنے عرض کیا گیا، یا حضرت! فلاں شخص میں بخل کی بیماری پائی جاتی ہے فرمایا اَیُّ دَاءٍ اَدْوَءُ مِنَ الْبُخْلِ بخل سے بڑھ کر بری بیماری کونسی ہو سکتی ہے۔ اگلی آیت میں یہودیوں کی اس بیماری کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ قرآن پاک نے یہودیوں کی خرابیوں میں بخل کو بھی شامل کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مطلقاً بخل سے منع فرمایا ہے۔ یہ بدترین بیماری ہے۔

نسائی شریف کی روایت میں آتا ہے لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِيْمَانُ فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا یعنی کسی مومن بندے کے دل میں بخل اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔ جو سچا مومن ہو گا، وہ بخیل نہیں ہو سکتا۔ اگر بخیل ہے تو ناقص الایمان ہے، اسے اپنے ایمان کی اصلاح کرنا ہو گی۔

بخل فی العلم

جس طرح مال اللہ کا فضل ہے۔ اسی طرح علم کو بھی اللہ کا فضل کہا گیا ہے اور بخل نہ مال میں روا ہے اور نہ علم میں، جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم جیسی دولت عطا فرمائی ہے اور وہ اس کو آگے نہیں پہنچاتا، بخل کرتا ہے۔ تو حضور علیہ السلام سے

ایسے شخص کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ مَنْ سُئِلَ عِلْمًا فَكَتَمَهُ أُلْجِمَ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی جس شخص سے کوئی علم کی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا تھا مگر اس نے وہ بات چھپا دی، فرمایا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائیگی۔ سائل علم کا محتاج تھا مگر صاحب علم نے اس کی ضرورت کو پورا نہ کیا، لہٰذا اس نے بخل کیا۔ اس لحاظ سے علم کا بخل مال کے بخل سے بھی بُرا ہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى .... جو لوگ ہماری نازل کردہ واضح باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ " ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ یہ ملعون لوگ ہیں اسی لیے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کے پیش نظر مسلمانوں پر بہت بڑی ذمہ داری آتی ہے۔ مسلمان حامل قرآن ہیں مگر اس وقت حالت یہ ہے۔ کہ دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے چار ارب اس نعمت سے محروم ہیں۔ انہیں قرآنی ہدایت کی ضرورت ہے۔ اور اگر قرآن کا علم ان تک نہ پہنچے اور وہ کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا رہیں تو اسکے ذمہ دار مسلمان ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن جیسی عظیم نعمت دی جسے انہوں نے چھپائے رکھا اور ضرورت مند تک آگے نہیں پہنچایا۔ قرآن پاک کی طرح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت بڑی نعمت ہے مگر اس کو بھی مستحقین تک نہیں پہنچایا جا رہا ہے۔ یہ بھی حق بات کو چھپانے اور "يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کے مترادف ہے اللہ کے راستے سے روکنے والی بات ہے۔ لہٰذا اہل اسلام کی ذمہ داری ہے۔ کہ وہ دین اسلام کے علم کو دوسروں تک پہنچائیں۔ نہ خود برائی کا ارتکاب کریں اور نہ دوسروں کو کرنے دیں۔ یہ سب کچھ فضل میں شامل ہے۔

فضل وسیع معنوں میں

فضل کے لفظ میں اور بھی بہت سی چیزیں آتی ہیں۔ مثلاً سورۃ فتح میں نبی علیہ السلام کے صحابہؓ کی مدح میں آتا ہے۔ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وہ اللہ کا فضل اور رضوان تلاش کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ رضوان سے

سے محروم ہو جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرکے جہالت میں پڑ جاتا

مراد اللہ تعالیٰ کا تقرب اور خوشنودی ہے۔ اور فضل میں ارتفاق، معاش پایا جاتا ہے۔ جس شخص کو جائز ذرائع سے رزقِ حلال میسر آرہا ہے یہ خدا کا فضل اور ارتفاق ہے۔ دوسرے فرائض کے بعد کسبِ رزقِ حلال بھی انسان کے لیے فرض ہے اگر اللہ نے یہ نعمت عطا کی ہے۔ تو اس کے خرچ کرنے میں بخل نہ کرو، کیونکہ جس ذاتِ باری تعالیٰ نے یہ عطا کیا ہے، وہ چھین بھی سکتا ہے۔ ہم نے اپنی زندگی میں کتنے مشاہدات کیے ہیں۔ کہ بڑے بڑے امیر کبیر اور دولت مند چند دنوں میں قلاش ہو گئے۔ لہٰذا مال کے ساتھ حد درجہ کی محبت نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اپنے ہاتھ سے خرچ کر دینا چاہیئے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے یابن اٰدم اِن تبذل الفضل خیرٌ لک اے آدم کے بیٹے! اگر تمہارے پاس ضرورت سے زیادہ مال ہے تو اُسے خرچ کر دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے وان تمسک شر لک اور اگر روک کے رکھو گے تو یہ تمہارے لیے بُرا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر تم نے مال کے فرائض ادا نہیں کیے تو جہنم لازم آئیگی اور اگر فرائض ادا کر دیے ہیں۔ پھر بھی فضیلت سے محروم رہو گے۔ اس میں شر کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور پایا جائے گا۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی دُعا میں فرمایا کرتے تھے اللھم اجعل رزق اٰلِ محمد قوتاً اے اللہ! آل محمد کی روزی بس اتنی کر دے جس سے گذر اوقات ہو جائے اس سے زاید کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ کہیں شر میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اخلاق کا بگاڑ

حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عظیم کتاب ہے۔ گذشتہ بارہ صدیوں میں اسلام کی تائید و خدمت میں ایسی کتاب نہیں ملتی، یہ کتاب ہمارے درسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ آپ کی دوسری معرکۃ الآراء کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ہے۔ اس میں خلفائے اربعہ کی سوانح حیات اور اُن کا نظام حکومت مذکور ہے شاہ صاحبؒ ان دونوں کتابوں میں فرماتے ہیں کہ دنیا میں اخلاق کا بگاڑ پیدا کرنے

والی دو چیزیں ہیں ایک امپریلیزم جسے شہنشاہیت یا ملوکیت کہا جاتا ہے اور دوسری سرمایہ داری۔ انبیاء علیہم السلام ایسی ہی چیزوں کی اصلاح کے لیے تشریف لاتے رہے ملوکیت میں من مانی کاروائیاں کی جاتی ہیں، کسی کے حقوق کا خیال نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے اخلاق میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اور سرمایہ داری میں بھی انسان حلال و حرام کی تمیز کے بغیر مال اکٹھا کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے، جس سے دوسرے لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں، لہٰذا یہ دونوں چیزیں انسانی اخلاق کے بگاڑ کا موجب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ فجر میں فرمایا وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا تم جی بھر کر مال سے محبت کرتے ہو، غرباء مساکین کا خیال نہیں رکھتے یتیموں کی سرپرستی نہیں کرتے، لہٰذا ذلت کا شکار ہو کر رہ گئے۔ ہم مشرقی ممالک کے باشندے سرمایہ داری کا شکار ہیں۔ بر خلاف اس کے بعض ممالک میں اشتراکی نظام رائج ہے۔ یہ سب نظام خدا اور اس کے دین سے انکار پر مبنی ہیں، اس لیے ملعون ہیں ہاں! اسلامی نظام ہی وہ نظام ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آخرت کے مواخذہ پر رکھی گئی ہے۔ لہٰذا اس میں حق تلفی کی بجائے حق رسی ہوتی ہے۔ ذرائع آمدنی پر کنٹرول کر کے حلت و حرمت کو واضح کیا جاتا ہے۔ سرمایہ داری کی حوصلہ افزائی کی بجائے اس کی اصلاح کی جاتی ہے۔ رزق حلال کمانے کی ترغیب دی جاتی ہے اسی لیے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اسلام نے باطل نظاموں کو ختم کر کے اپنا اعلیٰ وارفع نظام قائم کیا ہے۔ جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اقتدار دیا تو انہوں نے قیصر و کسریٰ کے غلط نظاموں کو یکدم تبدیل کر دیا اور دنیا میں ایک صالح نظام قائم کیا، خلافت راشدہ کا نظام دنیا میں مثالی نظام تھا، مگر آج مسلمان اس نظام کو بھول چکے ہیں۔

بخیل کی سزا

فرمایا بخیلوں کو جو کچھ اللہ نے دیا ہے، وہ اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لیے شر ہے۔ اور ان کے بخل کی آخرت میں سزا یہ ہوگی۔ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن بخیلوں کے گلے میں اس چیز کو طوق بنا کر ڈالا جائے گا، جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا۔

بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی کی دولت عطا کی اور اُس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی، قیامت کے دن یہ مال سانپ بن جائیگا۔ اور اُس کے گلے میں پڑ کر اُس کو کاٹے گا۔ اور کہے گا۔ اَنَا کَنْزُكَ اَنَا مَالُكَ میں تیرا وہ مال ہوں، میں تیرا وہ خزانہ ہوں جسے تو سمیٹ سمیٹ کر رکھتا تھا، جسے تو عیاشی اور فحاشی میں صرف کرتا تھا اور جس کے ساتھ تو غریب و مسکین کی پرورش نہیں کرتا تھا۔ فرمایا اسی طرح اگر کسی کے پاس جانور تھے اور اُس نے اُن کا حق ادا نہیں کیا۔ تو وہ اُس شخص کو لٹا کر اسکے اُوپر سے گزریں گے اس کو روندیں گے، اُس کو سینگ ماریں گے۔ اور اس کو کاٹیں گے۔

فرمایا یہ نہ سمجھو کہ اگر دنیا میں کسی کو مال مل گیا تو وہ اس کی ذاتی میراث ہے بلکہ وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زمین و آسمان کی تمام وراثت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے۔ اور مالک بھی وہی ہے احسن اللہ علیك اللہ نے تم پہ احسان فرمایا کہ تمہیں عارضی طور پہ اس کا مالک بنایا۔ پھر اپنے احکام بھیجے تاکہ اُن کے مطابق عمل کر کے اس مال سے نیکی کمالو۔ اُس کے مال کو اُسی کے راستے میں خرچ کرو، بخل نہ کرو۔ اور یاد رکھو! وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ تمہارے ہر فعل کی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے۔ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا عَمِلُوْا تم جو کچھ دنیا میں کر رہے ہو، وہ سب کچھ تمہارے سامنے آجائیگا اور پھر تمہیں اُس کا بھگتان کرنا ہوگا۔

آیت ۱۸۱ تا ۱۸۲

درس شصت چہار ٦۴

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

وقف لازم

ترجمہ: البتہ تحقیق اللہ نے اُن لوگوں کی بات سُنی ہے جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ ہم ضرور لکھیں گے اس چیز کو جو انہوں نے کہی ہے۔ اور انکا اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی۔ اور پھر ہم (جزائے عمل کے وقت) کہیں گے کہ چکھو جلانے والے عذاب کا مزہ (۱۸۱) اور یہ اس وجہ سے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (۱۸۲)

شانِ نزول

اس سے پہلے درس میں یہودیوں کے بخل کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ آج کی آیات بھی اُسی سلسلہ سے متعلق ہیں۔ یہ تو معلوم ہے۔ کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کی ہجرت مدینہ کے وقت خود مدینہ طیبہ اور اس کے اردگرد یہودی کثیر تعداد میں آباد تھے۔ خیبر یہودیوں کا خاص گڑھ تھا۔ اس کے علاوہ جوارِ مدینہ میں بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع کی بستیاں تین تین چار چار میل کے فاصلے پر آباد تھیں۔ اِن آیات کے شانِ نزول کے متعلق جو واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اُسے امام بیضاویؒ، صاحب تفسیر مظہریؒ اور ابن جریرؒ وغیرہ نے محمد بن اسحاق مؤرخؒ کی روایت سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دعوتِ اسلام کا پیغام دیکر بنی قینقاع کی طرف بھیجا۔ یہ دعوت نامہ بایں مضمون تھا کہ اتقواللہ

یعنی اللہ سے ڈر جاؤ، ایمان لے آؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برحق رسول ہیں اور اس بات کی گواہی خود تمہاری کتب میں موجود ہے اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ" نیز یہ بھی کہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" اور اللہ کو قرض حسن دو۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ یہ مکتوب لے کر بنی قینقاع کے ہاں پہنچے اُس وقت یہودیوں کا بڑا عالم فنحاص بن عازوراء بیت المدراس میں تعلیم دے رہا تھا۔ حضور علیہ السلام کا مکتوب پڑھ کر کہنے لگا کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اسی لیے تو وہ ہم سے قرضہ طلب کرتا ہے (العیاذ باللہ) یہودی عالم نے یہ بھی کہا کہ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سود حرام کیا ہے اور ہمارے لیے جائز بنایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ یہ سُن کر برداشت نہ کر سکے اور اُس یہودی عالم کے تھپڑ دے مارا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ حائل نہ ہوتا تو میں تلوار سے تمہارا کام تمام کر دیتا۔

روایت میں آتا ہے۔ کہ فنحاص بن عازوراء نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اُس کے ساتھ زیادتی کی ہے آپ کے دریافت کرنے پر صدیق اکبر رضؓ نے کہا۔ کہ اے اللہ کے رسول! اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی تھی، کہتا تھا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ یعنی اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودی کی اس گستاخی کا جواب دیا ہے۔

قرض حسن

جہاں تک اللہ کو قرض حسن دینے کی بات ہے۔ اُسے یہودی اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہ سمجھ سکے۔ اللہ تعالیٰ نہ تو فقیر ہے (نعوذ باللہ) اور نہ اُسے اپنی مخلوق سے قرض کی ضرورت ہے۔ اُس نے جس قرض حسن کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد یتیموں، مسکینوں، بیواؤں اور دیگر مستحقین پر خرچ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے۔ کہ تم اپنے مال میں سے مستحقین پر خرچ کرو۔ اور اُس کا اجر مجھ سے وصول کر لو۔

فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ" جو اللہ کو قرض دیگا، میں اس کا دگنا چوگنا اجر عطا کرونگا۔ اللہ تعالی نے اُس کے راستے میں خرچ کرنے والوں کو یقین دلایا ہے۔ کہ تمہارا خرچ کیا ہوا مال ضائع نہیں جائیگا بلکہ اس کے عوض میں تمہیں بڑھا چڑھا کر عطا کیا جائیگا۔ اللہ تعالی تو غنی ہے اُس کے سامنے تمام مخلوق محتاج ہے۔ جیسا کہ اُس کا اپنا ارشاد ہے "یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ" اس کی ذات بے نیاز ہے اور تم سب اس کے سامنے فقیر اور محتاج ہو۔

حلال و حرام کی حکمت

یہاں پر یہ بات سمجھ لینی چاہیئے۔ کہ اللہ تعالی نے حلت و حرمت کے جتنے احکام نازل فرمائے ہیں وہ سب انسانوں ہی کے فائدے کے لیے ہیں یا اُن کے نقصان سے بچنے کے لیے ہیں۔ لوگ جس قدر صدقہ خیرات کرتے ہیں یا زکواۃ ادا کرتے ہیں، ان میں سے اللہ تعالی کی طرف کوئی چیز نہیں جاتی اور نہ ہی اُس کو ان چیزوں کی ضرورت ہے۔ وہ تو غنی ہے۔ اس میں باقی انسانوں کے لیے فائدے ہیں۔ امیر آدمی کے صدقہ خیرات سے محتاج کی پرورش ہو جاتی ہے۔ یہ تو اللہ تعالی نے آپس میں ہمدردی اور غمگساری کا ذریعہ پیدا فرما دیا ہے اس سے پاکیزہ جذبات پیدا ہوتے ہیں اور انسان کو تہذیب نفس حاصل ہوتی ہے۔ اس سے انسان کے اخلاق کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ چیزیں بہر حال بنی نوع انسان کے لیے مفید ہوتی ہیں۔ اسی طرح اللہ جل جلالہ نے جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے۔ اُن میں لوگوں کے لیے نقصانات ہیں۔ اول تو کوئی نہ کوئی جسمانی نقصان ہوگا، ورنہ روحانی نقصان تو لازمی ہوگا، اسی لیے اللہ تعالی نے ان چیزوں کو انسانوں کے لیے حرام قرار دے دیا ہے۔

یہود کی گستاخیاں

یہودیوں نے حرص اور بخل کی وجہ سے اللہ جل شانہٗ کی شان میں بہت سی گستاخیاں کیں جن کا تذکرہ قرآن پاک میں ملتا ہے۔ جب ان بدبختوں کو مالی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو کہنے لگے۔ "یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ" خدا تعالے کے

ہاتھ جکڑے گئے ہیں وہ ہم پر فیاضی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا غُلَّتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ وَلُعِنُوۡا" ان بے نصیبوں کے اپنے ہاتھ جکڑے ہوئے ہیں اور ان پر اللہ کی لعنت برس رہی ہے فرمایا بَلۡ یَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ ۙ بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں۔ وہ تو اپنی فیاضی کی بارش نازل فرما رہا ہے۔ وہ جس طریقے سے چاہے خرچ کرتا ہے، اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں یحقیقت یہ ہے کہ یہودی کفر کے کلمات بول کر گستاخی کا ارتکاب کر رہے ہیں اور بے ادبی میں مبتلا ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ سورۃ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهۡرَةً " ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ان کھلی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس گستاخی کی فوراً سزا دی اور وہ گرفت میں آ گئے۔

آج کے درس کی آیت کریمہ میں بھی یہودیوں کی گستاخی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِيَآءُ ۘ بیشک اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ فرمایا یہودیوں کے اس گستاخانہ کلام کا بدلہ یہ ہے کہ سَنَكۡتُبُ مَا قَالُوۡا ہم اس بات کو ضرور لکھ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو علیم کل ہے اُسے لکھنے کی بھی ضرورت نہیں، ہر چیز اس کے علم میں ہے۔ تاہم انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ان کی یہ بات لکھ لی جائیگی اور دفتر میں محفوظ ہو جائیگی۔ پھر حساب کتاب کے دن لا کر ان کے سامنے رکھ دی جائیگی۔ تا کہ وہ اس کا انکار نہ کر سکیں۔

قتلِ انبیاء

اس گستاخی کے علاوہ یہودیوں کی ایک بہت بُری خصلت ناحق قتل انبیاء ہے فرمایا وَقَتۡلَهُمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ان کی جانب سے اللہ کے نبیوں کا ناحق قتل بھی ہم نے لکھ رکھا ہے۔ ہم اسکی بھی ان کو ضرور سزا دینگے۔ نبی کا قتل تو یقیناً ناحق ہوتا ہے۔ بلکہ کسی عام مسلمان کا قتل ناحق بھی اکبر الکبائر میں سے ہے۔

اور بدترین جرم ہے۔ تاہم یہاں پر لفظ بغیر حق سے مراد یہ ہے۔ کہ انبیاء کا قتل خود ان قاتلین کے نزدیک بھی ناحق تھا حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے سخت سزا کا مستحق وہ شخص ہو گا۔ جس نے اللہ کے نبی کو شہید کیا ہو گا۔ یا وہ شخص سب سے زیادہ ملعون ہو گا جسے اللہ کا نبی قتل کر دے۔ ایسے شخص کی مثال ابی ابن خلف کی ہے۔ جو غزوہ احد میں نبی علیہ السلام کے نیزہ کی زد میں آ کر جہنم واصل ہوا تھا۔

بنی اسرائیل کے قتل کا ذکر تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ کیا ہے خود حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بھی یہودیوں نے نبی علیہ السلام کو شہید کرنے کی کئی مذموم کوششیں کیں۔ خیبر میں آپ کو زہر دیا گیا مگر اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ پھر بنی نضیر کے علاقے میں دیوار کے اوپر سے آپ علیہ السلام پر پتھر گرانے کی سعی لاحاصل کی گئی۔ یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کے ان قبیح کارناموں کو نظر استحسان دیکھتے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے۔ اگرچہ حضور علیہ السلام کے زمانے کے یہودی قاتلین انبیاء کے صدیوں بعد آئے مگر اپنے سابقین کی برائی کی حمایت کرنے کی وجہ سے یہ اس قتل ناحق میں شریک سمجھے گئے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ کہ ایک شخص بالفعل برائی نہیں کرتا، مگر برائی کرنے والے کو دل سے اچھا سمجھتا ہے، تو وہ بھی برائی کرنے والے کے ساتھ شامل سمجھا جائے گا۔ البتہ ایسا شخص جو اپنے سامنے برائی ہوتی دیکھ کر دل سے برا مناتا ہے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

گستاخی کی سزا

ان گستاخیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ اور پھر ہم جزائے عمل کے وقت کہیں گے جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔ تم خدا تعالیٰ کی شان میں بیہودہ کلمات بولتے تھے کہ خدا فقیر ہو گیا ہے جو ہم سے قرض مانگتا ہے۔ لو آج اس گستاخی کی سزا بھگت لو۔ فرمایا ہماری سخت سزا تمہارے ساتھ زیادتی نہیں ہو گی بلکہ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ یہ اس وجہ سے ہے جو کچھ تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔ تم نے دنیا میں جس قسم کے اعمال انجام دیئے یہ انہی کا بدلہ ہے۔ سورۃ البقرہ میں بھی گزر چکا ہے "لَهَا مَا كَسَبَتْ

وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ " تمہاری اپنی ہی کمائی تمہارے سامنے آئے گی۔ یہ تمہاری بداعمالیوں کا صلہ ہے۔ جو تمہیں مل رہا ہے۔ اور یاد رکھو! وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا، وہ تو انصاف کرنے والا ہے۔ رحیم و کریم ہے۔ یہاں پہ ظلّام مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بالکل ظلم نہیں کرتا یا ذرہ بھر بھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔ مگر انسان خود اپنی نافرمانی، بداعتقادی، بداعمالی اور معاصی کی وجہ سے شدید تر سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

درس شصت و پنج ٦٥ | آیت ۱۸۳ تا ۱۸۵

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیۡنَاۤ اَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُوۡلٍ حَتّٰی یَاۡتِیَنَا بِقُرۡبَانٍ تَاۡکُلُہُ النَّارُ ؕ قُلۡ قَدۡ جَآءَکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِیۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَ بِالَّذِیۡ قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوۡہُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنۡ کَذَّبُوۡکَ فَقَدۡ کُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِکَ جَآءُوۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُنِیۡرِ ﴿۱۸۴﴾ کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدۡخِلَ الۡجَنَّۃَ فَقَدۡ فَازَ ؕ وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ :۔ وہ وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد کر رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لائے، جس کو آگ کھا جائے ۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیجئے، تحقیق تمہارے پاس مجھ سے پہلے رسول آئے واضح نشانیاں لے کر، اور اس چیز کو لے کر جو تم نے کہی ہے۔ پس تم نے ان کو کیوں قتل کیا، اگر تم سچے ہو ﴿۱۸۳﴾ پس اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں۔ تو بیشک آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے ہیں، جو لائے تھے۔ کھلی نشانیاں، اور صحیفے اور روشن کتابیں ﴿۱۸۴﴾ ہر ایک نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔ اور بیشک تم کو تمہارا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا قیامت کے دن پس جو شخص دوزخ کی آگ سے دور کر دیا گیا۔ اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو بیشک وہ کامیاب ہوگیا، اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان ﴿۱۸۵﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے بخل اور حرص کا تذکرہ کر کے اُن کی مذمت کی تھی۔ وہاں اُن کی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اُس گستاخی کا بیان بھی تھا جس میں انہوں نے کہا۔ کہ اگر اللہ ہم سے قرضِ حسن مانگتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں پر متنبہ کر دیا تھا۔ کہ اُس نے اِن گستاخانہ کلمات کو تحریر کر لیا ہے۔ نیز یہ بھی بتا دیا تھا کہ اُن کے آباؤ اجداد کے قتلِ انبیاء کے فعل کو بھی اُس نے لکھ رکھا ہے۔ اور قیامت کے دِن انہیں جلا دینے والے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ دراصل قبولیتِ اسلام کے خلاف اہل کتاب کی یہ حیلہ سازی تھی۔ وگرنہ وہ اسلام کی سچی اور مبنی بر حقیقت دعوت کو ٹھکرا نہیں سکتے تھے۔ انہیں حقیقت حال کا علم ہو چکا تھا۔ مگر وہ محض اپنی ہٹ دھرمی عناد اور ضد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ انہیں علم تھا کہ اگر انہوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیا تو پھر اُن کی سیادت قائم نہیں رہ سکیگی اور ان کے اکل حرام بشمولہ سود کے تمام راستے بند ہو جائیں گے۔ اب آج کے درس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ایک اور حیلے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ ہم تو صرف اسی صورت میں ایمان لائیں گے جب اللہ کا رسول ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر آئے جسے آگ ہمارے سامنے کھا جائے۔ اِس درس میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس بیہودہ بہانے کا جواب بھی دیا ہے۔

سرمایہ داری کی لعنت

سرمایہ داری ہمیشہ قبولِ حق میں مانع رہی ہے۔ سابقہ انبیاء کے دور میں بھی یہی چیز تھی۔ بڑے بڑے زر پرستوں نے ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت اکھٹی کر رکھی تھی۔ مال اکٹھا کرنا اور پھر اُسے جائز کی بجائے ناجائز امور پر خرچ کرنا اُن کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ اللہ کے نبی انہیں حرام راستے سے دولت کمانے اور حرام راستے پر خرچ کرنے سے روکتے تھے۔
عدل و انصاف کا حکم دیتے تھے، جس کی وجہ سے سرمایہ دارانہ ذہنیت کے

لوگ انبیاء کے گرد جمع نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ اُن کی مخالفت پہ کمربستہ ہو جاتے تھے۔ سورۃ ہود میں حضرت شعیب علیہ السلام کی تقریر موجود ہے۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا، اے میری قوم! خالص اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔ نیز یہ کہ ناپ تول میں ڈنڈی نہ مارو۔ کسی کا حق نہ کھاؤ، زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ "بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" لوگوں کے حق ادا کرنے کے بعد جو چیز تمہارے پاس بچ جائیگی۔ وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ اور اگر تم نے حقداروں کے حق ادا نہ کئے، تو وہ چیز تمہارے لیے بہتر نہیں ہوگی۔ اس وعظ پر قوم سخت چین بجبیں ہوئی۔ اور کہنے لگے "يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ" اے شعیب! کیا تمہاری نمازیں یہ کہتی ہیں۔ کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں کو ترک کر دیں "اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا" یا ہم اپنے مالوں میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ تم ہمیں اس کام سے بھی روکنا چاہتے ہو۔ تم ہمارے مال پہ پابندی لگانا چاہتے ہو۔ ہمیں تمہاری یہ بات ہرگز قبول نہیں۔ اور اگر اللہ کا نبی یہ کہے کہ مجھ پہ ایمان لاکر جو چاہے کرتے پھرو۔ تو پھر وہ سارے کے سارے نبی کے گرد اکھٹے ہو جائیں گے مگر اللہ کا پیغمبر تو انہیں شتر بے مہار نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ تو حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز سکھائیگا۔ اللہ کا نبی انہیں جائز ذرائع سے کمانے اور جائز امور پہ خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے اسی لیے تو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اُسے تسلیم کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں، طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں مکہ کے دولت مند مشرکین کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بھی حضور علیہ السلام کو نبی ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور اس کے لیے کئی بہانے بناتے تھے۔

قربانی کی فرمائش

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ایک اور حیلہ کا ذکر کیا ہے ایمان لانے کے لیے انہوں نے نبی علیہ السلام کے سامنے ایک اور شرط پیش کی ارشاد ہوتا ہے۔ "اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ

لِرَسُولٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُهُ النَّارُ وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ نے ہمارے ساتھ عہد کیا ہے۔ کہ ہم کسی رسول پہ اُس وقت تک ایمان نہ لائیں، جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جس کو آگ کھا جائے۔ امام رازیؒ اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق تو ایسی بات کی تھی کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے اُسے اس قسم کی سوختنی قربانی پیش کرنے کو کہا جائے مگر دو نبی حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔

سابقہ امتوں میں مال غنیمت کا استعمال بھی جائز نہیں تھا۔ لہٰذا محاذ جنگ سے حاصل ہونے والا مال لوگ استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ سارا سامان ایک مقام پر اکٹھا کر دیا جاتا تھا۔ آسمان سے سفید رنگ کی معجزانہ آگ آتی تھی جو اُسے جلا کر راکھ کر دیتی تھی۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ کہ چونکہ یہ مال ان لوگوں کے لیے حلال نہیں تھا اس لیے وہ خود ہی اُسے آگ لگا کر ضائع کر دیتے ہوں۔ مگر نبی آخرالزمان کی امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو حلال قرار دیا ہے صحیح حدیث میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عاجزی اور ضعف کو دیکھ کر ہمارے لیے مال غنیمت جائز قرار دے دیا ہے۔ سورۃ انفال میں بھی موجود ہے فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا مال غنیمت کے حلال اور طیب مال میں سے کھاؤ۔

بائیبل کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کی قبولیت کی نشانی یہ تھی کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر اُسے جلا دیتی تھی۔ چنانچہ بعض مواقع پہ کوئی نبی سوختنی قربانی کرتا تھا تو آگ اُسے جلا دیتی تھی۔ جو نبی کی صداقت کی دلیل سمجھی جاتی تھی سورۂ مائدہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا ذکر ہے کہ اُن میں سے ایک کی قبول ہو گئی اور دوسرے کی نہ ہوئی، بعض روایات کے مطابق وہاں بھی مقبولیت کی نشانی یہی تھی کہ اُسے آگ نے جلا دیا تھا جب کہ

دوسری غیر مقبول قربانی صحیح سلامت بچ گئی تھی۔ الغرض! اہل کتاب نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی ہی معجزانہ قربانی کی فرمائش کی، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک ایسی قربانی کا مشاہدہ نہ کریں ہم کسی رسول پر ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس فرمائش کے جواب میں فرمایا قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام! ان کو کہہ دیجئے قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے رسول آئے ہیں بِالْبَيِّنٰتِ واضح باتیں لے کر۔ بینات معجزے کو بھی کہتے ہیں اور واضح دلائل اور واضح احکام پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے نماز، روزہ، توحید، صبر، شکر، خدا کا ذکر وغیرہ یہ سب بینات اور دین کے بڑے اہم اصول ہیں۔ اللہ کے نبی ہر بات میں واضح دلائل پیش کرتے ہیں۔ خاص طور پر توحید کے متعلق تو بڑے بڑے عقلی اور نقلی دلائل اور مشاہدہ کے ہزاروں دلائل پیش کیے گئے ہیں جن کو سن کر اور دیکھ کر ہر سلیم الفطرت انسان تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور عنادی ذہن والے لاجواب ہو جاتے ہیں اور جہالت پہ اُتر آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توحید باری تعالیٰ کے متعلق عقلی، نقلی اور مشاہداتی دلائل کتنے مضبوط تھے جن کا جواب نہ باپ دے سکا، نہ بادشاہ وقت اور نہ ساری قوم نتیجہ یہ ہوا کہ دلائل کا جواب دلائل سے دینے کی بجائے مار پیٹ پہ تیار ہو گئے، باپ نے گھر سے نکال دیا۔ حتیٰ کہ پوری قوم دشمنِ جان بن گئی۔ اسی لیے فرمایا کہ اے پیغمبر علیہ السلام آپ ان سے کہہ دیں کہ مجھ سے پہلے بھی اللہ کے رسول واضح دلائل لے کر آئے ہیں وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ اور وہ چیز بھی لائے ہیں جسکی تم لوگ فرمائش کر رہے ہو یعنی مجھ سے پہلے اللہ کے نبی سوختنی قربانی کی دلیل بھی تمہارے آباؤ اجداد کے سامنے پیش کر چکے ہیں مگر انہوں نے پھر بھی انکار کر دیا۔

تورات میں حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کا ذکر موجود ہے۔ بعل نامی بت کے پجاری یہودی تھے۔ ان کو حضرت الیاس علیہ السلام نے کہا کہ آؤ میدان میں نکلو، ایک بیل میں اللہ کے نام پر قربان کرتا ہوں، تم ایک بیل اپنے بت بعل

کے نام پر قربان کرو، پھر دیکھتے ہیں۔ کہ کس کی قربانی کو آسمانی آگ جلا کر قبولیت کے درجہ تک پہنچاتی ہے۔ چنانچہ دونوں قربانیاں کی گئیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو آگ نے جلا دیا اور اسرائیلیوں کی قربانی ویسی کی ویسی رہی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اب یہودی حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ کا نبی تسلیم کر لیتے مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے، بلکہ آپ کے اور زیادہ دشمن ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اللہ کے نبی کو پہاڑوں میں پناہ لے کر جان بچانا پڑی حتیٰ کہ وہ اپنے ملک سے ہجرت کر گئے۔ فرمایا تمہارے آباؤ اجداد نے منہ مانگا معجزہ دیکھنے کے باوجود فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ پس تم نے یعنی تمہارے آباؤ اجداد نے ان کو کیوں قتل کیا۔ کیوں ان کی جان کے دشمن بنے۔ فرمایا اس بات کا جواب دو اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ مقصد یہ کہ آج تم مجھ سے وہی پرانا قربانی والا معجزہ طلب کر رہے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری فرمائش پوری بھی کر دے، پھر بھی تم ماننے پر تیار نہ ہو گے بلکہ کسی اور حیلے بہانے سے انکار کر دو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اس کے متبعین کو تسلی دی اور فرمایا اے اہل حق! آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ بیشک یہ لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں فَاِنْ كَذَّبُوْكَ اگر یہ لوگ ایسا کرتے ہیں، تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ بیشک آپ سے پہلے بھی اللہ کے رسول جھٹلائے گئے ہیں۔ جس طرح آج آپکی قوم آپکا انکار کر رہی ہے اسی طرح سابقہ قومیں سابقہ انبیاء علیہم السلام کا انکار کرتی رہی ہیں اور نبی بھی ایسے جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ جو کھلی نشانیاں یعنی معجزات اور دلائل لے کر آئے۔ اور بڑی نصیحت آموز باتیں لے کر اللہ کی طرف سے مبعوث ہوئے۔ زبر صحیفے کو کہتے ہیں جس میں وعظ و نصیحت کی باتیں ہوں۔ اسی لیے حضرت داؤد علیہ السلام کا صحیفہ زبور کہلاتا ہے۔ صحیفے میں احکام اتنے زیادہ نہیں ہوتے البتہ معاشرتی پند و نصائح ہوتے ہیں۔ فرمایا اس کے علاوہ اللہ کے وہ پیغمبر وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ روشن کتاب بھی لے کر آئے مگر پھر بھی تمہاری

قوم نے انہیں تسلیم نہ کیا۔ روشن کتاب سے مراد ایسی کتاب ہے جس میں وعظ و نصیحت کے علاوہ ہر قسم کے احکام منجملہ حلال و حرام کے احکام، سیاسی اور معاشی احکام۔ جہاد، عبادات اور دیگر معاشرتی احکام موجود ہوں۔ فرمایا اللہ کے نبیوں نے تمام حجت پوری کر دی مگر ان لوگوں نے ان کا نہ صرف انکار کیا، بلکہ ان کے قتل کے درپے ہوئے۔ لہٰذا اے پیغمبر! آپ بددل نہ ہوں۔ پیغمبروں کو جھٹلانا ان کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ یہ لوگ اپنی عادت سے باز نہیں آئیں گے لہٰذا آپ اپنا کام کرتے چلے جائیں۔

موت اور جزائے عمل

فرمایا كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ہر ایک نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، کوئی ذی روح موت سے نہیں بچ سکتا۔ یہ قطعی اور یقینی بات ہے "اَفَاِئْنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ" جس طرح نبی اور اس کے ماننے والے موت سے ہم کنار ہوں گے، اسی طرح ان کے مخالفین کو بھی یہ گھاٹی لازماً عبور کرنا ہوگی۔ یہ زندگی ختم ہو جائے گی اور سب کو نئی زندگی میں داخل ہو کر رب العزت کی بارگاہ میں پیش ہونا ہوگا۔ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور پھر فیصلے کے دن تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اس میں نہ کمی ہوگی اور نہ کسی پر ظلم کیا جائے گا۔ ہر شخص کو اس کے کئے کا پھل مل جائے گا۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جیسا انسان کا اپنا وجود۔ جس طرح انسان کے اپنے جسم کے موجود ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اسی طرح جزائے عمل بھی لاریب واقع ہو کر رہے گی۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ پس جو شخص دوزخ سے دور کر دیا گیا، اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ وہ کامیاب ہو گیا یہ ایسی کامیابی ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی دولت، سرمایہ اور اقتدار سب ہیچ ہیں۔ اصل کامیابی یہ ہے۔ کہ انسان دوزخ سے بچ کر جنت کا داخلہ حاصل کرے جو ہمیشہ کے لیے خدا تعالیٰ کی رحمت کا مقام ہے۔ جو وہاں پہنچ گیا، وہ حظیرۃ القدس کا ممبر بن گیا اور اسی کے لیے فلاح و کامیابی ہے۔

دنیا دھوکہ محض ہے

فرمایا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ اور دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔ شیطان بہت بڑا دھوکے باز ہے اس نے لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ آدمی اس دنیا کے کاموں میں مگن ہو کر اس کو مستقل ٹھکانا سمجھنے لگتا ہے اور آخرت کے انجام سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر لوگ حقیقت سے بے بہرہ ہو کر دین حق کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں اور پھر بداعمالی اور بدعقیدگی کا ذخیرہ جمع کر کے آخرت میں نامراد و ناکام ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے فرمایا کہ دنیا دھوکے کا سامان ہے اس سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے قبول حق میں اہل کتاب کے جھوٹے حیلے بہانوں کی مذمت بیان فرمائی اور نبی علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو تسلی دی کہ تکذیب حق سے پریشان نہ ہوں۔ اللہ والوں کو ایسی آزمائشوں سے ہمیشہ گزرنا پڑا ہے۔

درس شصت و شش ۶۶ آیت ۱۸۶

لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ قف وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ :- البتہ تحقیق تم ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور جانوں میں۔ اور البتہ ضرور سنو گے اُن لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے اور اُن لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا بہت سی تکلیف دہ باتیں۔ اور اگر تم صبر کرو گے اور تقوےٰ کی راہ پہ قائم رہو گے تو بیشک یہ مقصودی کاموں میں سے ہے ﴿۱۸۶﴾

ربط آیات

گذشتہ درس میں پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو اہل کتاب کی ایذا رسانیوں کے خلاف تسلی دی گئی تھی۔ کہ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں۔ تو آپ اس سے دل برداشتہ نہ ہوں، کیونکہ یہ لوگ تو ہمیشہ سے اللہ کے نبیوں کی تکذیب کرتے رہے ہیں حالانکہ وہ پیغمبر اللہ کی طرف سے واضح نشانیاں، کتاب اور نصیحت آموز باتیں لے کر آتے رہے۔ فرمایا اہل کتاب کی بیہودہ باتوں سے قطع نظر آپ تبلیغ دین کا کام جاری رکھیں۔ نیز فرمایا کہ ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور اس گھاٹی کو عبور کر کے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونا ہے وہاں ہر ایک کو اس کے کیئے کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہو گی۔ آج کے درس میں بھی اہل کتاب اور مشرکین کی اسی قسم کی اذیت رساں باتوں کا تذکرہ کر کے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو تسلی دی گئی ہے۔ کہ آپ اپنا کام جاری رکھیں۔

اصولِ ابتلاء

ارشاد ہوتا ہے لَتُبْلَوُنَّ اے اہلِ ایمان! البتہ تم ضرور آزمائے جاؤ گے یہاں پہ ل تاکیدی اور ن ثقیلہ دونوں آئے ہیں اور یہ دونوں حروف تاکید کے لیے آتے ہیں، لہٰذا معنیٰ یہ ہوا کہ تمہاری آزمائش لازماً ہو گی۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور آزمائش کس چیز میں ہو گی، فرمایا فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ تمہارے مالوں میں بھی آزمائش ہو گی اور جانوں میں بھی ہو گی۔ یعنی دیندار لوگوں کو مالی اور جانی ہر دو لحاظ سے آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ دین کے معاملہ میں پُر خلوص کون ہے اور کمزور ایمان والا کون ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے یُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى قَدْرِ دِیْنِهٖ انسان اپنے دین کے مرتبے اور مقدار کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ کوئی شخص جس قدر دین میں مضبوط ہو گا، بسا اوقات اُسکی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوتی ہے۔

آزمائش کا یہ قانون اللہ تعالیٰ نے کئی ایک سورتوں میں بیان فرمایا ہے۔

سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ "اور ہم تمہاری ضرور آزمائش کریں گے خوف اور بھوک کے ذریعے اور مال، جان اور پھلوں کے نقصان کے ذریعے۔ جب بھی مالی یا جانی نقصان ہوتا ہے، اہل ایمان کے لیے آزمائش ہوتی ہے۔ کہ اس تکلیف پہ وہ کہاں تک ثابت قدم رہتا ہے۔ سورۃ انبیاء میں آتا ہے "وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً" ہم خیر و شر دونوں طریقوں سے آزماتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس دنیا کو دارالابتلاء کہا جاتا ہے، اس دنیا کو کوئی مستقل گھر نہ سمجھ بیٹھے، یہ تو آزمائش کا گھر ہے۔ اکثر مقامات پہ آزمائش کے سلسلہ میں مال و جان کا ذکر کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے۔ کہ کسی کو مال اور اولاد دیکر آزمایا جاتا ہے اور کسی سے یہ چیزیں واپس لے کر آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ کبھی بیماری میں مبتلا کر کے آزمایا جاتا ہے اور کبھی جہاد میں جامِ شہادت پلا کر انسان کی کڑی آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عام قانون

بتا دیا تاکہ اللہ والے ہر وقت امتحان سے گزرنے کے لیے تیار رہیں۔ ایک ابتلاء جنگ احد میں آئی تھی تو اس کے بعد بھی کوئی امتحان آسکتا ہے۔ لہٰذا اہل ایمان کو اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔

تکلیف دہ باتیں

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک دوسری آزمائش کے متعلق خبردار کیا۔ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ تم ضرور سنو گے ان لوگوں کی طرف سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اَذًى كَثِيْرًا بہت سی تکلیف دہ باتیں، یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی طرف سے تمہیں اذیت ناک باتیں سننا پڑیں گے۔ ایسی تکلیف دہ باتیں وہ پہلے بھی کرتے آئے ہیں اور آئندہ بھی باز نہیں آئیں گے لہٰذا اہل ایمان کو اس کے لیے بھی تیار رہنا چاہیئے۔ مشرکین کے متعلق تو مکی سورتوں میں آپ جگہ جگہ پڑھتے ہیں کہ وہ قرآن پاک، پیغمبر خدا اور اہل ایمان کے متعلق کس قسم کی زبان استعمال کرتے تھے۔ اس وقت سے لیکر یہ اذیت ناک سلسلہ آجتک جاری ہے۔ مشرکین کو دنیا میں جہاں کہیں غلبہ حاصل ہوتا ہے یا انہیں موقع ملتا ہے۔ وہ اہل ایمان کو ذلیل کرنے سے باز نہیں آتے۔ باقی رہے اہل کتاب تو ان کے متعلق آپ جانتے ہیں کہ ہجرت کے وقت مدینہ کے گردونواح میں جو یہودی آباد تھے انہوں نے اہل اسلام کے متعلق کیا کیا شوشے چھوڑے، اور نئے نئے مسلمانوں پر کس طرح عرصہ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی۔ کعب بن اشرف یہودیوں کا دولت مند تاجر اور سردار تھا۔ وہ بدبخت شعر بھی کہتا تھا۔ اور اپنے اشعار میں حضور علیہ السلام کی ہجو بیان کرتا تھا۔ اور ایسے قبیح اشعار سرعام پڑھنے کی دوسروں کو بھی ترغیب دیتا تھا۔ یہ لعین اپنے شعروں میں مسلمان پاکدامن اور باعصمت عورتوں کے ساتھ اپنے عشق و محبت کا اظہار کرتا تھا۔ مسلمانوں کے لیے یہ چیز نہایت ہی تکلیف دہ تھی۔ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مشرکین کی ذلت ناک شکست کے بعد یہ شخص مکہ گیا اور اہل مکہ کو مسلمانوں کے خلاف حملہ کرنے پر اکسایا

وہ کہا کرتا تھا۔ کہ مسلمانوں کے دین کی نسبت مشرکین کا دین بہتر ہے۔ اس شخص نے معاہدہ کی خلاف ورزی بھی کی تھی، آخر حضور علیہ السلام کے حکم سے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ بعض دوسرے یہودی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن بن گئے۔ چنانچہ خیبر کے یہودیوں نے کھانے میں زہر ملا کر حضور علیہ السلام کو شہید کرنے کی ناکام کوشش کی۔ بعض دیگر سازشیں بھی کیں، جو آج تک جاری ہیں۔

امیر شکیب ارسلانؒ شام کے رئیس اور عالم تھے۔ ترکی خلافت میں عہدیدار رہے۔ پہلی جنگ عظیم میں ہسپتالوں کے انچارج تھے۔ آپ نے طرابلس کی لڑائی میں بطور مجاہد شرکت کی، اور دوسری جنگ عظیم میں بھی انگریزوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ انگریزوں نے شام پر قبضہ کر کے ان کو جلاوطن کر دیا تھا۔ آپ نے بیس ۲۰ سال تک یورپ میں جلاوطنی کی زندگی گزاری اور ۱۹۴۶ء میں فوت ہوئے۔

ایک امریکی انگریز نے (THE NEW WORLD OF ISLAM) "(اسلام کی دنیائے جدید) کے نام سے کتاب لکھی جس میں موجودہ دور کے مسلمانوں کے حالات قلمبند کئے۔ ایک مصری شخص نے اس کا ایک جلد میں عربی ترجمہ کیا جس کا نام "حاضر العالم الاسلامی" رکھا۔ اور سے امیر شکیب ارسلان کو پیش کیا کہ وہ اس کتاب کا مقدمہ تحریر فرمادیں۔ آپ نے تین جلدوں پر محیط ایک عظیم مقدمہ لکھا جس میں انگریز مصنف کی غلط بیانی کا بھی پردہ چاک کیا۔ اور اہل اسلام کے حالات کو حقیقی رنگ میں پیش کیا۔ جنگ عظیم اول و دوم کے درمیانی عرصہ کی یہ ایک عظیم کتاب تھی۔ امیر شکیب لکھتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے عیسائیوں نے قرآن کریم اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریباً چھ لاکھ کتابیں شائع کی ہیں۔ اہل کتاب کی طرف سے مسلمانوں کی دل آزاری کا اندازہ اس ایک بات سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔

جرمنی کے نولڈک نامی ایک ناہنجار نے لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (نعوذ باللہ) مرگی کے دورے پڑتے تھے، اس دوران جو کچھ آپ بڑبڑاتے لوگوں

سنے اُسے قرآن کا نام دے دیا۔ العیاذ باللہ۔ غرضیکہ ان لوگوں سے جیسا بھی بن پڑا انہوں نے دین کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا۔ یہودی تو ازلی ابدی سازشی ہیں، اسلام کے خلاف انہوں نے امریکی جرمنی اور فرانسیسی انگریزوں کو بھی شامل کر لیا ہے، بلکہ اب خود پس منظر میں رہ کر دوسروں کے ہاتھ سے اپنی خباثت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ سب اہل اسلام کی دل آزاری کی باتیں ہیں ہندوستان میں اپنے دورِ اقتدار میں ایک انگریز نے اپنے کتے کا نام احمد رکھا تھا۔ اس پر ساری دنیا میں احتجاج ہوا، تو اُس نے معافی مانگی کہ مجھے علم نہیں تھا کہ میں نے کس قدر گھناؤنے فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ بعض اوقات یہ بدبخت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی تصویریں شائع کرتے ہیں یا اُن کے کارٹون اور فلمیں بناتے ہیں۔ پچھلے دنوں بعض خبیثوں نے کپڑے پر قرآن پاک کی آیات شائع کر کے اس کی تذلیل کا پہلو نکالا۔ اور پھر ایسے کپڑے سے ایسی قمیصیں تیار کیں۔ کہ بیٹھنے پر آیت الکرسی بیٹھ کے نیچے آجائے۔ اس قسم کے ملبوسات یہودیوں نے امریکہ اور کینیڈا سے تیار کروا کے بھیجے تاکہ اسلام اور اہل اسلام کی تذلیل ہو۔ بعض اوقات یہ لوگ قرآن (اسلام) کو رجعت پسند مذہب اور مسلمانوں کو رجعت پسند لوگ کہتے ہیں۔

مسلمانوں کی دل آزاری کا اس بات میں بھی بہت سامان ہے۔ کہ عیسائی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ انہوں نے لغت کی کتاب (منجد) میں لکھا ہے کہ مسیح کا معنی ہی ابن اللہ ہے۔ العیاذ باللہ، یہ اللہ تعالیٰ پر کتنا بڑا بہتان ہے۔ وہ تو خود قرآن میں فرماتا ہے۔ کہ زمین و آسمان پھٹ جائیں، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس بات پر "اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا" کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا پکارا جائے۔ یہ اتنی سخت بات ہے۔ مگر ان لوگوں کے منہ اس قدر پھٹ چکے ہیں کہ انہیں واہی تباہی بکنے میں کچھ جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ روسی بھی بگڑے ہوئے یہودی اور عیسائی ہیں۔ انہوں نے اشتراکیت

کے سائے میں پناہ دے رکھی ہے یہ بھی اہل اسلام کو تنگ کرتے ہیں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ دلِ آزاری کے نئے نئے سامان پیدا کرتے رہتے ہیں ہندوستان میں ہنود نے بھی اس سلسلہ میں پورا پورا پارٹ ادا کیا ہے۔ راجپال نے رنگیلا رسول نامی کتاب لکھ کر اہل اسلام کو غیظ وغضب کا نشانہ بنایا، اُسے ایک غریب اَن پڑھ نوجوان مسلمان غازی علم الدین شہیدؒ نے قتل کیا۔ دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب کا چودھواں باب قرآن پاک کی مذمت میں لکھا تھا۔ مختلف آیات قرآنی کے ساتھ اُس نے تمسخر کیا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے متعلق لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا خدا کوئی بدو تھا جو اونٹ چرایا کرتا تھا، اسی لیے تو صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقۃ اللہ یعنی اللہ کی اونٹنی کہا گیا ہے۔ اِن ہندوؤں نے بھی اللہ تعالیٰ، پیغمبر خدا اور قرآن پاک کے متعلق ایسی ایسی ناقابل برداشت باتیں کیں، اس معاملہ میں نصاریٰ، یہود اور ہنود سب اکٹھے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی باتیں تم پہلے بھی سُن چکے ہو اور آئندہ بھی سُننی پڑیں گی، اس کے لیے ہمیشہ تیار رہو۔

صبر کی تلقین

اِن دو باتوں یعنی مال وجان میں آزمائش اور مخالفین کی طرف سے تکلیف دہ باتیں سننے کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان دو تکالیف کا علاج بھی بیان فرمایا ہے۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا اور اگر تم صبر کرو گے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے صبر کی بہت زیادہ تلقین فرمائی ہے۔ کہیں فرمایا "اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ" یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ" اے اہل ایمان! صبر اور نماز کے ساتھ استعانت پکڑو۔ سورۃ احقاف میں حضور علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا "فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّھُمْ" آپ جلد بازی نہ کریں بلکہ اولوالعزم رسولوں کی طرح صبر سے کام لیں۔ مقصد یہ کہ اے پیغمبر علیہ السلام اگر آپ کے مخالفین آپ کو مختلف

طریقوں سے اذیت پہنچاتے ہیں تو آپ بھی اُن کا اُسی طریقے سے تُم کی بہ ترکی جواب نہ دیں، بلکہ صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا اہل حق کا شیوہ نہیں، دشمن کا مقابلہ احسن طریقے سے کریں۔ اگر کسی نے کتاب لکھ کر مخالفت کی ہے۔ تو آپ اس کا جواب اُسی معروف طریقے سے دیں۔ یا اگر کوئی صورت باقی نہیں رہی تو اُن کے خلاف جہاد کریں، تاکہ دنیا سے فتنے کو ختم کیا جا سکے۔ محض اشتعال انگیز باتیں سن کر مشتعل ہو جانا اصول صبر کے خلاف ہے۔

تقویٰ کی ڈھال

ایسی ہی اذیت ناک باتوں کا دوسرا علاج فرمایا وَتَتَّقُوا اگر تم تقویٰ کی راہ اختیار کرو گے۔ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی بھی بار بار تاکید کی ہے۔ تقویٰ کا معنیٰ "محافظت بر حدود شرع" ہے۔ یعنی کسی بھی حالت میں شریعت کی حدود کو عبور نہیں کرنا چاہیئے۔ گالی کا جواب گالی سے نہیں دینا چاہیئے۔ بیہودگی کا جواب بیہودگی نہیں ہے۔ بلکہ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے۔ کہ برائی کا جواب اچھائی سے دو ایسا کرنے سے لوگوں پر اس کا بہت اچھا اثر مرتب ہوگا۔ تمہارے اخلاق اور صبر سے مخالفین کے دِل کمزور ہو جائیں گے اور وہ جلد ہی مغلوب ہو جائیں گے۔ ضد میں آکر ایسا نہ کریں کہ اگر اہل کتاب نے حضور علیہ السلام کی شان میں کوئی ایسی ویسی بات کی ہے تو آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کوئی نازیبا الفاظ کہہ دیں۔ العیاذ باللہ۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ اُس کے بھیجے ہوئے تمام رسول اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لاؤ۔ اہل اسلام تو ایسا ہی کرتے ہیں۔ مگر تورات کی طرف اپنی نسبت کرنے والے یہود نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر تسلیم کرتے اور نہ حضور خاتم النبیین کو۔ اسی طرح نصاریٰ جو انجیل کے حامل ہونے کے دعویدار ہیں، نہ قرآن پاک کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں اور نہ محمد الرسول اللہ کو اللہ کا رسول تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سب ضد، عناد اور تعصب کی وجہ سے ہے۔

مقصودی امور

فرمایا اگر تم صبر کرو گے اور تقوے کا دامن پکڑو گے فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ تو یہ مقصودی امور ہیں، یعنی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ شاہ ولی اللہ

محدث دہلویؒ اس کا ترجمہ کرتے ہیں" ایں از کارہائے مقصود است" یہ چیزیں ایسے کاموں میں سے ہیں کہ جن پہ پختہ عزم ہونا چاہیئے۔ ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین بدل و جان قبول کرے۔ فرمایا صبر اور تقوےٰ اہنی عزم بالجزم امور میں سے ہیں۔

درس شصت وهفت ۶۷

آیت ۱۸۷

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ :- اور (اس بات کو اپنے خیال میں لاؤ) جب کہ اللہ تعالیٰ نے پختہ عہد لیا اُن لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی کہ اس کو تم ضرور لوگوں کے سامنے ظاہر کرو گے۔ اور اس کو چھپاؤ گے نہیں۔ پس انہوں نے اُسے پس پشت پھینک دیا۔ اور اس کے بدلے میں خریدی تھوڑی سی قیمت۔ پس بہت بُری چیز ہے جو انہوں نے خریدی (۱۸۷)

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے آزمائش کا اصول بیان فرمایا تھا۔ اور مسلمان کو خبردار کر دیا تھا۔ کہ تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں کے ذریعے لازمی طور پر آزمایا جائیگا۔ لہٰذا اس قسم کے امتحان کے لیے ہمہ وقت تیار رہو۔ نیز یہ کہ کسی مومن کا ایمان جس قدر پختہ ہوتا ہے، اس کی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے بڑی دل آزار باتیں سُننی پڑیں گی۔ مگر ان سے دل برداشتہ ہو کر تبلیغ دین کا کام ترک نہ کر بیٹھنا، بلکہ اپنا کام ہمیشہ اور ہر حالت میں جاری رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تکلیف دہ امور پر اہل ایمان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ اگر تم صبر کا دامن پکڑے رہو گے کہ صبر ملّتِ ابراہیمی کا بہت بڑا اصول ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تقوےٰ کی راہ پر گامزن رہو گے، تو یہ باتیں مقصودی امور میں سے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صبر اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ کہ ان دو سنہری اصولوں کو مضبوطی سے پکڑے رکھو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس امتحان میں کامیاب فرمائیگا۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل کے اُس عہد و پیمان کا ذکر فرمایا جو اُن سے عہد لیا گیا کہ تمہیں میری

طرف سے جو احکام پہنچیں گے، تم انہیں لوگوں کے سامنے بلا کم و کاست واضح طور پر بیان کر دو گے اور اس میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھو گے۔ مگر اہل کتاب اس عہد پر قائم نہ رہ سکے اور انہوں نے اچھی چیز کے بدلے کم قیمت چیز خرید لی جسکی وجہ سے وہ امتحان میں پورے نہ اتر سکے اور ناکام ہو گئے۔

میثاقِ اہلِ کتاب

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اے پیغمبر علیہ السلام! اس بات کو اپنے دھیان میں لاؤ جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے پختہ عہد لیا۔ میثاق وَثِقَ کے مادہ سے ہے اور اس کا معنی پختہ عہد کرنے کا ہوتا ہے۔ ایسا عہد جسکی پابندی نہایت ضروری ہوتی ہے۔ یہ اس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے بارے میں بنی اسرائیل سے لیا تھا، حالانکہ عہد و پیمان تو اور بھی ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ مثلاً عہد الست جو عالم ارواح میں تمام نوع انسانی کی ارواح سے لیا گیا تھا۔ اللہ نے پوچھا تھا "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو تمام ارواح نے بیک زبان اقرار کیا تھا قَالُوْا بَلٰی کہ ہاں مولا کریم! تو ہی ہمارا رب ہے۔ بنی اسرائیل سے خصوصی طور پر لیے گئے عہدوں کا ذکر بھی سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور والدین اقربا، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ تو حسن سلوک کریں گے۔ اسی طرح سورۃ مائدہ میں آئیگا کہ "لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْھِمْ رُسُلًا" ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے مگر انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی میں بعض رسولوں کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیا۔

بہرحال یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے اس عہد کا ذکر فرمایا ہے جس میں ان کو دی گئی کتاب کے متعلق فرمایا تھا۔ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ کہ تم اسے لوگوں کے سامنے لازماً ظاہر کرو گے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر ہ کی ضمیر کتاب کی طرف لوٹتی ہے اور معنی یہ ہوتا ہے۔ کہ تم اس کتاب کو

ضرور ظاہر کرو گے، بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ہ کی ضمیر میثاق کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔ کہ تم لوگوں کے سامنے اس عہد کا واضح اعلان کرو گے کہ ہم نے اللہ سے یہ پختہ وعدہ کیا ہے۔ بہر حال عہد یہ تھا کہ تم اللہ کے احکام لوگوں کے سامنے بلاکم و کاست واضح طور پہ بیان کرو گے وَلَا تَكْتُمُونَهٗ اور اُسے چھپاؤ گے نہیں یہ عہد تورات و انجیل دونوں کتابوں میں موجود تھا بلکہ موجودہ تحریف شدہ کتابوں میں اب بھی ایسی آئتیں موجود ہیں۔ جن سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ جو کتاب میں نے تم کو دی ہے اس کو لوگوں کے سامنے علی الاعلان بیان کرنا، اس کے احکام کو ظاہر کرنا، جو چیزیں میں نے تمہیں اندھیرے میں دی ہے اُسے تم روشنی میں لوگوں سے بیان کرنا، بعض مقامات پہ آتا ہے کہ اس کے متعلق اپنی اولادوں کو تبلاتا۔ انجیل میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس کتاب کا اعلان کوٹھوں اور مکانوں پہ کرنا اور منادی کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات تبلائی ہے۔ اور اس کو چھپانے کی کوشش نہ کرنا۔

عہد شکنی

مگر اس پختہ عہد کے باوجود اللہ نے فرمایا فَنَبَذُوهُ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ انہوں نے اس کتاب کو یا عہد کو پس پشت ڈال دیا۔ دوسری جگہ پہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور پھر یہ بھی کہ کتاب میں جو چیزیں ان کے مفاد میں تھیں انہیں ظاہر کر دیا اور باقی باتوں کو چھپا دیا۔ قرآن پاک کی شہادت کے مطابق جن چیزوں کو انہوں نے چھپا دیا وہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق پیش گوئیاں تھیں جو اللہ نے تورات و انجیل میں بیان فرمائی تھیں۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ یہ لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ یہ وہ نبی ہیں اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ جن کا ذکر ان کی تورات و انجیل میں لکھا ہوا موجود ہے۔ سورۃ بقرہ میں بھی گذر چکا ہے یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ یہ اللہ کی کتاب کو اسی طرح پہچانتے ہیں۔ جیسے اپنی اولادوں کو پہچانتے ہیں۔ اور جانتے ہیں۔ کہ یہ وہی کتاب

اور وہی پیغمبر ہے جس کی خوشخبری اُن کی کتابوں میں موجود ہے۔ مگر یہ لوگوں کے سامنے اُسے ظاہر نہیں کرتے بلکہ چھپا جاتے ہیں۔

غرضِ فاسد

اہل کتاب کی طرف سے کتمانِ حق اُن کی غرضِ فاسد کی بنا پر تھا اور وہ یہ تھی کہ اگر قرآن پر ایمان لائیں گے، خاتم النبیین کو رسول مان لیں گے، تو اُن کی ساری چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ جیسا کہ پہلی آیتوں میں گزر چکا ہے۔ یہود کی اصل بیماری زر پرستی اور سرمایہ داری تھی جس کی وجہ سے وہ ساری برائیوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ قرآن پر ایمان لانے کے بعد اُن کے لیے دولت جمع نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ قرآن پاک تو حلال و حرام کی تمیز سکھاتا ہے۔ نہ وہ حرام ذرائع سے دولت جمع کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ اُسے ناجائز امور میں خرچ کرنے دیتا ہے۔ قرآن تو برائیوں کو ختم کرنے کے لیے آیا ہے۔ وہ تو صاف صاف کہتا ہے۔ لَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ سود اور رشوت کو بند کرو۔ حرام کاری کو ختم کرو۔ عیاشی، فحاشی اور زنا پر قدغن لگا دی جاتی ہے۔ اس لیے قرآن پاک کا قانون ان لوگوں کو راس نہیں آتا۔ برطانیہ کے ایک وزیر اعظم گلیڈسٹون نے قرآن پاک ہاتھ میں لے کر پارلیمنٹ میں اعلان کیا تھا کہ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود ہے لوگ مہذب نہیں ہو سکتے۔ ظاہر ہے کہ اُن کی تہذیب تو یہ ہے کہ زنا اُس وقت تک زنا شمار نہیں ہوتا جب تک وہ فریقین کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ اگر مرد و زن باہمی رضامندی سے اس فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، تو قانون کی نظر میں یہ کوئی جرم نہیں۔ بلکہ وہاں تو لواطت تک کو جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ قرآن تو حکم دیتا ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ یعنی زنا کے قریب تک نہ جاؤ، مگر یہ مہذب قوم ہر فحاشی کو جائز تصور کرتی ہے۔ قرآن شراب پر پابندی عاید کرتا ہے اور اُسے رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ قرار دیتا ہے۔ کہ یہ ناپاک ہے اور شیطانی عمل ہے جوا، قمار بازی سب اسی حکم میں آتے ہیں مگر یہود و نصاریٰ کے ہاں سب کچھ جائز ہے۔ وہ قرآن پاک کو اللہ کا کلام اور حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی کیسے

مان سکتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ فَإِنَّهُ مِفْتَاحُ كُلِّ شَيْءٍ ؎
شراب مت پیو کہ یہ ہر برائی کا دروازہ کھولتی ہے۔ مقصد یہ کہ اہل کتاب اپنی من مانی غرض فاسدہ
کی بنا پر اللہ کا قرآن اور اس کے نبی کا فرمان اپنانے کے لیے تیار نہیں۔ وگرنہ وہ خوب
جانتے ہیں۔ کہ یہ دونوں چیزیں برحق ہیں اور اس کی شہادت ان کی اپنی کتابوں میں موجود
ہے۔ مگر وہ اسے چھپا جاتے ہیں۔

آخری امت کی بیماری

اغراض فاسدہ کی وجہ سے حقائق کو چھپا جانا اس آخری امت میں بھی عود کر آیا ہے
شرک و بدعات کی ترویج اسی قبیل سے ہے۔ اہل بدعت حق سے روگردانی کرتے
ہوئے اپنے پیٹ کی خاطر سنت کی بجائے بدعت اور توحید کی بجائے شرک کو اختیار
کرتے ہیں اور اسی کے حق میں پراپیگنڈا کرتے ہیں۔ اگر صحیح مسئلہ بتایا جائے تو لوگوں کی
کایا پلٹ جائے مگر کیا کیا جائے ان نام نہاد عالمانِ دین کا جو فیس لے کر غلط مسائل
بیان کرتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں۔ بعض مولوی سو روپے کی خاطر نکاح پر نکاح پڑھا
دیتے ہیں۔ انہیں ذرہ خدا کا خوف نہیں آتا کہ وہ حرام میں حصہ دار بن رہے ہیں۔ ہمارے
معاشرے کی رسومات عرس، تیجا، چالیسواں وغیرہ سب باطل طریقے ہیں جن کے ذریعے
لوگوں کا مال ہضم کیا جاتا ہے۔ قبروں پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں، ان پر گنبد بنائے
جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے فرمان کی خلاف ورزی ہو رہی ہے حضور علیہ السلام نے
نے تو فرمایا لَا تُجَصِّصُوا قبروں پر پکی اینٹ نہ لگاؤ، چونا اور سیمنٹ مت لگاؤ،
مگر آج عالیشان گنبد بنائے جا رہے ہیں۔ یہ کہاں کا دین ہے۔ آج کون ہے جو
انہیں دین کا اصل مسئلہ بتائے اور کون ہے جو اس پر عمل کرے۔ حضرت
خواجہ معین الدین چشتیؒ کا بہت بڑا دربار تو بنا دیا مگر ان کی تعلیم کو بھی کسی نے پڑھا ہے
آپ کے ملفوظات میں موجود ہے کہ کسی نے دریافت کیا، حضرت! بعض اوقات
بارش کی وجہ سے قبر کی مٹی ضائع ہو جاتی ہے، کیا اسے پختہ کیا جا سکتا ہے؟ آپ نے
فرمایا، نہیں۔ قبر جتنی بوسیدہ ہو گی، اس پر اللہ کی رحمت اتنی ہی زیادہ برسے گی۔
خواجہ صاحبؒ اور سید علی ہجویریؒ نے اپنے لیے جھونپڑی تک نہیں بنائی مگر آج

؎ ابن ماجہ ص ۲۴۳ (فیاض)

اُن کی قبور پر کتنی عالیشان تعمیرات ہو چکی ہیں۔ کیا اُن کی تعلیمات کا یہی اثر ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اغراض فاسدہ کی بیماری کا نتیجہ ہے۔

جس ظالم بادشاہ نے میلاد کا سلسلہ شروع کیا تھا، وہ فاسق آدمی تھا بظاہر بڑا دیندار اور نبی کریم علیہ السلام سے محبت کا دعویدار تھا مگر بدعات کا دروازہ کھول گیا۔ اب سرکاری طور پر بھی میلاد منایا جا رہا ہے۔ جن چیزوں سے اللہ اور اس کے رسول کی محبت پیدا ہوتی ہے، وہ کہاں ہیں۔ تمام فرائض، سنن اور مستحبات کے تارک میلاد کو ہی اصل دین سمجھ بیٹھے ہیں۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ بھائی! اس معاملہ میں قرآن کیا کہتا ہے حضور علیہ السلام کا فرمان کیا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ مگر آج محبت کا مرکز سنت کی بجائے بدعت قرار پا چکا ہے یہ وہی یہودیوں والی کتمانِ حق کی بیماری مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئی ہے۔ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ "جو کتاب کے ذریعے نازل کردہ حق بات کو چھپاتے ہیں۔ اُن پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے، اس کے فرشتے بھی اور تمام مخلوق بھی لعنت بھیجتی ہے۔ اللہ نے تو عہد لیا تھا۔ کہ حق بات کو ظاہر کرنا اور اس کو چھپانا نہیں مگر ان لوگوں نے بالکل الٹ عمل کیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ عام اصول بیان فرما دیا کہ حق بات کو چھپانا نہیں بلکہ ظاہر کرنا ہے۔ ہاں ایک صورت ایسی ہے جس میں بعض امور کو عوام الناس کے سامنے بیان کرنا فتنہ یا گمراہی کا باعث بن سکتا ہے۔ مثلاً وحدت الشہود اور وحدت الوجود وغیرہ جیسے مسائل ایسے ہیں جو علما تک محدود رہنے چاہئیں۔ عوام میں بیان نہیں کرنے چاہئیں۔ مسلم شریف میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے مَآ اَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِیْثًا لَّا تَبْلُغُہٗ عُقُوْلُھُمْ اِلَّا کَانَ لِبَعْضِھِمْ فِتْنَۃً لوگوں کے سامنے ایسی بات بیان کرنا جن کی عقل کی رسائی اس بات تک نہ ہو، تو وہ فتنے کا باعث ہو سکتی ہے لہٰذا بعض اوقات بعض چیزوں کا چھپانا ضروری ہو جاتا ہے۔ ایسی باتیں اہل علم کے

ساتھ تبادلہ خیال کے طور پر تو ہو سکتی ہیں مگر عوام کے لیے مناسب نہیں۔

الغرض! حق بات کو چھپا جانا اہل کتاب کی بیماری اغراض فاسدہ کی بنا پر تھی۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے دس بڑے عالم تھے جن میں سے اسلام کی دولت صرف حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے حصے میں آئی، باقی سب محروم رہے حالانکہ وہ حقیقت کو پہچانتے تھے مگر اُن کی اغراض فاسدہ ان کے اڑے آتی تھیں۔ وفد نجران میں شامل بڑے پادری کے بھائی نے دوران سفر یہی بات کی تھی۔ کہ اگر تم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا رسول مانتے ہو، تو تسلیم کیوں نہیں کر لیتے۔ تو وہ کہنے لگا کہ اگر ہم حق کو تسلیم کر لیں تو ہم رومی بادشاہوں کی عطا کردہ جاگیروں سے محروم ہو جائیں گے۔ ہمارے اعزاز ختم ہو جائیں گے۔ اور ہماری اغراض پوری نہیں ہوں گی۔

حقیر دنیا کی طلب

• فرمایا اہل کتاب نے عہد شکنی کی اور اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اور کتاب اللہ کے بدلے میں دنیا کا حقیر مال خریدا۔ چند ٹکوں کی خاطر دین حق کو بیچ ڈالا۔ اور حقیقت کے بدلے گمراہی مول لی۔ توحید کی جگہ بدعات اور شرکیہ افعال کو رائج کیا۔ سحر، جادو گنڈے اور تعویذ کے ذریعے دنیا کا حقیر مال اکٹھا کیا۔ اللہ کا فرمان ہے "مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ" دنیا کا سارا مال بھی قلیل ہے۔ آخرت کے مقابلے میں اسکی کوئی حیثیت نہیں، ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں سوئی ڈبو کر نکال لے سوئی کے ذریعہ وہ کتنا پانی حاصل کر لیگا۔ فرمایا آخرت کی نسبت پوری دنیا ایک سوئی کے برابر ہے۔ اگر کوئی شخص پوری دنیا کا مال و متاع بھی سمیٹ کر رکھ لے تو کتنے روز اس کے پاس رہے گا۔ آخری امت کی تو عمر ہی تھوڑی ہے پہلی امتوں کے لوگ چار چار یا پانچ پانچ سو سال تک بھی عمریں پاتے تھے۔ مگر وہ بھی دنیا کا مال دنیا میں ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ لہٰذا اس دنیا کے بڑے سے بڑے مال کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ مگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، وہ ہمہ وقت

دنیا کے حقیر مال کے پیچھے دوڑ رہے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا[1]، ہر امت کا کوئی نہ کوئی فتنہ ہوتا ہے۔ اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ لوگ اسی کے پیچھے دوڑتے رہیں گے۔ صحیحین کی روایت میں آتا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اپنی امت پر فقر و نادری آنے کا ڈر نہیں بلکہ خوف یہ ہے۔ اَنْ تُبْسَطَ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا کہ تم پر دنیا پھیلا دی جائیگی وَتُھْلِکَکُمْ کَمَآ اَھْلَکَتْھُمْ اور یہ تمہیں اسی طرح تباہ کر دیگی جس طرح پہلے لوگوں کو کیا۔ اسی لیے فرمایا کہ جن لوگوں نے دنیا خریدی فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ بہت بُری چیز ہے جو انہوں نے خریدی۔ ایمان کو برباد کر کے دنیا کا حقیر مال خریدا انہوں نے نہایت ہی گھاٹے کا سودا کیا۔

---

[1] ترمذی ۳۳۸ (فیاض)

درس شصت و ہشت ۶۸ | آیت ۱۸۸ تا ۱۸۹

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع

۱۹ ۹ ۱۰

ترجمہ :- نہ گمان کریں آپ اُن لوگوں کے بارے میں جو خوش ہوتے ہیں اُس چیز پر جو انہوں نے کی ہے۔ اور پسند کرتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے، اُن باتوں پر جو انہوں نے نہیں کیں۔ پس نہ گمان کریں آپ کہ اُن کو عذاب سے کامیابی حاصل ہوگی۔ اور اُن کے لیے تو دردناک عذاب ہے ﴿۱۸۸﴾ اور اللہ تعالے ہی کیلئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۸۹﴾

گذشتہ سے پیوستہ

گذشتہ کئی دروس سے اہل کتاب اور منافقین کی قباحتوں کا ذکر ہو رہا ہے اہل کتاب کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی کرنا، ارتکاز دولت کرنا اور بخل سے کام لینا، اسلام قبول کرنے میں مختلف حیلے بہانے کرنا اور بیہودہ مطالبات کرنے کے متعلق تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تسلی دی اور فرمایا کہ تمہاری آزمائش بھی ضرور ہوگی، اس کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیئے، اور جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اے اہل ایمان! تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی جانب سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سننا پڑیں گی، جن کی وجہ سے تمہیں کوفت ہوگی اور فرمایا کہ ایسی باتوں کا مقابلہ تم صبر اور تقویٰ کے ذریعے کرنا، اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور کامیاب کریگا۔ اہل کتاب کی اس خرابی کا بھی تذکرہ ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے

عہد لیا تھا کہ وہ اللہ کی کتاب کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں گے۔ اور اسے چھپائیں گے نہیں۔ مگر انہوں نے اس پختہ عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اُن تمام پیشین گوئیوں کو چھپا لیا، جو اللہ کے آخری نبی، اُس کے صحابہ اور قرآن حکیم کے متعلق اُنکی اپنی کتابوں میں موجود تھیں۔ اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنی اغراض فاسدہ کی بنار پہ ایسا کیا، اور حق کے بدلے میں دنیا کا حقیر مال خریدا۔

منافقوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں مگر دل میں کفر بھرا ہوا ہے۔ اِن کا معاملہ ایسا ہے۔ کہ مسلمانوں سے مِلتے ہیں تو اسلام کا دعوےٰ کرتے ہیں اور جب کفار کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اسلام کی نسبت تمہارا دین اچھا ہے۔ اس طرح سے یہ لوگ دونوں طرف کے مفاد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جب جہاد کا موقع آتا ہے تو مختلف حیلوں بہانوں سے اُسے ٹال لیتے ہیں۔ سورۃ توبہ اور بعض دیگر سورتوں میں انکی تفصیلات موجود ہیں۔

اب آج کے درس میں اللہ جل جلالہٗ نے اہلِ کتاب اور منافقین کی ایک اور بری خصلت کا تذکرہ کیا ہے۔

اہلِ کتاب کی خام خیالی

ارشاد ہوتا ہے لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا تم گمان کریں آپ اُن لوگوں کے بارے میں جو اُس چیز پر خوش ہوتے ہیں جو انہوں نے کی۔ وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا اور چاہتے ہیں کہ اُن کی اُن باتوں پر تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیں۔ فرمایا ایسے لوگوں کے متعلق فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ آپ یہ مت گمان کریں کہ وہ عذاب سے چھوٹ جائیں گے۔ یہاں پر تَحْسَبَنَّ اور يَحْسَبَنَّ دونوں قراتیں منقول ہیں تَحْسَبَنَّ مخاطب کا صیغہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اے پیغمبر علیہ السلام! یا دیگر مخاطبین۔ ظاہر ہے کہ اول مخاطب تو نبی علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے اور اس کے بعد صحابہ کرامؓ اور پھر دیگر اہل ایمان۔ یعنی آپ اُن لوگوں کے متعلق گمان نہ کریں جو اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور نا کردہ پر تعریف چاہتے ہیں۔ اور اگر اسے

یحسبن پڑھا جائے، تو یہ غائب کا صیغہ ہے۔ اور مطلب یہ ہوگا۔ کہ جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور ناکردہ پر مدح چاہتے ہیں، وہ یہ گمان نہ کریں کہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ اب رہا یہ سوال کہ انہوں نے کیا کیا اور کیا نہ کیا۔ جو کچھ اہل کتاب اور منافقین نے کیا وہ تو یہ ہے کہ حق بات کو چھپایا اور اس کے بدلے میں دنیا کا حقیر مال وصول کیا۔ ہر قسم کی برائی، دھوکہ اور فریب کیا، اور اس پر بھی خوش ہو رہے ہیں۔ کہ ہم نے بہت بڑا معرکہ مار لیا ہے۔ اور جو کام نہیں کیا، وہ نیکی کا کام ہے حق بات کو ظاہر نہیں کیا۔ حضور علیہ السلام اور قرآن پاک کے متعلق پیشین گوئیوں کو ظاہر نہیں کیا۔ اور چاہتے یہ ہیں کہ ان کے ناکردہ کاموں پر بھی لوگ ان کی تعریف کریں کہ یہ بہت اچھے دیندار آدمی ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ محض ان کی خام خیالی ہے اس قسم کی ہوشیاری اور چالاکی کر کے وہ عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتے۔ انہیں اپنے کیے دھرے کا حساب دینا ہوگا۔ منافقین کا بھی یہی حال ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے نفاق کا کسی کو علم نہیں، ہمیں کوئی گرفت نہیں کر سکتا، لہٰذا توقع رکھتے ہیں کہ لوگ ہمیں نیک سیرت اور عابد وزاہد سمجھ کر ہماری تعریف کریں۔ اللہ نے فرمایا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اہل ایمان کی خدا خوفی

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے متعلق سورۃ مومنون میں فرمایا "وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ" کہ وہ نیکی کا کام کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ۔ کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ نامعلوم ہماری نیکیوں میں کتنی کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ چنانچہ بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ بعض نیک آدمی نماز پڑھ کر بھی اس قدر گھبرا جاتے ہیں جیسے کوئی چوری کر کے نکلتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نامعلوم اس فرض میں کس قدر کوتاہی اور غلطی واقع ہوئی ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ نیکی کرنے کے بعد انسان کو اللہ تعالیٰ سے بہتر اجر کی توقع رکھنی چاہیئے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے نیکی کی توفیق بخشی۔ اور ساتھ ڈرتے

بھی رہنا چاہیئے۔ کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو، اسی طرح روزہ ہے۔ روزہ رکھ کر بھی دِل میں خوف رہنا چاہیئے۔ کہ یہ قبولیت کے قابل بھی ہوُا ہے یا نہیں۔ اسی لیے تو فرمایا اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ یعنی ایمان خوف اور امید کے درمیان پایا جاتا ہے صحیح ایمان کا تقاضا یہ ہے۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بھی ڈرتا رہے اور اُس کے ساتھ اُمید کا دامن بھی وابستہ رکھے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے نبی بھی یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے ہیں۔ اور ہمارے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

مدح کے طالب ریاکار

اپنی تعریف کرانے کی بیماری یہودیوں سے نکل کر اہلِ اسلام تک بھی پہنچ چکی ہے اللہ والے تو نیکی کرنے کے بعد بھی اپنی تعریف نہیں چاہتے مگر آج کا ہر چھوٹا بڑا اسی چکر میں پڑا ہوُا ہے کہ کسی طرح اخبار میں نام آجائے فوٹو چھپ جائے تو بہت بڑا مقصد پورا ہو جائے گا۔ حکومت کے کارپردازان خصوصاً صدر، وزیرِ اعظم، وزرائے اعلیٰ اور دیگر وزراء حضرات اپنی ہر کردہ اور ناکردہ پر تعریف سُننا چاہتے ہیں۔ یہ تو صریحاً ریاکاری ہے۔ اور اچھے کام پر بھی پانی پھیرنے کے مترادف ہے، لہٰذا اگر اللہ نے کسی کو نیکی کی توفیق عطا کی ہے۔ تو اُسے شہرت کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیئے بلکہ حتی الامکان اُسے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

البتہ ایک چیز ہے۔ نیک کام کر کے اگر مومن کے دِل میں خوشی پیدا ہو۔ تو یہ طبعی امر ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ روزہ دار کو دو وقت خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ایک خوشی اُسے افطاری کے وقت حاصل ہوتی ہے۔ کہ اس کی ذمہ داری پوری ہوئی اور دوسری خوشی اُس وقت حاصل ہو گی۔ جب قیامت کے دِن اللہ تعالیٰ روزے کا اجر عطا فرمائیں گے۔ یہ طبعی خوشی ہے اور جائز ہے۔ ہاں اگر خوشی اس وجہ سے ہے کہ لوگ اُسے روزہ دار کہیں یا نمازی اور پرہیزگار تصور کریں، تو یہ خطرناک بیماری ہے۔ یہ چیز ریاکاری کہلاتی ہے اور نفاق کی تعریف میں بھی آتی ہے۔ ایسے شخص کو آخرت میں سخت ترین عذاب

سے سابقہ پڑے گا۔

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ایک لمبی حدیث آتی ہے۔
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک شہید سے اس کے اعمال کے متعلق دریافت فرمائیں گے، تو وہ عرض کرے گا، مولا کریم! میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا اور اپنی جان جیسی قیمتی متاع تیرے راستے میں قربان کر دی۔ اللہ کریم فرمائیں گے تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو نے جہاد میں اس لیے حصہ لیا کہ تمہاری بہادری کے چرچے ہوں۔ تیرا یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا ہے۔ اس کے بعد وہ اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک عالم سے دریافت کیا جائے گا۔ کہ میں نے تجھے دنیا میں علم کی دولت عطا کی، تو نے اُسے کہاں صرف کیا۔ عرض کرے گا۔ کہ میں نے دین کا علم حاصل کر کے دوسروں تک پہنچایا۔ آپ کی کتاب قرآن پاک میں مشغول رہا۔ اللہ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو قرآن اس لیے پڑھتا تھا۔ کہ لوگ تجھے عالم اور قاری کہیں۔ تیرا یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا اب تیرا ٹھکانا جہنم میں ہے۔ اسی طرح ایک ایک تیسرے شخص سخی کا معاملہ پیش ہوگا۔ وہ بھی کہے گا کہ دنیا میں میں نے تیرا عطا کردہ مال تیری رضا کے لیے تیرے بتلائے ہوئے راستے پر خرچ کیا۔ مولا کریم فرمائیں گے تو بھی جھوٹا ہے۔ تو نے سخی کہلانے کے لیے مال صرف کیا، تاکہ تیری سخاوت کے چرچے ہوں۔ تیرا بھی یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا۔ پھر حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

الغرض! موجودہ زمانے میں ذاتی نمود و نمائش ایک فیشن بن چکا ہے۔ ہر شخص اس دوڑ میں سب سے آگے نکلنا چاہتا ہے۔ ہاں اللہ کے بندے کچھ ایسے بھی ہیں جو ہر نیک کام رضائے الٰہی کی خاطر کرتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کی خود نمائی نہیں کرتے بلکہ اپنے آپ کو ہمیشہ ہیچ سمجھتے ہیں۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ خط لکھتے تو آخر میں اپنے آپ کو احقر الانام لکھتے یعنی سارے انسانوں میں حقیر بندہ۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنے آپ کو ننگ اسلاف (اسلاف کے لیے باعث شرم) سے تعبیر کرتے تھے

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنا تعارف فقیر ولی اللہ کی حیثیت سے کراتے تھے۔
شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اپنے آپ کو بندہ محمود یعنی اللہ کا بندہ محمود کہتے تھے۔ مگر آج تو آوا ہی اُلٹ چکا ہے۔ ہر کس و ناقص اپنے آپ کو سب سے بڑا محدث، سب سے بڑا صوفی اور سب سے بڑا زاہد و عابد کہلاتے پہ مصر ہے۔ بڑے بڑے پوسٹروں پہ اور جلسے جلوسوں میں ناموں کے ساتھ لمبے لمبے القابات کی فہرست پہ غور فرمائیں اور پھر دیکھیں کہ یہ لوگ اس طرح کی خوش نمائی پہ کس قدر خوش ہوتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ریاکاری میں داخل ہیں۔ مقصد یہ کہ جس طرح یہود اپنے ہر کردہ کام پہ خوش ہوتے تھے۔ اور ناکردہ پہ تعریف چاہتے تھے، آج اہل اسلام بھی اسی بیماری میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ الا ماشاء اللہ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائے۔ آمین۔

اقتدارِ اعلیٰ

فرمایا یاد رکھو! وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان و زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ جب حقیقی اقتدارِ اعلیٰ اُس مالک الملک کے پاس ہے۔ تو پھر کتمانِ حق کرنے والے مجرمین، مخلوق خدا کو ہدایت کی بجائے گمراہی کے راستے پہ چلانے والے، جھوٹی تعریف پہ خوش ہونے والے اور ریاکار لوگ اللہ کی سزا سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ وہ تو ایک دن پکڑے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے۔ کہ دنیا میں لوگ جس مال کی خاطر دھوکہ کرتے تھے، غلط بیانی کرتے تھے، اُس پہ بھی اُن کا قبضہ نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کی ملکیت میں ہے۔ وہ جب چاہے کسی کو عطا کر دے اور جب چاہے واپس لے لے۔ اُس کے سامنے سب حقیر اور بے بس ہیں۔ دُنیا کی یہ چند روزہ بادشاہت اسی مالک کی عطا کردہ ہے اور انسانوں کے پاس امانت ہے۔ انہیں اس کا حساب دینا ہو گا۔ مسلم شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ بڑے بڑے حکمرانوں، بادشاہوں اور عہدیداروں کو قیامت کے دن سب سے زیادہ افسوس ہو گا۔ وہ حسرت کے ساتھ کہیں گے کاش ہم اس اقتدار پہ فائز نہ ہوتے۔ کسی کو جتنا بڑا اقتدار حاصل ہو گا۔ ذمہ داری بھی اتنی ہی بڑی ہو گی، اُس دن صاحبانِ اقتدار بصد حسرت کہیں گے هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ "آج میرے اقتدار نے

مجھے کچھ فائدہ نہ دیا، سب کچھ تباہ ہوگیا۔ نہ فوج کام آئی۔ نہ پولیس اور نہ کوئی سیکوریٹی
کاش ہیں دنیا میں حکومت پہ فائز نہ ہوتا۔ اُس دن وہی بچ سکیں گے۔ جنہوں نے اقتدار
کا تصرف عدل و انصاف کے ساتھ کیا ہوگا۔ جو لوگ اللہ پہ ایمان رکھتے ہیں، اس کے
احکام پہ عمل کرتے ہیں، انہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ بادشاہی تو خدا تعالیٰ کی ہے۔
اگر اس کے حکم پہ چلتے رہیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ فلاح عطا فرمائیگا، وہ اس دنیا میں
بھی کامیاب ہوں گے اور آخرت کی کامیابی بھی انہی کے مقدر میں ہے۔ فرمایا
وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ اللہ ہی ہر چیز پہ قادر ہے۔ ہر قسم کی بادشاہی
اُسی کی ہے۔ سزا و جزا پہ بھی وہ قادر ہے۔ لہذا جھوٹے، مکار، اور کتمان حق کرنے
والے لوگوں کو مالک الملک کی گرفت کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اور صاحب بصیرت
لوگوں کو اللہ کی طرف سے بہتر جزا کی امید رکھنی چاہیئے۔ وہ ضرور کامیاب ہونگے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

ترجمہ: بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے اختلاف میں البتہ نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے (۱۹۰) وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو، کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں یا کروٹوں کے بل لیٹے ہوں اور وہ غور و فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو نے نہیں پیدا کیا اس کو باطل، پاک ہے تیری ذات، پس بچا تو ہمیں آگ کے عذاب سے (۱۹۱)

سورۃ کی ابتدا اور انتہا

آج کے درس سے سورۃ آل عمران کا آخری رکوع شروع ہو رہا ہے۔ سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید بیان فرمایا تھا الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ اور قائم ہے اب سورۃ کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور حاکمیت کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تمام سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ قادر مطلق اور معبود برحق وہی ہے۔ اب آمدہ آیات میں دعویٰ ملکیت، قدرت تامہ اور توحید کے دلائل

بیان ہوئے ہیں۔ یہ ایسی صفات ہیں جو صرف اللہ رب العزت کے ساتھ مختص ہیں متصرف فی الامور، قادر مطلق، مستحق عبادت، نافع، ضار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ان امور میں کسی اور کو کوئی دخل حاصل نہیں۔

شانِ نزول

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین حضور علیہ السلام سے طرح طرح کے بیہودہ سوال کرتے تھے، آپ سے معجزات طلب کرتے تھے، اور حیلے بہانے سے خود اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو قبول کرنے سے روکتے تھے۔ چنانچہ اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ مشرکین مکہ نے یہودیوں سے سوال کیا کہ تمہارے نبی موسیٰ علیہ السلام کیسے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام عصا اور ید بیضا جیسی نشانیاں رکھتے تھے۔ ان کے ہاتھ پر کئی معجزے ظاہر ہوئے، پانی میں راستہ بن گیا، بارہ چشمے جاری ہو گئے من و سلوا نازل ہوا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد مشرکین نے نصاریٰ سے دریافت کیا کہ تمہارے نبی عیسیٰ علیہ السلام کیسے تھے۔ عیسائیوں نے کہا، وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے، مادر زاد اندھوں کو بینا کرتے تھے اور کوڑھی کو شفا دیتے تھے۔ اس پر مشرکین نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ دیکھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اپنی امت کے سامنے کیسی کیسی نشانیاں ظاہر کیں۔ آپ بھی ہمارے سامنے معجزہ پیش کریں اور وہ یہ کہ صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دیں۔ مشرکین کے اس قسم کے مطالبات کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں موجود ہے۔ کہ انہوں نے ابلتے چشمہ کا معجزہ طلب کیا۔ اور کہا کہ آپ کے لیے کھجور اور انگور کا باغ ہونا چاہیئے۔ جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ یا ہم پر آسمان گرا دے یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے پاس لے آ۔ تمہارے لیے سونے کا محل ہونا چاہیئے یا آپ کو آسمان پر چڑھ جانا چاہیئے اور پھر ہمارے سامنے آسمان سے کتاب نازل ہوتی چاہیئے وغیرہ تو اس مقام پر مشرکین نے صفا پہاڑی کو سونے کا بنانے کا مطالبہ پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت عطاءؒ کی روایت[1] میں ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کیا کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا کوئی عجیب و غریب واقعہ بیان کریں۔ انہوں نے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات عجیب و غریب تھے۔ تاہم انہوں نے بتایا کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام رات کو میرے گھر تشریف لائے۔ میں لحاف میں لیٹی ہوئی تھی۔ آپ بھی تھوڑی دیر لحاف میں لیٹ گئے اور پھر فرمایا، عائشہ! مجھے اجازت دو، میں اپنے رب کی عبادت کر لوں۔ چنانچہ اٹھ کر آپ نے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ یہ آیت اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الخ پڑھتے رہے اور روتے رہے حتیٰ کہ سینہ مبارک آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ اس طرح کافی وقت گزر گیا اور صبح ہو گئی۔ حضرت بلالؓ اذان کے لیے آئے اور عرض کیا۔ آپ اس قدر گریہ زاری کیوں کرتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف کر دی ہیں۔ آپ نے فرمایا اَفَلَاۤ اَکُوۡنُ عَبۡدًا شَکُوۡرًا۔ کیا میں اپنے پروردگار کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آج رات مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ

نشانات قدرت

بہرحال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے سوال کے جواب میں اپنی الوہیت اور ملکیت کے متعلق دلائل پیش فرمائے ہیں، دلائل عقلی اور نقلی دونوں قسم کے ہو سکتے ہیں تاہم یہاں پر عقلی دلائل کا تذکرہ ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے دلائل تو عام ہیں جن کا مشاہدہ تمام انسان شب و روز کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا معجزہ طلب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم یہ لوگ تعصب اور عناد کی بنا پر حضور علیہ السلام سے ہر روز نئے نئے معجزات کی فرمائش کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بیشک زمین و آسمان کی تخلیق میں وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ اور شب و روز کے اختلاف یعنی آگے پیچھے آنے میں لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ

[1] روح البیان ص ۱۴۵ ج ۲ (فیاض)

البتہ عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

ظاہر ہے۔ کہ اتنے بڑے بڑے آسمانوں اور اتنی وسیع و عریض زمین کی تخلیق کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اِن اشیا کی پیدائش جن و انس کے بس کی بات نہیں۔ پھر اس زمین میں بڑے بڑے دریا چلائے اور سمندر پیدا کیے، بلند و بالا پہاڑ پیدا کرکے اُن کے اندر انسانی فائدے کے لیے معدنیات پیدا کیں۔ اسی زمین پر پھل، پھول، سبزیاں اور اناج پیدا کیے۔ اللہ تعالےٰ کی پہچان کے لیے کیا یہ کوئی کم دلائل ہیں۔ اس کے علاوہ رات اور دِن کا آگے پیچھے مقررہ اوقات میں آنا اور پھر موسموں کا تغیر و تبدل، کبھی گرمی ہے، کبھی سردی ہے۔ کبھی بہار ہے اور کبھی خزاں ہے۔ کبھی بارش برس کر سبزیوں اور پھلوں کو روئیدگی میں مدد دے رہی ہے اور کبھی تیز دھوپ پھلوں اور فصلوں کو پکا رہی ہے۔ آخر یہ سب کچھ کیا خود بخود یعنی (AUTOMATIC) ہی ہو رہا ہے؟ اس پورے نظام کو چلانے والی کوئی ہستی موجود ہے یا نہیں۔ انسان پوری زندگی غور کرتا ہے۔ آخر کار اُسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اِس پورے کارخانہ قدرت کی چلانے والی واحد ذات ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ اُسی کی قدرت اور حکمت کا کام ہے، جو الوہیت میں متفرد ہے۔ فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ کے یہ کم دلائل ہیں؟ نہیں بلکہ صاحبانِ عقل و خرد کے لیے یہی دلائل کافی ہیں بشرطیکہ وہ غور و فکر کرکے اِن کو سمجھنا چاہے۔

الباب لُب کی جمع ہے اور لُب مغز یا خلاصے کو کہتے ہیں۔ بادام، اخروٹ وغیرہ کا مغز ہوتا ہے جسے انسان استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا لب لباب اُس کی عقل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ دورانِ زندگی بڑے بڑے فیصلے کرتا ہے محنت مزدوری، کاروبار، تعلیم و تعلم ہر چیز عقل پر موقوف ہے۔ انسان نیکی بدی اور حق و باطل کی پہچان بھی اسی عقل کے ذریعے کرتا ہے۔ چنانچہ انسان کے لیے کسی قانون کی پابندی کا دار و مدار بھی عقل پر ہی ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان مکلف ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو عقل جیسا کمال جوہر عطا فرمایا ہے۔ جس کو بروئے کار لا کر انسان بڑے بڑے کام انجام دیتا ہے۔ تو فرمایا کہ تخلیق ارض و سما اور شب و روز کے تغیر و تبدل کے دلائل جو ہم نے پیش،

رکھے ہیں۔ اُن سے عقلمند ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ اِن دلائل قدرت میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتے ہیں۔

فرمایا جو انسان عقل کو بروئے کار نہیں لاتے، وہ انسان نہیں بلکہ جانور ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے سورۃ انفال میں فرمایا ہے "اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ" بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں گونگے اور بہرے ہیں۔ جانور بھی اپنے مالک کو پہچانتا ہے۔ مگر یہ حضرت انسان ہے جسے اللہ نے عقل جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے۔ مگر اُسے بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرتا۔ وہ تو آسمان و زمین کو دیکھ کر ہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین کر لیتے ہیں کہ یہ کام سوائے اُس مالک الملک کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ دن اور رات کی تبدیلی اُسی کے حکم سے آتی ہے "يُقَلِّبُ اللّٰيْلَ وَالنَّهَارَ" یعنی رات اور دن کو پلٹیاں دینا اُسی کا کام ہے، اس میں کسی دوسرے کو تصرف حاصل نہیں۔ لہٰذا جو شخص اپنی عقل کو استعمال کرے گا وہ انسانیت میں کمال حاصل کرے گا اور اعلیٰ درجہ پائیگا۔

باقی رہے مادہ پرست لوگ، تو یہ دنیا کا کتنا بھی علم حاصل کر لیں، یہ اللہ تعالےٰ کی مصنوعات کی تاروں میں ہی اُلجھ کر رہ جاتے ہیں اور صانع کی صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکتے، ایسے لوگ بڑے بڑے سائنس دان تو ہو سکتے ہیں، بڑے بڑے فلاسفر تو کہلا سکتے ہیں، محقق اور دانشور بھی ہو سکتے ہیں، مگر قرآن پاک کی زبان میں اولی الالباب نہیں ہو سکتے، جو غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت تک نہیں پہنچ سکے وہ احمق ہیں۔ انہیں دنیا کے بڑے سے بڑے علم نے بھی کچھ فائدہ نہیں دیا۔ جس نے خدا کو پہچان کر اسکی عبادت نہیں کی۔ اللہ کا ذکر نہیں کیا وہ کیسا سکالر ہے۔ وہ تو جاہل ہے اُسے عقلمند نہیں کہہ سکتے۔

ذکرِ الٰہی

آگے فرمایا عقلمند وہ لوگ ہیں اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ کھڑے ہوں یا بیٹھے ہو یا اپنی کروٹوں کے بل لیٹے ہوں ہر حالت میں اپنے خالق و مالک کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور اس

یاد آوری میں آگے ان کی دعاؤں کا ذکر بھی آرہا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کس قسم کی التجا کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی فکر کیسی صحیح ہے، اور اُن کے عقائد کیسے پختہ ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی عقلمند پہچانے جاتے ہیں، یہی اُن کی علامت ہے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ نبی علیہ السلام کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ اَحْیَانِہٖ آپ تمام اوقات میں اپنے رب کو یاد کرتے رہتے تھے، آپ کا کوئی وقت ذکر الٰہی کے بغیر نہ گزرتا تھا۔ عمران بن حصینؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ ذکر میں ہر قسم کی عبادت بھی شامل ہے، جو کہ ہر حالت میں کی جاسکتی ہے۔ جیسے فرمایا صَلِّ قَآئِمًا نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اور اگر کھڑے ہو کر ادا نہیں کر سکتے فَصَلِّ قَاعِدًا تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ اور ایسا بھی نہیں کر سکتے تو عَلٰی جَنْبٍ پہلو کے بل لیٹ کر ہی ادا کر لو۔ آگے فقہائے کرام نے اجتہاد سے یہ اشارہ فرمایا ہے۔ اگر لیٹ کر بھی نماز پڑھنے سے معذوری ہو تو اشارے سے بھی پڑھ لینی چاہیئے۔ کیونکہ یہ اہم ترین عبادت ہے اور بہترین ذکر۔ جیسا فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ "میرا ذکر کرنے کے لیے نماز پڑھو۔ مقصد یہ کہ ذکر میں تمام عبادات بھی شامل ہیں۔

اب ذکر قلبی بھی ہے اور زبانی بھی۔ ہم عوام لوگوں کے لیے زبانی ذکر ہی بہت بڑی سعادت ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت تمام اوراد کا سردار ہے۔ یا پھر وہ اذکار کریں جو قرآن پاک میں یا سنت خیر الانام میں وارد ہوئے ہیں یا پھر اسلاف کرام نے بتائے ہیں۔ ہمیں ایسے اذکار کی پابندی کرنی چاہیئے، اس کے علاوہ مختلف اوقات کے خصوصی ذکر ہیں جیسے رات کا ذکر، صبح کا ذکر، وضو کرتے وقت کھانا کھاتے وقت، بازار چلتے وقت، نیند سے بیداری کے وقت وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ کوئی وقت اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیئے، جس قدر کثرت سے ذکر کریگا، اُسی قدر فلاح حاصل ہوگی وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ

تُفۡلِحُوۡنَ" اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ، کامیاب ہو جاؤ۔ ذکر الٰہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ باقی تمام عبادات کی کوئی نہ کوئی حد (LIMIT) ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسی عبادات محدود ہیں مگر ذکر الٰہی کی کوئی حد نہیں مسند احمد کی روایت میں آتا ہے اَکۡثِرُوۡا ذِکۡرَ اللّٰہِ حَتّٰی یَقُوۡلُوۡا مَجۡنُوۡنٌ اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ کہنے لگیں یہ پاگل ہے۔ غرضیکہ ذکر انسان کی بلندی کا ذریعہ ہے۔

اب ذکر الٰہی سے دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں یعنی حکمت خداوندی اور انسانیت کی تکمیل۔ اگر انسانیت میں کفر، شرک اور معاصی کی وجہ سے فساد پیدا ہو جائے، تو حکمت باطل ہو جاتی ہے۔ زمین و آسمان کو پیدا کرنے کا مقصد یہی ہے کہ انسانیت کی تکمیل ہو۔ لوگ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانیں، اور خالص اُس کی عبادت کریں۔ اور اگر انہی چیزوں میں فساد پیدا ہو جائے، تو حکمت کا ابطال لازم آئے گا۔ انسان اپنے مقام سے گر جائے گا۔ جب انسان نے تخلیق ارض و سما اور اختلاف لیل و نہار میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو وہ عقلمندوں میں شامل ہو گیا اور پھر عقلمندوں کی نشانی اور علامت یہ ہے۔ کہ وہ ہر حالت اور ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔

قلبی ذکر

زبانی ذِکر تو عام ہے۔ اس کے علاوہ قلبی ذکر بھی ہے۔ جو لوگ بزرگان دین سے تربیت حاصل کرتے ہیں، وہ بزرگان دین انہیں قلبی ذِکر بھی سکھلا دیتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کا دِل ہمیشہ بیدار رہتا ہے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔ اُن کا کوئی سانس ذکر سے خالی نہیں ہوتا حتیٰ کہ اُن کے لطائف باطنی بھی ذکر کرنے لگتے ہیں۔ یہ چیزیں ایسے لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں۔ جو سلوک کی منازل طے کرتے ہیں۔ اور مرشدان برحق کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ہر طالب کی تربیت اسکی صلاحیت کے مطابق کرتے ہیں۔

خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ کے پاس جو شخص ذکر کی تربیت کے لیے جاتا، آپ اس کی مناسبت اسمائے الٰہی کے ساتھ معلوم کرتے اور پھر جس اسم کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوتی، اُسی اسمِ پاک کا ذکر بتاتے۔ اگر کسی شخص کی اسمائے حسنہ

میں سے کسی کے ساتھ بھی مناسبت نہ پاتے، تو اُس سے فرماتے کہ تم عقیدۂ حقہ اور ایمان پر قائم رہو، اور نیکی کرتے رہو۔ تمہارے لیے یہی کافی ہے!

مصنوعاتِ خداوندی میں غور و فکر

عقلمندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی پہلی صفت تو یہ ہے۔ کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور دوسری صفت یہ بیان فرمائی وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ کہ وہ آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اس غور و فکر کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفاتِ کمال کو سمجھ سکے گا۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں۔ کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور دیگر مصنوعاتِ الٰہی میں غور و فکر وہی کامیاب سمجھا جائے گا جس کا نتیجہ خدا تعالیٰ کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو۔ حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں آتا ہے کہ تفکر ساعة خير من عبادة ستين سنة ۔ یعنی ساٹھ سال کی عبادت کی نسبت ایک گھڑی بھر کا غور و فکر زیادہ قیمتی ہے۔ اگر کسی نے غور و فکر کے بعد اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو یہ چیز سال ہا سال کی عبادت بلا معرفت سے بدرجہا بہتر ہوگی

مصنوعاتِ قدرت عبث نہیں

فرمایا صاحبِ عقل وہ لوگ ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور مصنوعاتِ قدرت میں غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں۔ ان اشیا کی تخلیق میں ضرور کوئی حکمت ہے۔ اور دنیا کی حکمت آخرت ہے۔ الدنيا مزرعة الآخرة فرمایا دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہ اگلی منزل کا راستہ ہے۔ اس راستے پر چل کر انسان آخرت میں پہنچ سکتا ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ کمائی کریگا۔ اُسے آخرت میں پائیگا۔ مقصد یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق بیکار محض یا کوئی کھیل تماشہ نہیں، بلکہ اس کی کوئی غرض و غایت ہے اور وہ ہے آخرت۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کی گئی ہے سُبْحٰنَكَ اے مولا! تیری ذات پاک ہے تو تمام عیوب، نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے یہ تنزیہہ فی العقیدہ ہوگیا ۔

اے اللہ! ہم تیری تسبیح اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں "فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ"
اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ کوئی عبادت میں شریک ہے نہ اختیار میں
نہ مشکل کشائی میں، نہ حاجت روائی میں۔ اس میں عقیدہ کی اصلاح کا پورا مواد موجود ہے
اگر عقیدہ درست نہیں، خدا کی تنزیہہ کا قائل نہیں تو ایسا شخص عقلمند نہیں ہو سکتا، وہ
بیوقوف ہوگا۔

دوزخ سے نجات

جب عقیدہ صاف ہوگیا اور قیامت کے دن پر یقین ہوگیا تو ایسے لوگ
پھر اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے مولا کریم! ہمیں
دوزخ کے عذاب سے بچالے، عقلمندوں کی یہ پہلی دعا ہے جو غور و فکر کے نتیجے
میں اُن کے دل سے نکلی ہے۔ اس کے بعد اگلی آیات میں باقی دعاؤں کا ذکر آئیگا۔

درس ہفدہ ۱۷ — آیت ۱۹۲ تا ۱۹۴

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

ترجمہ :- اے ہمارے پروردگار! بیشک تونے جس کو دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا پس بیشک تو نے اُس کو رسوا کر دیا، اور نہیں ہوگا ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والا ﴿۱۹۲﴾ اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم نے سُنا ہے، ایک پکارنے والے کو جو پکارتا ہے ایمان لانے کے لیے کہ ایمان لاؤ اپنے پروردگار پر، پس ہم ایمان لے آئے ہیں - اے ہمارے پروردگار! بخش دے ہم کو ہمارے گناہ اور مٹا دے ہم سے ہماری برائیاں اور موت دے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ﴿۱۹۳﴾ اے ہمارے پروردگار! اور دے دے ہمیں جو تو نے وعدہ کیا ہے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانوں پر اور نہ رسوا کر تو ہمیں قیامت والے دن۔ بیشک تو وعدے کا خلاف نہیں کرتا ﴿۱۹۴﴾

ربطِ آیات

جیساکہ گذشتہ درس میں عرض کیا تھا کہ اِس سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور توحید کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ اور اِن میں عقلی اور سمعی یا نقلی دونوں قسم کے دلائل موجود ہیں۔ گذشتہ درس میں عقلی دلائل بیان ہو چکے ہیں اور اب نقلی دلائل پیش ہو رہے ہیں۔ ابتداء میں ذکر آچکا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور شب و روز کے

اختلاف میں اہلِ عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جن کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اُس کی حکمت کاملہ اور قدرتِ تامہ کو سمجھ سکتا ہے اور ایمان اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اختیار کر سکتا ہے۔ پھر عقلمندوں کی علامات یہ بتائیں کہ وہ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے یہ سب کچھ عبث پیدا نہیں کیا۔

غور و فکر کی حد

تخلیقِ ارض و سما میں غور و فکر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں تو غور و فکر کر سکتا ہے اور اس کی صفت اور وحدانیت کو سمجھ سکتا ہے، مگر خود خدا تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہیں کر سکتا۔ یہ بات امام غزالیؒ نے اپنی متعدد کتابوں میں درج کی ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں یہ اصول بیان کیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ لَا فِكْرَةَ فِي الرَّبِّ یعنی رب تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہیں ہو سکتا۔ تَفَكَّرُوْا فِي الْخَلْقِ وَلَا تَتَفَكَّرُوْا فِي الْخَالِقِ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیا میں غور و فکر کرو، خود خالق کائنات کی ذات میں فکر مت کرو، کیونکہ ذاتِ خداوندی وہ ذات ہے، جسے غور و فکر کے ذریعے نہیں پایا جا سکتا۔ مخلوق میں غور و فکر سے اللہ تعالیٰ کی صفت سمجھ میں آتی ہے اور اس کی وحدانیت کا ادراک ہوتا ہے۔ چنانچہ عقلمند لوگ غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ کہ اے مولا کریم! تو نے یہ تمام چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں، ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں، تو وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس طرح گویا توحید کا مسئلہ بھی سمجھ میں آگیا۔ سورۃ یوسف میں موجود ہے وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ لوگ زمین و آسمان کی بیشمار نشانیوں کے قریب سے گزر جاتے ہیں مگر ان میں غور و فکر کر کے نتیجہ اخذ نہیں کرتے، بلکہ غافل رہتے ہیں۔ مقصد یہ کہ زمین و آسمان، اُس کے ستارے اور سیارے ہر وقت انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

نظامِ شمسی

جس نظامِ شمسی (SOLAR SYSTEM) میں ہم رہتے ہیں۔ اُس کے سات

مشہور سیارے زہرہ، قمر، شمس، عطارد، مریخ، مشتری اور زحل ہیں۔ ان کے آجکل بڑے چرچے ہو رہے ہیں۔ خلا پیما سائنس دان ان سیاروں پہ کمندیں ڈال رہے ہیں۔ بلکہ ان سات میں قمر سیارے پہ تو انسان پہنچ چکا ہے اور اسکی وضع قطع معلوم ہو چکی ہے۔ چاند پر سرد ترین علاقہ بھی معلوم ہوا ہے، اگر انسان وہاں پہنچ جائے تو برف کا ٹکڑا بن جائے اسی طرح وہاں پہ اڑھائی سو سنٹی گریڈ تک گرم ترین علاقہ بھی موجود ہے۔ جو لوگ چاند پر پہنچے ہیں وہ اس زمینی لباس میں نہیں گئے، یہ تو فوراً جل جائیگا، وہاں پہ خلائی لباس پہن کر ہی پہنچا جا سکتا ہے۔ اور یہ ایسا لباس ہے جس کی تیاری پہ اڑھائی تین لاکھ روپے خرچ آتا ہے۔ قرآنِ پاک کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند پہ انسانی رہائش قریباً ناممکن ہے۔ انسان وہاں پہ پہنچا بھی ہے تو محدود وقت کے لیے۔ ماہرین فلکیات بتاتے ہیں کہ چاند پر ایک پونڈ انسانی خوراک پہنچانے پہ تیس ہزار پونڈ خرچ آئے گا۔ ظاہر ہے کہ اس قدر فضول عیاشی کی کون جرأت کرے گا۔ یہ اس سیارے کی بات ہے جو زمین سے قریب ترین ہے۔ نظام شمسی کا دوسرا سیارہ سورج زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے۔ یہ اپنی پیدائش سے لے کر پورے نظام شمسی کو گرمی اور روشنی پہنچا رہا ہے۔ اس کی روشنی ہم تک سات منٹ اور آٹھ سکینڈ میں پہنچتی ہے۔ مگر اللہ مالک الملک نے فرمایا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا۔ اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ "جب یہ سورج اور اس کی روشنی لپیٹ دی جائے گی یہ پورا نظام شمسی درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایک دوسرا نظام قائم ہوگا، جسے آخرت اور حشر کا نظام کہا جا سکتا ہے۔

علم فلکیات

ستاروں سے متعلق علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم نجوم ہے۔ جس میں ستاروں کے تغیر و تبدل کے حساب سے کسی شخص کی قسمت یا سعادت اور شقاوت کا حال معلوم کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے علم کو حضور علیہ السلام نے شرک کا حصہ قرار دیا ہے۔ اور سحر کی طرح حرام کہا ہے۔ مَن اَتٰی مُنَجِّمًا فرمایا جو کوئی شخص نجومی کے پاس جاکر قسمت کا حال معلوم کرتا ہے، وہ شخص محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شریعت کا انکار کرتا ہے

ایسے شخص کو توبہ کر کے تجدید ایمان کرنی چاہیئے۔ قرآن پاک میں ایسے ستارے کا بھی ذکر ہے جسے عرب کے لوگ پوجا کرتے تھے۔ سورۃ نجم میں موجود ہے۔ "وَاَنَّہٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی" یعنی شعریٰ ستارے کا مالک بھی وہی خدا ہے، جو چاند اور سورج کا خدا ہے، لہذا تم اس ستارے کی پوجا کیوں کرتے ہو۔ تفسیر الجواہر میں مذکور ہے اور ماہرین فلکیات بھی بتاتے ہیں کہ شعریٰ ستارہ ہمارے سورج سے بیس ہزار گنا بڑا ہے۔

ستاروں سے متعلق دوسرا علم، علم فلکیات یا (ASTRONOMY) کہلاتا ہے۔ اور اس کے ذریعے خلا میں موجود ستاروں کے حالات معلوم کیے جاتے ہیں جن پر غور و فکر کر کے انسان کے لیے ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔ شعریٰ ستارے کا حجم اسی علم کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔ پھر ماہرین فلکیات ASTRONOMISTS یہ بھی بتاتے ہیں کہ ہماری یہ زمین سورج سے اس قدر چھوٹی ہے کہ ان کے حجم کی نسبت ایک اور تیرہ لاکھ کی ہے۔ گویا زمین سورج سے تیرہ لاکھ گنا چھوٹی ہے مگر بہت دوری کی وجہ سے اتنا بڑا فرق نظر نہیں آتا۔ اور پھر چاند زمین سے بھی چھوٹا ہے۔ مریخ سرخ سیارہ ہے، سائنسدان اس پر بھی پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کی تصاویر اور دیگر حالات معلوم کئے جا رہے ہیں۔

بہر حال ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں رکھی ہیں۔ مومن ان میں غور کر کے فوراً خدا کی توحید کا قائل ہو جاتا ہے کہ جس مالک الملک نے یہ سارا نظام قائم کیا ہے، وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ یہ نظام شمسی ہے، اس کے اوپر عالم بالا اور پھر ملاء اعلیٰ، حظیرۃ القدس اور آخرت کا نظام ہے۔ اور یہ سب نظام اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ ان تمام پر اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے۔

سورۃ کی ابتداء میں ذکر ہو چکا ہے۔ کہ ہر چیز کو تھامنے والی فقط ذات خداوندی ہے۔ ربوبیت بھی اسی کے ساتھ مختص ہے۔ ہر چیز کو وہی حد کمال تک پہنچاتا ہے، نشو و نما کے تمام سامان پیدا کرنے والا بھی وہی مالک الملک ہے۔ لہذا اس کے

سوا معبود بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ نافع، ضار، ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ تواں صرف اور صرف وہی ہے۔ اسی لیے انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے سُبْحٰنَكَ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔

آخرت کی رسوائی

الغرض! جب انسان تخلیق کائنات میں غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا تو وہ اس حقیقت کو بھی پا لیتا ہے کہ لامحالہ یہ تمام نظام آخرت پر منتج ہونے والا ہے اس لیے وہ رب العزت سے دعا کرتا ہے فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے مولا کریم! آخرت میں پیش آنے والے دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ وہ سمجھ چکا ہے کہ دوزخ کا عذاب کس قدر ہولناک ہے اس لیے مزید دعا کرتا ہے۔ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ اے اللہ! جس کو تو نے دوزخ کی آگ میں ڈال دیا، تو نے اس کو رسوا کر دیا۔ کافروں کی رسوائی تو واضح ہے کیونکہ وہ ابدی جہنمی ہیں۔ تاہم بعض مومن بھی کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں جائیں گے اگرچہ ان کا یہ قید و بند دوامی نہیں ہو گا بلکہ ان کے تزکیہ کے لیے ہو گا تاکہ گناہوں کی وجہ سے جو میل کچیل ان پر جم چکا ہے، اسے صاف کر کے اس شخص کو پاک مقام پر جانے کا اہل بنایا جا سکے گا۔ تو بہرحال مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ مومن جتنا عرصہ بھی دوزخ میں رہیگا، اتنا عرصہ تو رسوائی ضرور ہو گی۔ اسی لیے بندہ عرض کرتا ہے۔ کہ مولا کریم! دوزخ سے بچا لے کیونکہ وہ رسوائی کا مقام ہے۔ اور پھر وہ یہ بھی جانتا ہے وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ جو شخص اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں چلا گیا، اس کے لیے وہاں کوئی مددگار نہیں ہو گا اس دنیا میں تو لوگ حیلے بہانے اور سفارشات کے ذریعے کسی نہ کسی طرح سزا سے بچ جاتے ہیں مگر وہاں پر چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہو گی، مقررہ سزا بہرحال بھگتنا ہو گی۔

ایمان کی دعوت

اب تک تو عقلی دلائل کی بات ہو رہی تھی کہ انسان عقلی طور پر غور و فکر کر کے کسی نتیجے پر پہنچ جاتا ہے۔ اب آگے نقلی یا سمعی دلیل کا بیان آ رہا ہے۔ مومن بارگاہ

رب العزت میں عرض کرتا ہے۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ۔ اے مولا کریم! بیشک ہم نے ایک منادی کرنے والے کی آواز کو سنا جو ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ منادی کرنے والا کون ہے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس سے صامت یعنی خاموش منادی کرنے والا مراد لیا جائے تو وہ قرآن پاک ہے۔ اور اگر ناطق یعنی بولنے والا منادی ہو تو وہ پیغمبر علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے۔

قرآن پاک بظاہر خاموش ہے۔ مگر وہ زبانِ حال سے پکار پکار کر ایمان کی دعوت دے رہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ جس وقت انسان صراط مستقیم پر قدم رکھتا ہے، تو کوئی شخص اُس کو کہتا ہے اِسْتَقِمْ وَلَا تَعْدُ یعنی سیدھے چلے جانا اور دائیں بائیں نہ مڑنا۔ جب صراط مستقیم کا مسافر آگے کی طرف سفر شروع کرتا ہے۔ تو دائیں بائیں طرف موجود دیواروں پر سے پردہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے پھر اوپر سے کوئی دوسرا شخص آواز دیتا ہے کہ بھائی پردہ نہ اٹھاؤ، ایسا کرو گے تو غلط راستے پر چل پڑو گے جہاں سے واپس نہیں آسکو گے۔ فرمایا یہ صراط مستقیم اسلام کا راستہ ہے۔ اور جو ہستی انسان کو اس پر سیدھا چلنے کی دعوت دیتی ہے، وہ قرآن پاک ہے۔ اور جب کوئی شخص حرام یا ناجائز چیز کی طرف جاتا ہے تو گویا دیوار کا پردہ اٹھاتا ہے۔ اُس وقت جو شخص اُسے ایسا کرنے سے منع کرتا ہے وہ انسان کا زندہ ضمیر ہوتا ہے۔ وہ انسان کو جھنجوڑ کر کہتا ہے۔ کہ غلط راستے پر مت جاؤ۔ مگر جب کوئی شخص گناہوں پر اصرار کرتا ہے تو اس کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے، جو آخر کار ایسے غلط کار کو منع کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے اور مسلسل گناہوں کی وجہ سے انسان کے دِل پر تاریکی چھا جاتی ہے "كَلَّا بَلْ سكته رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" فرمایا لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے اُن کے دلوں پر زنگ چڑھ جاتا ہے۔ جس طرح نمی لگنے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اسی طرح گناہوں کی وجہ سے لوگوں کے دل سیاہ

ہو جاتے ہیں۔

اگر اس منادی سے مراد ناطق منادی لیا جائے تو وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ آپ بلاواسطہ منادی ہیں، جنہوں نے ہر مقام پر براہ راست ایمان کی دعوت دی۔ آپ نے کوہِ صفا پر ایمان کی دعوت دی، کعبۃ اللہ کے پاس اعلان کیا۔ طائف پہنچ کر اللہ کا پیغام پہنچایا۔ گلیوں میں، بازاروں میں، میلوں میں اور منڈیوں میں آپ نے ہر جگہ یہی دعوت دی یٰاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہہ دو، فلاح پا جاؤ گے۔ یہ دعوت حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کے واسطہ سے لوگوں تک آگے بھی پہنچائی۔ یہ دعوت بالواسطہ ہو گئی۔ صحابہ کے بعد تابعین، تبع تابعین، بزرگانِ دین، عالمانِ دین، مفسرین اور مفکرین اس دعوت کو دوسروں تک پہنچا کر رسالت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

دعائے مغفرت

بہرحال فرمایا کہ ہم نے ایک پکارنے والے کو سُنا جو بلند آواز سے پکار کر کہہ رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ اس دعوت کے جواب میں ہم نے کہا فَاٰمَنَّا پس ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔ یہاں پر ذنوب کا لفظ ہے اور اس سے مراد بڑے بڑے گناہ ہیں، جن سے معافی کی درخواست کی جارہی ہے۔ وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا اور مٹا دے ہم سے ہماری چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں۔ یعنی بڑے چھوٹے سارے ہی گناہ معاف فرمادے۔ بلکہ ان کی بجائے ہمارے نامۂ اعمال میں نیکیاں درج فرمادے، جیسا کہ اللہ نے بعض مقامات پر ارشاد فرمایا۔ فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ اللہ تعالیٰ اُن کی کوتاہیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ہم بھی ایسی ہی درخواست کرتے ہیں۔

نیکوکاروں کی رفاقت

فرمایا، صاحبِ بصیرت لوگوں کی اگلی دُعا یہ ہوتی ہے وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ اے مولا کریم! ہمیں وفات بھی نیک لوگوں کے ساتھ دے۔ مرنے سے پہلے اور بعد نیک لوگوں کی رفاقت اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ سورۃ نساء میں فرمایا

کہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا" اللہ کے انعام یافتہ لوگ منجملہ نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوں گے، اور یہ بہت اچھی رفاقت ہے (جسے نصیب ہو جائے)۔ یہ ایسی چیز ہے جس کے لیے انبیاء علیہم السلام بھی دعائیں مانگتے رہے ہیں جیسے یوسف علیہ السلام نے دعا کی "فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قف اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ" مجھے اسلام پر موت دینا اور صالحین کی رفاقت نصیب کرنا۔ میرا انجام نیک لوگوں کے ساتھ ہو۔

یہاں پر ابرار کا لفظ استعمال ہوا ہے جو بر کی جمع ہے اور معنی نیکوکار یا نیک خصلت ہے۔ ایسے لوگ جو ہمیشہ نیکی پر توجہ رکھتے ہیں۔ نیکوکاروں کی صحبت یا اچھی سوسائٹی کی ضرورت اس زندگی میں بھی ہے، اچھے اور نیکی والے وہی لوگ ہوں گے جن کے ذہن اچھے ہیں اور جن کی تربیت اچھی ہوئی ہے۔ مقصود یہ ہونا چاہیئے۔ کہ ایمان والے تقویٰ والے، طہارت والے اور صداقت والے لوگوں کی سوسائٹی نصیب ہو مگر آج ایسی مجلس کہاں ملیگی، ہر طرف دھوکے، فریب، فراڈ، شرک اور بدعت کا زور ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اخلاق ہمیشہ ماحول سے سیکھا جاتا ہے۔ جب ہمارا ماحول ہی درست نہیں ہے۔ ہماری گلیوں اور بازاروں میں گالی گلوچ لہو ولعب، عیاشی اور فحاشی کا دور دورہ ہے۔ بچے گلیوں میں آوارہ پھر رہے ہیں، تو اچھی تربیت کیسے ہوگی اور اچھی سوسائٹی کہاں سے آئے گی۔ قرآن پاک کہتا ہے۔ کہ مومن غافل نہیں ہو سکتا، وہ ماحول کو درست رکھنے کی کوشش کرتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اگر ماحول خراب ہو گیا تو معاشرہ بگڑ جائے گا، اور پھر آنے والی نسل کی درستگی کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

فرمایا عقلمند لوگوں کی منتہائے مقصود یہ دعا ہوتی ہے رَبَّنَا وَاٰتِنَا

مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ ۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ کچھ عطا کر جو تو نے اپنے رسولوں کی زبان پہ وعدہ کیا ہے اور وہ وعدہ یہ ہے "اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ" ہم اپنے رسولوں اور اہلِ ایمان کی دنیا میں بھی مدد فرمائیں گے، انہیں فتح و نصرت اور غلبہ عطا کریں گے اور آخرت میں بھی جنت اور درجات عالیہ کا وعدہ ہے۔

اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کرنے والے اہل خرد یہ بھی عرض کرتے ہیں۔ اے مولا کریم وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا، ہمیں یقین ہے اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ منتہائے کار دو ہی باتیں ہیں اور وہ یہ کہ انسان آخرت میں کامیابی کے مقام یعنی جنت میں پہنچ جائے اور خدا کے غضب کے مقام دوزخ سے بچ جائے۔ اور یہ مقصود حاصل کرنے کے لیے صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اول یہ کہ انسان ایمان، توحید اور اطاعت کو اختیار کرلے اور دوسرا یہ کہ انسان معاصی سے بچا رہے۔

آیت ۱۹۵

درس ہفتاد و یک ۷۱

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ ۖ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾

ترجمہ : پس قبول کی اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے اُن کی دُعا کہ بیشک میں ضائع نہیں کرتا عمل کرنے والے کے عمل کو تم میں سے مرد ہو یا عورت۔ بعض تمہارے بعض سے ہیں۔ پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں ستائے گئے اور انہوں نے لڑائی کی اور شہید کئے گئے تو میں اُن کی برائیاں اُن سے مٹا دوں گا۔ اور البتہ ضرور میں اُن کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت اچھا بدلہ ہے ﴿١٩٥﴾

ربطِ آیات

یہ آیت بھی گذشتہ آیات کے ساتھ مربوط ہے۔ سابقہ دروس میں عقلمند لوگوں کی صفات بیان ہوتی رہی ہیں۔ کہ عقلمند وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اے پروردگار! تو نے یہ سب چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں۔ ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں۔ پس تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ اللہ تعالیٰ نے اہل عقل و خرد کی بعض علامات بھی بیان فرمائیں

کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹے ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے رب کریم سے دعائیں بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ ہمیں تیرا پیغام پہنچا۔ ہمیں ایمان کی دعوت دی گئی جسے ہم نے قبول کر لیا۔ اس طرح انہوں نے عقلی و نقلی دونوں طرح کے دلائل سے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کی۔ اور دعاؤں میں مشغول ہو گئے۔

آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ دعاؤں کی قبولیت کی خوشخبری دی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کی دعاؤں کو قبول کر لیا۔ جب ان لوگوں نے غور و فکر کے نتیجے میں دعوت ایمان پر لبیک کہا، اللہ کا ذکر کیا اور اس کے سامنے گڑگڑا کر دعائیں کیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور فرمایا اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ بیشک میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی خواہ مرد ہو یا عورت۔ عمل سے مراد یہاں پر نیک اعمال ہیں۔ برے اعمال مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے تو پناہ مانگی گئی ہے۔ اللہ کسی نیک عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ اور پھر نیک اعمال میں سرفہرست ایمان باللہ ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا حضور یہ ارشاد فرمائیں اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ کونسا عمل زیادہ افضل ہے۔ ارشاد فرمایا ایمان باللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا سب سے افضل عمل ہے۔ اس کے بعد دیگر اعمال منجملہ نماز، جہاد، والدین کی خدمت وغیرہ ہیں۔ تاہم تمام اعمال کی جڑ بنیاد ایمان ہی ہے۔ بہرحال فرمایا جو بھی نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت، میں اس کا عمل ضائع نہیں کرتا۔

یہاں پر مرد و زن کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ کہ جو بھی نیک عمل کریگا، بدلہ پائے گا۔ ام المؤمنین ام سلمہؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور نیکی کے کاموں میں مردوں کا ذکر تو کثرت سے آتا ہے مگر عورتوں کا ذکر اس کثرت سے نہیں آتا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق بعض عورتیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، حضور!

منتہائے مقصود

بہت سے اعمال صرف مردوں کے لیے مخصوص ہیں، جیسے، اذان، جہاد وغیرہ تو اس لحاظ سے مرد عورتوں سے اجر میں بڑھ گئے۔ عورتوں کو تو بہت کم حصہ ملا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ عورتوں کو بھی اللہ تعالےٰ کے ہاں ویسا ہی بدلہ ملیگا جیسا مردوں کو۔ اللہ کے قانون میں اس بارے میں کوئی تفریق نہیں۔ مرد و زن دونوں یکساں ہیں۔ البتہ ان کے عمل کی نوعیت مختلف ہے۔ مرد میدان جنگ میں جہاد کرتا ہے۔ اور عورت اس کی خدمت کرتی ہے۔ تو دونوں کو برابر برابر ثواب ملیگا۔ بعض مشقت طلب کام ہیں جو صرف مردوں کے ذمہ ہیں اور بعض کام صرف عورتوں کے سپرد ہیں۔ اور بعض کام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حسن سلوک حقوق العباد اور حقوق اللہ مرد و زن دونوں کے لیے یکساں ضروری ہیں۔ لہذا جس طرح مردوں کو اجر ملے گا۔ اسی طرح عورتوں کو بھی ملیگا۔ بعض عورتوں نے جہاد میں شریک ہونے کی اجازت طلب کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا جهادکن الحج تمہارا حج ہی جہاد کے برابر ہے محرم کے ساتھ حج کرو، یہ تمہارے لیے کافی ہے غرضیکہ عورت اور مرد میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں ہوگا۔

مرد و زن کا دائرہ کار

مرد و زن میں اگر کوئی تفریق ہے تو وہ دائرہ کار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے لیے اپنے اپنے کام مقرر کر دیے ہیں جو وہ انجام دیں گے۔ اور اگر میاں بیوی ایک دوسرے کے دائرہ کار میں مداخلت کریں گے۔ تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔ مثال کے طور پر جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوی بنایا ہے اور اس کے ذمہ کام بھی مشقت طلب لگائے ہیں، اسی طرح عورت بحیثیت صنف نازک نسبتاً آسان کام کرنے کی اہل ہے۔ مرد محنت مزدوری کرتا ہے، مشقت کرتا ہے اور گزر اوقات کے لیے کما کر لاتا ہے۔ عورت اپنے گھر کی چار دیواری میں بچوں کی پرورش اور دیگر امور خانہ داری کی ذمہ دار ہے اب فساد وہاں پیدا ہوتا ہے، جب مرد و زن ایک ہی دائرہ کار میں نظر آنے لگتے ہیں۔ عورتوں کے حقوق کی آڑ میں [illegible] نے جو پراپیگنڈا کیا ہے۔ اس سے

مشرقی ممالک بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ ہر مقام پر مرد و زن کے شانہ بشانہ چلنے کی وجہ سے معاشرہ میں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ جس کا نتیجہ بے حیائی اور فحاشی کی صورت میں نکلے گا۔ اس غلط رجحان نے اذہان کو شیطان کی جولان گاہ بنا دیا ہے۔ جب عورتیں، دفتروں، کارخانوں، فوج، پولیس، بازاروں اور کھیل کے میدانوں میں مردوں کے دوش بدوش چلیں گی تو نتیجہ ظاہر ہے معاشرے میں فساد آئے گا۔ اب تو عورتیں ممبر بھی بن رہی ہیں۔ اسمبلیوں میں، وزارتوں میں، مجالس شوریٰ میں ہر مقام پر ان کا حصہ مقرر ہو چکا ہے۔ اور پھر ایسے مقامات پر مردوں اور عورتوں کی جس طریقے پر نوک جھونک ہوتی ہے اس کی تفصیلات اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔
عورتوں کا کام گھر کی دیکھ بھال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق بہت سے احکام سورۃ نساء، سورۃ طلاق، سورۃ تحریم وغیرہ میں بیان فرما دیے ہیں جن سے ان کے دائرہ کار کا پتہ چلتا ہے، لہٰذا ان کی بھلائی اپنے دائرہ کار میں رہنے سے ہی ہے۔ اس سے تجاوز شر و فساد کا موجب ہوگا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مرد و زن کے ذمہ جو بھی فرائض ہیں ان کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتے۔

تفریق صنف

آگے فرمایا بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ بعض تمہارے بعض سے ہیں۔ مرد عورتوں سے ہیں اور عورتیں مردوں سے ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کی جنس سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک جنسِ انسانی سے پیدا فرمایا ہے۔ دونوں کا ایک ہی باپ، اور ایک ہی سلسلہ نسب ہے۔ البتہ دونوں کی صنف میں تفریق پیدا کی ہے۔ ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت بنا دیا۔ دونوں کے دائرہ ہائے کار الگ الگ مقرر فرمائے اور پھر معاشرے کی تہذیب و تمدن کا انحصار اپنے اپنے امور کی انجام دہی پر رکھ دیا۔ جب تک عورت اور مرد اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر اپنے اپنے فرائض انجام نہیں دیں گے تمدن کی اصلاح نہیں ہو سکے گی۔ غرضیکہ مرد و زن کی جنس تو ایک ہے مگر ان کی صنف الگ الگ ہے۔ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ کا یہی مطلب ہے۔

اچھی صحبت

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ بعض کام ایسے ہیں جنہیں صرف عورتیں

ہی انجام دے سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا مزاج ہی ایسا بنا دیا ہے کہ تکلیف پر تکلیف اٹھانے کے باوجود اولاد کی حفاظت کی ذمہ دار ہے اور اسے خوشی سے انجام دیتی ہے۔ بلکہ اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ اگر کسی وجہ سے بچے کی پیدائش کا سلسلہ شروع نہ ہو سکے تو عورت بے چین ہو جاتی ہے۔ اور پھر پیدائش کے بعد بچے کی پرورش اور دیکھ بھال عورت کی فطرت میں داخل ہے یہ کام مرد انجام نہیں دے سکتا، کیونکہ اللہ نے اس کا دائرہ کار مختلف بنایا ہے۔ عورتیں اگر دیندار، سمجھدار اور اپنے کام کی بجا آوری کما حقہ انجام دیں۔ تو اُن کے تربیت یافتہ بچے ایک اچھی سوسائٹی کی بنیاد رکھیں گے۔ اور اس طرح جو تمدن پیدا ہوگا، وہ اعلیٰ درجے کا ہوگا۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔

مادرت درس نخستیں با تو داد   غنچۂ تو از نسیم او کشاد

دولتِ جاوید اندوداند وختی   از لبِ او لا الٰہ آموختی

بچے کو سب سے پہلا درس ماں ہی دیتی ہے اور بچہ کلمہ طیبہ ماں ہی کی زبان سے سیکھتا ہے گویا ایمان کی دولت انسان کو ماں کے ذریعے نصیب ہوتی ہے۔ اچھی ماں کی اچھی تربیت انسان کی زندگی پر مثبت اثر ڈالے گی اور اس کے برخلاف اگر ماں کی تربیت بے دینی پر مشتمل ہوگی، تو اولاد بھی ویسی ہی ہوگی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ دنیا کی سب سے اچھی نعمت مرأۃ صالحہ یعنی نیک عورت ہے۔ اور معاشرے کے بناؤ بگاڑ میں اس کا بنیادی حصہ ہے۔

ہجرت کی فضیلت

عقلمند لوگوں کی دعا اور اس کی قبولیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشقت کے کام کرنے والے دیگر لوگوں کا تذکرہ بیان فرمایا مشکل ترین امور میں سے ایک ہجرت بھی ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا جن لوگوں نے ہجرت کی بعض اوقات اہلِ ایمان اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ خدا کا نام نہیں لے سکتے اور اس سلسلے میں بعض اوقات مال اور اہل و عیال کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ نئی جگہ پر ماحول مختلف ہوتا ہے۔ آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے

انسان طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہوتا ہے۔ زبان دانی کا مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے۔ حسب خواہش خوراک میسر نہیں آتی، لہٰذا ہجرت کرنا بڑا اذیت ناک کام ہے۔ مگر مجبوراً کرنا پڑتا ہے فرمایا وہ لوگ جنہوں نے خود ہجرت کی اور وہ بھی وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ جو اپنے گھروں سے زبردستی نکالے گئے۔ مال واسباب پر قبضہ کر لیا گیا۔ بیوی بچوں کو روک لیا گیا۔ کتنی تکلیف دہ صورت حال ہے۔ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام کو یہ تمام تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ مدینہ جا کر آب وہوا میسر نہ آئی، بیمار ہوئے۔ سفر کی تکالیف برداشت کیں۔ اسی لیے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے شان الهجرة لشدید ہجرت کا معاملہ بڑا مشکل ہے۔ اور جو شخص اس میں ثابت قدم ہو کر نکلے اس کے لیے اجر بھی عظیم ہے۔ حضور علیہ السلام نے خود دعا فرمائی اللّٰهم امض لاصحابی هجرتهم اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت کو جاری فرما۔ اور پھر جب کوئی شخص دوسرے مقام پر ہجرت کر لیتا ہے۔ تو اس کو واپس اپنے پہلے مقام پر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ جو لوگ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے، وہ حج کے لیے بھی مکہ آتے تھے، تو حج کے بعد تین دن سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی، وجہ یہ ہے۔ کہ اس مقام پر فوت ہو کر دفن ہونا بھی ٹھیک نہیں۔

یہاں پر یہ بات واضح ہو جانی چاہیئے کہ ہجرت وہی مقبول ہے جو کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کے لیے کی جائے۔ محض دنیا کے حصول کے لیے ہجرت شرعی ہجرت نہیں ہوگی جس کی اتنی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ صحیحین کی روایت میں حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے فَمَنۡ كَانَتۡ هِجۡرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ فَهِجۡرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے۔ تو اس کی ہجرت درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوئی۔ وَمَنۡ كَانَتۡ هِجۡرَتُهٗ اِلٰی دُنۡیَا یُصِیۡبُهَا اَوِ امۡرَءَةٍ یَتَزَوَّجُهَا فَهِجۡرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیۡهِ اور جو کوئی کسی دنیاوی غرض کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر مہاجر بنا۔ تو اس کی ہجرت اس کے مطلب

مقصد کے لیے ہو گی۔ اللہ کے ہاں اس کا کچھ اجر نہ ہو گا۔

اذیت فی سبیل اللہ

فرمایا وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکلے گئے وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ اور جنہیں میرے راستے میں تکلیف دی گئی، وہ کون سی تکلیف ہے جو کافروں، مشرکوں اور اہل کتاب نے مسلمانوں کو نہیں پہنچائی۔ انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا، تپتی ہوئی ریت پر لٹایا گیا، مالی نقصان پہنچایا گیا اور پھر سب سے بڑی دینی تکلیف دی گئی۔ اسلام کو استہزاء کا نشانہ بنایا گیا۔ قرآن پاک کی تکذیب کی گئی اور حضور نبی کریم کی شان میں گستاخی کی گئی۔ یہ تکلیف جسمانی اذیت سے بھی سوا ہے۔ اسی لیے تو حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا اے اللہ! دین کے معاملے میں ہمیں اذیت نہ پہنچے۔ ہم اُسے برداشت نہیں کر سکتے۔ گذشتہ رکوع میں گزر چکا ہے اے اہل ایمان! تمہیں مالوں اور جانوں کے کے ذریعے آزمایا جائے گا اور تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے اذیت ناک باتیں سننا پڑیں گی۔ اور اگر ان تکالیف پر صبر کرو گے اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرو گے تو یہ چیز دین میں مطلوب و مقصود ہے اور باعث فوز و فلاح ہے۔ اور پھر فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں وَقٰتَلُوْا جنہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد بالسیف کیا۔ جان کو ہتھیلی پہ رکھ کر نکلنا بڑا مشکل کام ہے۔ اور اس سے کوئی دنیاوی غرض نہ ہو بلکہ لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا اُس لیے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، اس کا دین غالب آئے اور قرآن پاک کا دستور جاری ہو۔ فرمایا جو لوگ کفن بردوش نکلے وَقُتِلُوْا اور شہید بھی کیے گئے۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں جان جیسی قیمتی متاع قربان کر دی۔ اس سے بڑی قربانی کیا ہو سکتی ہے۔

ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ میں ان کی خطاؤں کو ضرور معاف کر دوں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شہید کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرنے سے قبل اللہ تعالیٰ اُس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

کہ اسلام، ہجرت اور حج تین عمل ایسے ہیں کہ ان کے انجام دینے پر یَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا اللہ تعالیٰ سابقہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ البتہ ایک چیز پھر بھی اس کے ذمہ رہتی ہے اور وہ حقوق العباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو معاف فرما دیتا ہے مگر بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک صاحب حق خود نہ معاف کرے۔ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر میں خدا کی راہ میں اس طرح مارا جاؤں مُقْبِلاً غَيْرَ مُدْبِرٍ بغیر پشت پھیرے بہادری کے ساتھ لڑوں اور پھر جان قربان کر دوں، تو کیا میرے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ یہ سن کر جب وہ شخص واپس جانے لگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بلایا اور ارشاد فرمایا کہ باقی گناہ تو سارے ہی معاف ہو جائیں گے اِلَّا الدَّيْن سوائے قرضہ کے۔ یہ حقوق العباد میں سے ہے۔ آپ نے فرمایا، جبرائیل نے ابھی آکر مجھے بتایا ہے کہ شہادت سے قرضہ معاف نہیں ہوگا۔

جنت میں داخلہ

فرمایا ایسے لوگوں کے گناہ معاف کر دوں گا وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ اور میں ان کو ایسے بہشتوں میں داخل کروں گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جنت بڑا عزت کا مقام ہے۔ بڑی اعلیٰ اور ارفع جگہ ہے۔ جہاں باغات، کوٹھیاں اور محلات ہوں گے، جن کی تفصیلات قرآن پاک میں مختلف مقامات پر ذکر ہوئی ہیں۔ فرمایا یہ سب چیزیں ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ جو ایمان لائے، اللہ کا ہر حالت میں ذکر کرے، دعائیں کرے مشقت کے کام انجام دے، جہاد میں حصہ لے۔ دین کو قائم کرے، اس کا بدلہ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ فرمایا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ بیشک اللہ کے ہاں بہت ہی اچھا بدلہ ہے۔ ایسا بدلہ صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے لہذا اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ اور ہمیشہ اس کی وحدانیت پیش نظر رہنی چاہیئے۔

درس ہفتاد و دو ۷۲ — آیت ۱۹۶ تا ۱۹۸

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ قف ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

ترجمہ :- نہ مغالطے میں ڈالے آپ کو اُن لوگوں کا مختلف شہروں میں چلنا پھرنا جنہوں نے کفر کیا ﴿۱۹۶﴾ یہ تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے۔ پھر اُن کا ٹھکانا جہنم ہے اور بہت بُرا ٹھکانا ہے ﴿۱۹۷﴾ لیکن وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اُن کے لیے باغات ہیں جن کے سامنے نہریں جاری ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی ہے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ بہتر ہے نیکوکاروں کے لیے ﴿۱۹۸﴾

ربطِ آیات

گذشتہ دروس میں ذکر آ چکا ہے۔ کہ عقلمند وہ لوگ ہیں جو اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے کے بعد ایمان قبول کرتے ہیں اور آخرت کی فکر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں اور آخرت کی رسوائی سے بچنے کے لیے گڑگڑا کر دعائیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ اور کسی عامل کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت۔ ہر شخص کو اُس کے عمل کے مطابق بدلہ ضرور ملے گا۔ خصوصاً جو لوگ مشقت کے کام کرتے ہیں، اپنے گھر بار کو چھوڑ کر اللہ کے دین کی خاطر ہجرت کرتے ہیں اور جان ہتھیلی پہ رکھ کر خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، کبھی غالب آتے ہیں۔ اور کبھی شہادت کا درجہ پاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے خدا تعالیٰ کے ہاں بڑا اجر و ثواب ہے

استدراج

اب آج کے درس میں دوسری قسم کے لوگوں کا تذکرہ کرکے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا ہے کہ کفار کی ظاہری شان وشوکت مال و دولت اور آرام و آسائش دیکھ کر کہیں دھوکے میں نہ پڑ جائیں کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتیں عطا کی ہیں۔ وہ فی الحقیقت اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔ فرمایا ایسا نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ۔ کفار کا مختلف شہروں میں آنا جانا کہیں آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔ فرمایا آپ دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور معاصی میں مبتلا ہیں، وہ اس دنیا میں خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ بہترین مکانوں میں رہائش پذیر ہیں۔ اعلیٰ سواریاں حاصل ہیں، کارخانے ہیں، مربعے ہیں، مال و دولت کی فراوانی ہے۔ مگر ایمان سے خالی ہیں نیکی سے محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان نہیں رکھتے، نہ عاقبت کی انہیں کوئی فکر ہے۔ فرمایا ایسے لوگوں کے متعلق یہ گمان نہ کر بیٹھنا کہ شاید یہ لوگ اچھے ہیں۔ افراد سے بڑھ کر قوموں پر بھی یہ اصول منطبق ہوتا ہے۔ روسی اور امریکی اگر سائنس اور ٹیکنالوجی میں آگے ہیں۔ جاپانی صنعت میں سرفہرست ہیں، جرمنی اور برطانوی انجینئرنگ میں کمال حاصل کر چکے ہیں، انہیں دنیا میں اقتدار حاصل ہے، لوگ خوشحال ہیں۔ روپے کی ریل پیل ہے، ڈالر، مارک اور پونڈ کے ذریعے پوری دنیا کی معیشت ان کے قبضے میں ہے۔ اللہ نے فرمایا کہیں مغالطے میں نہ رہنا یہ استدراج ہے اور اللہ کے ہاں یہ سب جہنم کے کندہ ناتراش ہیں۔ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے یہ تو اللہ نے انہیں مہلت دے رکھی ہے کہ جو کچھ کرنا ہے کر لو "نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى" آخر پکڑے جاؤ گے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا يَغْبِطَنَّ فَاجِرًا فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا هُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِهِ فَإِنَّ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ قَاتِلًا لَا يَمُوتُ تم کسی فاجر اور نافرمان آدمی کی حالت پر رشک نہ کرنا، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد وہ کس چیز سے ملنے والا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے اللہ کے ہاں

ایسا قاتل ہے جو کبھی نہیں مریگا۔ قاتل سے مراد موت ہے۔ جو کبھی اُس سے جُدا نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ ہلاکت میں مبتلا رہے گا۔

طرزِ تخاطب

لَا یَغُرَّنَّکَ میں صیغہ واحد مذکر حاضر استعمال کیا گیا ہے۔ کہیں آپ کو دھوکے میں نہ ڈالیں۔ وحی الٰہی کے مخاطب اول تو حضور نبی کریم علیہ السلام ہیں اور اسی لحاظ سے یہ آپ کو خطاب کیا جارہا ہے۔ کہ کہیں مغالطہ کا شکار نہ ہو جائیں کہ کافر لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ نبی علیہ السلام کی ذات کے متعلق تو یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ حضور علیہ السلام کو کبھی شک بھی گذرا ہو کہ کافر اللہ کے محبوب ہیں۔ لہذا اس خطاب کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ خطاب تو آپ ہی سے ہے مگر بات ساری امت بلکہ ساری انسانیت کو سمجھائی جارہی ہے۔ کہ کفار کی ظاہری شان و شوکت دیکھکر کہیں غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ وہ حق پر ہیں۔

اس قسم کا طرزِ تخاطب قرآن پاک کے مختلف مقامات پر آتا ہے۔ اکثر مقامات پر لفظ قُلْ کے ذریعے نبی علیہ السلام کو مخاطب کیا گیا ہے مگر مقصود تمام متعلقین کو سمجھانا ہوتا ہے۔ ایک مقام پر حضور سے خطاب ہے " لَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ " یعنی آپ کفار کی اطاعت نہ کریں۔ حالانکہ آپ کی ذات والا صفات سے متعلق تو دُور کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا مگر مقصد یہاں بھی عام اہل ایمان کی ہدایت ہے۔ سورۃ کوثر میں آتا ہے " فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ " اے پیغمبر! آپ اپنے رب کی نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ صیغہ واحد استعمال ہونے کی بنا پر کیا یہ حکم صرف آپ کی ذات کے لیے ہی ہے۔ نہیں، بلکہ ساری امت کو نماز اور قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔

اور اگر یہ خطاب حضور علیہ السلام کی ذات تک ہی محدود سمجھا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کو یہ بات تاکید کے طور پر کہی جارہی ہے۔ کہ کافروں کے متعلق کسی غلط فہمی میں نہ پہلے آپ کبھی مبتلا ہوئے ہیں اور نہ آئندہ ہوں۔ اس قسم کی تاکید بعض دوسرے مقامات پر بھی آتی ہے۔ مثلاً حضور علیہ السلام کو فرمایا۔

لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ آپ شرک نہ کریں اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا تو آپ کے عمل بھی ضائع ہو جائیں گے۔ اللہ کے تمام نبی تو شرک سے معصوم ہوتے ہیں۔ نبی کی ذات سے تو شرک کا شائبہ تک محال ہے مگر تاکید کے طور پر اس قسم کا خطاب کیا گیا ہے۔ کہ آپ ہمیشہ شرک سے بیزار رہے ہیں لہٰذا آئندہ بھی اس سے بچتے رہیں۔ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ خطاب عام ہے۔ اور ہر اُس مخاطب کے لیے ہے جو حق کا طلبگار ہے اور حقیقت تک پہنچنا چاہتا ہے گویا عام طالبانِ حق کو بات سمجھائی جا رہی ہے۔ کہ کافروں کی خوشحالی دیکھ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

متاعِ قلیل

فرمایا دنیا کا سارا ساز و سامان جو اس زمین پر بسنے والے ایک ایک فرد کے پاس موجود ہے، اور وہ خزانے جو پہاڑوں کی تہوں میں موجود ہیں اور وہ بیش قیمت موتی جو سمندروں میں پائے جاتے ہیں، مکان، کوٹھیاں، کاریں، کارخانے فیر جواہرات معدنیات غرضیکہ دنیا کی ہر چیز ایک جگہ پر اکٹھی کر دی جائے، تو پھر بھی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مَتَاعٌ قَلِیْلٌ تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے۔ یہ معمولی سامان ہے جو اللہ نے لوگوں کے استعمال کے لیے دے رکھا حضور نبی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق پوری دنیا کے مال و دولت کی مثال آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں انگلی ڈبو کر نکال لے۔ انسان جس مال و متاع کی موجودگی پر اکڑ رہا ہے، اُس کی حیثیت اتنی بھی نہیں جتنا پانی کسی انگلی کو لگ سکتا ہے۔ اب تو لوگوں کی عمریں چھوٹی ہو گئی ہیں اور اس تھوڑے وقت میں انسان کیا کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ پہلے لوگوں نے بڑی لمبی لمبی عمریں پائیں اور اس طرح انہوں نے مال و دولت بھی زیادہ اکٹھا کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور تک لوگوں کی عمریں طویل تھیں پھر کم ہونا شروع ہو گئیں۔ اُس وقت لوگوں پر بڑھاپا بھی طاری نہیں ہوتا تھا۔ اب بڑھاپا آنے لگا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے لوگوں

کے بال بھی سفید نہیں ہوتے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی کے بالوں میں سفیدی آئی۔
غرض! اب تو پوری دنیا پر بڑھاپا طاری ہوگیا ہے، ابتدائے دنیا سے لے کر جتنا بھی مال و متاع ہے آخرت کے مقابلے میں اُس کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہٰذا آپ کافروں کی طرف دیکھ کر کسی مغالطے میں نہ پڑ جائیں کہ وہ محبوب خدا ہیں جو کچھ بھی اُن کے پاس ہے بالکل حقیر چیز ہے۔ جو اس دنیا میں ختم ہو جائے گا۔ اور پھر جب وہ آخرت کی منزل میں قدم رکھیں گے ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ اُن کا ٹھکانا جہنم ہوگا وَبِئْسَ الْمِهَادُ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے جس کی طرف جا رہے ہیں۔

متقین کے لیے انعام

فرمایا یہ تو کفار کا انجام ہوگا۔ اب تصویر کا دوسرا رُخ دیکھیے لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ مگر وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے۔ شرک و کفر سے محفوظ رہے، معاصی سے بچتے رہے اُن کے دلوں میں خدا کا خوف جاگزیں رہا اور اسی خوف کی وجہ سے اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز نہیں کیا، دنیا میں حلال و حرام کا امتیاز کیا۔ نیکی اور بدی کو پہچانا، اپنے ایمان کی حفاظت کی، اسی چیز کا نام تقویٰ ہے چنانچہ جن لوگوں نے تقوے کا راستہ اختیار کیا فرمایا لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُن کے لیے باغات ہیں۔ جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں۔

جنت کی نعمتوں کی جو تفصیلات، قرآن پاک نے مختلف مقامات پر بیان کی ہیں وہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان عام طور پر اپنے تصور میں لا سکتا ہے۔ مثلاً دنیا میں آرام و آسائش کے لیے اچھا مکان، اچھی بیوی جو اچھے اخلاق و اطوار کی حامل ہو قرآن پاک نے انہیں اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کا نام دیا ہے وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً یعنی پسندیدہ مکانوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح اچھی رفاقت کا تذکرہ آتا ہے جیسے گذشتہ درس میں گزر چکا ہے مَعَ الْاَبْرَارِ نیک لوگوں کی رفاقت کی دعائیں انبیاء علیہم السلام بھی کرتے رہے۔ اس کے علاوہ انسان اچھا لباس بھی پسند

کرتا ہے اس کی موافقت سے جنت کے پاکیزہ لباس کا تذکرہ بھی آتا ہے
ترمذی شریف[۱] کی روایت میں آتا ہے۔ کہ جنت کی حور کی اوڑھنی نصیفۃ
خیرٌ من الدنیا وما فیھا اس پوری دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ
قیمتی ہوگی۔ آخرت کا مال ومتاع اور آرام وآسائش اس دنیا کے مقابلے میں لامحدود
ہوگا۔ اسی طرح شراب طہور، عسل مصفّٰی، دودھ کی نہروں اور غیر آسن پانی کا تذکرہ
ملتا ہے۔ یہ سب چیزیں اہل جنت کو حاصل ہوں گی جن کا صحیح تصور ہم اس وقت
نہیں کر سکتے، تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کے لیے جن انعامات
کا ذکر کیا ہے۔ وہ ایسی چیزیں میں جو کسی حد تک ہمارے تصور میں آسکتی ہیں۔ اسی
لیے فرمایا کہ متقی لوگوں کے لیے باغات ہوں گے جن کے سامنے مصفّٰی پانی
کی نہریں بہتی ہونگی۔ ان نہروں کا پانی کبھی خراب نہیں ہوگا اور اگر جنتی چاہیں گے
تو یہ نہریں بغیر کسی رکاوٹ کے زمین کے اوپر چل رہی ہوں گی۔ فرمایا متقین اس
جنت میں کسی محدود عرصہ کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اس میں
ہمیشہ ہمیشہ سکونت پذیر رہیں گے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہاں سے انہیں
نکالا نہیں جائیگا۔ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرمائیں گے کہ تم مقام رضوان میں پہنچ چکے ہو۔ اب
میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہونگا۔

اللہ کی طرف سے مہمانداری

فرمایا یہ ساری نعمتیں نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ اللہ کی طرف سے مہمانداری ہو
گی۔ نزل۔ اُس اچھی سے اچھی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو مہمان کی آمد
پر سب سے پہلے پیش کی جاتی ہے۔ ایسی نعمتوں کا اشارہ اگلی آیت کے اگلے حصے
میں بھی آرہا ہے بہرحال اللہ تعالیٰ کی مہمانداری میں اعلیٰ ترین چیزیں پیش کی جائینگی
جن میں مادی نعمتوں کے علاوہ تقرب الٰہی اور تجلیات الٰہی جیسی عظیم نعمتیں بھی
شامل ہوں گی۔ نزل کو مہمانداری کے معانی میں عام عربی بول چال میں بھی استعمال کیا
جاتا ہے۔ امام بیضاویؒ ایک شعر نقل فرماتے ہیں ؎

وَکُنَّا اِذَا الْجَبَّارُ بِالْجَیْشِ ضَافَنَا ۔۔۔ جَعَلْنَا الْقَنَا وَالْمُرْھَفَاتِ لَہٗ نُزُلًا

[۱] ترمذی ص ۳۶۲ و بخاری ص ۲۵۵ ج ۱ (فیاض)

اگر جبار لشکر لے کر ہمارا مہمان بنتا ہے۔ تاہم اس کے لیے نیزے اور قاطع تلواریں مہمانی کے طور پر تیار رکھیں گے۔ مطلب یہ کہ ظالم شخص کا استقبال ہم تلواروں اور نیزوں سے کرتے ہیں یہ تحکم کے طور پر بات کی گئی ہے۔ تو بہر حال نزل کا معنی مہمانداری ہے۔ جو اللہ تعالیٰ جنتیوں کے لیے پیش کریں گے۔ ظاہر ہے۔ کہ جن خوش قسمت لوگوں کا میزبان خود خدا ہو گا، اُن کو کتنی عزت اور کتنا شرف حاصل ہو گا۔

نیکوکاروں کے لیے بہتر اجر

فرمایا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ جو کچھ اللہ کے پاس ہے یعنی اُس کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں بہتر ہیں نیکوکاروں کے لیے ابرار کا لفظ پہلے بھی گزر چکا ہے یہ بر کی جمع ہے اور مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کی نگاہ ہمیشہ انجام پر رہتی ہے اور نیکی کرنا اُن کا شعار ہوتا ہے۔ وہ ہر چھوٹے بڑے، اعلیٰ ادنیٰ کے ساتھ نیکی کرتے ہیں۔ بڑوں کا حق ادا کرتے ہیں، اولاد اور دیگر عزیز و اقارب کے ساتھ شفقت سے پیش آتے ہیں۔ والدین کی خدمت کرتے ہیں۔ برابر والوں سے حسن سلوک کرتے ہیں۔ دوست احباب اور پڑوسیوں سے میل ملاپ رکھتے ہیں، غربا و مساکین کے ساتھ مطلوبہ سلوک روا رکھتے ہیں، غرض وہ لوگ ہر وقت اور ہر ایک کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں۔ فرمایا اللہ کے پاس جو کچھ انعامات ہیں وہ ان نیک لوگوں کے لیے بہتر اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُن کے گروہ میں شامل ہونے کا مستحق بنائے۔

درس ہفتاد و سہ ۷۳ — آیت ۱۹۹

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ:۔ اور بیشک بعض اہلِ کتاب میں سے البتہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اُس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی اور اُس چیز پر جو اُن کی طرف اتاری گئی۔ وہ اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں۔ وہ نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں کے بدلے کم قیمت یہی لوگ ہیں جن کے واسطے اُن کے پروردگار کے پاس بدلہ ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۱۹۹﴾

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا ذکر فرمایا کہ اے اہلِ ایمان! کفار کی خوشحالی وسعتِ کاروبار، اعلیٰ ذرائع آمد و رفت، اچھی خوراک اور اچھی رہائش کہیں تمہیں اس مغالطے میں نہ ڈال دے کہ یہ لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔ فرمایا یہ تو دنیا میں استعمال کے لیے انہیں تھوڑا سا سامان دیا گیا ہے۔ اور پھر مرنے کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا جو کہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ فرمایا البتہ عام متقین کے لیے اُن کے رب کے پاس بدلہ ہے۔ انہیں جنت میں داخل کیا جائیگا، وہ اللہ رب العزت سے سے اعلیٰ انعام پائیں گے، اللہ تعالیٰ اُن کی مہمانداری کریں گے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے خاص متقین کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ اہلِ کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائیں گے اُن کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے

سارے اہلِ کتاب برابر نہیں

اِسی سورۃ میں اہلِ کتاب کے متعلق پہلے بھی گزر چکا ہے "لَیْسُوْا سَوَآءً"

سارے کے سارے اہل کتاب تو ایک جیسے نہیں۔ اگرچہ ان کی اکثریت قرآن پاک، نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے دشمن ہیں تو اُن میں سے اچھے لوگ بھی ہیں جو اسلام کی حقانیت کو سمجھتے ہیں۔ وہ تعصب اور عناد کو چھوڑ کر ایمان کو قبول کر لیتے ہیں، اگرچہ وہ تعداد میں قلیل ہیں۔ ایسے سمجھدار لوگ ہر زمانے میں پائے گئے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں عبداللہ بن سلامؓ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے، مگر اللہ کی توفیق سے اسلام قبول کیا۔ اُن کے ساتھ بہت سے دوسرے لوگ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ تمیم داریؓ مشہور عیسائی تھے۔ صہیب رومیؓ کا تعلق بھی اسی مذہب سے تھا، سلمان فارسیؓ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کا پہلا دین عیسائیت تھا۔ ان سب نے اسلام قبول کیا اور مسلمانوں کی صفِ اوّل میں جگہ پائی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لَيْسُوْا سَوَآءً والی آیت میں یہودیوں کی طرف اشارہ ہے۔ کہ وہ سب برابر نہیں ہیں۔ اُن میں کچھ اچھے لوگ بھی ہیں اور اس آیت، اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ سے نصاریٰ مراد ہیں۔ یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا عبد اللّٰہ مثل عاشر عشرۃ کہ وہ عشرہ مبشرہ کی طرح ہیں۔ یعنی وہ اُن دس صحابہ کی طرح ہیں جنہیں حضور علیہ السلام نے بیک وقت جنت کی بشارت دی۔ اُن میں حضرات ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی المرتضیٰؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ، سعیدؓ، ابو عبیدہؓ، عبدالرحمٰنؓ، شامل ہیں۔ یعنی حضرت عبداللہ بن سلامؓ اِن دس صحابہ کی طرح جنتی ہیں۔ مسلم شریف اور ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ عبداللہ بن سلامؓ نے خواب دیکھا اور حضور علیہ السلام کے پاس بیان کیا، تو آپ نے فرمایا اَنْ تَمُوْتَ عَلَى الْاِيْمَانِ یعنی تمہارا خاتمہ بالایمان ہوگا۔ آپ نے یہ بشارت اسی وقت سُنا دی تھی۔

نجاشی کا قبولِ اسلام

امام نسائیؒ اور امام بیضاویؒ نے حضرت انسؓ سے روایت بیان کی ہے۔ اور امام ابن جریرؒ نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ نجران کے چالیس عیسائی ایمان قبول کر چکے تھے۔ حبشہ میں بھی بتیس خوش نصیب ایمان کی دولت سے

مالا مال ہوئے، مدینے کے یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سر فہرست تھے اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی خود ایمان لے آئے۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں۔ کہ مکہ سے ہجرت کر کے دو قافلے حبشہ پہنچے۔ پہلے قافلہ میں تو مہاجرین کی تعداد کم تھی، تاہم دوسرا اسی ۸۰ افراد پر مشتمل تھا جس میں حضرت عثمان بمع اپنی زوجہ اور حضور علیہ السلام کی دختر حضرت رقیہؓ شامل تھے۔ حضرت جعفرؓ بھی بمع اپنی زوجہ اسماءؓ کے ساتھ اسی قافلے کے ہمراہ گئے۔ فرماتے ہیں کہ نجاشی نے حضرت عثمانؓ اور حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اُسے حضور علیہ السلام کی ملاقات کا زیست بھر شوق رہا۔ مگر اُس کی یہ حسرت پوری نہ ہو سکی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک موقع پر نجاشی نے تیس ۳۰ افراد پر مشتمل ایک وفد جس میں اُس کا اپنا بیٹا بھی تھا، حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تھا۔ یہ وفد بحری سفر کے دوران سمندری طوفان کی نذر ہو گیا، کشتی ڈوب گئی اور اُن میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا۔ البتہ اس کے علاوہ ایک اور قافلہ وہاں سے مدینے آیا اور ایمان قبول کیا، اس کا ذکر ساتویں پارے کی ابتداء میں آئے گا۔

اہل کتاب کے لیے دہرا اجر

امام بغویؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ نجاشی کی وفات کے وقت وہاں پر ایک بھی مسلمان موجود نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے حضور علیہ السلام کو خبر دی کہ آج نجاشی فوت ہو گیا ہے۔ وہ صاحب ایمان تھا، لہٰذا آپ اُس کی نماز جنازہ ادا کریں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا عام اعلان فرمایا لوگ باہر عید گاہ میں نکلے، دو بڑی بڑی صفیں بنیں اور نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں۔ کہ حقیقت میں یہ جنازہ غائبانہ نہیں تھا بلکہ اللہ تعالےٰ نے مدینے اور حبشہ کے درمیان موجود تمام پردے ہٹا دیے اور نجاشی کی میت حضور علیہ السلام کو نظر آنے لگی اور اس طرح یہ جنازہ گویا حاضر میت پر ہی پڑھا گیا۔ یہ بالکل اسی طرح ہوا، جس طرح مشرکین کے بیت المقدس سے متعلق سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ نے درمیانی تمام پردے چاک کر کے بیت المقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا تھا اور آپ ہر سوال کا جواب بیت المقدس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دیتے جاتے تھے۔

نماز جنازہ غائبانہ طور پر درست ہے یا نہیں، یہ مسئلہ متنازعہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔ کہ جس مسلمان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی مسلمان موجود نہ ہو، اس کا غائبانہ جنازہ پڑھا جاسکتا ہے۔ یہ نماز فرض کفایہ ہے اور چند مسلمانوں کی طرف سے نماز جنازہ پڑھ لینا سب کو کفایت کر جاتا ہے، نجاشی کا جنازہ غائبانہ ایک تو اس وجہ سے جائز تھا کہ اُس وقت حبشہ میں کوئی مسلمان موجود نہیں تھا لہذا اس کا جنازہ پڑھنا دوسرے مسلمانوں پر ضروری ہو گیا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے۔ کہ یہ جنازہ حقیقت میں غائبانہ نہیں تھا کیونکہ نجاشی کی میت حضور علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے کر دی گئی تھی۔ بعض حضرات اسی واقعہ نجاشی سے غائبانہ جنازہ کا جواز نکالتے ہیں مگر صحیح مسلک یہی ہے۔ کہ اگر کسی مرنے والے کا جنازہ بعض آدمیوں نے پڑھ لیا تو سب کو کفایت کر گیا، اب دوبارہ غائبانہ جنازہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام بغویؒ لکھتے ہیں[1] کہ جب حضور علیہ السلام نے نجاشی کا جنازہ ادا کرنے کا اعلان فرمایا تو منافقین نے کہا، حضور! وہ جو حبشی غلام ہیں کیا ہم اُن کی نماز جنازہ پڑھیں، فرمایا، وہ مومن تھا اور ایمان لا کر اعلیٰ مقام حاصل کر چکا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کرام بیان کرتے تھے کہ کافی عرصہ تک نجاشی کی قبر پر نور برستا دکھائی دیتا رہا۔ فرماتے ہیں کہ نجاشی کا جنازہ پڑھنے پر بعض منافقین نے اعتراض کیا کہ دیکھو! مسلمان کن لوگوں کے جنازے پڑھ رہے ہیں، ہیں مگر بعض خالص مسلمانوں کو بھی تردد تھا، تو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خبر دیکر واضح کر دیا کہ نجاشی ایمان قبول کر کے مومن ہو چکا تھا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت زیر درس اسی موقع پر نازل ہوئی تھی۔

فرمایا وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ اور اس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ اور جو اُن کی طرف اتاری گئی۔

کچھ اہل کتاب ایسے ہیں کہ جو تورات اور انجیل پر بھی ایمان رکھتے تھے اور جب

[1] معالم التنزیل صـ۲۰۶ ج ۱ (فیاض)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کا نزول فرمایا تو اس پر بھی ایمان لے آئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ تین آدمی ایسے ہیں جو دوہرے اجر کے مستحق ہیں۔ پہلا شخص وہ مسلمان غلام ہے جو اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہے، اس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اور پھر اپنے دُنیوی آقا کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ اس کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، فرمایا اس کے لیے اللہ کے ہاں دوہرا اجر ہے۔ اس اجر کا حقدار دوسرا وہ شخص ہے جو اپنی لونڈی کی اچھی تربیت کرتا ہے، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیتا ہے اور تیسرا وہ شخص بھی دوہرے اجر کا مستحق ہے جو پہلے کسی دوسرے نبی اور دوسری کتاب پر ایمان رکھتا ہے اور پھر حضور علیہ السلام کا زمانہ پاکر آپ پر اور قرآنِ پاک پر ایمان لے آتا ہے۔ آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی دو صفات بھی بیان فرمائی ہیں۔ اور پھر اُن کے اجر کا تذکرہ کیا ہے۔

قریبی دور کے نومسلم

اس قسم کے لوگ ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں۔ بعض انصاف پسند لوگوں کو ہمیشہ دوہرا اجر حاصل ہوتا رہا ہے۔ ہمارے قریبی زمانہ انیسویں اور بیسویں صدی میں ایسے کئی خوش نصیب ہمارے سامنے ہیں۔ ڈاکٹر اقبالؒ کے جدِ امجد برہمن تھے، اللہ نے ایمان نصیب فرمایا۔ مولانا احمد علیؒ لاہوری کے والد اولاً ہندو تھے، زرگری کا کام کرتے تھے، اللہ نے ایمان بخشا۔ اسی طرح مولانا عبید اللہ سندھیؒ سکھ تھے، وہ خود ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے اور اعلیٰ مقام پایا۔ یہاں آپ کے ضلع میں پروفیسر محبوب الٰہی سکھ مذہب رکھتے تھے، اللہ نے ایمان بخشا۔ اسلامیہ ہائی سکول کے ٹیچر ابراہیم صاحب کے والد اور مولانا احمد علیؒ کے والد اکٹھے مسلمان ہوئے۔ اسیرانِ مالٹا میں سے واحد زندہ شخصیت مولانا عزیر گل کی بیوی انگریز تھی، وہ بھی ایمان لائی اور تیس سال تک آپ کے عقد میں رہی۔ ابھی چند سال پہلے فوت ہوئی ہے۔ بڑی عبادت گزار خاتون تھیں۔ تحفۃ الہند کے مصنف ہندو تھے۔ پٹیالے کے رہنے والے تھے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ کی جماعت کے آدمیوں سے متاثر ہو کر ایمان لائے۔ آپ نے اسلام کے حقائق اور شرک کی تردید میں بڑی اچھی کتاب لکھی ہے۔

اب بھی ایک آدمی زندہ ہے جو یہودی تھا اور ترکوں کے دور کے آخری حصے میں مسلمان ہوا۔ اُس وقت مصر، اردن اور شام کا مدینے کے ساتھ رابطہ بذریعہ ریل قائم تھا۔ اردن میں تو اب بھی یہ ریل چلتی ہے مگر سعودی عرب والا حصہ جنگ عظیم میں ایسا تباہ ہوا جو آج تک بحال نہیں ہو سکا۔ بہرحال اس جرمن یہودی کا پہلا نام لیوپولڈ تھا مسلمان ہو کر محمد اسد کہلایا۔ اس شخص نے مطالعہ اسلام کے لیے مصر سے بذریعہ ریل سفر کا آغاز کیا۔ گاڑی میں فلسطین کے کچھ مسلمان بدو بھی ہم سفر تھے۔ دوران سفر ایک بدو کسی سٹیشن پر اترا اور کھانے کے لیے دو روٹیاں لے آیا۔ اُس نے کھانے میں شرکت کے لیے لیوپولڈ کو بھی دعوت دی اور کہا بِسْمِ اللّٰہِ علیٰ برکۃ اللّٰہ تناول فرمائیں۔ اُس نے معذرت چاہی مگر اُس بدو نے اصرار کیا کہ ہم مسلمانوں کا یہی طریقہ ہے۔ کہ ہم ساتھیوں کو بھی کھانے کی دعوت دیتے ہیں، وہ شخص اس پیش کش سے بہت متاثر ہوا۔

اُس شخص نے بدو کے سامنے اسلام پر یہ اعتراض پیش کیا۔ کہ تمہارے بقول اسلام ایک عالمگیر اور منصفانہ دین ہے مگر اس کا یہ قانون عجیب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک مسلمان آدمی اہل کتاب عورت سے تو شادی کر سکتا ہے مگر ایک مسلمان عورت کسی یہودی یا عیسائی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ وہ بدو باشعور تھا، فوراً معاملے کی تہ تک پہنچ گیا اور اعتراض کی وضاحت یوں کی کہ مسلمان حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت تمام انبیائے کرام پر ایمان رکھتے ہیں لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ اور ان کی اسی طرح تکریم کرتے ہیں جس طرح نبی آخرالزمان علیہ السلام کی کرتے ہیں۔ اگر کوئی یہودی یا عیسائی عورت مسلمان کے گھر میں آجاتی ہے، تو وہ اس گھر میں اپنے نبی اور اس کی کتاب کے متعلق کوئی تکلیف دہ بات نہیں سُنے گی بلکہ اپنے نبی کا عزت و احترام دیکھے گی۔ برخلاف اس کے اگر مسلمان عورت کسی یہودی یا عیسائی کے گھر داخل ہوگی، تو وہ اپنے نبی آخرالزماں علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کو محفوظ نہیں پائے گی۔ جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ ذہنی کوفت میں مبتلا رہے گی۔ لہٰذا اسلام نے کسی مسلمان عورت کو غیر مسلم سے نکاح کی اجازت نہیں دی۔ اس بات نے بھی لیوپولڈ پر اثر کیا۔ اور

اللہ تعالیٰ نے اُس کا دِل ایمان کے لیئے کھول دیا۔ اس شخص نے اسلام کی تائید میں بڑی اچھی کتابیں لکھی ہیں جن میں ROAD TO MAKKAH (شاہراہِ مکہ) بڑی اچھی کوشش ہے، اور ISLAM at THE CROSS ROAD (اسلام چورستے پر) بھی اعلیٰ کتاب ہے۔ یہ شخص مسلمانوں کی زبوں حالی کا بڑا شاکی ہے۔

مارماڈیوک بھی عیسائی تھا۔ ترکی میں جاسوسی کرنے کی غرض سے گیا۔ اُس دَور کے شیخ الاسلام کی مجالس میں شمولیت اختیار کی جس کا اثر یہ ہُوا کہ عیسائیت چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گیا۔ ضلع جہلم میں پروفیسر غازی احمد آج بھی زندہ سلامت موجود ہے جس نے خود اسلام قبول کیا۔ اُس کا باپ کٹر ہندو تھا۔ اسلام قبول کر کے بڑے مصائب کا شکار ہُوا۔ والدین کی طرف سے سختیاں جھیلیں اور آخر کار دِل پر پتھر رکھ کر ہمیشہ کے لیے اُن سے علیحدہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے علم جیسی نعمت عطا کی، اُس نے ہدایہ کا اُردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں شاہی خاندان کے فرد کویلم نے اسلام قبول کیا۔ اس نے قبول اسلام کا واقعہ خود لکھا ہے جسے طنطاوی جوہریؒ نے تفسیر الجواہر میں نقل کیا ہے۔ کویلم تبدیلی آب و ہوا کے لیئے الجزائر گیا، وہاں پر مسلمانوں کے وضوء کے طریقے سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ خود بیرسٹر تھا۔ اس کے ساتھ خاندان کے مزید چالیس افراد نے ایمان قبول کیا۔ انگریزوں نے اُس پر عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ اُس نے اپنے مقدمہ کی خود پیروی کی اور انگریز نامراد رہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام غیر مسلم ایک سے نہیں ہوتے بلکہ اُن میں بعض منصف مزاج بھی ہوتے ہیں۔ جو حق کو قبول کر لیتے ہیں اور ایسے لوگ ہر دور میں پائے گئے ہیں۔

خشیتِ الٰہی

آگے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہوتے ہیں۔ خشیتِ الٰہی یا اخبات للہ اسلام کے چار اہم اصولوں میں سے ایک ہے۔ اور ہر اہل ایمان کے لیئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اس امت سے جو چیز سب سے پہلے اٹھے گی وہ

اخبات ہے۔ فرمایا مسجد نمازیوں سے بھری ہو گی مگر پانچ سو آدمیوں میں سے لَا تَرٰی فِیْہِ خَاشِعًا ایک بھی صاحب خشوع و خضوع نظر نہیں آئے گا، اخبات کا اس قدر قحط واقع ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنا جزوِ ایمان ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کریگا، وہ اپنے گردو پیش والوں کے ساتھ بھی تواضع سے پیش آئیگا۔ وہ کسی بات پر اکڑ نہیں دکھائے گا حضور علیہ السلام نے فرمایا لا یبغی بعضکم علی بعض تم ایک دوسرے کے ساتھ فخر و غرور کے ساتھ مت پیش آؤ، ہمیشہ انکساری اختیار کرو۔

فرمایا ایسے لوگوں کی دوسری صفت یہ ہے لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیْلًا وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے دنیا کا حقیر مال نہیں خریدتے۔ گذشتہ دروس میں کئی مقامات پر آچکا ہے۔ کہ اہل کتاب اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے تھے۔ یہاں فرمایا کہ بعض اچھے ہیں جو ایسا نہیں کرتے۔ یہ بہت بڑی بیماری ہے، جو اہل کتاب سے مسلمانوں میں بھی آگئی ہے دھوکے فریب کی کمائی اسی قبیل سے ہے۔ غلط مسائل بتا کر اس کی فیس وصول کی جاتی ہے۔ یہ اللہ کی آیتوں کو بیچنے کے مترادف ہے۔

حساب میں جلدی

فرمایا اُولٰٓئِکَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ایسے لوگوں کا اپنے پروردگار کے ہاں بہتر اجر ہے۔ بلکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ دوہرا اجر عطا فرمائیں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے قیامت قریب ہے اور ہر شخص کا حساب جلدی شروع ہونیوالا ہے۔ لہٰذا اُسے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ حساب جلدی لینے والا ہے۔ تو اُس کا اجر بھی جلدی عطا کریگا۔ اس میں کسی قسم کی دیر نہیں ہو گی۔ اچھا یا برا بدلہ جس کا کوئی شخص حقدار ہو گا۔ فوراً پا لے گا۔

درس ہفتاد و چہار ۷۴ | آیت ۲۰۰

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا قف وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾ ع ۲۰ / ۱۱

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلے میں مضبوط رہو۔ اور لگے رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاجاؤ (۲۰۰)

خلاصہ سورۃ پانچ اصول

سورۃ آلِ عمران کی یہ آخری آیت ہے۔ یہ لمبی اور عظیم سورتوں میں سے ہے۔ سورۃ کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے خطاب کر کے اس سورۃ کے خلاصہ کے طور پر پانچ اصول بیان فرمادیے ہیں اور اس کے بعد چھٹی بات مومنوں کے لیے فلاح و کامیابی کا مژدہ ہے آج کی یہ آخری آیت پوری سورۃ کا لب لباب اور ایک جامع نصیحت پر مشتمل ہے۔ دوسرے لفظوں میں پوری سورۃ آلِ عمران اس آخری آیت میں مذکورہ پانچ اصولوں کی تشریح ہے۔

پہلا اصول ایمان

ارشاد ہوتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! اس آیت میں خطاب ہی ایمان والوں سے ہے۔ انسان کے لیے سب سے اہم مطلوبہ چیز ایمان ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایمان والوں سے خطاب بھی ہے اور ایک اہم اصول بھی ہے۔ انسان کی سعادت، فلاح، نجات، اور دنیا و آخرت میں کامیابی ایمان پر ہی موقوف ہے۔ اس سورۃ کی ابتدا سے اختتام تک ایمان ہی کی بات سمجھائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بیس سے زیادہ مقامات پر شرک کی تردید فرمائی ہے اور واضح کر دیا ہے۔ کہ جس طرح اللہ کی ذات میں کوئی شریک نہیں اسی طرح علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں، علیم کل بھی وہی ہے اور عالم الغیب بھی وہ خود ہی ہے۔ کہیں مغالطے میں پڑ کر شرک نہ کر بیٹھنا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بالوضاحت فرما دیا ہے کہ ہر قسم کی عبادت بدنی ہو

یا مالی صرف اُسی کی ذات کے لیے ہے۔ عبادت میں بھی اُس کا کوئی شریک نہیں تمام کائنات کا تصرف اور اختیار بھی اللہ جل جلالہ کے پاس ہے۔ اس میں بھی اُس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ تمام چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں، ان باتوں میں ذرا سی لغزش مشرک بن جانے کے لیے کافی ہے۔

نذر و نیاز بھی اللہ کے سوا کسی کے لیے روا نہیں۔ اسی سورۃ میں حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی نذر کا ذکر آچکا ہے رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا "اے مولا کریم! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے وہ تیری رضا کی خاطر وقف کرنے کی نذر مانتی ہوں۔ گویا نذر و نیاز بھی صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے ہونی چاہیئے۔ غیر اللہ کے تقرب کی نذر کفر تک پہنچا دے گی، اور یہ چیز ایمان کے منافی ہوگی۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اُن تمام اُمور کی نشاندہی فرما دی ہے، جو ایمان میں خلل کا باعث بن سکتے ہیں۔ شرک کی مختلف صورتوں کو بھی واضح کر دیا ہے۔ غرض! ایمان تمام اصولوں کا بنیادی اصول ہے، اور اس کے بعد چار دیگر اصول بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

دوسرا اصول
صبر

فرمایا اے ایمان والو! اِصْبِرُوْا صبر کرو۔ اس سورۃ میں کتنے ہی مقامات پر اہل ایمان کی تکالیف اور ایذا رسانیوں کا تذکرہ بیان ہوا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے ہر مقام پر صبر کی تلقین کی ہے۔ تکالیف کو برداشت کرنے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اللہ کے سچے انبیاء حضرات موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، زکریا علیہ السلام اور پھر آخر میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر تکالیف برداشت کیں اور اُن پر صبر و تحمل کا کیسا نمونہ پیش کیا۔ اس سورۃ میں غزوہ احد کی بہت سی تفصیلات بیان ہوئی ہیں جن سے مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اور پھر یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں صحابہ کرامؓ اور خود حضور علیہ السلام نے صبر کا کتنا بڑا معیار قائم کیا۔ سورۃ کے مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا ہے وَاِنْ تَصْبِرُوْا یعنی اگر صبر کرو گے، تو کامیابی حاصل کر لو گے، سورۃ بقرہ میں بھی صبر کا اصول اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے ایک ملت ابراہیمی

کا ایک اہم اصول ہے یہاں بھی صبر کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا
"یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ" اے ایمان والو صبر
اور نماز کے ساتھ استعانت پکڑو۔ اطاعت کے لیے صبر بہت ضروری ہے
نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسی اطاعتیں صبر کے بغیر ممکن نہیں، لہذا صبر بہت ضروری
اصول ہے۔

صبر کا لغوی معنی روکنا یا ضبط کرنا ہے، لہذا صبر کی ایک دوسری صورت نفس انسانی
کو خواہشات سے روکنا ہے۔ نفس ہمیشہ خواہشات کے پیچھے چلتا ہے۔ اور اس
کو ڈسپلن کا پابند بنانا بھی صبر ہی کی ایک قسم ہے۔ صبر کی ایک قسم یہ ہے۔ کہ انسان پر دین
کے سلسلہ میں جس قدر مشکلات آئیں، اُن کو برداشت کرے۔ گویا صبر انسانی زندگی کے
ہر موڑ پر کام آنے والا اصول ہے۔ کوئی نقصان ہو جائے، جان چلی جائے، مقدمہ پیش
آجائے، ہنگامہ ہو جائے، جنگ چھڑ جائے ہر معاملے میں صبر کی ضرورت پیش آتی
ہے اور اس کے بغیر انسان کی کامیابی ممکن نہیں ہے۔

تیسرا اصول
تلقینِ صبر

اللہ تعالیٰ نے تیسرا اصول فرمایا وَصَابِرُوْا اور مقابلے میں مضبوط رہو۔
پہلے فرمایا تھا ہر تکلیف پر خود صبر کرو، اب فرمایا، اور مقابلہ میں مضبوط رہو۔ اس کے علاوہ بھی
قرآن کریم میں متعدد مقامات پر دوسروں کو صبر کی تلقین کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ کہ
۔ انہیں ترغیب دو کہ وہ مشکلات پر صبر کے ذریعے قابو پائیں سورۃ بلد میں
فرمایا "وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَۃِ" یعنی اُن لوگوں میں ہو
جاؤ جو ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی تلقین کرتے ہیں سورۃ العصر میں بھی ایسا ہی آتا ہے
"وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" یعنی خسارے سے محفوظ وہ لوگ ہیں جنہوں نے
نے ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کی۔ گویا ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ
اور تواصی بالصبر بھی ضروری ہے۔ حق اور صبر کی تلقین ایک جیسی ضروری ہیں۔ صابروا
میں یہ بات بھی آگئی کہ خود بھی ایمان پر قائم رہو اور دوسروں کو بھی قائم رہنے کی تلقین
کرتے رہو۔ غرضیکہ ایک اصول خود صبر کرنا ہے اور دوسرا اصول تواصی بالصبر ہے

چوتھا اصول

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چوتھے اصول کے متعلق فرمایا وَرَابِطُوْا

نیکی اور اطاعت کے کاموں میں لگے رہو۔ رابطہ دراصل دشمن کی سرحد پر گھوڑے باندھنے کو کہتے ہیں۔ جہاں دو ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں وہاں سرحدوں کی حفاظت کے لیے ہمہ وقت مستعد رہنا بھی انہی معانی میں آتا ہے۔ اسلامی ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنے اور وہاں پہ پہرہ دینے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ کہیں دشمن حملہ کر کے اسلام کے پروگرام میں خلل اندازی نہ کرے۔ لہٰذا سرحدوں کی حفاظت اہل اسلام کے لیے فرض ہو جاتی ہے حدیث شریف میں آتا ہے رباط یوم خیر من صیام شهر وقیامه (مسند احمد) یعنی سرحد پہ ایک رات پہرہ دینا مہینہ بھر کی نفلی عبادت سے افضل ہے۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا۔ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ایک ہزار مہینوں کی نفلی عبادت سے افضل ہے اور جو شخص سرحدوں کی حفاظت کے دوران فوت ہو گیا، تو اس کا یہ عمل قیامت تک کے لیے لکھا جائے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے۔ کہ ایسا شخص قبر کے فتنے سے مامون رہے گا۔

رباط کی دو صورتیں ہیں، ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری رباط کا بیان تو ہو چکا۔ باطنی رباط یہ ہے کہ انسان شیطان کے مقابلے میں مستعد ہو جائے۔ اور اُسے خلل اندازی نہ کرنے دے۔ جس طرح ظاہری دشمن کے مقابلے میں سرحدوں کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح باطنی دشمن شیطان کا مقابلہ کرنا بھی ضروری ہے تاکہ وہ وسوسہ اندازی نہ کر سکے۔ انسان جب تک نیکی میں لگا رہے گا شیطان دخل نہیں دے سکیگا جب آدمی غافل ہو جاتا ہے تو شیطان کو وسوسہ اندازی کا موقع مل جاتا ہے۔ لہٰذا شیطان کے مقابلے میں باطنی رباط بھی ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے۔ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا اِلَى الْمَسٰجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ آپ نے صحابہ کرامؓ کو فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ

خطاؤں کو مٹاتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا، حضور! کیوں نہیں۔ فرمایا تکلیف برداشت کر کے کامل وضو بنانا، مسجد کی طرف کثرت سے قدم اٹھانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ تمہارا رباط ہے۔ یہ بات آپ نے تین دفعہ فرمائی۔

پانچواں اصول تقویٰ

آگے فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰہَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، یعنی تقویٰ اختیار کرو۔ اور یہ بھی اہم اصول ہے۔ تقویٰ کا معنیٰ اللہ تعالیٰ سے ڈر جانا، برائیوں سے بچ جانا اور اللہ کی حدود کو قائم کرنا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب الطاف القدس میں فرماتے ہیں "تقویٰ محافظت است بر حدودِ شرع" یعنی شریعت کی حدود کی حفاظت کرنا تقویٰ کہلاتا ہے۔ اور تقویٰ میں عدل اور احسان اور شعائر اللہ کی تعظیم بھی شامل ہے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے غنیۃ الطالبین میں تقویٰ کی تشریح کرنے کے بعد یہ آیت نقل کی ہے "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ" گویا تقویٰ میں عدل قائم کرنا، لوگوں کے ساتھ احسان کرنا، سرکشی بے حیائی اور بری باتوں سے بچ جانا بھی شامل ہے۔ تقویٰ کا لفظی معنیٰ ڈر اور بچاؤ ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے بچ جاتا ہے وہ تقویٰ کو پا لیتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں جگہ جگہ تقویٰ کی تعلیم دی گئی ہے۔ الغرض! یہ پانچواں اصول ہے جو اس سورۃ میں بیان ہوا ہے۔

فرمایا خود صبر کرو، دوسروں کو صبر کی تلقین کرو، نیکی اور اطاعت کے کاموں میں لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ منزلِ مراد کو پا لو گے۔

حضور علیہ السلام نے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کی بڑی فضیلت بیان کی ہے فرمایا قیامت کے دن یہ دونوں سورتیں خیموں کی شکل میں آئیں گی، ان کے درمیان چمک ہو گی اور وہ اپنے پڑھنے والوں، عمل کرنے والوں اور ایمان رکھنے والوں پر سایہ فگن ہوں گی اور بندے کے حق میں سفارش کریں گی۔ ان سورتوں کو زہراوین

یعنی دو روشن سورتیں کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لمبی سورتوں میں بہت سے حقائق، معارف، بنیادی اصول اور مسائل بیان فرمائے ہیں۔ دارمی شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص جمعے کے دن سورۃ آلِ عمران کی تلاوت کریگا، اُس کے لیے فرشتے سارا دن دعائیں کرتے رہیں گے۔ حتیٰ اکہ سورج غروب ہو جائے۔

واللہ اعلم بالصواب۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ وازواجہ واتباعہ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔ والحمد للہ رب العلمین۔

مباحث کتاب الایمان مع تسہیل و توضیح

مقدمہ صحیح مسلم

مصنف

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

صحیح مسلم شریف، علم حدیث میں تین اہم ترین کتابوں میں ایک ہے اور صحیح بخاری کی طرح تمام صحیح اور حسان روایات پر مشتمل ہے۔ قرن سوم سے آج تک متداول و معمول بہ ہے۔ اس میں "کتاب الایمان" کا ایک طویل اور اہم باب ہے جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے درج کیا ہے۔ اس میں ایمانیات کے جملہ مسائل کا ذکر ہے اور بعض مباحث اس کے نہایت اہم اور وقیع ہیں۔ ان مباحث کی توجیہہ و تعبیر درسیات کی تعلیم کے طریق پر اس رسالہ میں بیان کی گئی ہے جن کو سمجھنے سے ایمان کے جملہ مسائل نہایت ہی عمدہ طریق پر دل نشین ہو جاتے ہیں۔ اختلاف و مشکلات وغیرہ بخوبی حل ہو جاتے ہیں۔
نیز مقدمہ میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے علم اصول حدیث کے ایسے اہم ترین مباحث ذکر کیے ہیں جو عام فن حدیث میں بہت کار آمد ہیں۔ خصوصاً مسلم شریف کی احادیث میں بے حد مفید و نفع بخش ہیں۔ مقدمہ اپنی عبارت کے اعتبار سے مشکل بھی ہے اس لیے اس کی تسہیل و توضیح مختصر طریق پر اور بہترین انداز میں کی گئی ہے علم حدیث کے طلب گاروں کے لیے بہت نافع ہوگی اور اس کے پڑھنے سے بہت سے لوگوں کو فائدہ ہو گا۔ عمدہ کتابت و طباعت ۱۲۰ صفحات پر مشتمل طبع دوم کی قیمت ۳۵ روپے ہے۔

ملنے کا پتہ { مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قرآن مجید مترجم

ترجمہ

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

بانی مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

قرآن مجید کے صحیح ترجموں میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیو بندیؒ ۔ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ۔ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تراجم مشہور اور مقبول ہیں۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے بھی موجودہ دور کے مطابق جدید اردو زبان میں یہ ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے حضرت صوفی صاحب مدظلہ کی تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی بیس جلدوں میں بھی شائع ہوچکا ہے اور حال ہی میں عمدہ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۷۰۴ صفحات پر مشتمل شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔

قیمت ۲۵۰ روپے۔

ناشر مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

حدیث کی مشہور ترین کتاب مسند امام احمد بن حنبلؒ کی تشریح

دروس الحدیث

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ

مرتب

الحاج لعل دین ' ایم اے

مسند احمد کی منتخب احادیث کی مایہ ناز شرح اردو زبان میں پہلی مرتبہ چار جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے ان میں ہر موضوع پر احادیث رسول ﷺ کو سمجھنے کے لیے گراں قدر علمی ذخیرہ ہے' خصوصاً" درس دینے والے اصحاب کے لیے تو یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے احادیث کے ضمن میں مسائل و احکام کی توضیح عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ہونے کی وجہ سے معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی اس سے مکمل فائدہ حاصل کر سکتا ہے ۔ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۔ جلد اول صفحات ۳۳۲ قیمت ۷۵ روپے ' جلد دوم صفحات ۴۰۸ قیمت ۹۰ روپے' جلد سوم صفحات ۳۹۲ قیمت ۹۰ روپے' جلد چہارم صفحات ۳۹۲ قیمت ۹۰ روپے ۔

ناشر: مکتبہ دروس القرآن' فاروق گنج گوجرانوالہ

معالم العرفان فی دروس القرآن

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن محبان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ (مکتبہ دروس القرآن)

محمد منیر صاحب Ph:221943

مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ